انوارِ انوری

تذکرہ و علمی کمالات

خاتم المحدثین امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف

قطب الاقطاب عالم ربانی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

خادم خاص و خلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ ارشد و خلیفہ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل و حواشی

محمد راشد انوری نبیرہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ

ابو حذیفہ عمران فاروق

أنوارِ انوری

تذکرہ وعلمی کمالات

خاتم المحدثین امام العصر

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف

قطب الاقطاب عالم ربانی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

خادم خاص وخلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ ارشد وخلیفہ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

وخلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل وحواشی

محمد راشد انوری نبیرہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ

ابوحذیفہ عمران فاروق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

قانونی مشیر

منظور احمد راجپوت ایڈووکیٹ ہائیکورٹ کراچی

نام کتاب ...... انوارِانوری

مؤلف ...... حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت جدید ...... رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مئی 2019ء

ناشر ...... محمد راشد انوری

قیمت ......

ملنے کے پتے

کراچی: محمد راشد انوری

+92 300 2421646

فیصل آباد: مجلس رائے پوری، مدینہ ٹاؤن

+92 321 7603507

ڈھڈیاں شریف: خانقاہ گلشن قادریہ نزد جھاوریاں

ضلع سرگودھا، پنجاب۔ پاکستان

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور علمی کمالات پر مشتمل کتاب ''انوارِ انوری'' جو میرے دادا جان حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمائی جو 30 جنوری 1968ء بمطابق ۲۹ شوال ۱۳۸۷ھ کو شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ علوم و معارف بیان کئے گئے ہیں جو دیگر کتب میں نہیں آسکے۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ جو قلمی تھا حوادثات زمانہ کی نذر ہو گیا۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ عرصہ دراز کے بعد والد صاحب حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے 2003ء میں جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی سے شائع ہوئی۔ لیکن اس کمپوز شدہ ایڈیشن میں اغلاط موجود ہیں۔ ایک عرصہ سے ڈاکٹر عمران فاروق صاحب کا تقاضہ تھا کہ اس پر حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری سے حاشیہ لکھوا کر شائع کیا جائے تو کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو جائے گا مگر مختلف عوارض کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ 2017ء میں حضرت دادا جان کی سوانح ''حیاتِ انوری'' جو حضرت کے انتقال کے 48 سال بعد میری تحریک پر ڈاکٹر عمران فاروق صاحب نے تالیف کی اور پھر حضرت دادا جان کی تصانیف کا مجموعہ کلیاتِ انوری بھی مرتب کیا جو 2018ء میں شائع ہوا۔ جب یہ دونوں کتب لے کر جید علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو اکثر حضرات نے انوارِ انوری کے بارے میں دریافت کیا جس سے اس کتاب کی افادیت و مقبولیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حیات انوری کی طباعت سے قبل بغرض تقریظ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے انوارِ انوری کے بارے میں

دریافت فرمایا اور اپنی تقریظ میں یہ تحریر فرمایا ''(حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب انوارِ انوری حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات پر بیش قیمت تالیف ہے، جس سے بندہ نے خوب استفادہ کیا''۔

اب جدید کمپوزنگ کے ساتھ یہ کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس ایڈیشن میں قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارات پر اعراب اور ترجمہ اور تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔ فارسی اشعار وعبارات کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے اور مشکل الفاظ کی تسہیل بھی کر دی گئی ہے۔ جب حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ نے انوارِ انوری تالیف کی تھی اُس وقت جو حضرات حیات تھے اب ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لگا دیا گیا ہے۔

عربی اور فارسی کے تراجم مفتی عبد القدوس صاحب (استاد سائٹ بنوریہ کراچی) نے کیے ہیں، تخریج حدیث کا کام مولانا یوسف حسین صاحب (متخرج دارالعوم کراچی) نے سرانجام دیا ہے۔ مشکل الفاظ کی تسہیل، عنوانات، کتاب میں ذکر کردہ شخصیات کے مختصر حالات ڈاکٹر عمران فاروق صاحب نے جمع کئے۔ پروف ریڈنگ مولانا اعجاز اشرف صاحب، مفتی عبد القدوس صاحب اور ڈاکٹر عمران فاروق صاحب نے کی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نوٹ: کتاب میں جن شخصیات کا تذکرہ آیا ہے ان کے حالات حاشیہ میں لکھنے کی بجائے ہر شخصیت پر نمبر لگا کر متعلقہ شخصیت کے مختصر حالات کتاب کے آخر میں لگا دیئے گئے ہیں۔

تصحیح کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے پھر بھی کسی قسم کی غلطی پائی جائے تو احباب مطلع فرمائیں۔

محمد راشد انوریؔ

نبیرہ حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

فہرست

ابتدائیہ از مؤلف	13
امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب ؒ کا شجرۂ نسب	14
اکابرِ علماء کرام کے آراء گرامی بابت امام العصر مولانا انور شاہ صاحب ؒ	15
بہاولپور میں حضرت شاہ صاحب ؒ کی تشریف آوری اور پُر شوکت مجلس	16
حضرت شیخ الہند ؒ کی مجلس کا عجب رنگ	18
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ کا تذکرہ	19
حضرت مولانا محمد انوری ؒ کے نام مولانا انظر شاہ صاحب ؒ کا خط	20
حضرت شاہ صاحب ؒ کا فارسی کلام	22
مولانا مفتی کفایت اللہ ؒ کی کتاب روض الریاحین کا تذکرہ	30
حضرت مفتی صاحب ؒ کا حضرت شاہ صاحب ؒ کے بارے میں مدحیہ کلام	30
مدرسہ امینیہ دہلی کا ابتدائی حال	32
حضرت شاہ صاحب ؒ کا سلسلہ طریقت وارشاد	32
حضرت شاہ صاحب ؒ کا مدینہ منورہ میں درسِ حدیث	33
حضرت شاہ صاحب ؒ کا دارالعلوم دیوبند میں استاد کی حیثیت سے تقرر	34
حضرت شاہ صاحب ؒ کی سند بابت مفسر علامہ آلوسی ؒ	34
حضرت شاہ صاحب ؒ کا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارتی خطبہ	34
علامہ جامی ؒ کا قصیدہ	36
بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ	39
فریضہ تبلیغ توحید ورسالت	39
نصاریٰ کے ہاں تبلیغ نہیں ہے	40
اناجیل حضرت عیسیٰ ؑ کے بہت بعد کی تالیف ہیں	41

روح اور مادہ کا عجب تذکرہ	42
اشیاء عالم اور مسئلہ ممکنات	44
قدیم بالذات کا تذکرہ	44
فاعل اور چار چیزیں	46
زمان ومکان کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار	46
کائنات کی کتاب ایک ورق ہے	48
کون ومکان پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار	48
خدمت دین کا فریضہ علماء حق کا منصب ہے	49
تبلیغ اسلام کے زرّین اصول	50
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ مدینہ کے درمیان معاہدہ	51
قتلِ مسلم کی سزا اور دار الاسلام اور غیر دار الاسلام کا فرق	52
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ ضرب المثل تھا	53
صاحبِ نبراس حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرماتے تھے	54
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۲ سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا حوالہ پیش کرنا (اس کتاب کا نام فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لمولانا بحر العلوم)	55
قادیانیوں کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عربی میں مناظرے کا چیلنج اور فرار	56
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت	57
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دو سال کی عمر میں ایک مناظرے کا ذکر کرنا	58
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت	58
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مسئلہ کا سنانا	59
کشمیر تشریف لے جاتے ہوئے ایک پادری سے گفتگو	60
مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا اعتراف	61
شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے معترف تھے	62

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا ہے	62
مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق	65
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ دیکھ کر ایک ہندو کا قبول اسلام	65
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زمخشری	66
حدیث القاتل والمقتول فی النار اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح	66
مقدمہ بہاولپور کے احوال	69
عذاب قبر کا منکر کافر ہے	70
مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں کا تذکرہ	72
دین اسلام متواتر ہے، اس کا مطلب	73
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول احادیث متواترہ سے ثابت ہے	74
تواتر کی چار قسمیں ہیں	76
مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین میں انبیاء کی توہین کی ہے	77
ضروریات دین کا منکر کافر ہے	78
جامع الفصولین ابن حزم کی کتاب الفصل قاضی عیاض کی شرح شفاء اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الصارم المسلول کے حوالے	78
قبر میں خاتم النبیین کے بارے میں سوال ہوگا، تاریخ ابن عساکر کا حوالہ	80
امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج کا تذکرہ	80
تکفیرِ روافض میں اختلاف ہے، راجح تکفیر ہے	83
معتزلہ کا ردّ	84
کفار کے اعمال بھی دنیا میں مفید ہو سکتے ہیں	85
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الطاف کریمانہ	87
''فصل الخطاب'' کا تذکرہ اور جواب	87
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیعت فرما کر ذکر چشتیہ تلقین فرمانا	88

بچوں کے لئے تعویذ	88
مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر	89
مُغنی ابن قُدّامہ مطبوعہ اور مخطوطہ میں فرق ہے	90
فلپائن کے شیخ الاسلام کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر ہونا	92
فصاحت و بلاغت کے نمونے	93
ابن سینا اور مسئلہ روح	95
فصل الخطاب کی عبارت کا مطلب	96
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس اور ظرافتیں	99
ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ	99
حدیث ''انما الاعمال'' کی عجیب وغریب تشریح	100
لفظ مسیح کی تشریح	101
فتاویٰ عالمگیری کا تذکرہ	101
عاشورہ کی تاریخ کی تحقیق	101
عالم کی بقاء یاد الٰہی پر منحصر ہے	120
حیات الانبیاء فی القبور	121
ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق	123
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی کی عملی شکل	132
بندوق کا شکار	135
علم الفرائض پر ایک طویل نظم	136
موانع ارث	137
نماز کے لئے رغبت	137
اختلاف میں اتحاد ہے	138
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علمی	138

وحدت دعوت انبیاء	142
تعظیم مفرط پر نکیر	143
لفظ قدر کی تحقیق	145
روئیت انبیاء مشاہدہ ہے	145
ایام قیام قبا کی تحقیق	147
فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قطعی ہے	148
قرأت خلف الامام منع ہے	148
توسل قولی و فعلی	149
فقہاء سبعہ مدینہ	149
لفظ دُدن کی ادبی تحقیق	150
اعجاز قرآنی	152
مقصد قرآنی کی تشریح	153
قرآنی حقائق	153
کچھ ابتدائی دور سے متعلق	154
تذکرہ مولانا نیموی رحمۃ اللہ علیہ	155
تقویٰ کا معانی	155
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بزرگوں سے تعلقات	156
حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت محاکمہ دی	157
قرآن کریم میں تنسیخ آیات	160
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی میں بیش بہا نظم	163
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کے خطوط	167
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال قصیدہ	168
امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا تعزیت نامہ	170

قرآن کا معجزہ	171
حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فوقیت	174
تفسیر آیت سورۃ مزمّل	176
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان واپسی	179
بقاعی کی کتاب ''السلک الدر'' کا تذکرہ	180
مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کی تفسیر دجل والحاد کی ہے	181
حضرت شیخ الہند کی وفات پر مجمع العلماء اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اور دو قصیدے	183
مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ	185
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں تقریر اور دُعا فرمائی	193
بیعت اور تلقین ذکر جہر و اَوراد	195
''مبسوط'' کا تذکرہ	195
بہاولپور کے مقدمہ کا کچھ حال	196
عید مسلم اور علامہ جوھر طنطاوی کا تذکرہ	198
عید الٰہی	201
مسئلہ استواء علی العرش کی مقامی توجیہہ	202
ایک حدیثی نکتہ	203
یوم سبت کی تحقیق	203
انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات	205
ایام ربّانی کی تحدید	206
یوم ربوبی کا ایک نکتۂ لطیف	207
بنی اسرائیل کی عید، یوم عاشورہ	208
عاشورہ کی مزید تحقیق	208

عید رمضان	210
اتمام قرآن عزیز	211
مربّعہ نعتیہ فارسی	214
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعزیتی کلام	215
سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا فرق	215
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے قابل لوگ ہیں	218
ختم نبوت کی ایک تحقیق	219
مقدمہ بہاولپور سے واپسی کا حال	229
فتنہ کا معنی	231
علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ	233
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہاولپور تشریف آوری اور علماء کا اجتماع	235
حافظ عراقی کے اشعار	237
مکتوب حبشہ (افریقہ)	241
اچھی اور بُری تقدیر	246
قادیانی کے اعتراض پر فوری جواب	247
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ	247
روزوں کی قرقی کی تحقیق	248
قصیدہ معراجیہ	251
میری قبر پر آکر آواز دے دینا	274
احوال سفر بہاولپور بزبانی مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ	275
علماء اہل حدیث حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مداح	277
مکتوب مولانا طاسین رحمۃ اللہ علیہ	278
دورانِ سبق ظرافت	284

صحابی جن کا واقعہ	285
جمع الفوائد ہندوستان کیسے پہنچی	287
برکت اسماء الحسنیٰ	288
سورۃ فاتحہ کی تفسیر	289
آیات واحادیث کے بعض تطبیقات	295
متفرق واقعات	311
تفسیر آیات سورۃ نجم	319
متفرق واقعات	325
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق	329
حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محظوظ ہونا	329
تعارف مؤلف حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ	331
مختصر تعارف شخصیات انوارِ انوری	339

ابتدائیہ

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ بحرِ محیط کمالات انوری میں سے ایک قطرہ ہے، اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، ہمارے جیسے ہیچمندانوں [۱] کی کہاں وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا، اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کرکے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری کتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب ''ایناس'' کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر ردعیسائیت میں لگائی ہے اسی طریقے سے سبھی کتابیں ہیں۔

قیاس کن ز گلستان من بحال مرا

ترجمہ: ''ہمارے گلستان سے ہماری حالت کو قیاس کیجئے۔''

---

(۱) واحد ہیچمنداں، حقیر، بے علم (عاجزی کے معنوں میں ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ، وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس کا نام محمد ہے اور اس کے آل پر اور اس کے صحابہ پر اور اہل بیت سب پر۔“

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں اپنا نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے: محمد انور شاہ بن (۱) محمد معظم شاہ بن (۲) عبد الکبیر بن (۳) الشاہ عبد الخالق بن (۴) الشاہ محمد اکبر بن (۵) الشاہ حیدر بن (۶) شاہ محمد عارف بن (۷) الشاہ علی بن (۸) الشیخ عبداللہ بن (۹) الشیخ مسعود نروری [1] الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے، اور وقت کے شیخ تھے۔ افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پاک لکھی تھی تین سو صفحات سے اوپر ہی تھی، بڑی محنت کی تھی، کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا، حضرت کی چھوٹے بھائی حضرت مولانا سلیمان [2] شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خطوط آئے تھے، جو بہت طویل تھے، ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا اور بہت سے عجیب وغریب واقعات حضرت کے کشف وکرامات کے متعلق تھے، ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ باؤلا تھا حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ بُڑ بُڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تھپڑ مارا اس کی حالت درست ہوگئی، بڑا ہی صحت یاب ہوگیا۔ پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی

نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں رہ گئے، مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ اور ایک رسالہ ردقادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سفر بہاول پور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ مولانا مرتضے حسن [3] چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ اور خود حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی [4] رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ اس نے رسالہ لکھا ہے اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کئے ہیں۔

اکابرِ علماء کرام کے آراء گرامی بابت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ

اسی بنا پر احقر سے بہت شفقت فرماتے تھے، وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال [5] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں ہمیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظیر نظر نہیں آتا، خود میں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے اور دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا، یہ 1933ء کا ذکر ہے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی [6] رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں مگر جس کو کتب خانہ کے کتب خانہ ہی حفظ ہوں، وہ مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی نہیں ہے، عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں، اور حضرت مولانا سید سلیمان [7] ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد [8] عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ اکثر آتا رہتا تھا۔ ہائے افسوس کہ وہ بھی مجلسیں تھیں کہ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن [9] رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے تشریف لائے تو بعد عصر سہ دری (۱) کے پاس صحن میں چارپائی بچھائی جاتی تھی،

(۱) تین دروازوں (راستوں) والی عمارت

اس پر گائے کا سالم چمڑا بچھایا جاتا تھا، اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوتے تھے اور چار پائی کے اردگرد کرسیاں بچھائی جاتی تھیں جن پر حضرت مولانا خلیل احمد[10] سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی[11] رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عزیز[12] الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا تاج محمود امروٹی[13] سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور خود حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوتے تھے۔ پھر کوئی کہنے والا یہ کہتا تھا کہ حضرت مہتمم صاحبان تشریف لا رہے ہیں، یعنی حضرت مولانا محمد[14] احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حبیب[15] الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، پھر آواز آتی کہ حضرت مولانا کفایت[16] اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے ہیں، اور حضرت مولانا[17] عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ بھی میرٹھ سے تشریف لائے ہیں۔ ان سب کے لئے بھی کرسیاں بچھائی جاتی تھیں، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ برابر خدمت میں کھڑے رہتے تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد علماء وصلحاء کا مجمع اتنا کثیر رہتا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی اور خود اپنا مقدمۃ القرآن سنایا کرتے تھے اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔

بہاولپور میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری اور پُرشوکت مجلس

پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہاول پور تشریف لائے، تو حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ بھی جو اس وقت بہاول پور میں تھے تشریف لائے، حضرت مولانا محمد[18] صادق رحمۃ اللہ علیہ دوم مدرس جامعہ عباسیہ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا مرتضٰی حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع[19] رحمۃ اللہ علیہ بھی دیوبند سے تشریف لائے اور سہارنپور سے حضرت ناظم عبداللطیف[20] رحمۃ اللہ علیہ مع مولانا اسد[21] اللہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور بہاولپور کے بڑے بڑے علماء تشریف رکھتے تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی مسئلہ بیان فرما رہے تھے، سب ہمہ تن گوش ہو رہے تھے، کوئی نہیں بولتا تھا۔ جس کوٹھی میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام فرماتے وہ کوٹھی بڑی وسیع تھی۔ اور صحن بڑا افراخ تھا، مگر بعد عصر اس میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی تھی۔ کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں، دیکھتے ہی

دیکھتے کیا ہوگیا، یک بارگی؟[۱] حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب 22 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابست یا باداست یا افسانہ
باز پرسیدم بحال آنکہ در وے دل بہ بست
گفت یا غول است یا دیوے است یا دیوانہ

ترجمہ: ”عقل مند سے میں نے دنیا کی حالت دریافت کی اس نے کہا دنیا یا خواب ہے یا باد یعنی ہوا ہے گزرنے والی یا ایک افسانہ ہے۔ میں نے پھر دریافت کیا ان لوگوں کے بارے میں جو دنیا میں دل لگاتے ہیں۔ اس نے کہا یا وہ بھوت پریت ہے یا جن ہے یا مجنون ہے۔“

☆☆☆☆

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے:

اِذَا النَّاسُ نَاسٌ وَالزَّمَانُ زَمَانٌ۔

ترجمہ: ”اس زمانے کے لوگ کیا عجیب لوگ تھے اور زمانہ کیسا ہی بابرکت تھا۔“

(۱) ایک ہی دفعہ میں۔ اچانک

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا عجب رنگ

اور خود یہ بھی فرمایا کرتے تھے جیسے عوام ہوتے ہیں انہیں میں سے خواص ہوتے ہیں، اس زریں مقولے سے اندازہ فرمائیے کہ کیا عوام کیسے خواص۔ دیو بند میں جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری[23] رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت منشی رحمت علی[24] رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اللہ بخش[25] بہاول نگری رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور ضلع جالندھر سے حضرت مولانا حافظ محمد صالح[26] رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور گوجرانوالہ سے حضرت مولانا عبدالعزیز[27] رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور حضرت مفتی فقیر[28] اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا فضل احمد[29] رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے، غرض علماء و صلحاء حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے پروانہ وار آرہے تھے۔ اس متبرک مجمع کو شام کو کھانا کھلانا اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خدمت کرنا ہمیں بھی نصیب ہوتا تھا، آہ وہ مجلسیں اب خواب و خیال ہوگئیں۔

اور حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مولانا عبیداللہ سندھی[30] رحمۃ اللہ علیہ کے اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری[31] رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیرو مرشد ہیں، جب تشریف لائے تو ابوداؤد کے سبق میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں جو کہ بعد عصر ہوتا تھا اس میں بیٹھے تھے، بڑے لمبے جوان تھے، بڑے جوشیلے اور بڑے ہی عالم، چونکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی ہی عقیدت تھی اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی محبت تھی، اس لئے دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لائے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری[32] رحمۃ اللہ علیہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے ضرور تشریف لائیں گے آپ حضرات ضرور ان کی خدمت میں جایا کرنا۔ اس لئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کئی بار تشریف لائے۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

(ف) حضرت کی سوانح حیات مفصل مولانا سید محمد [33] یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کراچی نیوٹاؤن مدرسہ کے مہتمم صاحب جب ڈابھیل پڑھاتے تھے تو انہوں نے لکھی تھی۔ اور بھی مختصر کئی ایک کتابیں لکھی گئیں جو کہ حضرت کی سیرتیں ہیں۔ مولوی عتیق [34] احمد رحمۃ اللہ علیہ مدرس دیوبند کی بھی ایک تالیف ہے جس کا نام تذکرہ انور ہے، مولانا کریم بخش [35] رحمۃ اللہ علیہ گورنمنٹ کالج لاہور کا بھی ایک رسالہ ہے اس کو جزاء الاحسان کہتے ہیں۔ اور حیات انور بھی کئی سو صفحہ کی کتاب ہے، اس میں کئی ایک علماء کی تحریریں ہیں اور بھی بہت سی ہیں، ہمارا تو اس کتاب میں کمالات انوری بیان کرنا مقصود ہے، اس کا نام ''انوارِانوری'' رکھا جاتا ہے۔ غرض حضرت کی سیرت پاک کی مفصل سرگذشت بیان کرنا مقصود نہیں اس کے لئے تو بڑا طویل دفتر[1] درکار ہے، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر اور بھی ہے، جو عقیدۃ الاسلام کے جدید ایڈیشن کے شروع میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور تحریر ہے جو مشکلات القرآن میں بھی ہے، اس میں حضرت کے قرآنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں، سیرت کا کچھ حصہ مولانا بدر عالم میرٹھی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جو کہ فیض الباری کے شروع میں لگا ہوا ہے اور مولانا احمد رضا [36] بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک کتاب انوار الباری شرح بخاری بڑی کمال کی کتاب ہے، اس میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مبارکہ بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ اللہ کرے وہ کتاب پوری ہوجائے تو علماء کو ایک خزانہ علم کامل جائے۔ مولانا [37] حاجی محمد رحمۃ اللہ علیہ، جہانسبرگ جو جنوبی افریقہ میں ہے اور ان کا قدیم وطن ہندوستان میں ڈابھیل سملک ہے ضلع سورت، وہ بڑے ہی عاشق زار تھے کہ حضرت کے علوم کی خدمت کی جائے، انہوں نے بہت سارو پیہ خرچ کر کے حضرت کی آثار السنن پر یاد

---

(۱) رجسٹر

داشتوں کا عکس بھی شائع کیا ہے اور میرے پاس بھی بھیجا تھا، ان کی خواہش تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح حیات لکھی جائے اور آپ کے علوم کا تذکرہ بھی شائع ہو، افسوس کہ وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ...... اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ...... ان کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت کے تلمیذ رشید بھی تھے۔ بڑے ذکی عالم بڑے فیاض اور صاحب خیر کثیر تھے مجھ سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ میں نے ”مکتوبات بزرگاں“ میں ان کے بھیجے ہوئے کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط بھی شائع کئے ہیں۔

جب احقر نے مکتوبات بزرگاں جس میں اور مکتوبوں کے علاوہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مکتوبات کچھ تھے شائع کئے۔ اور اس کا ایک ایک نسخہ دیوبند مولوی محمد ازہر شاہ[38] رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مولوی محمد انظر شاہ کشمیری[39] رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی بھیجا تو بعد مطالعہ مولانا ازہر شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ مکتوبات کا مطالعہ کیا پہلے تو میں حضرت والد صاحب کے مکتوبات پڑھ کر خود رویا اور پھر میں نے جا کر والدہ صاحبہ کو بھی وہ خطوط سنائے والدہ صاحبہ تو پہلے ہی علیل تھیں وہ خطوط سن کر اور بھی بے چین ہو گئیں بہت روئیں۔ والدہ کی بیماری کا اسی طرح حال ہے سلام لکھواتی ہیں اور دعا کا فرماتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مولانا انظر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا خط

اور مولانا محمد انظر شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدرس دار العلوم دیوبند اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

۲۸ محرم ۱۳۸۷ھ

مخدوم ومحترم!

سلام مسنون، آپ کا ہدیہ سنیہ ”مکتوبات بزرگاں“ وصول ہوا، اول سے آخر تک پڑھا آپ نے بڑے کارآمد اور معلومات افزا مکاتب کا مجموعہ مرتب کر دیا ہے۔

فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔ ”پس اللہ تعالیٰ تم کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔“

اس سے ان شاء اللہ لوگوں کو بے حد فائدہ پہنچے گا اور یہ مجموعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔ دو چیزیں جناب کو توجہ دلانے کے لئے عرض ہیں۔

40

اول یہ کہ مولانا بشیر احمد سکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا ادریس سکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے وہ مراد نہیں ہیں بلکہ مولانا بشیر احمد بھٹہ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

دوسرے یہ کہ حاجی ابراہیم میاں صاحب حاجی محمد بن موسیٰ کے چچا ہیں، ابھی بقید حیات ہیں اور سملک میں ہیں۔

جناب کی خرابی صحت سے تشویش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے آپ کا وجود قوم و مذہب کے لئے اس دور میں بہت ضروری ہے، اماں جی کی طبیعت بدستور ہے علاج شروع کرایا گیا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عنایت فرمائے۔

والسلام

انظر شاہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی کلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مربع نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر و ماندہ آخر طالب منزل شدم
کز تگا پو سو بسو شام غریباں در رسید

ترجمہ: ''میرا کندھا جب مفلسی سے دل کا سامان والا بنا تو ماضی کے زمانے کو یاد کرنا اور مستقبل کے فکر میں لگ گیا سفر سے تھکا ہوا آخر منزل کا طالب ہوا۔ اور دوڑ دھوپ تلاش و تجسس سے غریبوں کے شام میں پہنچ گیا۔''

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستاں بہم
فکر وہم ہمدم نفس اندر قفس زاد رہم
پیش و پس بانگ جرس ازکارواں در ہم قدم
دید عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

ترجمہ: ''جنگل بیابان اور سیر سپاٹا اور فصل بہار اور کانٹے اور جھاڑیاں سب اکٹھے، فکر اور نفس سے محبت ایک پنجرے میں رہے۔ آگے اور پیچھے گھنٹی کی آواز اور قافلے کے ہر قدم پر عبرت کے دیکھنے نے اخلاص کو ظاہر کر دیا۔''

تا سروش غیب از الطاف قدسم یاد کرد
رحمت حق ہمچو من در ماندہ را امداد کرد

ما من خیر الوری بہر نجات ارشاد کرد
مقصد ہر طالب حق آں مراد ہر مرید

ترجمہ: ''اور غیبی فرشتے نے میری پاکیزگی کی مہربانی سے یاد کیا اور اللہ کی مہربانی نے مجھ جیسے تھکے ماندے کی مدد کی اور مخلوق کے سب سے بہترین کو نجات کے لئے ارشاد فرمایا جو ہر طالب حق کا مقصد ہے اور امر مرید کا مراد ہے۔''

قبلہ ارض و سما مرآت نور کبریا
سید و صدر عُلےٰ شمس ضحیٰ در دجیٰ
شافع روز جزاء وانگہ خطیب انبیاء
صاحب حوض و لوا ظل خدا روز عتید

ترجمہ: ''زمین و آسماں کا قبلہ ہے اور اللہ کے نور کا آئینہ ہے جو سردار ہے اونچا ہے دوپہر کا سورج اور اندھیروں کا چاند ہے۔ قیامت کے دن سفارش کرنے والا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خطیب ہے حوض والے اور جھنڈے والے، اللہ تعالیٰ کا سایہ ہی، قیامت کے دن۔''

صاحب خلق عظیم مظہر جود عمیم
آیت رحمت کہ شان او رؤف ست و رحیم
رحمۃ للعالمین خواندش خداوند کریم
خَلق و خُلق و قول و فعل و ھَدٰی و سِمت اوحمید

ترجمہ: ''بڑے اخلاق والے اور عام سخاوت کا مظہر رحمت کی نشانی کہ اس کی شان رؤف اور رحیم ہے خداوند کریم نے اس کو رحمت

للعالمین پکارا ہے۔اس کی صورت اور اس کے اخلاق اور اس کے قول وفعل اور اس کی سیرت پسندیدہ ہے۔''

دست او بیضا ضیا اجود ترا ز باد صبا
حبذا وقت عطا ابر سخا آب بقا
وقف امر عالمے برضحک آں رحمت لقا
عام شہب از جمال طلعتش عید سعید

ترجمہ:''اس کے ہاتھ چمکدار اور بادصبا سے زیادہ سخی ہے بہت اچھا دینے کے وقت سخاوت کا بادل ہے اور آب حیات ہے اور عالم موقوف ہے ان کے مسکرانے اور ان کی ملاقات پر۔سفیدی اور خوشی عام ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ ظاہر ہونے سے۔''

داغ مہر او چراغ سینہ اہل کمال
شور عشقش در سر عمار و سلمان و بلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
والۂ آثار وے معروف شبلی با یزید

ترجمہ:''آپ کے مُہر کا نشان اہل کمال کے سینے کا چراغ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کا شور عمار اور سلمان اور بلال کے دل میں ہے انکے اشارے پر لکھے ہے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت [41] رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام [42] مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر خیال کے۔ عاشق ہیں اسکے آثار کے حضرت معروف [43] کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت [44] ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید [45] بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔''

از حدیث وے سمر در حیطۂ اہل اثر
مسلم و مثل بخاری وقف بر وصل سیر

سنت بیضاء وے نور دل ہر با بصر

اتقیا را اسوۂ اقدام وے تقلید جید

ترجمہ: ''اوران کی حدیث سے قصہ کہانی اہل اثر وحدیث کے احاطہ وہم میں، امام مسلم اورامام بخاری کی طرح جوواقف ہے احادیث کوپہنچانے میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منور سنتیں ہر بصیرت والے کے دل کا نور ہے۔متقیوں کے لئے ان کے اقدام مبارکہ نمونہ اقتداء اور باعث تقلید ہے۔''

سید عالم رسول و عبد رب العالمین

آں زماں بودہ نبی کآدم بُد اندر ماء وطین

صادق و مصدوق وحی غیب و مامون و امین

در ہر آں چیزے کہ آوردست از وعد وعید

ترجمہ: ''عالم کے سرداراوررب العالمین کے بندے، اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اورکیچڑ کے درمیان تھے، جوسچے ہیں اورجس کوسچا تسلیم کیا گیا ہے، وحی غیب نے اس کوسچا کہا ہے اور وہ وحی غیب میں سچے ہیں۔اوروحی کے پہنچانے میں امین ہے اور اللہ کی طرف سے ان کی حفاظت ہوچکی ہے۔یہ اس چیز میں جب وہ وعدے اوروعیدیں لے آتے ہیں ان میں سچے اورمحفوظ از خیانت ہے۔''

منبر او سدرہ و معراج او سبع قباب

در مقام قرب حق ر مقدم او فتح باب

کاندر آنجا نور حق بود و نبد دیگر حجاب
دید و بشنید آنچہ جزوے کس بنشنید و ندید

ترجمہ: ’’ان کا منبر سدرۃ المنتہیٰ ہے اور ان کی معراج سات گنبدوں سے یعنی سات آسمانوں سے اوپر ہے۔حق تعالیٰ کے قرب کے مقام میں ان کے آنے پر دروازے کھولے جاتے ہیں۔گویا کہ وہاں پر اللہ کا نور تھا اور کوئی حجاب نہیں تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا اور سنی وہ چیزیں جو آپ کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھیں اور نہ سنی۔‘‘

مدح حالش رفع ذکر و شرح وصفش شرح صدر
او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
ہمگناں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر
سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

ترجمہ: ’’وہ امام ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اور شفاعت والے ہیں قیامت کے دن سب ان کی جھنڈے کے نیچے ہوں گے قیامت کے دن۔اور یہ فخر کی بات نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پر فخر نہیں کرتا۔مخلوق کے سردار اور اللہ کے خاص بندے اور بہت بڑے بزرگ۔‘‘

اخیر و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد
قدوہٴ اہل ہدایت اسوہ اہل رشاد
نغمہ از ہمت او خلق را زاد معاد
عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

ترجمہ: ”سب سے آخری نبی اور مخلوق میں سب سے بہتر اور تمام رسولوں اور تمام بندوں میں بہتر ہے۔ ہدایت والوں کے مقتداء ہیں اور بزرگوں کے لئے نمونہ ہیں اور ان کی آواز مخلوق کے لئے قیامت کا دن کو توشہ ہے اور عالم نے ان کی سانسوں کے بخشش سے استفادہ کیا اور عزت پائی۔“

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب وہر بعید

ترجمہ: ”اور تکوین عالم نے اس کے ذات کا انتخاب کیا۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے ان کے معجزات بڑے اور برتر ہیں۔ ہمارے وجود کی صبح کا طلوع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشکوٰۃ نبوت سے ہے۔ ان کے چہرے کے ظاہر ہونے پر قریب اور بعید منور اور روشن ہوا۔“

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ
نطق او وحی سما حقا نجوم اہتدا
صاحب اسرار او ناموس اکبر برملا
علم او از اولین و آخرین اندر مزید

ترجمہ: ”اس کا دین خدا کا دین ہے اور اس کی تلقین ہدایت کی اصل ہے ان کی باتیں وحی ہے آسمان کی اور یقیناً ان کے ارشادات ہدایت کے ستارے ہیں۔ بڑے اسرار والے ہیں اور بڑی عزت

اور پاکیزہ شریعت والے ہیں۔ ان کا علم جامع علوم اولین و آخرین ہے بلکہ ان سے بھی زائد ہے۔''

مولدش ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب
خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر زطیب
شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب
امتش خیر الامم بر امتاں بودہ شہید

ترجمہ: ''ان کے جائے پیدائش ام القریٰ یعنی مکۃ المکرمہ ہے جو ملک شام کے قریب ہے۔ مدینہ کے راستے کی مٹی خوشبو سے بہتر ہے مشرق و مغرب اس کے دین کی نشر و اشاعت کی وجہ سے خوشبودار ہوتے ہیں۔ ان کی امت بہترین امت ہے باقی تمام امتوں پر گواہ ہوں گے۔''

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

ترجمہ: ''خاص کیا اللہ تعالیٰ نے خوبصورت کتاب یعنی قرآن کے اعجاز کے ساتھ جو قرآن محبت ہے فرق کرنے والا ہے حق و باطل کے درمیان، عاجز کرنے والا ہے محکم ہے اور فیصلہ کن کلام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستارے آسمان کے ستاروں سے فائق ہیں بلکہ سورج سے بھی برتر ہے۔ ان کا ایک ایک حرف شفاء ہے اور رشد کے طالب کے لئے ہدایت ہے۔''

الغرض از جملہ عالم مصطفٰی و مجتبٰی
خاتم و در نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا
نعمت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

ترجمہ: ”حاصل کلام یہ کہ آپ ﷺ تمام عالم سے افضل اور چُنے ہوئے ہیں اور تمام عالم سے بزرگ ہیں۔ بغیر کسی شک کے آپ ﷺ دروازہ نبوت کو ختم اور بند کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل اور اکمل ہیں ان کی اوصاف کمال شمار سے زائد ہیں۔“

تا صبا گلگشت گیہاں کردہ میبا شد مدام
بوے گل بردوش وے گردد بعالم صبح و شام
باد بروے از خدائے وے درود وہم سلام
نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید

ترجمہ: ”صبح کی طرح گلشن اور گلستان ان کا ہمیشہ ہرا اور سرسبز رہے گا۔ ان کی پھولوں کی خوشبوئں ان کے کاندھوں پر گزر کر تمام عالم میں پھرے گی صبح وشام۔ ہمیشہ ہو اللہ کی طرف سے اس پر درود وسلام اور ان کے اصحاب پر بھی اور ان کے آل پر بھی ہمیشہ درود وسلام ہو اور ان کے بہترین غلاموں پر بھی صبح وشام درود و سلام ہو۔“

و ز جناب وے رضا بر احقران مستہام
خاصہ آں احقر کہ افقر ہست از جملہ انام

مستغیث ست الغیاث اے سرور عالم مقام

در صلہ از بارگاہت در نشید این قصید

ترجمہ: ''اورآپ کی جناب سے حقیروں پر بھی رضا حیران و پریشان ہو۔ خاص کر یہ احقر جو تمام مخلوق سے زیادہ محتاج ہے۔ امداد کا طالب ہے اے تمام عالم کے سردار آپ کی بارگاہ سے اس قصیدہ کے صلہ میں موتی بکھیرے جائیں۔''

☆☆☆☆

مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب روض الریاحین کا تذکرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلّیًا

روض الریاحین مصنفہ مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں، مفتیکفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت بلیغ قصیدہ ہے جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ صفحے پر ختم ہوا، پہلا شعر ہے:

عَرَفْتُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ بَعِیْدٍ

فَکَمْ بَیْنَ الْاِلٰہِ وَالْعَبِیْدِ

ترجمہ: ''میں نے بہت دور سے اللہ کو پہچانا اللہ اور بندے کے درمیان کتنی مسافت ہیں۔''

حضرت مفتی صاحب کا حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مدحیہ کلام

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا، پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپوایا گیا۔

وَ نَخْتِمُ ذَا الْكَلَامِ بِذِكْرِ حِبْرٍ
فَقِيْدِ الْمِثْلِ عَلَّامٌ فَرِيْدِ

''اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں وہ بے نظیر علامہ یکتائے زمانہ ہیں۔''

مُرِيْغ الْعِلْمِ مُقْتَنِصِ الْفُنُوْنِ
لَهٗ كُلُّ الْمَزَايَا كَالْمَصِيْدِ

''علم کو ڈھونڈ نکالنے والے فنون کو شکار کرنے والے تمام فضیلتیں ان کے فتراک (تھیلے) کا شکار ہیں۔''

نَبِيْهٌ فَائِقِ الْاَقْرَانِ يُدْعٰى
بِاَنْوَرْ شَاهْ مَوْمُوْقِ الْحُسُوْدِ

بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب۔'' (۱)

فَهٰذَا الْحِبْرُ غَارِسُ ذَا النَّخِيْلِ
وَ اَوَّلُ مُوْقِظِ الْقَوْمِ الرُّقُوْدِ

---

(۱) علامہ فہامہ جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں ذہن و ذکا، ورع تقویٰ میں فرد کامل، مدرسہ ہذا میں مدرس اوّل تھے بلکہ جیسا آئندہ شعروں میں بیان کیا گیا ہے اس شجر علم کے لگانے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کیونکہ مولوی **محمد امین الدین** [46] رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی تشریف لائے تو مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ، آپ نے محض متوکلا علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔ اور مولانا مولوی محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شریک تھے۔ دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، فاقے کیے مگر استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہل دہلی کو خبر ہوئی، اور لوگ متوجہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کسمپرسی کی حالت میں مولوی محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس مدرسہ کے اعلیٰ و اول محسن ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ کا فرض ہے۔ مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلباء کو مستفید فرمایا۔ پھر والدین سلمہما اللہ تعالیٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر دہلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے، آمین، ۱۲ منہ۔

"کیونکہ یہ علامہ اس درخت کے لگانے والے ہیں اور سوتی ہوئی قوم کو اول اول جگانے والے ہیں۔"

مدرسہ امینیہ دہلی کا ابتدائی حال

یہاں تک تو حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام تھا۔ آگے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا ۱۳۱۵ھ تھا۔ شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی محض توکل پر گزارہ تھا، پھر دو سال کے بعد اہل دہلی کو توجہ ہوئی اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا، تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کردی۔ میں وہی پانچ روپے مدرسے میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا۔ پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہوگئی۔ پانچ روپے تو میں چندہ ماہوار مدرسے کو دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کرو۔ رمضان گزارنے کے لئے گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے کبھی دیوبند آجاتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ طریقت وارشاد

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ [47] گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، میرے چونکہ مولانا کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، مولانا کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہاول پور کے مقدمہ میں خود فرمایا تھا احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے؟ تو فرمایا حضرت مولانا

[48] رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے، ۱۳۱۹ھ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی، ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے اور مجھے حضرت مولانا معظم شاہ والد صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے دونوں حضرات کے ذکر کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مدینہ منورہ میں درسِ حدیث

۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا، غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے، خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن [49] شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی۔ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں تب معلوم ہوا کہ حضرت نیموی کا وصال ہو گیا، یہ بہت بڑے محدث ہو گزرے ہیں صاحب تصانیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے اور جامع الآثار لامع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحبِ ورع [1] اور صاحبِ اتقاء [2] تھے، اپنی کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ واقعہ ہمارے استاد مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا جو ان دنوں دیوبند میں پڑھتے تھے۔ (محمد عفا اللہ عنہ)

مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے) درس حدیث دیا ہے اہلِ مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا جو علماء دیوبند ان دنوں میں وہاں رہتے تھے۔

---

(۱) پرہیزگار، گناہوں سے بچنے والا۔

(۲) متقی، تقویٰ والا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرنے والا۔

انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی [۱] آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم دیوبند میں استاد کی حیثیت سے تقرر

پھر حج سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اور دیگر علماء سے ملے پھر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احمد حسن امروہی [50] رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحب کو تار دیا جائے کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لے جانے تک دیوبند ہی رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سند بابت مفسر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

(ف) یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر نودرہ [۲] میں جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت کے استاد حدیث مولانا محدث محمد اسحاق [51] رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو مولانا خیر [52] الدین آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد مولانا سید [53] محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی کے شاگرد ہیں۔ ایک استاد مولانا حسین [54] جسر طرابلسی ہیں جو کہ اپنے والد کے شاگرد ہیں ان کا سلسلہ علامہ [55] شامی اور علامہ طحطاوی [56] تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث کے استاد ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارتی خطبہ

اب آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ علمی مضامین کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:

4_3_2 / دسمبر 1927ء کے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت

---

(۱) رات بسر کرنا، رات کا قیام

(۲) نو دروازوں (راستوں) والی عمارت۔

کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''محترم حاضرین! اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر وتبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر فضا انقلابات وحوادث سے معمور ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے:

کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

ترجمہ: ''(۱) اس لئے کہ جہاں کا دستور کبھی ایسا ہوتا ہے کبھی ویسا ہوتا۔ (۲) کبھی اس طرح کبھی اُس طرح۔ (۳) کبھی کیا ہوتا ہے کبھی کیا ہوتا ہے۔''

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ (۱) کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے اور جملہ مسببات عالم (۲) کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا۔ قدرت کاملہ نے یہ لوٹ پھیر (۳) اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گوناں گوں تغیرات وانقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزمانہ ہوتا تو کوئی شخص ید قدرت کا جو بالا و پست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کارفرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کارفرما ہے۔

خیال فرمائیے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع وصعود، زوال وغروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی وتنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان

---

(۱) تمام نیکیاں (بھلائیاں)

(۲) دنیا (جہان) کے اسباب

(۳) ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف واپس پھرنا۔

نہیں کرسکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمہ خورشید کی مرہون منت ہے بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پہ قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے، بقول قائل:

تابود زمانہ ایں چنیں بود

ترجمہ: ''جب تک زمانہ رہے گا اسی طرح رہے گا۔''

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ

عارف جامی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

ظہور جملہ اشیاء بضد است
وے حق را نہ ضد است و نہ نداست
اگر خورشید بر یک حال بودے
شعاع او بیک منوال بودے
ندانستے کسے کیں پرتو اوست
نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

ترجمہ: ''تمام اشیاء کا ظہور مقابل چیز پر ہے لیکن حق تعالیٰ کا نہ کوئی مقابل ہے اور نہ کوئی شریک ہے۔ اگر سورج ہمیشہ ایک حالت پر ہوتا۔ اس کی روشنی ایک طریقے پر ہوتی۔ تو کوئی نہ جانتا کہ یہ (نورانیت) کس کی مرہونِ منت ہے۔ اور چھلکے اور مغز میں کوئی فرق نہ کرسکتا۔''

الحاصل، فطرت الٰہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر و تبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب وتحوّل (۱) اہلِ بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہوجائے کہ اس کے

(۱) ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھر جانا۔

تمام تر مظاہر وشیون [۱] میں دست قدرت کارفرما ہے۔اور سطح عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دست نگر اور کسی قوت قاہرہ کا تابع فرمان ہے،عقلاء حکماء نے عالم کی اس منقادانہ [۲] حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے:

جہاں چو نقش و نگارے است از ید قدرت
کہ بہر خویش چونبود نمود بے بود است

سمات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا
بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است

نہ خود بخویش کہ برآمدہ ز دست دگر
چنانکہ نقش کہ حیران و دیدہ بکشودہ است

ترجمہ:"جہاں میں جو نقش ونگار ہے اللہ کے ہاتھ سے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اپنے کرشموں کو ظاہر نہ کرتا تو یہ نظام ہی موجود نہ ہوتا۔عجز اور قدرت کے نشانات ہر ایک کو اللہ نے ظاہر فرمایا سخت قید کے ساتھ یہ سب اس قید خانہ میں بند ہیں۔ہستی عالم خود اپنے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے کے ہاتھ سے وجود میں آتے ہیں جس طرح کہ تصویر آنکھ پھاڑے ہوئے شکل حیران اپنے مصور کا پتہ دیتی ہے۔"

یعنی ہستی عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے جب کہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ

---

(۱) کرنا ہونا کے ساتھ،حالتوں میں۔

(۲) مطیع،تابعدار۔

کارخانہ عالم کی تمام اشیاء قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں، اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم (۱) سے نکل کر منصۂ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکل حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط و رشتہ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا، اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہوسکتا۔

حضرات! مجموعہ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی ترتیب و تنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہئے، پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجود انسانی کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کہ تمام ملکات واخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال وافعال کے مظاہر ترک واختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح کہ بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے، اس کے بعد اعضاء و جوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں، گویا یوں کہنا چاہئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے دماغ اس کا وزیر اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں اس لئے تمام امور انسانیہ اصلاح و فساد کا مدار تنہا قلب پر ہے۔

---

(۱) پہلے سے پوشیدہ ابدی جہاں۔

بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ

اسی طرف اشارہ ہے:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳)

''یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آجاتا ہے تو کل جسم فاسد ہوجاتا ہے۔''

اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد، ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعہ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل وعقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماء شریعت غراء ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

فریضہ تبلیغ توحید ورسالت

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقاء دین متین کسی طرح متصور نہیں، اسلامی نقطہ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہئے اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے۔ اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر حرکت وسکون کے وقت اللہ کی یاد کی تعلیم دی ہے، پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس

کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو اللہ کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو، آپ ﷺ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں (یعنی اونچی جگہ) پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گذرتے ہیں، اللہ رب العزت کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں اللہ کو کبھی نہ بھولو۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امرِ وقیع [1] کو اللہ کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار ہے۔

راہ تو باہر روش کہ پویند نکوست
ذکر تو بہر زباں کہ گویند خوش است

ترجمہ: ”آپ کا راستہ جس طریقے پر آپ چلیے اچھا ہے تیرا ذکر جب تو زبان سے کرے اچھا ہے۔“

نصاریٰ کے ہاں تبلیغ نہیں ہے

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے؟ مسئلہ تثلیث [2] کی؟ جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ترجمہ: ”وہ خود گم راہ ہے، کسی کی کیا راہنمائی کرے گا۔“

---

(۱) اہم کام۔

(۲) تین خدا کا عیسائی عقیدہ۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایانِ فرنگ (۱) نے جو بالطبع نفع عاجل (۲) اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر داموں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا، اور بغیر کسی پس و پیش کے بمصداق ''داشتہ آید بکار'' اس کے خریدار بن گئے، ورنہ انہوں نے جو تفنّن طبع (۳) اور جولانی (۴) اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح (۵) میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا۔ اور بے مغز اور غیر وقیع باتوں کی سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

ترجمہ: ''میرا خواب زیادہ تعبیروں کی وجہ سے اور پریشان ہوا۔''

اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کی تالیف ہیں

اور اگر کسی نے کتاب ''اَلْعَقَائِدُ الْوَثَنِیَّۃِ فِی الدِّیَانَۃِ النَّصْرَانِیَّۃِ'' کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول وثنیوں اور بت پرستوں سے مستفاد (۶) ہیں، بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امرِ بداہت (۷) کے درجہ میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں

---

(۱) انگریزوں کے دانا (سمجھدار۔ راہنما) لوگ۔

(۲) جلدی نفع حاصل کرنے کی والی طبیعت۔

(۳) دل لگی، تفریحی مشغلہ۔

(۴) طبیعت کی روانی، پھرتی۔

(۵) تحقیق، تفتیش و وضاحت۔

(۶) (کسی سے) فائدہ حاصل کیا ہو۔

(۷) یقینی (صریحی) بات۔

سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسبِ تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہوسکتا ہے؟ اور کیا ان سے مذہب و ملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن میں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے گزرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا! ان چناں اور چنیں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ اٹھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہئے قطعاً موجود نہیں ہے۔ اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوّت سے نکلے ہوئے نہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بجز ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' یعنی 'پہاڑ کھودنا اور گھاس اس سے نکالنا' کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

روح اور مادہ کا عجب تذکرہ

اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اور اس کو مذہب و ملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق وتدقیق (۱) سے کام لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہستی باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی وہ یہی ہے کہ یہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے، اور جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔ اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی

---

(۱) غور وفکر، باریک بینی۔

قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں۔ اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہوتا کہ وہ ان سے کام لے۔ تو یہ خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا کہ جو شے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو، کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شے وجود میں جو کہ تمام صفات میں اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود ہی اپنی ذات سے موجود ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ جائے اور ان میں کامل نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے، کیا دنیا میں کوئی شے بھی اپنے کو بحالت خود مختاری ناقص رکھنا گوارا کر سکتی ہے؟ اور اگر وہ ان صفات کے ناقص رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلیٰ و اکمل صفت وجود میں وہ کس طرح دوسرے کی احتیاج سے مستغنی ہو گی؟ واقعہ یہ ہے کہ روح اور مادہ کو ان کی صفات میں ناقص مان کر کبھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جاسکتا، اور اگر ان کو ذات وصفات میں مکمل مانا جائے تو پھر واجب الوجود عز اسمہ کے ماننے کی کوئی حاجت نہیں رہتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں تھیں تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استیفائے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں، اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا استیفاء (۱) کو مفید ہو گا تو یہ نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان، بلکہ ایک خوش کن خطابت ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ

---

(۱) تکمیل، جامعیت۔

احتمالات ممکنہ سب محقق ہوجائیں۔

اشیاء عالم اور مسئلہ ممکنات

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالات ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا، پھر عالم غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے، علاوہ ازیں مادہ میں جو نقائص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بے شعور شمار ہوتا ہے، نیز روح پر جو آلام و ہموم [1] کے بیش از بیش حوادث گزرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ اللہ کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے، ان کو دیکھتے ہوئے کون عقل مند کہے گا کہ یہ قدیم بالذات ہیں۔

قدیم بالذات کا تذکرہ

غور تو فرمائیے کہ قدیم بالذات کو ان ذلیل ترین سے کیا سروکار؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیاء مختلف صورتوں اور نوعیّتوں پر قائم ہیں جس کو علمی اصطلاح میں صور نوعیہ کہا جاتا ہے، پس اگر ان سب میں ذرات مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگا رنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہوگیا، کہ دنیا میں آپ کوئی ایسی نظیر دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور ایک رنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ صور کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے، تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمائیے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ نظام عالم اور اس کی ہر شئے بھی جو تغیرات و حوادث پر ہے قدیم بالذات ہے تاکہ ہستی باری تعالیٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شئے حائل نہ ہو اور اس اہم ترین بار سے سبکدوشی حاصل ہوجائے، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِكَ۔

---

(۱) غم و فکر۔

البتہ آپ شبہ کرسکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے بنا؟ لیکن یہ مغالطہ دشوار اور امرِ لا ینحل (۱) نہیں اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

انسان وحیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے اور کبھی ساکن رہتے ہیں اور یہ حرکت وسکون ان کا فعل ہے جس میں وہ کسی مادے کے جو کہ ان کی اس حرکت یا سکون کا محل بن سکے محتاج نہیں۔

ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کرلیتا ہے۔ اور کبھی خاموش کھڑا ہوجاتا ہے، تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو نہ کرسکے، ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی، ایک بڑھئی، دوسری نجارت، یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی، چوتھی تخت کی وہ صورت و ہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے، تو بڑھئی اپنے اس فعل و عمل میں جس کو ہم اس موقعہ پر ''نجر'' یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں، بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے، لکڑی ہو یا نہ ہو، البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے، اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے، اور نہ نجار اس کا فاعل، بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے، اس کا مفعول جیسے کہ ہم بیان کرچکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔

---

(۱) ناممکن کام۔

فاعل اور چار چیزیں

الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہوسکتا اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوسکتی، ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا، اس لئے چوتھی چیز سے تیسری کا ہونا ضروری ہے۔ جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہوگیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے اور جس طرح انسان اپنی حرکت وسکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شئے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب وملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صمدیت حدود و زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود ومحصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اس طرح یہ تسلیم کرلیا جائے کہ زمانہ کبھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔

زمان ومکان کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے:

آنکس کہ بابداع زمان رفت نہ فہمید
کز عمر حق ایں حصہ بمخلوق بہ بخشید
چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید
نے مرتبہ ذہن کہ یک گفت بتعدید

ترجمہ: ''وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صنعت قِدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا، جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہو گی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے، ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بتانا گنتی میں ایک کہنا ہے نہ کہ حقیقت میں، اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اوّل کہلائی جاسکتی ہے۔''

قِدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے، اس میں کسی کو ماننا عقل وانصاف دونوں سے بعید ہے۔ اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانے تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہو جانا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوء فہم اور عقل کی نارسائی ہے، وہ وقت صفات ربانیہ میں وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے، اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے، چنانچہ عارف [57] جامی جو صوفیائے وجود میں سے بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں:

مجموعہ کون را بقانون سبق
کردیم تصفح ورقا بعد ورق
حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درد
جز ذات حق و شئون ذاتیہ و حق

ترجمہ: ''کائنات کے مجموعہ کو سبق کی طرح ایک ایک ورق کو تلاش کیا۔ تو حق یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور شئونات (احوال) حق کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔''

ہم نے کائنات کی کتاب کوایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا، سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور ''کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ'' کے مظاہر کے سوا نہ کچھ اس میں دیکھا نہ پڑھا۔

58 اور مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

در عرصہ کائنات با وقت فہم
بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم وندیدم درد
جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

ترجمہ: ''کائنات کے میدان میں ہم عقل و سمجھ کے ساتھ بہت دوڑے اور تیر کی طرح تیزی سے اس پر گزرے ہیں اور سرتاپا چشم حقیقت بن گئے۔ ہم نے صرف اللہ کی صفات اور اس کے سایہ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔''

کائنات کی کتاب ایک ورق ہے

میدان کائنات میں ہم عقل وفہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے، اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سرتاپا چشم حقیقت بن گئے، لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی نہ حاصل کرسکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہوسکی۔

کون ومکان پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچمدانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ لکھا ہے:

مجموعہ کون بود در کتم عدم
از حرف کن آورد بایں دیر قدم

فعلے است کہ بے مادہ ید قدرت او کرد

کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

ترجمہ: ''ساری کائنات پردہ عدم میں تھی پھر حرف کن سے وجود میں آئی، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو بغیر مادے کے اللہ تعالیٰ کے دست قدرت نے کیا ہے۔اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دے تو اس سے قدیم ہونا حاصل نہیں ہوتا۔''

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردۂ عدم میں تھا، اس کے بعد ''کُن'' کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا، یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے، اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہوسکتا، بلکہ حادث ہی نکلے گا یا یوں کہیے کہ جب عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا، خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جن مذاہب و مِلَل (۱) کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں توحید کا پتہ اور نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق اللہ کے وجود کا ثبوت ہوسکتا ہے تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں؟ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو ہے، خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

خدمت دین کا فریضہ علماء حق کا منصب ہے

حضرات! حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علماء کرام کا حق ہے اور یہ کام انہیں کے سپرد ہونا چاہئے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم

(۱) ملت کی جمع، ادیان۔

الشان مقصد کے لئے بدنے یا درمے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی [۱] کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

تبلیغ اسلام کے زرّین اصول

حضرات! جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پیغام دین متین اور نشر و ابلاغ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور حسن مقال اور راست بازی، شیریں کلامی، وسعت صدر، ایثار، جاں فشانی اور جفاکشی کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی ریاکاری شوق حصول دنیا نہ آنے پائے، ورنہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الحاصل! مبلغ کو چاہئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کاربند ہو، اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دروغ بافی [۲] اور ہرزہ سرائی [۳] سے زیادہ وقیع نہ ہوگی، خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے:

وَمَآ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَآ اَنۡھٰکُمۡ عَنۡہُ ؕ اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ

---

(۱) پریشانی۔

(۲) جھوٹی بات بنانا۔

(۳) بیہودہ گوئی۔

تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۝۸۸ (سورۃ ہود:۸۸)

''میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے لگوں، میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں، جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف اللہ کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (سورۃ البقرۃ:۴۴)

''کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝۳ (سورۃ الصّف:۲،۳)

''ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔''

مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدہ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کردیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے، عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے:

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ط (سورة النساء: ۹۲)

''اگر مقتول اسی قوم سے تھا جو تمہارے دشمن ہیں اور وہ مقتول خود مسلمان تھا تو ایک غلام کو آزاد کرے۔ یعنی اس پر کفارہ ہے دیت نہیں ہے۔''

قتلِ مسلم کی سزا اور دار الاسلام اور غیر دار الاسلام کا فرق

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دار الحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ کہ دیت، اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے، مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں: ایک عصمت موثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ . (سورة النساء: ۹۳)

''اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا اس کی جزاء جہنم ہے۔''

اس آیت کریمہ میں جزائے اُخروی مراد ہے جو عصمت موثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتا ہے، اور اس قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے، پس اگر مقتول مسلمان دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت موثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اُخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزاء قصاص یا دیت

ہے، لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا، جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت موثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہوجاتی ہے مگر عصمت مقومہ کیلئے دارالاسلام اور حکومت وشوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔ اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہوجائے اور مسلمانوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ ضرب المثل تھا

آپ کا حافظہ (یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ) ضرب المثل تھا، درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے، عموماً یہ دیکھا گیا کہ حَسْبُنَا اللہ فرمایا اور کتاب کھولی وہی صفحہ نکل آتا تھا، اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی، جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی ناظرین حیران ہوجاتے تھے، بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

59

ا۔ ایک دفعہ بہاولپور ہی میں ابّی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا کتاب ہمارے پاس نہ تھی، قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جج صاحب! لکھئے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے اس کو کہو عبارت پڑھے، جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حَسْبُنَا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا، وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابّی کی

عبارت یہ ہے:

وَ فِی الْعَتَبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ: بَیْنَ النَّاسِ قِیَامٌ یَّسْتَمِعُوْنَ لِاِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ فَتَغْشَاھُمْ غَمَامَۃٌ فَاِذَا عِیْسٰی قَدْ نَزَلَ

(ص ۲۶۶، ج ۱، شرح مسلم للاَبّی مصری اِکمال اُلمُعلِم)

ترجمہ: ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لوگ انتظار نماز میں کھڑے ہوں گے ایک بادل ان کو ڈھانک لے گا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر جائیں گے۔''

صاحبِ نبراس حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرماتے تھے

60

۲۔ مولانا عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شامل تھا، میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث گوجرانوالہ مصنف ''نبراس الساری فی اطراف البخاری'' کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر عرض کریئو کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے...... اَلْاَحْکَامُ الَّتِیْ تُفَارِقُ الْمَرْاَۃُ الرَّجُلَ...... فرمایا کل کو آنا، اس وقت میں مصروف ہوں میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مراسیل ابوداؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَی امْرَأَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ۔ (ص ۱۸)

ترجمہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو عورتوں پر گزرے، فرمایا جب تم سجدہ کرو اپنے بدن کے بعض حصے کو زمین چمٹاؤ۔''

اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا:

اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْاَۃُ لَصِقَتْ بَطْنَھَا بِفَخِذِھَا کَاَسْتَرِ مَا یَکُوْنُ

لَهَا۔ (ج ۲ ص ۳۱۵)

ترجمہ: ''جب عورت سجدہ کرتی ہے تو وہ اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ چمٹا دے یہ اس کے باعث ستر ہوگا۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۲ سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا حوالہ پیش کرنا

(اس کتاب کا نام فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لمولانا بحر العلوم)

۳۔ وہیں بہاول پور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے، آپ کو چاہئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جج صاحب لکھئے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے، امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۷۴۴)...... یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ جو اس مجلس میں موجود تھے حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں، چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، بعینہ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی، جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجمع میں تھے، حضرت

مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مربی تھے اور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی پیر تھے)۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مُفحم[1] کرنا چاہتے ہیں میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں ان شاء اللہ مُفحم نہیں ہونے کا۔

قادیانیوں کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عربی میں مناظرے کا چیلنج اور فرار

۴۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیری [62] رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اجتماع کیا تھا وہاں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اکابر دیوبند و سہارنپور مدعو تھے۔ ہزاراں ہزار علماء مجتمع تھے۔ قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظر عربی زبان میں تقریر کریں گے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مدعو تھے۔ حضرات نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تیار کر دیا، حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظر عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے، فی البدیہ بولنا ہوگا اور نہ کاغذ کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے، وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب [63] میاں چنوں والوں نے بھی سنایا تھا۔ مولانا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بھاگل پور میں مدرس تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سنایا تھا پھر فرمایا جاہلین تم نے کیا سمجھا، میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی سنایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

---

(۱) لاجواب۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت

۵۔ احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا کہ جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جارہے تھے، یہ سفر بہاولپور ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ شجرہ چشتیہ میں آپ کے نام کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیئے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

۶۔ جب ۱۳۳۸ھ، ۱۳۳۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے، ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے، فوراً فرمایا:

"ہیر بُڈھی ہوئی تاں رانجھا آیا"

ترجمہ: "جب ہیر بوڑھی ہوگئی تب رانجھا آیا۔"

پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے، پھر نشانات فرما دیئے کہ اس قسم کا مکان تھا جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے، سیڑھیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا، وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

۷۔ مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، مولانا بدر[64] عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین[65] رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث[66] رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا عبد[67] العلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی رہے تھے۔ مولانا عبد الجبار[68] ابوہری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خیر محمد[69] جالندھری رحمۃ اللہ علیہ و مولانا محمد[70] صدیق حصاروی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد[71] رحمۃ اللہ علیہ مصنف "شہباز" کی باتیں ہونے لگیں، حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو آج اَسّی سال ہوگئے، مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے حساب لگایا تو اَسّی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ، مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں خوب یاد تھیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دو سال کی عمر میں ایک مناظرے کا ذکر کرنا

۸۔ فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا، ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے، ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا، دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور لنگڑا پھل توڑے، اتنے میں اگر باغبان آگیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دے گا، میں نے یہ بات سن لی پھر ایک زمانہ دراز گزرا، میں ''تذکرۃ القرطبی'' دیکھ رہا تھا، اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی، میں اسکو پڑھ کر اس اَن پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا، لوگ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رکھی:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ترجمہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہے اس کو دے دیتے ہیں۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت

۹۔ حضرت مولانا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ، ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا۔

حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لے آئے۔ نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہورہا تھا، وقت چونکہ ختم ہوگیا تھا، للہذا حضرت نے کتاب بند کردی۔

حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے ہیں، جناب کا درس سننا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا، اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، شاہ صاحب! یہ علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں، یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مسئلہ کا سنانا

۱۰۔ جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد حضرت مولانا فتح الدین [72] رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لئے لائل پور سے دیوبند حاضر ہوئے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے کئی روز مہمان رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا گرمی کا موسم تھا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا احمد اللہ [73] پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا، احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جان بازی جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کردینا چاہئے۔

مولانا ادریس سیکروڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا، مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ جملہ فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہوگیا ہے اب حق میں حجاب نہیں چاہیے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے:

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

۱۱۔ ان ہی ایام میں قاری محمد طیب [74] رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر [75] رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح تھا، حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ) کے صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے ہو کر بیٹھے تھے تاکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہوجائیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غایت ادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

کشمیر تشریف لے جاتے ہوئے ایک پادری سے گفتگو

۱۲۔ ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں میں ایک طالب علم ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن سے دس تورات سے دس انجیل سے دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم

میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا، نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔ فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آئیں تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں محض تنخواہ کا لالچ ہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۶)

ترجمہ: ''ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا اعتراف

۱۳۔ مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں بینظیر عالم ہیں، مولانا غلام[76] رسول انی والے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے جب پہلی بار قادیاں میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی تو فرمایا علم ہو تو انور شاہ والا ہو ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم میر[77] سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیاں ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسے میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد تھیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے معترف تھے

۱۴۔ علامہ محمد زاہد کوثری[78] رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ دیکھنا چاہئے۔ علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقیدۃ الاسلام'' اور ''اَلتَّصْرِیْحُ بِمَا تَوَاتَرَ فِیْ نُزُوْلِ الْمَسِیْحِ'' یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحبِ کمال حافظ الحدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے، پھر مصطفیٰ کمال پاشا[79] سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

تانیب الخطیب میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نیل الفرقدین کی بڑی تعریف کی ہے، آپ کو ''اَلْعَلَّامَۃُ الْبَحْرُ الْحِبْرُ'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

اُن کا سلسلہ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ[80] مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر

۱۵۔ دین و دانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق 29 مئی 1933ء کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، یعنی مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جانشین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف و نقاہت کے ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی، مرحوم کا وطن کشمیر تھا، مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم دیوبند کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، جس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ جنگ میں ہجرت کے بعد سے 1927ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لے کر روم تک ان کے فیضان کا

سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند، زہد و تقویٰ میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے 1906 یا 1907ء میں دیکھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے، مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

1927ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیۃ العلماء کے صدر تھے میں بھی حاضر تھا، حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے، اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات عبور کر چکتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشاء کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔

ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ

سے بچی ہو، میری تصنیفات میں سے ارض القرآن ان تک پہنچی تھی، اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی، مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ (معارف ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڑھ)

۱۶۔ فرمایا قبہ محمودیہ کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں، مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا، اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن [81] شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''السیر الکبیر'' مدینہ طیبہ میں دیکھی قلمی نسخہ تھا، نہایت عمدہ کتابت، اس کا مطالعہ کیا، یادداشتیں لیں، پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے نسخہ تلاش کیا نہ پایا، یہ کتاب قبہ محمودیہ میں تھی۔

۱۷۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ مولانا ظفر علی [82] خان رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے غالباً ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے ہزاراں ہزار خلق اللہ جمع تھی، علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں، حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا:

غم دین خور کہ غم غم دین است
ہمہ غمہا فروتر از این است

ترجمہ: ''دین کا غم کھا کہ اصل غم دین کا غم ہے۔ باقی تمام غم ان سے نیچے ہیں۔''

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پرتاثیر تقریر فرمائی، خود روئے اور حاضرین کو بھی رلایا:

غم دنیا مخور کہ بے ہود است
ہیچ کس در جہاں نیا سود است

ترجمہ: ''دنیا کا غم نہ کھا کہ وہ بے فائدہ ہے، کوئی شخص اس جہاں میں فائدہ لینے والا نہیں ہے۔''

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا، کئی علمی سوالات کئے اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے، فرمایا کرتے تھے۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم کا بحر مَوّاج ہیں، حافظہ کے بادشاہ ہیں۔

مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق

مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کے عاشق تھے، کہا کرتے تھے جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ کو دیکھتا رہوں۔

اگست 1932ء میں زمیندار (اخبار) کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب وکمالات پر لکھا، لکھتے ہیں کہ

''حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیاء عاجز ہے۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ دیکھ کر ایک ہندو کا قبول اسلام

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ خدام کا اردگرد مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زاروقطار رونے لگے اور ایمان لے آئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کرلی، کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ

(سورۃ النساء:۱۱۶)

ترجمہ: ''بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور بخشتا ہے اس کے علاوہ جس کو چاہے یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کو چاہے اللہ بخش دے گا مگر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔''

یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ

83 علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کو تاویل کرنا پڑی۔

فرمایا شرک کے معنی کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں لہٰذا وہ تمام انواع (۱) کفر سے اقبح (۲) ہیں، اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکوہ بالا میں شرک سے مراد کفر ہی ہے، کیوں کہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت سے منکر ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء بمعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلا شبہ کافر ہے۔ اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔ گو وہ مشرک نہ ہو، لہٰذا اس آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

حدیث القاتل والمقتول فی النار اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری:

اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ، فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ:

---

(۱) اقسام

(۲) قبیح ترین، بہت ہی بری۔

اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ۔ (بخاری ج ا ص ۹)

ترجمہ: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ملاقات کرے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ تو قاتل ہی کا حکم ہے تو مقتول کیوں جہنمی ہے؟ فرمایا، یہ بھی اپنے مقابل کی قتل کا حریص تھا اس کے قتل کے ارادہ سے نکلا تھا۔''

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ارشاد ہے:

اَلسَّيْفُ مَحَّاءُ الذُّنُوْبِ۔

ترجمہ: ''تلوار گناہوں کو ختم کرنے والی ہے۔''

یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا، لہٰذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے۔ یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی۔ اور ہابیل نے قابیل کو سنایا:

اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

(سورۃ المائدہ:۲۹)

ترجمہ: ''میں چاہتا ہوں کہ تو سمیٹ لے میرا گناہ اور اپنا گناہ بھی پس ہو جائے گا تو دوزخ والوں میں ہی۔''

اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل) کی وجہ سے جہنمی بنے، اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو ہو جائیں، کیونکہ تلوار محاء الذنوب ہے، کیونکہ جب اس کے گناہ قابیل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہابیل کے گناہ قابیل

پر ڈال دیئے گئے کیونکہ......

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (سورۃ الفاطر:۱۸)

ترجمہ: ''اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔''

کے خلاف ہے، پھر اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قباحت خوب واضح کردی جائے تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

بیان مقدمہ بہاولپور پانچ دن پانچ گھنٹہ فی یوم

ایمان کے معنی ہیں گرویدن باور کردن، اور شریعت میں انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس بات کو ان کے اعتماد پر باور کرلینا، اب جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں سے ہے، اس طرح کہ آپ سے متواتر ثابت ہوجائے اور خواص سے عوام تک پہنچ جائے، جیسے وحدانیت باری تعالیٰ کی اور رسولوں کی رسالت اور ختم ہونا رسالت کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منقطع ہوجانا آپ کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ قرب قیامت میں تشریف لانا آپ کے اعتماد پر باور کرلینا ایمان کہلاتا ہے۔

کفر کے معنی ہیں حق ناشناسی یعنی منکر ہوجانا اور مکر جانا کفر کبھی اشارے سے بھی ہوتا ہے، جیسے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ ۔ (سورۃ المنافقون:۵)

ترجمہ: ’’اور جب ان سے کہو کہ آؤ تمہارے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغفار طلب کرے تو مٹکاتے ہیں اپنے سر۔‘‘

یا بات تو وہ مانتا ہے کہ جو کچھ دین میں آیا ہے حق ہے، لیکن یہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کفر ہے، کیونکہ جس امت نے ہمیں الفاظ پہنچائے اسی نے ہمیں معانی بھی پہنچائے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کا بھی سلف میں سے اختلاف نہیں تھا۔ اب جو کوئی معنی یہ کرے کہ اس کے معنی اجراء نبوت ہے، یا عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ انے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا مثیل آئے گا یہ بھی کفر ہے، ضروریات دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکا کرنا جوارح سے ضروری ہو، بلکہ کبھی کوئی شئے مستحب اور مباح ہی ہوتی ہے اس کا منکر بھی کافر قرار پاتا ہے۔

عذاب قبر کا منکر کافر ہے

الحاصل ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے قطعی ہو، خواہ وہ حکم جس پر وہ مشتمل ہے نظری ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ عذاب قبر اسکا ثبوت شارع علیہ السلام سے مُستَفِیض (۱) ہے، اور کیفیت عذاب ہم سے مَستُور (۲) ہے، لہٰذا عذاب قبر کا منکر کافر قرار پائے گا۔

فتح الباری میں ہے:

وَفِیْ قِصَّةِ اَهْلِ نَجْرَانَ مِنَ الْفَوَائِدِ اَنَّ اِقْرَارَ الْکَافِرِ بِالنُّبُوَّةِ لَا یَدْخُلُهٗ فِی الْاِسْلَامِ حَتّٰی یَلْتَزِمَ اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۴)

ترجمہ: ''اہل نجران کے قصے میں فوائد ہیں کہ کافر کا اقرار نبوت کے ساتھ اس کو اسلام میں داخل نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ احکام اسلام کا احترام نہ کرے۔''

مسلم ج ۱ ص ۸۶ میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَ لَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَ لَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی روح

(۱) حاصل کیا ہوا۔

(۲) چھپا ہوا، مخفی۔

ہے میرے بارے میں کوئی یہودی یا عیسائی سنے ایمان نہ لائے اس پر جو میں لے کر آیا ہوں مگر وہ جہنمی ہوگا۔"

اور مستدرک ج ۲ ص ۳۴۲ میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَسْمَعُ بِيْ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَ لَا نَصْرَانِيٌّ وَ لَا يُؤْمِنُ بِيْ اِلَّا دَخَلَ النَّارَ، فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ اَيْنَ تَصْدِيْقُهَا فِيْ كِتَابِ اللهِ حَتّٰى وَجَدْتُّ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ: وَ مَنْ يَكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ، قَالَ: اَلْاَحْزَابُ اَلْمِلَلُ كُلُّهَا۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے مگر وہ جہنم میں داخل ہوگا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس کی تصدیق کونسی آیت میں ہے۔ یہاں تک کہ اس آیت میں مجھے اس کی تصدیق ملی جو کفر کرے گا اس نبی پر دوسرے مذہبوں والے تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔"

یہ بات تھی جو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کے درمیان دائر ہوئی:

فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، يُرِيْدُ اَنَّهٗ لَيْسَ مُؤْمِنًا مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِالْكُلِّ، فَشَرَحَ اللهُ لَهٗ صَدْرَ عُمَرَ اَيْضًا فَرَأٰى مَا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ۔ (مسند احمد، حدیث: ۳۳۶۵، ۳۳۶۶)

فَعِنْدَ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ یُؤْمِنَ بِیْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ، وَ اِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ ھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا، وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰهِ۔ (مسلم ج ا ص ۳۹)

ترجمہ: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا جس نے نماز و زکوۃ میں فرق کیا یعنی جب تک سب پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ مؤمن نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کے سینے کو بھی کھول دیا تو اسکی رائے بھی وہی ہوئی جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔ مسلم میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں جب تک لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دے اور مجھ پر ایمان نہ لے آئیں جب یہ کام انہوں نے کرلیا تو ان کا خون ہم سے محفوظ ہوا اور انکا مال ہم سے محفوظ ہوا مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے اوپر ہے۔''

مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں کا تذکرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں دو قاصد مسیلمہ کذاب کے آئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارا بھی وہی عقیدہ ہے جو کچھ مسیلمہ کا ہے؟ ایک نے کہا کہ ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے حالانکہ اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہلاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تم کو ضرور قتل کراتا۔ یہ قصہ ہو چکا پھر ان میں سے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ملا آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا اب بھی وہی عقیدہ ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا، کہ اب تم قاصد نہیں رہے۔ یہ قصہ ابو داؤد وغیرہا

میں موجود ہے اس پر یہ کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رواج پر عمل کیا، یہ غلط ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا یہ خود ایک قانون ہے۔

وَ قِصَّةُ دُبَّآءِ اَیِ الْقَتْلُ عَنَدَهَا اَبُوْ یُوْسُفُ الْقَاضِیْ وَ لَاتَ اَوَانٍ۔ (شرح الشفاء لملا علی قاری ج ۲ ص ۴۴۹)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا ایک آدمی نے اٹھ کر کہا مجھے تو یہ پسند نہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تلوار نکالی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے توبہ کی۔

84

کدو کھانا کوئی ضروری نہیں لیکن اس نے عین حدیث بیان کرتے وقت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مرغوب تھا اس وقت یہ کلمہ کہا تھا مثلاً جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی یوں اگر کوئی نہ کھائے تو کچھ گناہ نہیں لیکن یہ بات کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی اس وقت اگر انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔

دین اسلام متواتر ہے، اس کا مطلب

پھر یہ سمجھو کہ ہمارا دین متواتر ہے، اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں، تواتر کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کا ثبوت ہم تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لگا تار ہوتا آیا اس کو تواتر کہتے ہیں۔ تواتر کئی قسم کا ہوتا ہے، ایک تواتر اسناد جیسے کہ حدیث میں ہے:

مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱)

ترجمہ: ”جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کیا۔“

فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن اور تیس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت کی حدیثیں میرے ایک رفیق

نے جمع کیں، وہ کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوتی ہیں جن میں سے تیس صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول احادیث متواترہ سے ثابت ہے

اور عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق میرا ایک رسالہ ہے...... ''اَلتَّصْرِیْحُ بِمَا تَوَاتَرَ فِیْ نُزُوْلِ الْمَسِیْحِ''...... اس میں ستر سے زائد حدیثیں صحیح ہیں، اور میری کتاب ''عقیدۃ الاسلام'' ہے اس کا حاشیہ تحیۃ الاسلام ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۶ مطبوعہ مصر جدید میں ہے:

قَالَ الْحَسَنُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ، وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کَوْنُهٗ عَلَمًا لَهَا هُوَ الَّذِیْ اُشْتُهِرَ فِی الْحَدِیْثِ بِالْاَشْرَاطِ. فَذَکَرَهُ الْقُرْاٰنُ بِکَوْنِهٖ عَلَمًا صَارَ عُرِفَ الْحَدِیْثُ کَوْنُهٗ مِنَ الْاَشْرَاطِ. وَ کَاَنَّهٗ اَخَذَ مِنْ هٰذَا اللَّفْظِ وَ مِنْ قَوْلِهٖ: فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا) وَ اِذَنْ فَفِی الْاٰیَةِ بِیَانُ الْاِمْکَانِ اَوَّلًا ثُمَّ بَیَانُ الْوُقُوْعِ ثَانِیًا، وَ اَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ وَ ابْنُ جَرِیْرٍ اَنَّ الْحَسَنَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قَالَ: نُزُوْلُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (ج......ص......)

ترجمہ: '' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ تمہارے طرف لوٹیں گے قیامت سے پہلے۔ اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نشانی ہے قیامت کی عیسیٰ علیہ السلام کا نشانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں علامات قیامت میں سے ایک نزول عیسیٰ علیہ السلام ہے تو قرآن نے اس کو نشانی

سے تعبیر فرمایا گویا کہ یہ اس لفظ سے لیا ہے فقد جاء اشراطها علامات قیامت تمہارے پاس آئیں۔ تو آیت میں بیان امکان ہے اولاً پھر بیان وقوع ہے ثانیاً عبد بن حمید رضی اللہ عنہ ابن جریر نے تخریج کی ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قیامت کے علامات میں سے نزول عیسیٰ علیہ السلام ہے۔"

تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم آیت کی تفسیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کرتے ہیں اور متواتر حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں کہ آپ نے خبر دی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی قیامت سے پہلے اِمَامًا عَادِلًا حَکَمًا مُقْسِطًا۔

اور ابن کثیر [85] نے دعویٰ کیا ہے احادیث متواتر ہونے کا۔ اور حافظ ابن حجر [86] نے تلخیص الحبیر میں اور فتح الباری میں دعویٰ کیا ہے اور جامع ترمذی میں حوالہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام دجال کو قتل کریں گے پندرہ صحابیوں کی حدیثوں پر، اور علامہ شوکانی [87] کا ایک رسالہ ہے جس میں انتیس حدیثوں پر اور لیلۃ الاسراء کی حدیث میں ہے جیسا کہ در منثور میں ہے اور بہت حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود آنے کا ذکر فرمایا ہے اور مسند احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابن جریر اور حاکم، اور اس کی تصحیح کی ہے ذہبی [88] نے اور ابن مردویہ [89] اور بیہقی [90] نے بعث اور نشور میں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَقِیْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی ...الخ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۴)

ترجمہ: "معراج کی رات میری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔"

ایسے ہی اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ اور نقل کیا ابی نے شرح مسلم میں امام مالک

سے جو اجماع کے موافق ہے اور جو ابن [91] حزم کی طرف منسوب ہے وہ بھی غلط ہے، ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:

فَاِنَّہٗ لَا یَخْتَلِفُ اِثْنَانِ فِیْ تَکْفِیْرِہٖ بِصِحَّۃِ قِیَامِ الْحُجَّۃِ بِکُلِّ

ھٰذَا عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۳ ص ۲۹۳)

اس کو کافر کہنے میں دو کا بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب امور کا اثبات سب پر ہو چکا ہے۔

تواتر کی چار قسمیں ہیں

(۲) تواتر کی ایک قسم تواتر طبقہ ہے جیسے کہ تواتر قرآن پاک کا تمام روئے زمین مشرق میں مغرب میں درس اور تلاوت کے ساتھ حفظ و ناظرہ اور تجوید کے ساتھ طبقہ بعد طبقہ ایک جماعت نے دوسری جماعت سے لیا یہاں تک کہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ گیا، گو اس کی سند معلوم نہ ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی اس میں سارے مسلمان شریک ہیں۔

(۳) تواتر کی ایک قسم ہے تواتر تعامل تواتر توارث جیسے مسواک اور کلی اور استنشاق [۱] کا تواتر۔

(۴) ایک قسم تواتر کی ہے تواتر قدر مشترک جیسا کہ معجزات کا تواتر اگرچہ ایک ایک معجزہ خبر واحد ہی سے ثابت ہو، مگر ان کا مجموعہ قدر مشترک متواتر ہو گیا ہے یعنی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزات کا صدور ہوا، یہ متواتر ہے۔ بعض لوگ تواتر کو گمان کرتے ہیں کہ وہ قلیل ہے حالانکہ ہماری شریعت میں انسان اس کا حصر نہیں کرسکتا، پس جب آپ نے یہ سمجھ لیا ہم کہتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت کا اعتقاد بھی فرض ہے

(۱) ناک میں پانی چڑھانا (خصوصاً وضو میں)۔

اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور نماز کی فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے، ایسے ہی مسواک کرنا سنت ہے اعتقاد اس کی سنیت کا فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا ترک کرنا عتاب ہے یا عقاب۔

(۵) تواتر کی ایک قسم تواتر معنوی بھی ہے۔تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

[92] مرزا غلام احمد قادیانی نے تواتر کی تمام اقسام کا انکار کیا ہے اس پر مرزائیوں کے نمائندے نے اعتراض کیا کہ تواتر تو مولویوں کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے پھر اس کا منکر کیسے کافر ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ یہ قرآن مجید جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، اور ہم تک اسی حالت حفاظت میں چلا آیا، اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟

پہلے تو مرزائی بہت چکرایا پھر کہنے لگا ہم اس کو تواتر کہتے ہیں، فرمایا یہی تو میں کہہ رہا تھا (مرزا غلام احمد نے تو کفار کے تواتر کو بھی تسلیم کیا ہے)۔

پھر جو چیزیں تواتر سے ثابت ہوں جیسے ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام چنانچہ پہلے گزرا ہم انکار کرنے والے شخص کو بالاجماع کافر کہیں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین میں انبیاء کی توہین کی ہے

اربعین میں غلام احمد نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حتیٰ کہ یوں کہا ہے کہ میں محمد بھی ہوں، پس ان کے کلمہ پڑھنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلام احمد کی مراد اپنی ذات ہے، مرزا صاحب نے بہت سے اسماء کا مسمّٰی [۱] بدل دیا ہے اور بہت سے مسمّٰی کے مصادیق بدل دیئے غرض اسلامی لٹریچر بدل دیا۔

---

(۱) نام رکھا گیا، پکارا گیا۔

ضروریات دین کا منکر کافر ہے

امت کا اجماع ہے کہ اس آدمی کی تکفیر کی جائے گی جو آدمی اس حکم کا جو دین میں بالضرورہ معلوم ہے انکار کرے، اور اس کی رِدَّت (مرتد ہونے) کا حکم کیا جائے پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین قیّم تام[1] لائے ہیں کسی کو کوئی حق نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر استدراک کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو آپ کے بعد کامل کرے۔ پس اسلام اور ایمان نسبی نام نہیں کہ اس کے ساتھ چمٹا رہے بلکہ تصدیق اور عمل کا نام ہے۔

اِیْثَارُ الْحَقِّ عَلَی الْخَلْقِ لِلْمُحَقِّقِ الشَّهِیْرِ حَافِظ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمِ اَلْوَزِیْرُ الْیَمَانِیؒ۔ (ص ۴۱۵)

یہ جان لو کہ اصل میں کفر جان بوجھ کر تکذیب کرنا ہے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے یا کسی کی اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کلمہ کفر کہے ھَازِلًا یا لَاعِبًا اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (ردالمحتار عن البحر)

جیسا کہ خانیہ میں ہے اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ نبوت کے وقت اور اس سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہیں جانتا اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ یہ ردنصوص ہے۔

جامع الفصولین ابن حزم کی کتاب الفصل قاضی عیاض کی شرح شفاء اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الصارم المسلول کے حوالے

جامع الفصولین میں ہے اگر کسی نے کلمہ شہادت علی وجہ العادت کہا تو اسے کچھ نفع نہ دے گا جب تک کہ جو کہا تھا اس سے نہ لوٹے کیونکہ کلمہ شہادت سے اس کا کفر رفع نہیں ہوتا۔

---

(۱) قائم رہنے والا، ہمیشہ کے لئے۔

ابن حزم کی کتاب الفصل میں ہے جو چیز بالاجماع ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیز کی تھی پھر کوئی اس کا انکار کرے بالاتفاق اسے کافر کہا جائے گا اور جو آدمی استہزاء(۱) کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے کسی فرشتے سے یا اس کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی سے یا قرآن پاک کی کسی آیت سے پس وہ کافر ہے۔

قاضی 93 عیاض کی شفا کی شرح جلد ۲ صفحہ ۳۹۳ میں ملا علی 94 قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

اَجْمَعَ عَوَامُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْتَلُ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَحْنُوْنَ۔ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اَنَّ شَاتِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَنَقِّصُ لَهٗ كَافِرٌ، وَ مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ كَفَرَ۔

ترجمہ: ”اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کیا جائے گا محمد بن سحنون نے فرمایا علماء کرام نے اتفاق کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو گالی دینے والا اور حضور اکرم ﷺ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہو گیا۔“

اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ ﷺ بشر ہیں یا فرشتہ، یا جنات میں سے ہیں یا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ عربی ہیں یا عجمی تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ قرآن پاک کو اس نے جھٹلایا۔

اور حافظ ابن 95 تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصارم المسلول ص ۵۱۹ پر لکھا ہے کہ

---

(۱) بے ادبی، مذاق (تمسخر)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط (سورۃ التوبہ:٦٦)

ترجمہ: ''تم عذر مت پیش کرو کیونکہ تم کافر ہو گئے ایمان لانے کے بعد۔''

یہ نہیں فرمایا کہ تم:

اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط (سورۃ التوبہ:٦٥)

کہنے میں جھوٹے ہو بلکہ ان کے خوض اور لعب پر ان کی تکفیر کی وہ ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

قبر میں خاتم النبیین کے بارے میں سوال ہوگا، تاریخ ابن عساکر کا حوالہ

تاریخ ابن عساکر میں ہے تمیم داری کے ترجمے میں کہ قبر میں سوال ہوگا خاتم الانبیاء کے متعلق۔

قرآن پاک نے ان کا نام رکھا ملحدین اور حدیث پاک میں اس کو باطنیت سے پکارا اور علماء نے ان کو زندیق کہا۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا (سورۃ حٰم سجدہ:٤٠)

ترجمہ: ''جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج کا تذکرہ

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

وَ كَذَالِكَ الزَّنَادِقَةُ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ وَ قَدْ كَانُوْا لَا يُظْهِرُوْنَ الْاِسْلَامَ۔ (ج١ ص١٩٦)

ترجمہ: ''اس طرح زندیق وہ لوگ ہیں جو الحاد کرتے ہیں اور اسلام

کو ظاہر کرتے ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

يَضَعُوْنَ الْكَلَامَ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ۔ (زاد المسیر لابن جوزی ج ۷ ص ۲۶۱)

ترجمہ: ''کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں۔''

مرزا غلام احمد نے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین اس قدر کی ہے کہ جس کو سن کر جگر شق ہوتا ہے، خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اِس سے جو کسی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا ہو وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی جگہ کسی اور کا نام لکھ دیا ہے۔ میرا ایک قصیدہ ہے اس میں شعر ہے:

تَفَكَّهَ فِيْ عِرْضِ النَّبِيِّيْنَ كَافِرٌ
عُتُلٍّ زَنِيْمٍ كَانَ حَقٌّ مُهَانٍ
يَلَذُّلَهُ بَسْطُ الْمَطَاعِنِ فِيْهِمْ
وَ يَجْعَلُ نَقْلاً عَنْ لِسَانِ فُلَانٍ
فَشَانِيْ شَانُ الْاَنْبِيَاءِ مُكَفِّرٌ
وَ مَنْ شَكَّ قِيْلَ هٰذَا لِاَوَّلِ ثَانٍ

ترجمہ: ''وہ کافر انبیاء کی توہین میں مزے لے رہا تھا وہ خود اجڈ ہے بدنام زمانہ حرام زادہ ہے اور یقیناً کمینہ ہے۔ ان کو لذت محسوس ہوتی ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے اندر طعن پھیلانے میں۔ اور اس کو فلاں کی زبان سے نقل کرتے ہیں۔ میری شان یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کی وجہ سے کافر ہے اور جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ ایسا ہے کہ وہ اوّل کو دوسرا کہے۔''

جیسا کہ بہار دانش کی حکایت ہے وہ حکایت بازاری ہے جب اس کو معلوم ہوا

وہ یہیں بیٹھا سن رہا ہے تو اس سارے قصے کو خواب بنا دیا۔

وَ هٰذَا كَمَنْ وَافٰى عَدُوًّا يَسُبُّهٗ
يَجْمَعُ اَشَدَّ السَّبِّ مِنْ شَنَاٰنٍ
فَصَيَّرَهٗ رُؤْيَا وَ قَالَ بِاٰخِرٍ
اِذَا انْفَتَحَتْ عَيْنِيْ مِنَ الْخَفْقَانِ

ترجمہ: ''اور ایسا ہے جو اپنے دشمن کی برائی بیان کر رہا تھا۔ بغض کی وجہ سے بعض سخت گالیاں جمع کی ہیں تو پھر اس کو خواب ظاہر کیا کہ یہ تو میں نے خواب دیکھا تھا جب میری آنکھیں خفقان (گھبراہٹ) سے کھل گئیں۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان قادیانیوں کے خلاف ہو رہا تھا تو آپ نے دورانِ تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مرزا صاحب نے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی ہے جو صراحتاً کفر ہے۔ والعیاذ باللہ

اس پر قادیانیوں کے نمائندے نے کہا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی وفات پر کہا تھا کہ

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

اس شعر میں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے صریح توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کی ہے، پھر آپ ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حضرت کا شعر نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب نے جواب دیا کہ شعر تو حضرت مولانا کا ہے۔ جج صاحب لکھو میں جواب دیتا ہوں، حضرت مولانا اس شعر میں اپنے شیخ کے لئے داد مانگ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں اور میرے شیخ کے کارنامے کو

ملاحظہ فرمائیں اور داد دیں جیسے چھوٹے بڑوں سے داد مانگا کرتے ہیں۔ چونکہ آپ تشریف لانے والے ہیں، اسی واسطے آپ ہی سے داد بھی لینا ہے۔

ضروریات دین میں فقط استتابہ[1] ہے، فتح الباری میں ہے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اَیُّمَا رَجُلٍ اِرْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ فَادْعُهُ وَاِنْ عَادَ وَاِلَّا فَاضْرِبْ عُنُقَهٗ۔ (ابن حبان ج ۲۰ ص ۵۳)

ترجمہ: ''جو بھی آدمی مرتد ہو جائے اسلام سے ان کو اسلام کی طرف دوبارہ دعوت دیجئے اگر اسلام کی طرف لوٹ کر آیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیجئے۔''

تکفیرِ روافض میں اختلاف ہے، راجح تکفیر ہے

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے علامہ ابن عابدین شامی عدم تکفیر کی طرف ہیں، اور حضرت شاہ 96 عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اکفار کرتے ہیں، ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو ابتلاء حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا، مسئلہ کا اختلاف نہیں ابتلاء کا ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)

ترجمہ: ''جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان وثواب کی نیت سے ان کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

---

(۱) پلٹ آنا، توبہ طلب کرنا۔

اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے:

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ اِذَا اَشْعَرَ بِهٖ قَلْبُهٗ وَ حَرَصَ بِهٖ۔ (مسند احمد ج۱۳ ص۳۸۳)

ترجمہ: ''جس نے نیکی کا ارادہ کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب دل نے ان کا شعور اور احساس کیا اور اس کے ثواب کا حرص کیا۔''

یہ اشعارِ قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے جو نفس نیت پر ایک امر زائد ہے، نیت پر بھی ثواب ملتا ہے اور احتساب پر ثواب مضاعف (۱) ہو جاتا ہے گویا احتساب نیت کا استحضار ہے، فرمایا:

اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

97 میں او بمعنی واؤ ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں تو وہی آیا ہے۔

معتزلہ کا ردّ

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے:

لَا يَنْفَعُ اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ اٰمَنَتْ وَلَمْ تَكُنْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔

ترجمہ: ''اس کو ایمان نفع نہ دے گا جس نے موت سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو یا موت سے پہلے تو ایمان لایا لیکن اس ایمان میں کوئی نیک عمل اس نے نہیں کیا۔''

98 تا کہ مقابلہ صحیح ہو سکے، اسکا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا ہے، ابن

---

(۱) دُگنا۔

حاجب[99] نے بھی جواب دیا ہے اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی[100] اور ناصر الدین[101] نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام[102] نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں ''او'' دو چیزوں میں منافات[1] کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد ایمان اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

کفار کے اعمال بھی دنیا میں مفید ہو سکتے ہیں

فرمایا حضرت حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا:

اَسۡلَمۡتَ عَلٰی مَا اَسۡلَفۡتَ مِنۡ خَیۡرٍ۔ (مسلم ج۱ ص۷۹)

تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے، یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ کفار کی طاعات وقربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔ طاعات وقربات سے مراد صلہ رحمی، تحمل، بردباری، غلام آزاد کرنا، صدقہ، رحم وکرم، جواں مردی، بخش دینا، عدل و انصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اُخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب ونعمت کا مستحق بنائیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف[2] عذاب کا سبب بن سکیں گے، اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی۔ چنانچہ ابوطالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

---

(۱) ایک دوسرے کی ضد، نفی، مخالفت۔

(۲) کمی

فرمایا یہ جو حدیث ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمَائَةِ ضِعْفٍ وَ كُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا۔

(بخاری ج ا ص ۱۱)

ترجمہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی دل سے اسلام لے کر آئے تو ہر نیکی جو وہ کرتا ہے وہ ستر گنا بڑھا کر لکھی جائے گی اور ہر وہ برائی جو وہ کرتا ہے اسی کی مثل لکھی جائے گی۔''

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ کرے، اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزمِ مصمّم (۱) کرے۔ ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام (۲) یہ ہے کہ اسلام لائے مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے، ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہوگیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا، پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کردیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ۔

(ترمذی، حدیث ۲۳۱۷)

ترجمہ: ''آدمی کے اسلام کا حسن اس میں ہے کہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔''

☆☆☆☆

---

(۱) پکا (مضبوط) ارادہ۔

(۲) زوال، کمی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الطاف کریمانہ

ایک دفعہ غالباً ۱۳۴۸ھ بیرون کا موسم تھا، اور احقر دیوبند حاضر ہوا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت صحن میں چارپائی پر تشریف فرما تھے، مولانا مشیت اللہ [103] بجنوری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے۔ کمال مہربانی فرمائی، ہمیں دیکھتے ہی چارپائی سے اٹھ کر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے اور مصافحہ فرمایا، پھر مولانا مشیت اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ان کو بیر کا چھلکا اتار کر عنایت فرما رہے تھے، ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

[104] مولوی محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں کھانا عمدہ پکائیو، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دو ٹوکرے باقر خانیوں کے لے آئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی، اگر کوئی شے لانا ہی ہو تو یسیر(۱) سی چیز لے آیا کرو، میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت تھوڑی چیز لانا چاہئے۔

''فصل الخطاب'' کا تذکرہ اور جواب

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کر دیا کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے بڑی ہی تعلّی(۲) دکھائی ہے۔ فرمایا جب عناد(۳) پر کوئی اتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا مشیت اللہ رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے ہم سب نماز کے لئے

---

(۱) کم مقدار، تھوڑی۔

(۲) برتری۔

(۳) مخالفت۔

ے قریب والی مسجد میں چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود امامت کرائی اسی طرح سب نمازوں میں خود ہی امام بنے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اقتداء میں کئی نمازیں نصیب کردیں۔

دوسرے دن بعد نماز فجر ہی ہمیں بلایا، اور بڑی شفقت فرمائی، میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے، اس پر بڑے خوش ہوئے کہ اس کو کتاب پر نظر ہے۔ پھر فرمایا آپ ذرا لیٹ جائیے یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے، خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے ہم نے متبرک سمجھ کر تکیہ کے نیچے رکھ لئے پھر دوپہر کو کھانا پرتکلف بھیجا، مولانا محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس سکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی ایک مہمانوں نے مل کر کھانا کھایا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیعت فرما کر ذکر چشتیہ تلقین فرمانا

پھر بعد ظہر میں نے عرض کیا کہ ساتھی کو بیعت فرمالیں نہایت شفقت سے قبول فرمالیا، اور دوازدہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا۔

بچوں کے لئے تعویذ

پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے پھیکی ہو جائے گی اور پرانی بودار اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہئے، عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈلوائی اور تعویذات لکھ کر ہمارے حوالے کئے فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ (بخاری، حدیث:۳۳۷۱)

ترجمہ: ''میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مکمل کلمات کے ساتھ ہر شیطان سرکش اور نظر ڈالنے والی آنکھ سے۔''

حضرت 105 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کرے:

حَصَّنْتُكَ بِحِصْنِ اَلْفِ اَلْفٍ۔

ترجمہ: ''میں نے آپ کو ہزار ہزار قلعوں میں محفوظ کیا۔''

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرمادیں پھر بڑی عنایت ہوئی۔

جب شام کی گاڑی سے ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے اگر کوئی اور گنجائش ہوتو اور ٹھہر جاؤ، احقر نے عرض کیا کل کو رخصت لے لیں گے، پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی، جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا تفقد (۱) نہیں ہوسکا۔ کچھ خیال نہ کرنا میں بھی علیل ہوں مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر

مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس کے تاثرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے فرمایا کہ میں بحر علم وعمل، قدوۃ المحدثین زبدۃ المدققین حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ کے متعلق کچھ یادداشت قلم بند کروں، مگر آپ کو معلوم ہے کہ بیماری کی وجہ سے میرا حافظہ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک دو باتیں بالمعنی عرض کرتا ہوں۔ (وَهِيَ هٰذَا)

جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ دار العلوم دیوبند میں تھے اس وقت میں تھانہ بھون گیا ہوا تھا، وہاں سے فارغ ہوکر دیوبند آیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس وقت اوپر والے

---

(۱) اہتمام۔

کمرے میں تھے۔ جو دار التفسیر کی قریب ہے اتفاق سے اکیلے تھے میں ملا اور مؤدبانہ ملاقات کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں، بعد میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب فصل الخطاب دی اور فرمایا کہ اس کو دیکھنا، پھر فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ کتاب طلباء کو مفت دی مگر بعض طلباء نے بازار میں چار آنہ میں بیچ دی، مفت کی یہ قدر کی۔ پھر فرمایا کہ میرے دل میں مضامین اُبلتے اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کو بذریعہ تحریر ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں، افسوس کہ ایسا آدمی نہیں ملتا، جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا، اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل چلے گئے اس کے بعد ایک وقت دیوبند آئے ہوئے تھے۔ غالباً رمضان المبارک میں یا عیدالاضحیٰ کے بعد بندہ مع چند رفقاء تھانہ بھون گیا ہوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم سب دیوبند آئے، غالباً مولوی محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ [106] اور مولوی عبداللہ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ [107] وغیرہ بھی ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے گھر پر حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرض کی وجہ سے کچھ ضعف ہو رہا تھا مگر شفقت بزرگانہ سے ساتھ بیٹھے اور افادیت سے متمتع (۱) کیا۔

مُغنی ابن قُدّامہ مطبوعہ اور مخطوطہ میں فرق ہے

میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ [108] کی پوچھی فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو مطبوعہ ہے وہ غلط ہے۔ صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی، چنانچہ باوجود

---

(۱) مستفید۔ فائدہ پہنچایا۔

ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت 1947ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)۔

میں اس وقت اپنا رسالہ ''خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام'' لکھ رہا تھا چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے، میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس اسرارہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دیئے۔ یعنی اس رسالہ کے دو چار ورق سنائے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے غیر مقلد کا رسالہ ''الکتاب المستطاب'' دیکھا یا نہیں؟ فرمایا کہ میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا، میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں، اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوتی ہیں۔

فرمایا جو بات قابل استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں، میں جواب دوں گا، اگر کسی شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث دیجئے اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے، فرمایا کہ میں آپ کو بلا سنے سند دیتا ہوں، اور اجازت (حدیث) دیتا ہوں میرا آپ پر اعتماد ہے اگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

بندہ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

(۲۸ جمادی الاخری ۱۳۸۳ھ)

☆☆☆☆

فلپائن کے شیخ الاسلام کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر ہونا

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زبانی سنئے، آپ ''القاسم'' ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں:

اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم دیوبند نے نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی۔ مولانا موصوف کے فضل و کمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں، مولانا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زباندانی اور فصاحت روانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائق اصول دین و نکات علم کلام و حدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سنی ہوگی، حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر و مضامین پر محو حیرت تھے، نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے اور استحسان و تسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے، مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے، وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کرسکتا تھا، مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان ہی مضامین دقیقہ (۱) کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کردیا کہ نہ فہم مضامین میں خلل واقع ہوا نہ کوئی ضروری بات فروگزاشت (۲) ہوئی نہ بے ضرورت زائد از حاجت ایک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب و منقح بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کرکے

---

(۱) مشکل، باریک۔

(۲) بھولنا۔

سنا تا تو ایسی سلاست و روانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح و برجستہ تقریر نہ کرسکتا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

(شیخ الاسلام فلپائن نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور ابھی مجھ کو استاد جلیل (مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ) نے اس مدرسہ کے مؤسس اور بانی کے اصول دربارۂ اشاعت علوم تائید دین سمجھائے ہیں تو مجھ کو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہی، اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت والجماعت کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے متبع ہیں اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عین سنت او فرائض علماء میں داخل ہے۔

اور آخر میں قسم کھا کر فرمایا آج استاد جلیل (مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سنے تھے اور یہ مجلس ہمیشہ یاد رہی گی۔

فصاحت و بلاغت کے نمونے

☆...... ایک دفعہ لاہور آسٹریلیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ احقر نے دریافت کیا کہ کیا لما ظرفیہ کا صلہ فاء بھی آتا ہے؟ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اُشمونیؒ [109] نے لکھا ہے کہ جائز ہے۔ اور استدلال میں آیت پیش کی:

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ط (سورۃ لقمان: ۳۲)

ترجمہ: ''پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دی تو کوئی ان میں ہوتا ہے بیچ کی چال پر۔''

اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے، پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص ۴ میں ہے:

ثُمَّ لَمَّا وُفِّقْتُ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَ تَائِيْدِهِ لِلْاِتْمَامِ اِلخ فَجَاءَ بِحَمْدِ اللّٰهِ

كَمَا يَرْوِيْ النَّوَاظِرُ۔

ترجمہ: ''پھر اللہ کی مدد اور تائید سے مجھے اتمام کی توفیق دی گئی۔''

110

نیز تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے:

مِثْلُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اِبْنِ عُمَرَ وَ ذُوِيْهِمَا۔

ترجمہ: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح۔''

ص ۲۳ مسلم میں آخری سطر، میں نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں میں یہ مل گیا۔

مختصر المعانی ص ۱۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی:

لَسَلَّمَ مِنَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْحَالِ وَذَيْهَا بَالْاَجْنَبِيِّ ۔ جَادَلْتُمْ خَاصَمْتُمْ عَنْهُمْ عَنْ طُعْمَةٍ وَ ذَوِيْهِ۔ (جلالین ص ۸۶ مطبوعہ نور محمد)

ترجمہ: ''تو وہ بچ گئے فصل سے حال اور ذی الحال کے درمیان اجنبی سے۔''

مقامات حریری ص ۱۰۱ میں ہے:

فَجَاءَتْ بِاِبْنِ يُسْرٍ ذَوِيْهِ (وَغَيْرَهٗ مِنَ الْكُتُبِ)۔

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الغواص کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے اور صحاح جوہری میں ہے:

جَامَعَهٗ عَلٰى كَذَا أَيْ اِجْتَمَعَ مَعَهٗ۔

مسلم شریف میں بھی ص ۵۲ پر فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَذْكُرْ قُدُوْمُ ابْنِ الْمَسْعُوْدِ وَاِجْتِمَاعُ ابْنِ عُمَرَ مَعَهٗ۔

ترجمہ: ’’ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آنے کا ذکر نہیں کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع ہونے کا ذکر نہیں کیا۔‘‘

اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص ۸۴ میں ہے:

أَنْ یَقَعَ ظَرْفًا لَمَّا اجْتَمَعَ مَعَهٗ۔

شرح ملا جامی ص ۵۶ میں ہے:

لَا یَجْتَمِعُ مَعَ اللَّامِ وَالْاِضَافَةِ۔

تذکرہ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۴ میں ہے:

رَأَیْتُ یَوْمًا اِجْتَمَعَ مَعَ الدَّارِ قُطْنِیْ۔

ترجمہ: ’’میں نے ایک دن دیکھا وہ دار قطنی کے ساتھ جمع ہوا تھا۔‘‘

تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۹ میں ہے:

اِجْتَمَعَ مَعَهٗ۔

اور ص ۴۰۸ میں ہے:

اَنْ یَجْتَمِعَا مَعَ الْاَوْلَادِ اِلٰی غَیْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِبَارَاتِ۔

ابن سینا اور مسئلہ روح

☆......فرمایا کہ [111] ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی حیرت کا اظہار کیا، پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت [112] شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی اور تحقیقی بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ صاحب جب روحانی آدمی تھے اس میں عَلَمْ کو مضاف استعمال کیا ہے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا، یہ محاورہ عرب کے خلاف ہے، پھر یہ معاملہ صاحب نفحۃ الیمن تک پہنچا تو اس نے کہا علم کو مضاف وہی استعمال کرسکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو، یہ کوئی بڑا ادیب ہے جس کا یہ کلام ہے تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

فصل الخطاب کی عبارت کا مطلب

☆......احقر مارچ 1930ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا اس وقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے، پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار واوراد سے فارغ ہوکر ہمیں اندر بلالیا، میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔ فرمایا:

فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ۔

میں کلمہ استثناء کے بعد تعیین فاتحہ کرنا شارع کو منظور ہے، یہ نہیں کہ تعمیم فاعل بیان کرنا مقصود ہے پس لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا بِاُمِّ الْقُرْآنِ میں ناظرین پر ملتبس[1] ہوگیا کہ إِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا جو کلمہ اُمُّ الْقُرْآنِ سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر جو واوَ ہے اس کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، حالانکہ مقصود اُم القرآن کی تعیین ہے گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں، اگر کوئی پڑھے تو اباحۃ مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب ص ۶۷ کی اصل عبارت یہ ہے:

وَ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ لَفْظُ مُحَمَّدِ ابنِ اِسْحَاق مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى آخِرِهٖ مَسْئَلَةُ وُجُوْبِ الْفَاتِحَةِ فِي الصَّلَاةِ قَصْدًا مَعَ الْاِبَاحَةِ لِلْمُقْتَدِيْ تَبَعًا. وَ لَيْسَ التَّعْلِيْلُ لِعُمُوْمِ الْفَاعِلِ وَ هُوَ الضَّمِيْرُ فِي اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا الْمُقَدَّرُ بَلْ لِتَعْيِيْنِ الْمَفْعُوْلِ بِهٖ اِيَّاهَا وَ هُوَ قَوْلُهٗ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ، وَ هُمَا اَمْرَانِ. فَالْمَطْلُوْبُ

---

(۱) مشتبہ۔ مُبہم۔

ذَاتُ الْفَاتِحَةِ وَ وُجُوْدُهَا عَلٰی شَاكِلَةِ فَرْضِ الْكِفَايَةِ لَا عَمَلَ كُلِّ وَاحِدٍ لُزُوْمًا. فَاِنْ فَعَلَ مَنْ شَآءَ مِنْهُمْ فَهُوَ فِيْ حَلِّ الْاِبَاحَةِ الْمَرْجُوْحَةِ، وَالْتَبَسَ عَلَی النَّاظِرِيْنَ تَعْيِيْنَ الْمَفْعُوْلِ بِهٖ بِتَعْمِيْمِ الْفَاعِلِ لُزُوْمًا۔

ترجمہ: یہ احتمال ہے کہ محمد ابن اسحاق کا کلام اول سے آخر تک نماز میں وجوب فاتحہ کا مسئلہ ہے قصداً اور مقتدی کے لئے اباحت تبعاً اور یہ عموم فاعل کے لئے تعلیل نہیں ہے بل تعیین مفعول بہ کے لئے تعلیل ہے او الا بام القرآن ہے اور یہ دونوں مختلف امر ہیں تو مطلوب فاتحہ کی ذات ہے۔ فرض کفایہ کے طور پر نہ یہ کہ ہر آدمی پر لزوماً واجب ہو۔ پس جس نے چاہا پڑھ لیا تو اباحت ہے لیکن یہ بھی مرجوح ہے ناظرین پر تعیین مفعول بہ وہ الا بام القرآن ہے اس کا التباس تعمیم فاعل ای الا ان تفعلوا ہے۔"

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرح صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ جلدی میں سمجھنے سے قاصر رہے کہ شاہ صاحب لفظ اَنْ تَفْعَلُوْا جو اِلَّا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے:

لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْبِهَا۔

چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے:

قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ يَقْرَأَ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ

نَفۡسِہٖ۔

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ کو یہ معلوم نہیں کہ لَا تَفۡعَلُوۡا میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔ دیکھئے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے:

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

ترجمہ: ''جب آپ اہل دل کی باتیں سنو تو یہ مت کہو کہ یہ غلط ہے آپ باتوں کو جاننے والے نہیں، اے دلبر خطا یہاں ہے۔''

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وَھُوَ الضَّمِیۡرُ فِیۡ لَا تَفۡعَلُوۡا الۡبَارِزُ۔

حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں:

ھُوَ الضَّمِیۡرُ فِیۡ اِلَّا اَنۡ تَفۡعَلُوۡا الۡمَقَدَّرُ۔

اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا، اِلَّا اَنۡ تَفۡعَلُوۡا کی جگہ لَا تَفۡعَلُوۡا نہی کا صیغہ لکھ مارا، پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اَنۡ تَفۡعَلُوۡا جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واؤ کی تعمیم مقصود نہیں، چنانچہ اس سے صریح عبارت فصل الخطاب ص ۶۸ میں یہ ہے:

اَیۡ اَنَّ قَوۡلَہٗ: فَاِنَّہٗ لَا صَلَاۃَ لِمَنۡ لَمۡ یَقۡرَأۡبِھَا لَیۡس تَعۡلِیۡلاً لِعُمُوۡمِ الۡفَاعِلِ فِیۡ اِلَّا اَنۡ تَفۡعَلُوۡا، بَلۡ لِتَعۡیِیۡنِ اَنَّ الۡمَقۡرُوۡءَ اِنۡ کَانَ فَھُوَ الۡفَاتِحَۃُ لَا غَیۡرَھَا وَ ھُوَ الۡمُنَاسِبُ، انتھی۔

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں...... نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا...... اسی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی

جوابات ہم نے دوسری جگہ دیئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس اور ظرافتیں

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بعض اوقات ظرافت کی باتیں بھی ہوجاتی تھیں۔

☆......ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا جب اترنے لگا تو طریقہ بھول گیا، ایک اور مغفل بھی آ گیا اس نے رسہ طویل نیچے سے اس کی طرف پھینکا کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں تجھے نیچے کھینچ لوں گا، نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا، لوگوں نے اس کو پکڑا کہ یہ تو نے کیا کیا بے چارے کی جان بھی گئی، جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریقہ سے اوپر کھینچ لیا تھا اسی پر قیاس کر کے میں نے سمجھا۔

چہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بزیر

ترجمہ: ''کیا دس گز اوپر کیا دس گز نیچے۔''

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

113

☆......فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث دے رہے تھے کوئی رئیس آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا ابن جریر رحمہ اللہ نے اٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا، تھیلی پھٹ کر دینار ادھر ادھر بکھر گئے اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا اور جمع کرنے لگا حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے جب تو نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس لئے جمع کرتے ہو؟ اب تو تمہاری ملک رہی نہیں سچ ہے دنیا کی حرص بری چیز ہے۔

114

☆......فرمایا ایک دفعہ میں اور مولانا اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ دیوبند کے لئے چندہ کی غرض سے سورت گئے، میزبان نے کچھ کھانا لا کر رکھا، ہم کھانے لگے میں

نے خیال کیا کہ اور تو شاید آئے گا نہیں اسی میں گزارہ کرلیا، تھوڑی دیر میں اور کھانا بھی لے آئے، مولانا اصغر حسین صاحب فرمانے لگے کہ تو کیوں نہیں کھاتا؟ میں نے کہا مجھے تو یاس کُلّی (۱) ہو چکی تھی اب کھانا اور نہیں آئے گا، لہٰذا میں نے اسی میں گزارہ کرلیا اس ''یاس کُلّی'' پر بہت مسکراتے تھے۔

حدیث ''انما الاعمال'' کی عجیب وغریب تشریح

☆...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِامْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲)

ترجمہ: ''یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے پس جس نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پس اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اور جس نے ہجرت کی دنیا کے لئے کہ وہ اسے مل جائے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے تو اس کی ہجرت اسی کیلئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔''

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں: (۱) عمل، (۲) نیت، (۳) غایت۔ پہلی کی طرف اشارہ فرمایا...... فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ......یعنی عمل کی طرف اشارہ کردیا، اور ثانی کی طرف اشارہ فرمادیا...... اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ...... پس الی اللہ یہ نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرمادیا...... فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ...... پس وہ غایت ہے ایسا ہی جملہ ثانیہ میں ہے۔

---

(۱) مکمل مایوسی

لفظ مسیح کی تشریح

☆......فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرّب ہے، اس کے معنی عبرانی زبان میں مبارک، اور لفظ عیسیٰ ایشوع سے لیا گیا ہے اس کے معنی مخلص، اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں، جب مراد اس سے خاتم النبیین ﷺ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد چونکہ ختم ہوگئی اس لئے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے لایا گیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان ہی کا انتخاب ہوا، جس نبی نے صراحۃً بشارت نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے کی دی وہی آکر تصدیق بھی فرمائیں گے۔ اور حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

فتاویٰ عالمگیری کا تذکرہ

☆...... لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ [115] بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا سید محمد طلحہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ [116] نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہوکر تحریر ہوتا تھا، یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

یوم عاشوراء کی تاریخ کی تحقیق

(القاسم جلد ۳، دیوبند ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ)

عالی جناب صوبیدار صاحب کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جملہ فقہاء محدثین

کے نزدیک یوم عاشوراء دسویں محرم ہے، لیکن روایات حدیث اور حساب دونوں اس کے خلاف ثابت ہے۔

احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس روز مدینہ منورہ تشریف لائے یہود مدینہ کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ ان سے وجہ روزہ کی دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا یہ دن بہت مبارک ہے اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو انکے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز روزہ رکھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم تو بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کریں، تب آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا، اور یہ مسلّم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مدینہ منورہ تشریف لانا ۸ ربیع الاوّل کو ہوا، اور ۸ ربیع الاوّل مطابق ہوتی ہے۔ 20 ستمبر 662ء کے اور 20 ستمبر 662ء مطابق ہوتی ہے دہم تشرین کے، ان دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یوم عاشورا جس کے روزے کا مسلمانوں کو وجوباً یا استحسانا حکم دیا گیا ہے دہم تشرین ہوتی ہے۔ فقہاء کا صوم عاشورا کے لئے دسویں محرم کو متعین کر لینا ظاہراً غلط معلوم ہوتا ہے کسی حساب سے ۲۰ ستمبر ۶۶۲ء دسویں محرم کے مطابق نہیں ہوتی۔

مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین وفقہاء ومحدثین رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشوراء دسویں محرم ہے، اس میں ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بدیں تفصیل مروی ہے ''حکم بن الاعرج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ عاشوراء کا روزہ کس روز رکھوں؟ فرمایا کہ جب تم ہلال محرم کو دیکھو تو شمار کرتے رہو جب نویں تاریخ ہو روزہ رکھو، میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح روزے رکھتے

تھے؟ فرمایا: ہاں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے، رہا نویں تاریخ کا روزہ یہ اس بناء پر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نویں محرم کے روزہ کو دسویں کے ساتھ ملانا چاہتے تھے، اس کی خلاف صرف ایک روایت کی بناء پر بظاہر اشکال واقع کیا گیا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَةَ فَرَأَی الْیَهُوْدَ تَصُوْمُ عَاشُوْرَاءَ۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۷۷)

"(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔"

لیکن درحقیقت یہ اشکال واقع نہیں ہوتا، کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس روز مدینہ میں تشریف لائے اسی روز یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا، بلکہ روایت کا یہ مطلب ہے کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اول مرتبہ جب محرم آیا تو آپ ﷺ نے یہود کو دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اور صاحب "نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام" کی یہ روایت کہ یوم قدوم رسول اللہ ﷺ یوم عاشوراء تھا، کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ روایت صحیح روایت کے خلاف ہے اس کے نقل وسیاق میں ضرور تخلیط [1] واقع ہوئی ہے، اور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ دن عاشوراء مسلمین کا دن تھا، بلکہ یہود کے بعض فرقوں نے یوم عاشوراء کو جو قمری مہینے کے حساب سے ہوتا تھا شمسی مہینے میں لے کر اس دن اور تاریخ کو بدل دیا تھا، پس ممکن ہے کہ ان بعض یہود کی حساب سے عاشورا کا دن ہو نہ کہ مسلمانوں اور اکثر یہود کا۔

---

(۱) کلام میں باطل کا ملانا، خلط ملط

خلاصہ یہ ہے کہ کسی قابل اعتماد روایت سے یہ امر ثابت نہیں کہ آپ کے تشریف لانے کا دن عاشوراء کا دن تھا، اور سارے اشکال کی بنیاد صرف اتنی ہی بات پر تھی، پوری تحقیق اور تفصیل مولانا کے کلام میں موجود ہی، ملاحظہ فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بے حد مرحی قیوم را کہ تصرف از مان وا کوان در حیطۂ قدرت اوست، و تشریف چیزے بر چیزے بمقتضائے ''کل یوم ہو فی شان'' آیت کبریا وعظمت او۔ درود نا محدود بر سید موجودات وسرور کائنات کہ سنت غرآء وے حجت بیضاء است، و طلعت سعید وے عید سنہ شہباء، دین متین وے غرہ جبین سعداء وقرء عیون کملاء، وبر آل واصحاب وے و جملہ اتباع واحباب وے۔

ترجمہ: ''بے حد حمد ہے اس حی و قیوم کے لئے کہ زمان اور کون کا تصرف اس کے احاطہ قدرت میں ہے۔ اور ایک چیز کی شرافت دوسری چیز کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ کے تقاضا کے مطابق اللہ کی کبریائی اور عظمت کی علامت ہے غیر محدد درود شریف اس موجودات کے سردار پر اور کائنات کے سردار پر ہے کہ اس کی چمکیلی سنت روشن دلیل ہے اور ان کا چہرے کا ظاہر ہونا عید ہے۔اور اس کا دین متین نیک بخت لوگوں کی پیشانی کی چمک کا ذریعہ ہے اور اس کا دین متین کامل لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور اس کے آل واصحاب پر اور ان کے تمام دوستوں اور متبعین پر درود ہو۔''

امابعد، ایں سطرے باقتضاء حال درحل بعض اشکال متعلق تاریخ یوم عاشوراء درسلک تحریر کشیدہ شد و مرام ازاں محض تحقیق مقام است لاغیر، و بخدا توفیق۔

ترجمہ: ’’امابعد! یہ چند سطریں مقتضی حال کے مطابق بعض اشکال کے حل میں جو یوم عاشورا کے تاریخ کے متعلق اشکال تھا تحریر کیں اور مقصود اس سے صرف تحقیق مقام ہے اور کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔‘‘

باید دانست کہ یوم عاشورا بمقتضائے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و اتفاق امت مرحومہ یوم عاشورا ازمحرم الحرام حسب رؤیت ہلال است۔

ترجمہ: ’’یہ جاننا مناسب ہے کہ یوم عاشورا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کے مطابق اور امت مرحومہ کے اتفاق کے مطابق یوم عاشورا محرم کے چاند دیکھنے کے بعد دسواں دن ہے۔‘‘

قَالَ فِیْ عُمْدَۃِ الْقَارِیْ: وَ ھُوَ مَذْھَبُ جُمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَھُمْ. اھ (ج ۱۱ ص ۱۱۷)

وَ قَالَ الزُّرْقَانِیْ : وَ قَالَ الْقَاضِیْ وَالنَّوَوِیْ: اَلَّذِیْ تَدُلُّ عَلَیْہِ الْاَحَادِیْثُ کُلُّھَا اَنَّہُ الْعَاشِرُ وَھُوَ مُقْتَضَی اللَّفْظِ. اھ (ج ۲ ص ۲۶۲)

و در جامع ترمذی: عن الحسن عن ابن عباس روایت کردہ قَالَ: اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصَوْمِ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ یَوْمٌ عَاشِرٌ. اھ (ج ۱ ص ۹۴)

وَ قَالَ فِیْ عُمْدَۃِ الْقَارِیْ: وَ مِنْھَا مَا رَوَاہُ الْبَزَّارُ مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَۃَ بِلَفْظِ: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِصِیَامِ عَاشُوْرَاءَ یَوْمَ الْعَاشِرِ، وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحِ. اھ (ج ۱۱ ص ۱۱۹)

وَحَدِیْثُ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَکَمِ ابْنِ الْاَعْرَجِ قَالَ: اِنْتَھَیْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَھُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَاءَہٗ فِیْ زَمْزَمَ. فَقُلْتُ: اَخْبِرْنِیْ عَنْ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَیَّ یَوْمٍ اَصُوْمُہٗ؟ فَقَالَ: اِذَا رَاَیْتَ ھِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ. ثُمَّ اَصْبِحْ مِنَ

الْيَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا، قُلْتُ: اَهٰكَذَا كَانَ يَصُوْمُهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: نَعَمْ، اھ (مسلم ج ۱ ص ۳۵۹)

ترجمہ: ''عمدۃ القاری میں ہے کہ جمہوری صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والوں کا مذہب ہے زرقانی نے فرمایا اور قاضی نے اور نووی نے بھی وہ فرمایا کہ وہ جس پر تمام احادیث دلالت کرتی ہے کہ عاشورا دس محرم ہے لفظ کا تقاضا بھی ہے اور جامع ترمذی میں ہے، حضرت حسن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورا کے روزے کا وہ دسواں دن ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے ان میں سے وہ روایت ہیں کہ جو بزار نے نقل کی ہے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صوم عاشورا کا حکم دیا۔ دسواں دن اور اس کی سند کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں اور مسلم کی روایت حکم بن اعرج رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا انہوں نے اپنی چادر سے ٹیک لگائی ہوئی تھی، زمزم کے کنوئیں کے پاس تو میں نے کہا کہ یوم عاشورا کے بارے میں بتا دیجئے کہ کون سے دن؟ عاشورہ کا روزہ رکھوں۔ فرمایا جب آپ محرم کا چاند دیکھیں تو گننا شروع کر دیں پھر نویں دن روزہ رکھیں، میں نے کہا کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح روزہ رکھتے تھے، فرمایا ہاں۔''

پس جواب بر اسلوب حکیم است، یعنی در تعیین عاشورا ہیچگو نہ خفا نیست کہ عاشر محرم الحرام است، آرے قابل لحاظ ایں امر است کہ تاسع نیز در صوم عاشر ضم باید کرد و در قول وے...... أھکذا یصومہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: نعم، اھ

ترجمہ: ''پس یہ جواب حکیم کے اسلوب پر ہے کہ تعیین عاشورہ میں کسی قسم کی خفا نہیں ہے کہ عاشورہ دس محرم ہے اور یہاں جو ۹ محرم فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ۹ محرم کے روزے کو دس محرم کے ساتھ ملایا جائے۔ اور اس کے اس قول میں بھی کہ اھکذا یصومه محمد فقال نعم اس میں بھی جواب بر اسلوب حکیم ہے۔''

ہم اسلوب حکیم است کہ تمنائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را کہ اگر تا عام قابل زندہ مانند تاسع را ہم با عاشر در صوم ضم کنند نازل بمنزلہ فعل آنحضرت ﷺ داشتہ چنانکہ سیاق طحاوی بریں معنی دلالت کند۔

ترجمہ: ''کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہے تو ۹ تاریخ کو روزہ رکھنے میں دس کے ساتھ ملائیں گے طحاوی کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔''

قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَخْبِرْنِي عَنْ يَوْمِ عَاشُوْرَاءِ، قَالَ: عَنْ اَيِّ...... تَسْاَلُ؟ قُلْتُ: اَسْأَلُ عَنْ صِيَامِهِ أَيُّ يَوْمٍ أَصُوْمُ؟ قَالَ: اِذَا اَصْبَحْتَ مِنْ تَاسِعَةٍ فَاَصْبِحْ صَائِمًا۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۷۵)

ترجمہ: ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے عاشورہ کے دن کے بارے میں خبر دیجئے انہوں نے فرمایا کہ عاشورہ کے کس چیز کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں میں نے کہا اس کے روزے کے بارے میں۔ فرمایا، جب آپ ۹ تاریخ کو صبح کرو تو روزہ سے صبح کرو۔''

قَالَ فِيْ عُمْدَةِ الْقَارِيْ: فَاِنْ قُلْتَ: هٰذَا الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ يَقْتَضِيْ بِظَاهِرِهٖ اَنَّ عَاشُوْرَاءَ هُوَ التَّاسِعُ، قُلْتُ : أَرَادَ اِبْنُ عَبَّاسٍ مِنْ قَوْلِهٖ: فَاِذَا

اَصْبَحْتَ مِنْ تَاسِعَةٍ فَاصْبَحْ صَائِمًا، اَیْ ضَمِّ التَّاسِعَ مَعَ الْعَاشِرِ بِقَوْلِهٖ: نَعَمْ، مَارُوِیَ مِنْ عَزْمِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی صَوْمِ التَّاسِعِ مِنْ قَوْلِهٖ: لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ، وَ قَالَ الْقَاضِیْ: وَلَعَلَّ ذٰلِكَ عَلٰی طَرِیْقِ الْجَمْعِ مَعَ الْعَاشِرِ، لِئَلَّا یَشْتَبِهَ بِالْیَهُوْدِ، کَمَا وَرَدَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی: فَصُوْمُوْا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ۔ وَ ذَکَرَ رَزِیْنُ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْهُ، وَ قِیْلَ: مَعْنٰی قَوْلِ اِبْنِ عَبَّاسٍ: نَعَمْ: اَیْ نَعَمْ یَصُوْمُ التَّاسِعَ لَوْ عَاشَ اِلَی الْعَامِ الْمُقْبِلِ۔ وَ قَالَ اَبُوْ عَمْرٍو: هٰذَا دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصُوْمُ الْعَاشِرَ اِلٰی اَنْ مَاتَ، وَلَمْ یَزَلْ یَصُوْمُهٗ حَتّٰی قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ، وَ ذٰلِكَ مَحْفُوْظٌ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اھ (ج ۱۱ ص ۱۱۷)

ترجمہ: ’’عمدۃ القاری میں ہے کہ آپ اعتراض میں یہ کہیں کہ اس حدیث کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ عاشورہ ۹ محرم ہے میں جواب میں کہتا ہوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد اصحبت صائما من تاسعه سے یہی ہے کہ ۹ کے روزے کو ۱۰ کے ساتھ ملا لیجئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تھا ۹ محرم کے روزے کے ملانے کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لاصومن التاسع کہ میں ۹ محرم کے روزے کو رکھوں گا۔ قاضی نے کہا کہ یہ ۹ جو فرمایا دس کے ملانے کے ساتھ جمع کرنے کے ساتھ ہے۔ تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ ہو، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ نو اور دس کا روزہ رکھو۔ رزین★ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، حضرت عطا★★ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بعض نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یعنی اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو ۹ تاریخ کا روزہ بھی رکھوں گا۔ ابو عمرو نے کہا یہ دلیل ہے اس بات پر کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس تاریخ کا روزہ وفات تک رکھا اور ہمیشہ رکھتے رہے جب سے مدینہ آئے۔''

وَ قَالَ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ: ثُمَّ مَا هُمَّ بِهٖ مِنْ صَوْمِ التَّاسِعِ يَحْتَمِلُ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ لَا يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ بَلْ يُضِيْفُهٗ اِلَى الْيَوْمِ الْعَاشِرِ اِمَّا اِحْتِيَاطًا لَهٗ وَاِمَّا مُخَالِفَةً لِلْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَ هُوَ اَرْجَحُ، وَ بِهٖ يَشْعُرُ بَعْضُ رِوَايَاتِ مُسْلِمٍ: وَ لِاَحْمَدَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: صُوْمُوْا عَاشُوْرَاءَ وَ خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ يَوْمًا قَبْلَهٗ اَوْيَوْمًا بَعْدَهٗ۔ (ج ۴ ص ۲۵۴) ونحو آں نزد طحاوی ہم است و ابن عباس خودش برصوم دوم یوم عامل بودہ۔

ترجمہ: ''فتح الباری میں ہے یہ جو ۹ تاریخ کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ۹ تاریخ نہ رکھے بلکہ ۱۰ کے ساتھ ملائے یا تو احتیاط کے لئے تھی یا مخالفت یہود کی وجہ سے اور یہ مخالفت یہود ونصاریٰ زیادہ راجح توجیہ ہے یہ مسلم کے روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ احمد کی روایت ہے ابن عباس سے مرفوعاً عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو کہ ۱۰ کے ساتھ ایک دن پہلے یعنی ۹ کو ملاؤ یا اس کی بعد والے دن کو ملاؤ یعنی ۱۱ تاریخ کو۔ اسی طرح طحاوی میں بھی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ خود بھی دوسرے دن کے روزے پر عامل تھے۔''

قَالَ فِیْ عُمْدَةِ الْقَارِیْ: رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ كَانَ يَصُوْمُ الْيَوْمَيْنِ خَوْفًا اَنْ يَفُوْتَهٗ، وَ كَانَ يَصُوْمُهٗ فِی السَّفَرِ۔ (ج ۱۱ ص ۱۱۷)

ترجمہ: ''عمدۃ القاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دو روزے رکھا کرتے تھے۔ فوت ہونے کے خوف سے اور سفر

میں بھی اس روزے کو رکھا کرتے تھے۔''

پس باشد کہ ابن عباس درصوم تاسع مع عاشر رعایت عزم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و رعایت خوف فوت عاشر بحسب اختلاف رویت ہلال ہر دو نمودہ باشد، چہ در فوائد تزاحم نیست، و معلوم است کہ جواب براسلوب حکیم طریقہ مسلوکہ بلغاء است چنانکہ قول اوتعالیٰ شانہ: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ......رابریں اسلوب فرود آوردہ، گفتہ اند سوال از علت اشکال قمر واز دیاد و انتقاص بود، جواب بفوائد آں دادہ شد، و اما استشکال بحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما......قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ. فَرَأَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ. فَقَالَ: مَا هٰذَا ؟ قَالَ: هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللهُ بَنِي اِسْرَائِيْلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ. فَصَامَهُ مُوْسٰى، قَالَ: فَاَنَا اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ. فَصَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ. اھ (بخاری ج ا ص ۲۶۸)...... بارادہ یوم قدوم کہ باتفاق در ربیع الاول بودہ نہ در محرم، پس استشکال بیجا است زیرا کہ در ہیچ روایتے واقع نہ شد کہ صوم یہود در روز قدوم بود تا باعاشر محرم متناقض افتد بل صوم یہود ہم در محرم از سن ثانیہ بودہ۔

ترجمہ:''پس ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ۹ کا روزہ دس کے ساتھ ملاتے تھے اس کی دو وجہ تھیں (۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزم کی رعایت رکھتے ہوئے (۲) دس محرم کے فوت ہونے کے ڈر سے رؤیت ہلال میں غلطی کی وجہ سے اور ایک امر کے کئی فوائد ہوسکتے ہیں اور جواب اسلوب حکیم پر بلغاء کا طریقہ ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. یہاں بھی جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ سوال چاند کے کم ہونے اور زیادہ ہونے کی علت کے بارے میں تھا اور جواب اس کے

فائدے کے بارے میں آیا اور اس حدیث میں جو اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ آئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ اس دن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات عطا فرمائی تھی دشمن سے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شکریہ میں یہ روزہ رکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا لائق ہوں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم بھی دیا تو اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ وارد ہونا ربیع الاوّل کو تھا محرم کو نہیں، جواب یہ ہے کہ یہ اشکال بے جا ہے کہ کیونکہ یہ کسی بھی روایت میں نہیں کہ یہود کا روزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ وارد ہونے کے دن تھا تا کہ دس محرم سے تعارض واقع ہو جائے بلکہ یہ یہود کا روزہ محرم میں تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد دوسرے سال۔''

قَالَ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ: وَ قَدْ کَانَ قُدُوْمُهُ الْمَدِیْنَةَ، وَ لَا شَكَّ اَنَّ قُدُوْمَهُ کَانَ فِیْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ، فَحِیْنَئِذٍ کَانَ الْاَمْرُ بِذٰلِكَ فِیْ اَوَّلِ السَّنَةِ الثَّانِیَةِ فَرَضَ شَهْرُ رَمَضَانَ، فَعَلٰی هٰذَا لَمْ یَقَعِ الْاَمْرُ بِصِیَامِ عَاشُوْرَاءَ اِلَّا فِیْ سَنَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ فَرَضَ الْاَمْرُ فِیْ صِیَامِهٖ اِلٰی رَأْیِ الْمُتَطَوِّعِ، اھ (ج ۴ ص ۲۶۶)

ترجمہ: ''فتح الباری میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینے آنا ربیع الاوّل میں تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے سال یہ حکم دیا جب رمضان فرض ہوا تو یہ حکم صرف ایک سال دیا تھا پھر اس کے بعد روزے رمضان کے فرض ہو گئے۔''

وَ قَالَ فِيْ عُمْدَةِ الْقَارِيْ: فَاِنْ قِيْلَ ظَاهِرُ الْخَبَرِ يَقْتَضِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا عَاشُوْرَاءَ، وَالْحَالُ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ، وَ اُجِيْبَ بِاَنَّ الْمُرَادَ اَنْ اَوَّلَ عِلْمُهٗ بِذٰلِكَ وَ سُوَالُهٗ عَنْهُ بَعْدَ اَنْ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ لَا اَنَّهٗ قَبْلَ اَنْ يَّقْدِمَهَا عُلِمَ ذٰلِكَ، وَ قِيْلَ: فِي الْكَلَامِ حَذْفٌ، تَقْدِيْرُهٗ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ اِلٰى يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ فِيْهِ صِيَامًا، اھ (ج ۱۱ ص ۱۲۲)

ترجمہ: ”عمدۃ القاری میں ہے کہ اگر کوئی اعتراض میں یہ کہے کہ بظاہر خبر یہ تقاضا کرتی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ آئے تو یہود کو روزہ سے پایا عاشورہ کا روزہ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مدینہ ربیع الاوّل میں وارد ہوئے تھے، جواب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا یا اس عبارت میں حذف ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ آئے تو اقامت اختیار کی یوم عاشورہ تک تو جب عاشورہ آیا تو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا۔“

واما آنچہ صاحب ”نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام“ آوردہ کہ روز قدوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم عاشوراء بودہ، وروایتے نیز دریں باب نقل کردہ، پس باوجود آنکہ درنقل سیاق روایت تخلیط واقع شدہ مقتضی ایں امر نیست کہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باشد، بلکہ یوم قدوم بحساب بعض یہود عاشوراء اوشان بود کہ دہم تشرین می باشد، ومطابق باہشتم ربیع الاول افتاد۔ واین بعض یہود عاشوراء رابحساب شمسی می گرفتند کہ بریں تقدیر درمشہور قمریہ دائر ماندے نہ آنکہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باسائر یہود باشد کہ عاشورا را بحساب ہلال می گرفتند، واختلاف یہود را باعتبار عاشوراء خود از الفاظ

حدیث می خیزد، چنانکہ در لفظ صحیح مسلم است: ''عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ: کَانَ اَھْلُ خَیْبَرَ یَصُوْمُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاء یَتَّخِذُوْنَہٗ عِیْدًا، یُلْبِسُوْنَ نِسَآءَھُمْ حُلِیِّھِمْ لَمَّا رَاٰتِھُمْ۔ فَقَالَ: فَصَامَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصُوْمُوْا اَنْتُمْ۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۵۹)

ترجمہ: ''اور وہ بات جو نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام میں لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشورہ کے دن مدینہ وارد ہوئے اور اس باب میں انہوں نے ایک روایت بھی نقل کی تو اس کے نقل میں اس کے اُوپر خلط ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کا عاشورہ کا دن نہیں تھا بلکہ وہ بعض یہود کے حساب سے عاشورہ کا دن تھا مسلمانوں کے حساب سے وہ ربیع الاوّل تھا چونکہ مسلمان قمری حساب لگاتے ہیں اور یہود شمسی حساب، اس لئے یہ خلط ہوا۔ اور یہ اختلاف خود احادیث کے الفاظ سے پیدا ہو رہا ہے کہ مسلم شریف میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ اہل خیبر عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اس کو عید مناتے تھے اور اپنی عورتوں کو زیورات پہناتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا اور تم بھی رکھو۔''

در صحیح بخاری از ہجرت است: وَ إِذَا أُنَاس مِنَ الْیَھُوْدِ یُعَظِّمُوْنَ عَاشُوْرَاء وَ یَصُوْمُوْنَہٗ. پس تقیید بأہل خیبر و بأناس من الیہود دلالت کند بر اختلاف یہود اندریں باب۔

ترجمہ: ''اور بخاری شریف میں ہے کہ یہود کے چند آدمی عاشورہ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اس کا روزہ رکھتے تھے۔ تو ان دونوں روایات میں اختلاف ہے کہ اہل خیبر روزہ رکھتے تھے اور بخاری میں ہے کہ یہود کے بڑے روزہ رکھتے تھے یہ یہود کے اختلاف پر دلیل ہے۔''

وَ قَالَ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ: وَ یَحْتَمِلُ أُولٰئِكَ الْیَهُوْدُ كَانُوْا یَحْسَبُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاء بِحِسَابِ السِّنِیْنَ الشَّمْسِیَّةِ فَصَادَفَ یَوْمَ عَاشُوْرَاء بِحِسَابِهِمُ الْیَوْمَ الَّذِیْ قَدِمَ فِیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ، وَ هٰذَا التَّاوِیْلُ مِمَّا یَتَرَجَّحُ بِهِ اَوْلِیَّةُ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَحَقِّیَّتُهُمْ بِمُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ. لِاِضْلَالِهِمُ الْیَوْمَ الْمَذْكُوْرَ وَ هِدَایَةِ اللّٰهِ الْمُسْلِمِیْنَ لَهُ۔ (ج ۴ ص ۲۴۷)

ترجمہ: ''فتح الباری میں ہے یہ احتمال ہے کہ یہود اس دن کو عاشورہ سمجھتے تھے شمسی حساب کے اعتبار سے اور یہ دن اس کے برابر آیا جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد مدینہ ہوئی تھی اور یہ تاویل دلیل ہے کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کے زیادہ لائق ہے کیونکہ آج یہود گمراہ ہے اور مسلمان ہدایت پر ہیں۔''

پس تقیید کردہ بقول وے اُولٰئِكَ الْیَهُوْدُ تصریح نمودہ کہ ایں جماعت یہود یوم عاشوراء را گم کردہ بودند، و ہدایت کردہ خدا مسلمین را بصواب۔ بعد ازاں فرمودہ:

ثُمَّ وَجَدْتُّ فِی الْمُعْجَمِ الْكَبِیْرِ لِلطَّبْرَانِیْ مَا یُؤَیِّدُ الْاِحْتِمَالُ الْمَذْكُوْرُ اَوَّلًا، وَ هُوَ مَا أَخْرَجَهُ فِیْ تَرْجَمَةِ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: لَیْسَ یَوْمُ عَاشُوْرَاء بِالْیَوْمِ الَّذِیْ یَقُوْلُهُ النَّاسُ، اِنَّمَا كَانَ یَوْمُ تُسْتَرُ فِیْهِ الْكَعْبَةُ، وَ كَانَ یَدُوْرُ فِی السَّنَةِ، وَ كَانَ یَاتُوْنَ فُلَانًا الْیَهُوْدُ یَعْنِیْ لِیَحْسِبَ لَهُمْ. فَلَمَّا مَاتَ اَتَوْا زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَسَأَلُوْهُ، وَسَنَدُهُ حَسَنٌ۔ قَالَ شَیْخُنَا الْهَیْثَمِیُّ فِیْ زَوَائِدِ الْمَسَانِیْدِ: لَا اَدْرِیْ مَا مَعْنٰی هٰذَا، قُلْتُ ظَفَرْتُ فِیْ كِتَابِ الْآثَارِ الْقَدِیْمَةِ لِاَبِی الرَّیْحَانِ الْبَیْرُوْنِیْ، فَذَكَرَ مَا حَاصِلُهُ اَنَّ جَهَلَةَ الْیَهُوْدُ یَعْتَمُّوْنَ فِیْ صِیَامِهِمْ وَ اَعْیَادِهِمْ حِسَابَ النُّجُوْمِ، فَالسُّنَّةُ عِنْدَهُمْ شَمْسِیَّةٌ لَا هِلَالِیَّةٌ، قُلْتُ: فَمِنْ ثَمَّ احْتَاجُوْا اِلٰی مَنْ یَصْرِفُ الْحِسَابَ لِیَعْتَمِدَ عَلَیْهِ فِیْ ذَالِكَ۔

(ج ۴ ص ۲۴۸، باب صوم یوم عاشوراء)

ترجمہ: ''فتح الباری کی یہ عبارت کہ اولئک الیہود تصریح کرتا ہے کہ یہود بھی گم تھے یہ دن ان سے گم ہوا تھا اور اس دن کی ہدایت اللہ نے مسلمانوں کو فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ میں نے معجم میں دیکھا طبرانی کی معجم کبیر جو اس احتمال مذکور کا مؤید تھے وہ جو زید ابن ثابت نے تخریج کی ہے اپنے والد سے اس نے فرمایا یوم عاشورہ وہ نہیں جس کو عام لوگ عاشورہ کہتے یہ وہ دن تھا جس میں کعبے پر پردہ چڑھایا جاتا تھا اور یہ گھومتا تھا، سال کے اندر اور فلاں یہود کے پاس آتا تا کہ یہود حساب کرے جب ثابت مر گیا تو لوگ زید ابن ثابت کے پاس آئے اور ان سے پوچھا ہمارے شیخ ہیثمی نے زوائد المسانید میں فرمایا مجھے پتہ نہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے اس میں کامیابی ملی۔ ابن ریحان البیرونی کی کتاب آثار قدیمہ میں مجھے ملا جس کا حاصل یہ ہے کہ جاہل یہود ستاروں کا حساب کا اہتمام کرتے تھے اپنے عیدوں میں اور روزوں میں حالانکہ انکا سال شمسی تھا ہلالی (قمری) نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں اس وجہ سے وہ لوگ محتاج ہوئے اس حساب کے جو پھیر دے تا کہ ان پر اعتماد ہو جائے۔''

یعنی عاشوراء نزد بعض یہود پیش از اصلاح نبود ایں عاشوراء معروف فیما بین المسلمین الآن، زیرا کہ آن روزے بود کہ کعبہ را آں روز جامہ پوشیدندے، و چوں آں بعض یہود بحساب شمسی میگرفتند، لہٰذا عاشوراء در شہور قمریہ دائر ماندے تا آنکہ اسلام بوئے حساب قمری ہدایت نمود، ہمیں بود مرضی خدا۔ و تقیید ابی ریحان بیرونی بقول وے جھلۃ الیہود دلالت کند برآں کہ اصل حساب بحسب کتاب سماوی نزد اوشاں ہم

قمری بود، او را بسوئے شمسی تحویل کردند، و در بعض زائچہا و تقاویم دیدہ شدہ کہ حساب عبری از عہد آدم علیہ السلام تا حال قمری است سوائے آں کساں کہ تحویل کردند۔ و بعض مفسرین آیت کریمہ: اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ ۔ بر ہمیں تحویل فرود آوردہ، زیرا کہ دریں تحویل تحویل اوقات شرعیہ است کہ مناقض است با اوضاع شریعت۔

ترجمہ: ''یعنی عاشورہ بعض یہود کے نزدیک وہ عاشورہ نہیں تھا جو ہمارے مسلمانوں کے ہاں مشہور ہے کہ اس دن کعبے کو جامہ پہنایا جاتا تھا اور یہود شمسی حساب کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے نزدیک قمری حساب سے تھا اور یہی اللہ کی مرضی تھی اور ابی ریحان نے جو اس کو جاہل یہود کے ساتھ مقید کیا یہ دال ہے کہ اصل حساب یہود کا بھی قمری تھا پھر انہوں نے اس قمری حساب کو شمسی میں تبدیل کیا اور بعض زائچوں کو دیکھا گیا ہے کہ حساب آدم کے وقت سے آج تک قمری ہی ہے صرف وہ لوگ جنہوں نے اس کو تبدیل کیا اور بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آیت اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ اسی تحویل میں وارد ہوا ہے کیونکہ اس تحویل میں تحویل اوقات شرعیہ ہیں جو اوضاع شرعیہ کے مناقض ہے۔''

قَالَ فِی الۡکَشَّافِ: وَ رُبَمَا زَادُوۡا فِیۡ عَدَدِ الشُّھُوۡرِ فَیَجۡعَلُوۡنَھَا ثَلَاثَۃَ عَشَرَ اَوۡ اَرۡبَعَۃَ عَشَرَ، لِیَتَّسِعَ لَھُمُ الۡوَقۡتُ، وَلِذٰلِكَ قَالَ عَزَّوَعَلَا: (اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوۡرِ عِنۡدَ اللهِ اِثۡنَا عَشَرَ شَھۡرًا)، فَکَانَ غَیۡرَ زِیَادَۃٍ زَادُوۡھَا۔ (ج۲ ص۲۷۰)

ترجمہ: ''کشاف میں فرمایا ہے انہوں نے مہینوں کی عدد میں زیادتی کی سال کے تیرہ مہینے قرار دیئے یا چودہ تا کہ وقت میں گنجائش اور فراخی ہو جائے۔ تو اس کی رو میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان عِدَّۃَ الشھور

عند الله اثناء عشر شھراً یعنی مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے
ہاں بارہ ہے تو بارہ سے زائد انہوں نے اپنی طرف سے زائد کئے۔"

وہمچنیں حدیث: اَلَا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَ ذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَ رَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَ شَعْبَانَ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹)

ترجمہ: "اسی طرح وہ حدیث جس میں ہے خبردار زمانہ اس طرز پر آیا جو اصل میں تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدائش کے دن کیا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے چار ان میں محترم ہیں تین مسلسل ہے ذی القعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب کا جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔"

معلوم شدہ کہ مشرکین نیز پیش از اسلام ہر دو حساب معمول داشتند، پس خلاصہ کلام آنکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم در صوم یوم عاشوراء موافقت آں یہود نمودہ کہ در تعیین وے بر جواب بودند نہ موافقت آنکہ تحویل کردہ بودند، ودریں یوم علاوہ نجات دیگر خصوصیات نیز ہستند۔

ترجمہ: "معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے بھی مشرکین میں دونوں حساب یعنی قمری وشمسی دونوں رکھتے تھے پس خلاصہ پورے کلام کا یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یہود کی موافقت ظاہر کی جنھوں نے تحویل قمری شمسی کی طرف نہیں کیا تھا۔"

قَالَ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ: وَ لِاَحْمَدَ مِنْ طَرِیْقِ شَبِیْلِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ نَحْوَهٗ، وَزَادَ فِیْهِ: وَ هُوَ الْیَوْمُ الَّذِیْ اِسْتَوَتْ فِیْهِ السَّفِیْنَةُ عَلٰی

الْجُوْدِیِّ، فَصَامَهُ نُوْحٌ شُكْرًا۔ (ج ۴ ص ۲۴۷)

ترجمہ: ''فتح الباری میں ہے کہ احمد نے شبیل کے طریق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تو نوح علیہ السلام نے اس دن شکر میں روزہ رکھا۔''

وَقَالَ فِیْ عُمْدَةِ الْقَارِیْ: وَرَوَى ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ: يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ تَصُوْمُهُ الْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَصُوْمُوْهُ اَنْتُمْ: ودرمیان حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ گذشت، وَحَدِيْثُ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ يَصُوْمُ عَاشُوْرَاءَ وَ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِیْ جَاهِلِيَّةٍ، وَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِی الْجَاهِلِيَّةِ. فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَ أَمَرَ بِصِيَامِهِ۔ (ج ۱۱ ص ۱۱۸) ہیچگو نہ منافات نیست۔

ترجمہ: ''عمدۃ القاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اس نے دن انبیاء کرام علیہم السلام روزہ رکھا کرتے تھے تو تم بھی اس دن روزہ رکھو اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے قریش بھی جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ روزہ رکھا کرتے تھے جب مدینہ آئے تب بھی یہ روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم دیا۔''

قَالَ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ: لَيْسَ فِی الْخَبَرِ اَنَّهُ اِبْتَدَأَ الْأَمْرَ بِصِيَامِهِ، بَلْ فِیْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ اَلتَّصْرِيْحُ بِاَنَّهُ كَانَ يَصُوْمُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ. فَغَايَةُ مَا فِی الْقِصَّةِ اَنَّهُ لَمْ يُحَدِّثْ لَهُ بِقَوْلِ الْيَهُوْدِ تَجْدِيْدَ حُكْمٍ، وَ اِنَّمَا هِیَ صِفَةُ حَالٍ وَجَوَابُ سُوَالٍ، وَ لَمْ تَخْتَلِفِ الرِّوَايَاتُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فِیْ ذٰلِكَ، وَ لَا مُخَالِفَةَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَصُوْمُوْنَهُ، كَمَا تَقَدَّمَ. اِذْ لَا مَانِعَ

مِنَ التَّوَاتُرِ لِلۡفَرِيۡقَيۡنَ عَلٰى صِيَامِهٖ مَعَ اِخۡتِلَافِ السَّبَبِ فِىۡ ذٰلِكَ۔ (ج ۴ ص ۲۴۸)

ترجمہ: ''فتح الباری میں ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مدینہ آنے کے بعد اس روزہ رکھنے کا حکم دیا بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وضاحت ہے کہ یہ روزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے بھی رکھا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہود کی گفتگو کے بعد یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ ایک حالت کو بیان کرنا اور سوال کا جواب دینا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات اس بارہ میں مختلف نہیں اور نہ ہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی مخالفت ہے، بے شک اہلِ جاہلیت یہ روزہ رکھا کرتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا کیونکہ اس روزہ کے رکھنے کے بارہ میں مسلمان اور یہود متفق ہیں باوجود اختلاف سبب کے۔''

واستناد بنقل تورات کہ نجات موسیٰ علیہ السلام ۲۳ رمضان مطابق ۲۱ نیان بودہ، نہ در روز عاشوراء کہ دہم تشرین باشد، وآں را صوم کبور نیز خوانند، ونہ در عاشر محرم الحرام قابل اعتماد نیست، چہ از سیاق ظاہر است کہ الحاق اخبار است وحینئذ حجت نیست، ودوں اثبات صحت وے قطع مفاد زاست۔

ترجمہ: ''اور تورات میں جو یہ منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو نجات ۲۳ رمضان کو ہوئی تھی اور عاشورہ کے دن جو کہ دسویں کہلاتی ہے اور اسے صومِ کبور بھی کہتے ہیں یہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہ جھوٹی خبر ہے اور کسی نے ملحق کر دیا ہے یہاں یہ بات حجت نہیں ہے۔''

فِىۡ طَلۡعَةِ الشَّمۡسِ مَا يُغۡنِيۡكَ عَنۡ زُحَلٍ۔

ترجمہ: ”سورج کا نکلنا آپ کو زحل ستارہ سے بے پرواہ کر دے گا۔“

☆☆☆☆

عالم کی بقاء یادِ الٰہی پر منحصر ہے

حضرت اقدس شاہ قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا، چھوٹے چھوٹے جملے، جو پوری طرح ذہن نشین ہو، ارشاد فرماتے تھے:

”لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا، غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا۔“

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا، جب دنیا اللہ تعالیٰ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت ہوگیا۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اللّٰه اللّٰه۔

(ترمذی ج ۲ ص ۴۴)

ترجمہ: ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ زمین پر اللہ اللہ نہ کہا جائے یعنی جب اللہ اللہ کا کہنا بند ہو جائے گا تو قیامت آئے گی۔“

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک متنفّس [1] بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے، اور یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے موت نہیں، اور غافل کے لئے

---

(۱) سانس لینے والا (زندہ)۔

حیات نہیں، کیونکہ اصلی زندگی یادِالٰہی ہے، اعمال صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں۔

حیات الانبیاء فی القبور

اسی واسطے حدیث میں آیا ہے:

اَلْاَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

(ترجمہ) ’’حضرات انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔‘‘

یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں، ان کی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں، اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

از یکے گو وزہمہ یک سوئے باش
یک دل ویک قبلہ ویک روئے باش

ترجمہ: ’’ایک کی بات کہو باقی سب سے یکسو ہوجا۔ ایک دل والا ایک قبلے والا اور ایک جانب والا ہوجا۔‘‘

سب سے یکسو ہوکر فقط اس ایک کا ہوجا، تیری ظاہر و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

ترجمہ: ’’جو بھی گھاس زمین سے نکلتی ہے وہ وحدہ لاشریک لہ کہتی ہے۔‘‘

117

حضرات! اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو، ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے:

من نمے گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اے فرصت سے بے خبر جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے، موت کو یاد رکھنا چاہیے، وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا، بلکہ تیزی سے نکلا جا رہا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں:

رنگا لے چُنَرِیا گُندا لے ری سیس
تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

معلوم نہیں کہ ادھر سے بلاوا کس وقت آ جائے، کف افسوس ملتی رہ جائے گی۔
(یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی، اور سامعینِ وقت گِریہ وبُکا[1] ہو جاتے تھے)

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلڑا آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے، آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے کہ جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے، اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے:

صِدْقًا مِنْ قَلْبِہٖ۔
ترجمہ: ''دل کی تصدیق سے کہتا ہے۔''
تو نصف پلڑا باقی بھی بھر جاتا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ نِصْفُ الْمِیْزَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ۔
(مشکوٰۃ ج۱ ص ۲۰۴)

(۱) آہ وزاری (رونا)

ترجمہ: ”سبحان اللہ آدھا ترازو ہے اور الحمدللہ ترازو کو بھر دیتا ہے۔“

اور جب یہ کہتا ہے...... وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ...... تو اس کی سمائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی، چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے، اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ...... وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ...... جنت کے خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہی، اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے: كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۸)

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں، رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا

پہلے جو حدیث: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرّد(۱) اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔

یوں بھی روایت ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ ...... یعنی سبحان اللہ والحمدللہ دونوں مل کر ترازو کا پلڑا بھر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆

ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق

غالباً 1959ء ماہ نومبر لاہور میں حاجی متین احمد صاحب[118] کی کوٹھی پر حضرت اقدس[119] مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی[120] لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں تشریف فرما

(۱) اکیلا (صِرف)

تھے، حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ، میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سی ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٤٠ (سورۃ الاحزاب:۴۰)

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور مہر ہیں سب نبیوں کے۔ اور اللہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔''

اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی، اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٨١
(سورۃ آل عمران:۸۱)

ترجمہ: ''جب لیا اللہ تعالیٰ نے عہد انبیاء کرام علیہم السلام سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والے کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ تم نے اقرار کرلیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کرلیا وہ بولے ہم نے اقرار کرلیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا، اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھ دیا، اور حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں منحصر کردیا...... وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ...... پھر اس کی دو شاخیں کردیں، ایک بنی اسرائیل، چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار پائے، اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا، اور بنی آدم کی سیادت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کردی۔

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ. (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲) وَ قَدْ أَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ أَيْ مِنْهُمْ بِنُصْرَتِهِ إِنْ اَدْرَكُوْا زَمَانَهُ. وَقَدْ أَدْرَكُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَيُدْرِ كُوْنَهُ يَوْمَ الْعَرْضِ الْاَكْبَرِ۔

ترجمہ: ''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ میں بطور فخر نہیں کہتا میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کا اگر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو پالے اور ان سب نے مسجد اقصیٰ میں آپ کا زمانہ پالیا اور قیامت کے دن بھی سب آپ کا زمانہ پائیں گے۔''

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پالیا، اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی، جیسا کہ امام اکبر ہوتا ہے، لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال شئے کے رتبے میں ظاہر

ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ...... بَدَأَبِیَ الْخَلْقُ وُكُنْتُ آخِرُهُمْ فِي الْبَعْثِ...... میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی اور ابتداء مجھ سے ہوئی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَ آخِرُهُمْ فِي الْبَعْثِ (کنزالعمال حدیث ۳۲۱۲۹)...... میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر، یہ حدیثیں درمنثور اور کنزالعمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور روح المعانی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی: اَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ......کو تفسیر درمنثور مسند احمد، ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے:

اِنِّيْ عِنْدَ اللهِ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ اَنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ۔ (مسند احمد ج ۲۸ ص ۳۹۵)

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا گیا تھا اور آدم علیہ السلام ابھی کیچڑ میں تھے۔“

اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ (سورۃ آل عمران:۱۸۷)

ترجمہ: ”اور جب اللہ نے عہد لیا اہل کتاب سے۔“

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط (سورۃ البقرۃ:۶۳)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو۔''

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ط (سورۃ المائدہ:۷۰)

ترجمہ: ''اور ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا۔''

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ص وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ (سورۃ الاحزاب:۷)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا اور اقرار لیا اور تجھ سے بھی لیا اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام جو مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں اور لیا ہم نے ان سے مضبوط اقرار۔''

حاصل یہ کہ اخذ میثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لیا گیا، میری ایک نظم نعتیہ ہے اس میں ایک شعر ہے:

آیت میثاق درو ے ثم ہست
ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

ترجمہ: ''آیت میثاق میں لفظ ثم ہے یہ سب ختم نبوت کے مقتضیات میں سے ہیں۔''

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (سورۃ آل عمران:۸۱)

ترجمہ: ''پھر آیا تمہارے پاس ایسا رسول جو تصدیق کرنے والا ہے

اس دین کی جو تمہارے پاس ہے۔''

یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختم نبوت ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو ایک طرف رکھا گیا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک طرف رکھا گیا، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جیسے اس امت کے نبی ہیں نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں، ثم جاءکم اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا، سورۃ الصافات میں ہے:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ (سورۃ الصافات:۳۷)

''وہ رسول حق لے کر آ گیا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کردی۔''

اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت میں ...... وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ...... میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہوگا، اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے ...... حَكَمًا عَدْلًا ...... وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہوگا۔ پیغمبر تو آپ علیہ السلام ہوں گے لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے، پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے، شریعت یوسفی پر عامل تھے، جیسا کہ

لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔

ترجمہ: ''اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ (یعنی اس جہان میں) ہوتے تو اس کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

الحاصل یہ نکھر گیا کہ نبی کریم ﷺ کے لئے میثاق لیا گیا، قرآن عزیز میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۰۱)

ترجمہ: ''اور جب آیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب میں سے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔''

ہدایت الحیاریٰ میں ہے:

لَوۡ لَمۡ يَظۡهَرۡ مُحَمَّدُ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَبَطَلَتۡ نُبُوَّةُ سَائِرِ الۡاَنۡبِيَاءِ۔

اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن عبداللہ کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت باطل ہو جاتی۔ سو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فعلی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلۡ جَآءَ بِالۡحَقِّ وَصَدَّقَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۳۷﴾ (سورۃ الصافات:۳۷)

ترجمہ: ''بلکہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔''

یہ تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا، یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے اور حسبِ حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا تاکہ دلیل ہو جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تاکہ سب پر ثابت ہو جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں، تورات میں ہے ''نابی میا بیخ

مقرنج یا خیم لخ الاوخ الاوتشماعون''، یعنی ...... نَبِيٌّ مِنْ قُرْبِكَ مِنْ أَخِيكَ كَأَخِيكَ يُقِيمُ لَكَ إِلٰهُكَ إِلَيْهِ تَسْمَعُونَ...... میں تیرے قریبی بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا تم اسی کی سنو۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے ان ہی کے اتباع کا حکم فرمایا جارہا ہے، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہوگی، اور حج وعمرہ بھی کریں گے اور کل چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی پھر روضہ پاک میں دفن ہوں گے، جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک وادی سے گزرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

أَيُّ وَادٍ هٰذَا؟

ترجمہ: ''یہ کون سی وادی ہے؟''

معلوم ہوا کہ وادی ازرق ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى مُوْسٰى ...... کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں، اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ کہتے جارہے ہیں۔

پھر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ وادی ''ہرشی'' سے گزر رہے ہیں، یہ مسلم شریف میں بھی ہی، شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا، مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج اور عمرہ کریں گے اور ''فجِ روحا'' سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، مسلم شریف میں ہے:

مَرَرْتُ بِمُوْسٰی لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ۔ (ج ۲ ص ۲۶۸ باب فضائل موسیٰ)

ترجمہ: ''میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام پر گزرا کثیب احمر یعنی سرخ ٹیلے کے پاس وہ کھڑے تھے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انبیاء کرام علیہم السلام علاتی بھائی ہیں دین ان کا واحد ہے:

اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسٰى بِنِ مَرْيَمَ، لِاَنَّهٗ لَيْسَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهٗ نَبِيٌّ، وَ اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى اُمَّتِيْ، وَ اِنَّهٗ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷)

ترجمہ: ''میں عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے زیادہ لائق ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ میرا خلیفہ ہوگا میری امت پر وہ اترنے والا ہے جب تم انکو دیکھو تو ان کی قدر کو پہچان لو۔''

اور مستدرک حاکم میں ہے:

وَلَيَاْتِيَنَّ عَلٰى قَبْرِيْ حَتّٰى يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَ لَاَرُدَّنَّ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: ''عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آئیں گے میرے اوپر سلام کریں گے اور میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔''

اور فتح الباری میں بھی ہے، اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی آیا ہے۔ اور واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے لہٰذا

اول اور آخر میں ظہور فرمایا، اور تمام دورۂ نبوت پر حاوی ہو گئے اس تقدیر پر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگرچہ آنحضور ﷺ سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقصت ہے نبی کریم ﷺ کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کو قلم بند کرو، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی میری پاس بیٹھے تھے اور بڑے غور سے سن رہے تھے، بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو، ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا، علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاول پور کے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بیان کو بھی ضرور قلمبند کر دینا چاہئے۔

☆☆☆☆

رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اکرم ﷺ کی پیشینگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کرلیں گی اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ (انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرا دیا جائے گا)

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے، اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں۔ ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے، مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہوگا، وہ بہت حیرت انگیز ہوگا، کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کرلیں گے، جس کا تصور بھی ہمارے لے مشکل ہے۔

''گارڈن کوپر''[121] کا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹان[122] نے اپنے نظریئے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا، یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کرلیا۔ اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر

میں کم ہوگئی۔ اب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفرِ معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قربِ قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے......

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

ترجمہ: ''بے شک ایک دن اللہ کے ہاں ان ہزار دنوں کے برابر ہے جن کو تم گنتے ہوں یعنی قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار دنوں کے برابر ہے۔''

کی تفسیر تجربے میں آ گئی۔

ایک فلاسفر نے لکھا ہے کہ خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا ممکن الوقوع ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔ یہ اس نے بڑے تھکانے والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کئی بار فرمایا تھا:

لَيْسَ عِنْدَ رَبِّكَ صَبَاحٌ وَلَا مَسَاءٌ۔

''اللہ تعالیٰ کے ہاں صبح وشام نہیں ہے۔''

هُنَا مَوْطِنُ فَرْقُ الزَّمَانِ ثَبَاتَهُ
عَلَى حَالَةٍ لَيْسَتْ بِهِ غَيْرٌ تَتْرَىٰ

''وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر وتبدل کا گزر نہیں ہے۔''

123

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے:

قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ كَلَامًا قَدْ
حَكَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْهُ بِلَا نُكْرَانٍ

مَا عِنْدَہٗ لَیْلٌ وَ لَا نَهَارٌ قُلْتُ

تَحْتَ الْفَلَكِ يُوجَدُ ذَانِ

نُوْرُ السَّمَاوَاتِ الْعُلٰی مِنْ نُوْرِهِ

وَالْاَرْضُ كَيْفَ النَّجْمُ وَالْقَمَرَانِ

مِنْ نُوْرِ وَجْهِ الرَّبِّ جَلَّ جَلَالُهٗ

كَذَا حَكَاهُ الْحَافِظُ الطَّبْرَانِيُّ

ترجمہ: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بات فرمائی ہے دارمی نے ان سے نقل کی ہے بغیر انکار کے کہ اللہ کے ہاں رات دن نہیں ہے تو میں نے کہا کہ آسمان کے نیچے یہ دونوں یعنی رات و دن موجود ہوتے ہیں۔ اونچے آسمان کی روشنی اس کی نور سے ہے اور زمین کی روشنی بھی ان کی نور سے ہے اور چانداور ستارے ان کی روشنی اللہ جلالہ کے چہرے کے نور سے ہے۔ اسی طرح حافظ طبرانی نے بھی حکایت کی ہے۔''

یہی مراد اس حدیث کی ہے:

اِنَّ اللهَ لَا يَنَامُ وَ لَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَّنَامَ يُخْفِضُ الْقِسْطَ وَ يَرْفَعُهٗ، وَ يَرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَ عَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّوْرُ، فَهٰذِهٖ حَضْرَةٌ فَوْقَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، كَمَا فِيْ رُوْحِ الْمَعَانِيْ،

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نہ سوتے ہیں اور نہ سونا ان کی شان کے مناسب ہے۔ ترازوں کو اتارتا ہے اور اوپر کرتا ہے رات کا عمل اس کے پاس جاتا ہے دن سے پہلے اور دن کا عمل اس کے پاس جاتا ہے

رات سے پہلے اور اس کا حجاب نور ہے۔“

جیسے روح المعانی میں ہے:

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ (سورۃ الزمر:٦٩)

ترجمہ: ”اور زمین چمک گئی اپنے رب کے نور سے۔“

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ۔

ترجمہ: ”اور بے شک جہنم احاطہ کرنے والی ہے کفار کا۔“

میرے نزدیک یہ محقق ہوگیا کہ معانی آخرت میں متجسِّد [1] ہوجائیں گے، شیخ [124] اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے [125] اور دوانی نے اپنے رسالہ الزوراء میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی یعنی اب بھی جہنم محیط ہے لیکن آنکھوں سے مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہوجائے گا:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔

(سورۃ قٓ:٢٢)

ترجمہ: ”اب کھول دیا ہم نے تجھ سے تیرا پردہ پس آج تیری نظر تیز ہے (یعنی آج ہم نے تیری آنکھ سے شہوات کے پردے ہٹا دیئے اور تیری نگاہ کو خوب تیز کردیا)۔“

بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا، حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے زخم نہیں کرتے، تو یہ وقیذ کے مشابہ ہوا، گو مالکیہ کے ہاں جائز ہے بہرحال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو

---

(١) جسم اختیار کرنے والا۔

ذبح کرنا چاہئے اگر مرجائے تو کھانا ناجائز ہے۔

☆☆☆☆

علم الفرائض پر ایک طویل نظم

فروض میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم ہے، ۹۲ اشعار ہیں، ابتدائی شعر اس طرح ہیں:

بعد حمد خدا و نعت رسول
بشنو از انور ظلوم وجہول
مال نبود چو مستحق العین
بعد تجہیز و دفن و دادن دین
ہم پس از عزل ثلث موصی بہ
ذی فروض مقررہ را دہ
عصبہ بعد ازاں برد ہمہ مال
بعد ازاں رد بذی فروض سگال
بعد ازیں دو فریق اے منعام
وارث مال داں ذوی الارحام

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کے بعد سن لے انور ظلوم اور جہول سے۔ تجہیز و تکفین کے بعد اور قرض ادا کرنے کے بعد جو مال مستحق العین ہو۔ تو ثلث کے نکالنی کے بعد جس کی میت نے وصیت کی ہو ذوی الفروض جن کے حصے قرآن میں جتنے مقرر ہیں ان کو اتنے دو۔ ان سے جو مال بچ جائے عصبہ ان تمام مال کو لے جائیں گے اور اگر عصبہ نہ ہو تو جو مال ذوی الفروض

سے بچ جائے وہ پھر ان پر رد کر دیں گے۔ ان دو فریق یعنی عصبہ اور ذوی الفروض کے بعد مال کے وارث جان ذوی الا حارم۔"

☆☆☆☆

موانع ارث

مانع ارث آمدہ اند چہار
رقّ و قتل اختلاف دین و دار
لیک قتلے کہ بالسبب باشد
مانع ارث کس نمی باشد

ترجمہ: "چار چیزیں میراث دینے سے روکتی ہیں۔ غلام ہونا دوسرا قتل یعنی قاتل محروم ہوتا ہے میراث سے تیسرے اختلاف دین یعنی کافر اگر وارث ہے اس کو مسلمان کی میراث سے نہیں ملے گا، تیسرا اختلاف دار یعنی ایک ملک میں رہنے والے کا دوسرے ملک والا وارث نہیں ہوگا۔ لیکن قتل بالسبب مانع من المیر اث نہ ہوگا۔"

یہ بھی پہلے درس بخاری شریف ۱۳۳۸ھ، ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا، پھر تو مراد 126 آباد میں مدرسہ فخریہ میں جب مولانا فخر الدین صاحب مدرس تھے کچھ اضافات کے ساتھ طبع کرادیا تھا اور "النور الفائض علی نظم علم الفرائض" عنوان رکھا۔

☆☆☆☆

نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اور رہ ہی کیا گیا''، سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

☆☆☆☆

اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا دو شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علمی

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ القاسم شوال ۱۳۳۰ھ ص ۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ

''شوال ۱۳۳۰ھ سے ایک وظیفہ رفیق دار العلوم دیوبند پچاس روپے ماہوار کا مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دیا جائے گا جنہیں عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلے دستار فضیلت ملی، اور علوم شریعت میں تبحر اور زہد و تقویٰ میں سلف صالح کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔'' (عبید اللہ ناظم الانصار دار العلوم دیوبند)

نقش حیات میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، رسالہ القاسم الرشید کی پرانی فائلیں دیکھنے سے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے۔

☆......فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ۔ (سورۃ سبا: ۲۲)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے پکارو ان کو جن کو تم اللہ کے علاوہ معبود گمان کرتے ہو۔ وہ مالک نہیں ایک ذرہ کے آسمانوں میں اور نہ زمین

میں یعنی اللہ کے سوا جن لوگوں پر تمہیں خدائی کا گمان ہے ذرا کسی
مشکل وقت میں ان کو پکارو کہ وہ کچھ کر سکتے یا نہیں۔''

ابوعبداللہ رازی [127] کہتے ہیں جو مذاہب کہ مفضی الی الشرک ہیں وہ چار ہیں:

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کر دیا، اور ہم زمینیات میں سے ہیں اس لئے ہم کواکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں جو کہ آسمانی ہیں، اور وہ ہمارے الہ ہیں، اور اللہ ان کا معبود ہے لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا:

﴿لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ كَمَا اعْتَرَفْتُمْ. ﴿وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ كَمَا زَعَمْتُمْ.

ترجمہ: ''یعنی وہ ایک ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں جیسے تم نے
اعتراف کیا ہے ورنہ وہ مالک ہے زمین میں جیسے تمہارا گمان ہے۔''

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مستقل، اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے، اور جو ترکیبات ان میں ہیں اِتصال [۱] اور حرکات اور طوالع [۲] اس لئے انہوں نے شریک قرار دیئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں، اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی (تخلیق وملکیت) قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رد فرما دیا:

وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ (سورۃ سباء:۲۲)

ترجمہ: ''کسی غیر کا ان دونوں میں کچھ حصہ نہیں ہے۔''

اَىِ الْاَرْضِ كَالسَّمَاءِ لِلّٰهِ لَيْسَ لِغَيْرِهٖ فِيهِمَا مِنْ نَصِيبٍ.

---

(۱) ملاپ

(۲) منوّر کرنے والے

ترجمہ: ''نہیں ہے اس کے غیر کے لئے زمین و آسمان میں کچھ حصہ یعنی زمین بھی آسمان کی طرح ہے۔''

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے، اور حوادثات کا انتساب اِذن (۱) دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ماذون (۲) کی طرف اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا اس کلام سے۔

وَّمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ (سورۃ السبا:۲۲)

ترجمہ: ''اور ان کے لئے ان میں سے کوئی مددگار بھی نہیں۔''

(۴) بعض کہتے ہیں ہم اصنام (۳) کو پوجتے ہیں جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تا کہ ہماری شفاعت کریں، پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا:

لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۔ (سورۃ طٰہٰ:۱۰۹)

ترجمہ: ''ان کو سفارش فائدہ نہیں دے گی۔''

جملہ الشفاعۃ میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے، بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

☆......فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ (سورۃ النساء:۱۱۶)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ

(۱) اجازت، حکم

(۲) جسے حکم دیا جائے۔

(۳) صنم کی جمع پتھر کے بت

کسی کو شریک بنائے اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے یعنی
شرک سے نیچے کے گناہ جس کو چاہے اللہ تعالیٰ بخش دے گا مگر
شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔''

جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے
چنانچہ سورۃ آل عمران میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ (سورۃ آل عمران:۹۱)

ترجمہ: ''جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے تو ہرگز قبول نہیں ہوگا ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر کر سونا۔ اگرچہ بدلہ دیوے اس قدر سونا ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار یعنی دنیا کی حکومتوں کی طرح وہاں سونے چاندی کی رشوت نہیں چلے گی وہاں تو صرف دولت ایمان کام دے سکتی ہے۔''

اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے نیز سورۃ النساء میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾ (سورۃ النساء:۱۸) وغیرہا من الآیات

ترجمہ: ''اور نہ ان لوگوں کی مغفرت ہوگی اور نہ ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا جو کفر کی حالت میں مرجائے ان کے لئے دردناک عذاب ہم نے تیار کیا ہے۔''

لہٰذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، کیوں کہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے کیوں کہ ان دونوں میں تغایر نہیں ہے کیوں کہ شرک

اقرار الوہیت کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے، چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے۔ اور کفر کبھی تو جحود[1] باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا، اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

☆......فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں: (۱) اشراك فى العبادة (۲) اشراک فی الصفات (۳) اشراك فى الطاعة۔

اشراک فی العبادۃ کہ عبادت غیر اللہ کی کرے، لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے، جیسے مشرکین عرب کہتے تھے:

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ (سورۃ الزمر: ۳)

ترجمہ: ''ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تک پہنچا دے قریب کے درجہ میں یعنی ان چھوٹے خداؤں کی عبادت کر کے ہم بڑے خدا کے قریب ہوجائیں گے۔''

اشراک فی الطاعۃ یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر اللہ کا کہنا مان لے، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے متنبہ کیا ہے، جیسا کہ نصاریٰ 128 ......اربابا من دون الله...... مانتے تھے یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

وحدت دعوت انبیاء

129 فرمایا ابنِ رُشد نے ''تہافت الفلاسفۃ'' میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت تورات سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نجات ہے اور ادیان سماویہ[2] کی اور

(۱) جان بوجھ کر انکار۔

(۲) آسمانی مذاہب

شرائع انبیاء کرام علیہم السلام کی اساس ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، کیوں کہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔ تفاسیر میں ہے کہ حرمت خنزیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، ہاں ان نقول کے انتقاد کی ضرورت ہے، تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

تعظیم مفرط پر نکیر

جس روز بہاولپور تشریف فرما ہوئے ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے، یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہئے، ہم تو عام آدمی ہیں، خیر بیٹھئے میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں، پھر اس پر وعظ فرمایا، قرآن وحدیث پیش فرماتے گئے، پھر مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ احقر سے فرمانے لگے کہ مولانا غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آئے ہیں، مکان پر تشریف فرما ہیں، تو عرض کردے کہ وعظ بند کردیں، میں نے کہا میں تو جرأت نہیں کرسکتا، ہم دونوں ایک دوسرے کے کان میں بات کررہے تھے حضرت نے فوراً وعظ بند کردیا اور دعا فرما کر باہر تشریف لے آئے، راستے میں عرض کیا کہ مولانا دین پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے ہیں، مکان پر پہنچ کر ملاقات فرمائی، اور معانقہ کیا حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ پر رقت نے زور کیا، بہت روئے، پھر پلنگ پر سرہانے کی طرف حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کو بٹھانے لگے، حضرت نے اصرار کیا کہ آپ ہی ادھر بیٹھیں۔

130

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تکیہ حضرت دین پوری کی طرف رکھ دیا کہ آپ تکیہ لگا کر بیٹھیں، خود بھی بیٹھ گئے پھر خدام حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے ملنے لگے پہلے پاؤں کو ہاتھ لگاتے پھر گھٹنوں کو پھر مصافحہ کرتے، ایک کو فرمایا ارے بھائی! فقط مصافحہ سنت ہے، اور دوسرے سے بھی یہی فرمایا، تیسرا آیا اس نے جب گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اس کے دونوں بازو تھام لئے اور فرمایا کیا پیغمبر کی سنت سے عداوت ہی ہے؟ پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ، میں اس مسئلہ کو کشف کرنا چاہتا ہوں۔

پھر شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا، کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے، ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدۂ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے۔ فقط مصافحہ سنت ہے۔

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدۂ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس ڈابھیل بھیجا، میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں، اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا، انہوں نے لکھا کہ سجدہ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں، حالانکہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پہلے سجدہ تعظیم تھی آپس کی، فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔ (سورۃ الجن:۱۸)

ترجمہ: ’’اور مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کی واسطے ہیں۔‘‘

یعنی مسجدیں خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائی جاتی ہیں تو وہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مدد مانگنا ظلم عظیم ہے۔

اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے، (سورۃ یوسف کی تفسیر میں آیت ۱۰۰ کے تحت شاہ صاحب نے یہ ذکر فرمایا ہے):

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۔ (سورۃ یوسف:۱۰۰)

ترجمہ: ’’اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں ۔‘‘

یعنی ماں باپ اور سب بھائی یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے، یہ سجدہ تعظیمی تھا اب ہماری شریعت میں یہ بھی ممنوع ہے اور حرام ہے۔

اور سورۃ الجن میں وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ’’سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے۔‘‘

غرض سجدۂ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو۔(درمختار)

مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ نے بوقت رخصت جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، تو فرمایا کہ لوگ حاجی بنائیں گے۔

۱۔لفظ قدر کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ۔ (سورۃ الانبیاء:۸۷)

’’پس گمان کیا ہم اس پر تنگی نہیں پکڑیں گے۔‘‘

(ف) كَمَا فِيْ "فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ" پس اس پر رزق تنگ کردیا۔ کما بینہ الطحاوی فی مشکلہ۔

۲۔رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط (سورۃ الاسراء:۶۰)

ترجمہ: ’’اور ایسے ہی وہ درخت جس پر لعنت ہے قرآن میں یعنی زقوم کا درخت۔‘‘

شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملا دیا کہ یہ بھی کفار کا ایک طعنہ تھا،

جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا، چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات بیت المقدس تک ہو آئے، اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ سو درخت آگ میں کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

۳۔ فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالت یقظہ [۱] میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے، میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے، یہاں لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے تورات ہی میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھا، حالانکہ یہ عالم بیداری میں رؤیا تھا، فوراً مجھے تنبہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء کرام علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے، حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیاء کے ہاں، لغت میں تو کشف کے معنی وُضُوح [۲] کے ہیں، کبھی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا ہے۔

۴۔ فرمایا کہ قادیانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوتی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکا ہے اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے، اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں):

---

(۱) بیداری۔

(۲) ظہور، ثبوت۔

لَمَّا أُسرِیَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ اِبۡرَاهِيۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِيۡسٰی فَتَذَاكَرُوۡا السَّاعَةَ، فَبَدَءُوۡا بِاِبۡرَاهِيۡمَ فَسَاَلُوۡهُ عَنۡهَا فَلَمۡ يَكُنۡ عِنۡدَهُ مِنۡ عِلۡمٍ ، ثُمَّ سَاَلُوۡا مُوۡسٰی فَلَمۡ يَكُنۡ عِنۡدَهُ مِنۡ عِلۡمٍ، فَرَدَّ الۡحَدِيۡثَ إِلٰی عِيۡسَی ابۡنِ مَرۡيَمَ، فَقَالَ قَدۡ عَهِدَ إِلَیَّ دُوۡنَ وَجۡبَتِهَا، اَمَّا وَجۡبَتُهَا فَلَا يَعۡلَمُهَا، إِلَّا اللهُ فَذَكَرَ خُرُوۡجَ الدَّجَّالِ، قَالَ: فَأَنۡزَلَ فَأَقۡتُلُهٗ۔

ترجمہ: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے قیامت کا مذاکرہ کیا سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام سے ابتداء کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے بارے میں سوال کیا لیکن ان کے پاس اس کا علم نہیں تھا پھر موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا ان کے پاس بھی اس کا علم نہیں تھا پھر عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا اس نے کہا کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا قیامت کے بارے میں لیکن ان کے واقع ہونے کے بارے میں نہیں کیونکہ اس کے وقوع کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں پھر دجال کے نکلنے کا تذکرہ کیا فرمایا وہ نازل ہوگا اور میں اس کو قتل کروں گا۔''

۵۔ ایام قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء میں چودہ روز قیام پذیر رہے، چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶ جلد ا میں تصریح ہے اور جو سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا پس وہ سہو ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار

کرلیا گیا، اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیوں کہ منگل منگل آٹھ روز، بدھ جمعرات جمعہ تین دن مل کر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن پورے نہ ہوئے، جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا، بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا، پھر ہفتہ، اتوار اور پیر قباء میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے یہ پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

۶۔فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قطعی ہے

131 ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطعی ہے اور امام 132 باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظنی ہے، میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب (۱) ہے کیوں کہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہوجاتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق، ایسا ہی فضیلت شیخین بھی ثابت ہے پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے پس جو اقرب ہے نسباً وہ آخر ہے افضلیت میں، اس طرح کہ علی، عثمان، عمر ابوبکر رضی اللہ عنہم۔ نیز افضلیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اقدم ہیں، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

۷۔امتناع قراءۃ خلف الامام

بخاری جلد اوّل ص ۵۲۳ میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۃ یوسف یا نحل پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگ جمع ہوجاتے تھے پھر رکوع کرتے، معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، پس مدرک رکوع مدرک رکعت ہوا، پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حَتّٰی یَجْتَمِعَ النَّاسُ۔

---

(۱) بہترین، زیادہ صحیح

۸۔ توسل فعلی وقولی

بخاری میں قول عمر آیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا۔

ترجمہ: ”یا اللہ ہم آپ کے سامنے وسیلہ پکڑتے ہیں اپنے نبی کے چچا سے، ہم پر بارش برسا۔“

یہ توسل فعلی ہے، رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے اعمٰی کی حدیث میں ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ إِلَيكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ. إِلٰى قَوْلِه: فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔

ترجمہ: ”یا اللہ! ہم آپ کی طرف متوجہ کرتے ہیں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محمد جو رحمت کے نبی ہیں ان کی سفارش ہمارے حق میں قبول فرما دیجئے۔“

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے، اور تصحیح فرمائی ہے، مستدرک حاکم میں بھی ہے حاکم [133] نے اس کی تصحیح کی ہے، ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب[۱] کی ہے۔

فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں:

اَلَا كُلُّ مَنْ لَا يَقْتَدِيْ بِأَئِمَّةٍ
فَقِسْمَتُهٗ ضِيْزٰى عَنِ الْحَقِّ خَارِجَةْ
فَخُذْهُمْ عُبَيْدُ اللهِ عُرْوَةُ قَاسِمٌ
سَعِيْدُ أَبُوْبَكْرٍ سُلَيْمَانُ وَ خَارِجَةْ

---

(۱) تصدیق۔

ترجمہ: ''خبردار جو ائمہ کی اقتدا نہیں کرتے ان کی یہ تقسیم بھونڈی یعنی مہمل ہے۔ پکڑ لیجئے عبید اللہ عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ یعنی ان کی اقتداء کیجئے۔''

پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ بن قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم۔ سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار مدنی مولیٰ میمونہ رضی اللہ عنہم، خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہم۔ اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

لفظ دُون کی ادبی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ (سورۃ الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو۔ صبح کے وقت اور شام کے وقت اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔''

اس میں دُوْنَ الْجَهْرِ ،معطوف واقع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے، اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم، فقہاء کا جہر مراد نہیں بلکہ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔ (سورۃ النساء:۱۴۸)

ترجمہ: ''اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کو ظاہر کرنا۔''

کے قبیل سے ہے، مثلاً

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ۔ (سورۃ الحجرات:۲)

ترجمہ: ''اور اس کے سامنے مت بولو چیخ کر۔''

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو، جیسے اعراب (دیہاتی) بولتے تھے:

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ۔ (سورۃ النساء:۴۸)

یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ۔
(سورۃ السجدہ:۲۱)

ترجمہ: ''اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے ورے یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں ذرہ کم درجے کا عذاب چکھائیں گے۔''

یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا۔

ترجمہ: ''پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔''

غرض فقہاء نے جہر کو ثابت کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۶۳ میں ہے:

فَإِنْ اَفْتَانَا بِفُتْيَا دُوْنَ الرَّجْمِ قَبِلْنَاهَا۔

پس اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کرلیں گے۔ (اسد الغابہ ص ۱۶۸)

غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے، مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّہٗ مِنَ الْأَوَّاھِیْنَ۔

ترجمہ: ’’بے شک وہ ذوالبجادین سچے عاشق لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

اور خود حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے واقعہ میں رات کی وقت نبی کریم ﷺ کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے، کتب سیرت میں مصرح ہے۔ (أسد الغابہ ص ۱۶۱)

فرمایا: بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی ص ۱۸۵ میں ہے:

وَ مَعْنٰی دُوْنَ فِي الْأَصْلِ اَدْنٰی مِنَ الشَّیْءِ، یُقَالُ: دُوْنَ ذٰلِكَ إِذَا کَانَ أَحَطُّ مِنْهُ قَلِیْلاً۔

’’دون اصل میں کسی شیٔ کا کم درجہ کا ہونا ’’ھٰذا دون ذلك‘‘ وہاں بولتے ہیں جب وہ شیئ دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو۔‘‘

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی، دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید کا اعجاز مفردات اور ترکیب و ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے، مفردات میں ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے اَوْفٰی بِالْحَقِیْقَةِ وَ أَوْفٰی بِالْمَقَامِ۔ ’’اور حقیقت کو پورا واضح کرنے والا اور مقام کے زیادہ مناسب‘‘ سارے انس و جن بھی نہیں لا سکتے۔

مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کی لئے توفی کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان

کے عقیدے میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقاء روح۔

توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہوسکتی، قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا، اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض، اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ۔ (سورۃ الانعام:۱۰۰)

ترجمہ: ''اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے شریک جنّوں کو۔''

ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی:

وَجَعَلُوا الْجِنَّ شُرَكَاءَ اللّٰهِ۔

لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کو جن کا شریک قرار دینے کا، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا، پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی ہے۔

مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا لینا ہے، جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حُسنیٰ کے شروع میں لکھا ہے مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدا اور معاش اور معاد اور فلاح ونجاح دنیا وآخرت وابستہ ہو۔

قرآنی حقائق

اس سے میری مراد امور غامضہ ہیں جن سے عقول وافکار قاصر رہیں اور تجاذب وتجانب اور نزاع عقلاء باقی رہا جیسے کہ مسئلہ خلق افعال عباد کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے قرآن مجید

ایسے مقام میں وہ تعبیر اختیار فرمائے گا جس سے اوفیٰ بالحقیقہ تعبیر بشری مداخلت سے باہر ہے۔

کچھ ابتدائی دور سے متعلق

ریل گاڑی میں بہاول پور سے براستہ راجپورہ دیوبند واپسی کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے لیتے ہیں اور حاکم دارقطنی [134] سے لیتے ہیں، احقر نے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی [135] بیہقی کے لفظی اغلاط پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں، فرمایا: ان کی نظر چوکتی نہیں۔

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الزمن رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کرلیا تھا، اور فتح الباری کا مطالعہ درس بخاری کے سال میں کیا تھا، مولانا مشیت اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیز ہوتی تھی کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحاق کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ پڑھی ہیں، وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں وہ اپنے والد سید محمود آلوسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی کے ہیں۔ "اَلْجَوَابُ الْفَسِيْحُ لِمَا لَفَّقَ عَبْدَ الْمَسِيْحِ" اور "بُلُوْغُ الْاَرَبِ وَ جِلَاءُ الْعَيْنَيْنِ فِي مُحَاكَمَةِ بَيْنَ الْاَحْمَدَيْنِ" اور بھی بڑی نفیس کتب کے مؤلف ہیں، اَلْجَوَابُ الْفَسِيْحُ تو احقر کے پاس بھی ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، احقر نے ایک دفعہ امرتسر اور لاہور کے درمیان عرض کیا کہ علامہ خیر الدین آلوسی کی ایک کتاب ردعیسائیت میں ہے، لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خریدی تھی، فوراً فرمایا: اَلْجَوَابُ الْفَسِيْحُ

ہے؟ میں حیران رہ گیا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا، فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے، اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ وشنگ ہو، میں تو حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی سامنے کبھی بولتا نہ تھا چپ سنتا رہتا تھا۔

فرمایا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے ہیں۔

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسی بھی ہیں، ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، رسالہ حمیدیہ ان ہی کی تصنیف ہے، ان کا زہد و اتقاء بڑا کامل تھا، فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا یہ مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

مولانا ظہیر احسن شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ

ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو ''جامع الآثار'' مؤلفہ مولانا نیموی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں، میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا، مولانا نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ۔ (سورۃ الفتح:۲۶)

ترجمہ: ’’اور ان کے ساتھ تقویٰ کا کلمہ لازم کردیا۔‘‘

توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ۔ (سورۃ الاعراف:۹۶)

ترجمہ: ’اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے۔‘‘

طاعت کے معنی پر بھی بولا گیا ہے:

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ○ (سورۃ النحل:۲)

ترجمہ: ’’آپ لوگوں کو ڈراؤ کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اللہ فرماتے ہیں کہ میرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں مجھ سے ہی ڈرو۔‘‘

ترک گناہ پر بولا گیا ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ (سورۃ البقرہ:۱۸۹)

ترجمہ: ’’گھروں میں دروازوں سے داخل ہوجاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔‘‘

کبھی اخلاص کے معنی بھی دیتا ہے:

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ (سورۃ الحج:۳۲)

ترجمہ: ’’تعظیم شعائر اللہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔‘‘

یعنی تعظیم شعائر اللہ شرک نہیں بلکہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا وہ شعائر اللہ کا ادب ضرور کرے گا یہ ادب شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خوب لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات دوسرے بزرگوں سے

1934ء کی بات ہے حضرت اقدس مولانا ابوسعد[136] احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کندیاں والے اپنے خلیفہ مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی[137] رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں سلیم پور تشریف لائے تھے، احقر کو حضرت مولانا عبدالغنی[138] رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تو بھی آتا کہ حضرت کی زیارت کرے، تو

احقر اور دو ساتھی جو ہمارے مدرسہ رائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں مدرس تھے، تینوں مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں میں گئے، بعد مغرب پہنچے حاضری ہوئی، حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت میں مولانا عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تعارف کرایا کہ یہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا خادم اور میرا استاذ ہے۔ حضرت اقدس کندیاں والے رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر معانقہ کرکے ملے۔ بہت مسرت کا اظہار فرمایا، فرمایا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے کاملین میں سے تھے، اب علماء کی پیاس کو کون بجھائے گا؟ طلبہ کو تو حدیث پڑھانے والے مل ہی جائیں گے لیکن علماء کی مشکلات کو کون حل کرے گا۔

فرمایا جب میرا لڑکا دیوبند پڑھتا تھا تو میں بھی دیوبند حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی حدیث کے مدرس تھے، لڑکے نے اپنے کمرہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی، دونوں حضرات تشریف لائے، مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ سے چونکہ پہلے سے بے تکلفی تھی، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے حجاب رہا۔

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت محاکمہ دی

139 پھر جب مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ رئیس المفسرین نے میانوالی میں دعوت مُحاکمہ [1] دی، اور حضرت میانوالی تشریف لے گئے میں بھی وہاں موجود تھا، میں نے اپنے یہاں تشریف لے چلنے کو عرض کیا تو بخوشی منظور فرمالیا۔

پھر ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے کتب خانہ کی زیارت کرائی جس سے حضرت کا دل باغ باغ ہوگیا، پھر میں نے لوگوں کو باہر نکال دیا، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کتب خانہ کی سیر کی، ''تیسیر الاصول'' حکیم ترمذی 140 رحمۃ اللہ علیہ کی مجھ

---

(۱) فیصلہ کروانا، جھگڑا نمٹانا۔

سے دو ماہ کے لئے مستعار [1] دیوبند لے گئے۔ اور پھر دو ماہ کے بعد واپس فرمائی، اور مجھے خط میں تحریر فرمایا کہ جتنا عرصہ آپ کے ہاں قیام کیا میں اسے مُغتنمات [2] زندگی میں سے سمجھتا ہوں، وہ خط میں نے محفوظ کر کے رکھ چھوڑا ہے، افسوس کہ قیام خانقاہ سراجیہ (کندیاں) میں صرف ایک دن رہا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وقت کم تھا اگلے روز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا ذکر فرماتے رہے۔ فرمایا میں نے حضرت کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہے، پھر احقر نے عرض کیا کہ ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور ''مرقاۃ الطارم'' بھی حضرت کے پاس ہیں۔ فرمایا وہ تو ہم نے تبرکاً رکھ چھوڑی ہیں اس میں دقیق ابحاث [3] ہیں۔ پھر احقر رخصت لے کر چلا آیا، پھر مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ تو بار بار ملتے رہے۔ لیکن حضرت کندیاں والوں کی زیارت نہ ہو سکی، پھر سنا کہ کانپور میں حضرت کا وصال ہو گیا ہے، تابوت کندیاں لایا گیا پھر ایک رسالہ میں حضرت کا وصیت نامہ پڑھا۔ اور مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو جانشین اور کتب خانہ کا منتظم بنانا بھی پڑا، حضرت کندیاں والوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور لوگوں نے تو استفادہ کیا افسوس کہ میں چونکہ کھانے کے انتظام میں تھا میں استفادہ نہ کر سکا۔

کسی نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ انہوں نے (حضرت اقدس کندیاں والوں نے) ایک رسالہ لکھا ہے خضاب کے متعلق، میں جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ نے کوئی رسالہ خضاب کے متعلق لکھا ہے عرض کیا ہاں کچھ لکھا تو ہے، فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے نکال کر پیش کیا غور سے دیکھتے رہے، پھر کچھ فرمایا نہیں۔

ایک دفعہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو

---

(۱) ادھار۔

(۲) غنیمت کی چیزیں۔

(۳) مشکل یا باریک بحثیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں کتنا عرصہ رہے، تو مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چودہ سال قیام کیا۔

جب احقر 1922ء میں لدھیانہ مدرسہ عزیزیہ میں پڑھاتا تھا تو مولانا عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے تہذیب اور شرح تہذیب، شرح ملا جامی، کنز الدقائق پڑھی تھی۔ پھر (جامعہ فتحیہ) اچھرہ لاہور چلے گئے تھے۔ 1926ء میں حدیث دیوبند میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس احقر ہی نے ذکر کیا کہ جس کو مولانا

139 محمد نذیر عرشی رحمۃ اللہ علیہ شارح مثنوی نے تحفہ سعدیہ میں درج کیا ہے لیکن افسوس شاید الفاظ مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد نہیں رہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کو حضرت مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مالیر کوٹلہ پر بڑی شفقت تھی۔ ایک دفعہ لدھیانہ مدرسہ بستان الاسلام کے جلسہ میں تشریف لائے مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ احقر کے دیوبند میں رفیق ہیں مدینہ منورہ بارہا ملاقات ہوئی ہے، مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے، مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ یہ مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دوست ہیں، یہ علماء آخرت میں سے ہیں۔

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ کے جلسہ میں تشریف لائے احقر نے عرض کیا کہ احقر بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کا پیرو ہے، اور بیعت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر کی ہے اور حدیث اپنے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی ہے، اللہ کے کرم سے امید کرتا ہوں کہ بخشا جاؤں گا بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس مجلس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اگلی صبح کو سویرے ہی بخاری شریف لے کر خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے کہ حضرت مجھے بھی شاگردی میں لے لیں اور بخاری شریف شروع کرا دیں۔ چنانچہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمایا اور ابتدائی حدیث شروع کرا دی۔ اور اجازت بھی دے دی۔

قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء (۱) میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص (۲) اور خاص کی تعمیم (۳) بھی نسخ ہے۔ ایسا ہی مطلق کی تقیید (۴) اور تقیید کا اطلاق اور استثناء اور ترک استثناء بھی نسخ ہے، ایسے ہی حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے، متاخرین کی سعی اسی میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے، حتیٰ کہ امام جلال الدین [142] سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے، اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محل ہی نہ نکل سکے، بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ، مکان اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ دوا گرم مزاج، مزاج بارد (۵) اور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے، اور مزاج گرم اور موسم گرما میں مضر (۶) ہوتی ہے۔ اور چونکہ زمانہ

(۱) جمع قدیم، پہلے زمانہ کے۔

(۲) مخصوص، خصوصیت۔

(۳) عمومیت، ہر ایک کو شامل کرنا۔

(۴) قید، روکنا۔

(۵) سرد۔

(۶) نقصان دِہ۔

ازل سے اب تک واقعات جزئیہ پر منقسم [۱] وموزع [۲] ہے، ظہور وخفا، سابق اور لاحق، اعدام ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے، یعنی بہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے، لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیّر وتبدّل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے، لیکن مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے۔

مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید وتغییر ان کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب کچھ اپنے وقت مقررہ پر ہے کچھ تغیر و تبدل تقدم وتاخر نہیں، اور یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شئے میں جاری وساری ہے، اور جو کوئی اس نسخۂ وجود کا، کہ بے انتہاء حوادث متعاقبہ [۳] پر مشتمل ہے، بنظر غائر [۴] مطالعہ کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھ کر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے، جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آ جاتے ہیں، جو منتفی ہو گیا وہ وجود لفظی سے محو ہو گیا، جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظی کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں، یہ محو واثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں، اس کو کتاب المحو والاثبات کہتے ہیں، اور اگر اس مجموعہ کو

(۱) تقسیم ہونا۔
(۲) منتشر۔
(۳) تعاقب کرنے والے حادثات۔
(۴) گہری وسیع نظر سے۔

بہیئات اجتماعی (کہ علیم وحکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا، یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو ''اُمُّ الکتاب'' کہتے ہیں، یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾

(سورۃ الرعد:۳۹)

ترجمہ: ''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب۔''

(یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کردے جسے چاہے باقی رکھے، نسخ و اثبات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ قضا وقدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضے میں ہیں)۔

بعض محققین اس مجموعہ دفعی کا ''مرتبہ قضاء'' نام رکھتے ہیں، اور ظہور تدریجی کو مرتبہ قدر کہتے ہیں، اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (لامشاحۃ فی الاصطلاح)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے بدا لازم آتا ہے، اور ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے اور نسخ اور چیز ہے، کیونکہ نسخ تو حسبِ اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے، بدا یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہوگئی، بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے پس فرق ظاہر ہوگیا، نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فعل، اتحاد وجہ، اتحاد مکلّف، اتحاد وقت ہو اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان چار شرائط کے ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہوگیا، اور نماز عید کی واجب ہوگئی، یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے مثلاً پہلے صوم یوم عاشوراء واجب تھا پھر منسوخ ہوکر مستحب ہوگیا۔ یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے، مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمانہ میں تھا اور استقبال کعبہ شریف

دوسرے زمانہ میں تا ابد ہو گیا:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (سورۃ البقرۃ:۱۴۹)

ترجمہ: ’’اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام یعنی کعبہ کے۔‘‘

خود کو ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلّفین بدل جاتے ہیں، مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے، اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی میں بیش بہا نظم

فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو، بہاول پور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک نعتیہ کلام میں مستدرک حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہٖ رکھ دی ہے:

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدیری
باران صفت و بحر سمت ابر مطیری

ترجمہ: ’’اے وہ ذات کہ تمام رحمت آپ کا ہدیہ کیا ہوا ہے آپ قدیر ہیں وہ رحمت بارش کی صفت پر ہر طرف برستا ہے۔‘‘

اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ ۔

ترجمہ: ’’میں رحمت ہوں اللہ کی طرف سے ہدیہ کیا گیا ہوں۔‘‘

حدیث شریف ہے مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔ پھر کچھ اشعار بھی سنائے (اور مشکوٰۃ میں بھی ہے)

معراج تو کرسی شدہ وسبع سماوات
فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری
برسر فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت
ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری

ختم رسل ، نجم سبل ، صبح ہدایت
حقّا کہ نذیری تو والحق کہ بشیری
آدم بصف محشر و ذریت آدم
در ظل لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا
تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری
ادراک بختم است کمال است بخاتم
عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری
امی لقب و ماہ عرب مرکز ایمان
ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال
تفصیل نمودند دریں دیر سدیری
ترتیب کہ رتبی ست چووا کردہ نمودند
در عرصہ اسراء تو خطیبی و سفیری
حق است و حقے است چو ممتاز ز باطل
آن دین نبی ہست اگر پاک ضمیری
آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر
آیات تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیری
آن عقدہ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل
حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری

اے ختم رسل امتِ تو خیر امم بود
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصل اخیری
کس نیست ازیں امت تو آنکہ چوانور
با روئے سیاہ آمدہ و موئے زریری

ترجمہ: ''آپ کی معراج کرسی اور سات آسمانوں کے اوپر ہوئی، فرش سے آپ کے قدم سدرۃ المنتہیٰ پر پھر عرش تک پہنچے۔ جہاں کی مانگ میں جب آپ کے پاؤں کی طاقت ثبت ہوئی، تو سب بڑے صدر اور روشن چاند بن گئے۔ جو رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں راستوں کے ستارے ہیں، ہدایت کی صبح ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپ نذیر ہیں ڈرانے والے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ آپ بشیر ہیں خوشخبری دینے والے ہیں۔ آدم علیہ السلام صف میں ہوں گے قیامت کے دن اور اولاد آدم بھی آپ کے جھنڈے کی سائے میں کہ آپ امام ہیں اور امیر ہیں۔ آپ ایسے یکتا ہیں جیسے دائرے کا مرکز۔ عالم کا مرکز تو ہے جس کی کوئی اور مثال اور نظیر نہیں۔ ادراک ختم کا ہے اور کمال خاتم کا ہے۔ اور اعتبار خاتمے کا ہوتا ہے اور آپ اخیری دور میں ہو۔ یقیناً لقب آپ کا امی ہے عرب کے چاند ہو اور مرکز ایمان ہو علم اور عمل کا مدار آپ ہیں اور اس کے مدیر یعنی مہتمم آپ ہیں، تمام عالم ایک اجمال ہے اور ایک شخص کبیر ہے اور اس گنبد کی تفصیل مضبوط تعمیر ہے۔ ترتیب رتی پگھلے ہوئے لوہے کی طرح ہے۔ اسریٰ و معراج کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی خطیب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سفیر تھے۔ حق ہے اور

ایسا حق جو باطل سے ممتاز ہے۔ وہ حق نبی اکرم ﷺ کا دین ہے
اگر آپ کا ضمیر پاک ہے، معجزات تمام رسولوں کے بہتر اور برتر
تھے۔ لیکن آپ کا معجزہ قرآن جس کو ہر آدمی جانتا ہے، اور اس کو
رکھتا ہے۔ تقدیر کا وہ مشکل مسئلہ جو کسب سے حل نہیں ہوا۔ آپ
کے ایک حرف نے اس کو کھول دیا حل کر دیا کیونکہ آپ خبیر اور بصیر
ہیں۔ اے ختم الرسل تیری امت سب سے بہتر امت ہے جو پھل
آئے گا وہ اخیری فصل ہے۔ آپ کی امت میں انور کی طرح کوئی
نہیں جو کالے چہرے کے ساتھ آیا ہے سنہرے رنگ سے رنگے
ہوئے بالوں کے ساتھ۔"

☆☆☆

ایک دفعہ جب ابھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند ہی میں تھے، احقر زیارت کی غرض سے حاضر ہوا، مولانا حافظ غلام محمد [143] لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ خطیب مسجد جہانیاں منڈی، ضلع ملتان کو خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا کہ اگر حضرت قصائد عربی و فارسی عنایت فرما دیں تو یہ مولوی صاحب اعلیٰ درجہ کے کاتب ہیں یہ لکھ دیں گے اور احقر طبع کرا دے گا، لوگوں کو اس سے علمی استفادہ کا موقع مل جائے گا، بہت خوش ہوئے، فرمایا کہ میں انہیں تھوڑے تھوڑے دیتا رہوں گا یہ جوں جوں کتابت کرتے جائیں گے میں دیتا جاؤں گا، پھر یکایک ڈابھیل جانے کا ابتلاء پیش آ گیا اور وہ تجویز یوں ہی رہ گئی، مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی بیمار ہو کر وطن تشریف لے آئے۔ مگر میرے خیال میں رہا کہ یہ کام ہو جائے تو زہے نصیب، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، کہ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مرض بواسیر ترقی کر گیا، تا آنکہ مئی 1933ء مطابق ۳ صفر ۱۳۵۲ھ میں وصال ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کے خطوط

پھر 1946ء میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی[144] رحمۃ اللہ علیہ کا والا نامہ لدھیانہ سے مجھے رائیکوٹ ملا، بعینہٖ درج کیا جاتا ہے۔

محترم ومکرم!

السلام علیکم! برادر عزیز مولوی سید محمد ازہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت استاد مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چند عربی و فارسی قصائد میرے پاس بھیجے ہیں تاکہ میں ان کو طبع کرادوں یا ان کا کسی تاجر سے معاملہ ہوجائے مگر یہ خدمت تب ہی ہوسکتی ہے کہ ان تمام قصائد کا اردو زبان میں ترجمہ اور شرح بھی ہوجائے اور باقاعدہ مرتب بھی ہوجائے، اس کام کو آپ سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو یہ خط دیکھتے ہی ایک دن کے لئے تشریف لے آئیں تاکہ میں بتا سکوں کہ میں اس سلسلے میں کیا چاہتا ہوں۔ والسلام

از لدھیانہ حبیب روڈ 29 دسمبر 1946ء

حبیب الرحمٰن

ان ہی ایام میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا والا نامہ آیا تھا، کہ حضرت مدنی[145] رحمۃ اللہ علیہ کے امیدواروں کو کامیاب بنانا ہے میاں تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیۃ العلماء کے نمائندے یکے بعد دیگرے آنے لگے، احقر کو کھینچ تان کر لے گئے۔ احقر کئی ماہ تو گھر سے باہر دیہات ہی میں پھرتا رہا، میرے پاس دیوبند سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور ساتھ لے گئے۔

مولانا محمد علی جالندھری[146] رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خطوط آنے لگے اور کئی بار احقر کو اوگی ضلع

جالندھر جانا پڑا، یہ احقر کا آبائی گاؤں بہت بڑی بستی ہے۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا پولنگ اسٹیشن تھا، پھر تھوڑے دنوں کے بعد ملک میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور ملک بدل گیا اور سارا نظام ہی درہم برہم ہوگیا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب بھی اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ تقریر دلپذیر حضرت مولانا قاسم [147] نانوتوی قدس سرہ کی اور ''اکفار الملحدین'' اور ''عقیدۃ الاسلام'' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور ''صدع النقاب عن جساسۃ الفنجاب'' اور ''ضرب الخاتم'' جب تک داخل درس نہیں کریں گے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی حقیقت نہیں کھل سکتی، علمی رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا۔

ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے۔ افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہوسکے، جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے، معلوم نہیں کہ علمی ذخیرہ کہاں کھو گیا، خود فرماتے تھے، جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور مولانا امیر [148] حسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال قصیدہ

حضرت کا قصیدہ ''صدع النقاب'' جب حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا جلسہ 1933ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ خادم حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا، لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے

دیکھا، وہ یہ ہے:

(چند اشعار بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۶۱ (اکسٹھ) اشعار پر مشتمل ہے۔

اَلاَ یَا عِبَادَاللّٰہِ قُوۡمُوۡا قُوۡمُوۡا
خَطُوۡبًا اَلَمَّتۡ مَالَھُنَّ یَدَانِ

''اے اللہ کے بندو! اٹھو اور نا قابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔''

یُسَبُّ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اُوۡلِی الۡعَزۡمِ فِیۡکُمۡ
تَکَادُ السَّمَاءُ وَالۡاَرۡضُ تَنۡفَطِرَانِ

''ایک اولوالعزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جا رہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔''

وَحَارَبَ قَوۡمٌ رَبَّھُمۡ وَ نَبِیَّھُمۡ
فَقُوۡمُوۡا لِنَصۡرِاللّٰہِ اِذۡ ھُوَ دَانِ

''اور ایک قوم نے اپنے اللہ اور نبی سے لڑائی باندھی، تم اللہ کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے۔''

وَقَدۡ عِیۡلَ صَبۡرِیۡ فِیۡ اِنۡتِھَاكِ حُدُوۡدِہٖ
فَھَلۡ ثُمَّ دَاعٍ اَوۡ مُجِیۡبُ اَذَانِ

''اور اللہ کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا؟''

وَ اِذۡ عَزَّ خَطۡبٌ جِئۡتُ مُسۡتَنۡصِرًا بِکُمۡ
فَھَلۡ ثُمَّ غَوۡثٌ یَا لِقَوۡمِ یَدَانِ

''اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا، پس اے میری قوم ہے کوئی فریاد رس جو میرے قریب ہو۔''

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ کَانَ نَائِماً
وَاَسْمَعْتُ مَنْ کَانَتْ لَهُ اُذْنَانِ

''قسم ہے مجھے کہ میں نے سوئے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا۔''

وَ نَادَیْتُ قَوْمًا فِیْ فَرِیْضَةِ رَبِّهِمْ
فَهَلْ مِنْ نَصِیْرٍ لِیْ مِنَ أَهْلِ زَمَانِ

''اور قوم کو اس کے اللہ کے فریضہ کی طرف بلایا، پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے۔''

دَعَوْا کُلَّ اَمْرٍ اِسْتَقِیْمُوْا لِمَا دَهٰی
وَقَدْ عَادَ فَرْضُ الْعَیْنِ عِنْدَ عَیَانِ

''سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کیلئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔''

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے گئے ہیں، یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا تعزیت نامہ

149

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا۔

إِنَّا نُعَزِّیْكَ لَا اَنْ عَلٰی ثِقَةٍ
مِنَ الْبَقَاءِ وَلٰکِنْ سُنَّةُ الدِّیْنِ

فَلَا الْمُعَزِّیْ بِبَاقٍ بَعْدَ مَیِّتِهٖ
وَ لَا الْمُعَزِّیْ اِنْ عَاشَا اِلٰی حِیْنِ

(ترجمہ) ''ہم اپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں، لیکن یہ سنت ہے دین کی، پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں، (آخر سب کو موت ہے)۔''

جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس یا ایک دن

قرآن کا معجزہ

150 فرمایا حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزارہا گھر جل گئے اور قرآن بھی جلے لیکن یہ آیات نہ جلیں:

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ (سورۃ یٰسٓ: ۳۸)

ترجمہ: ''یہ سورج کا چلانا مقدر کیا اس زبردست باخبر نے (یعنی سورج کی چال مقرر ہے ایک انچ اس میں فرق نہیں آتا)۔''

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۲۲)

ترجمہ: ''اور خاص اللہ پر توکل کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۃ ابراہیم: ۴۲)

ترجمہ: ''اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو ظالم کرتے ہیں۔''

(یعنی اگر ان ظالموں کو سزا ملنے میں کچھ دیر ہوئی تو یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان کی حرکات سے بے خبر ہے ان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔''

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (سورۃ ابراہیم: ۳۴)

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کے احسانات کو گنو تو گن نہیں سکتے۔''
یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اتنی بے شمار ہیں اور غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب مل کر گنتی شروع کرو تو تھک کر عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔''

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳)
ترجمہ: ''اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کی سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ (سورۃ طٰہٰ: ۴ تا ۶)
ترجمہ: ''یہ نصیحت اتاری ہوئی ہے اس کی طرف سے جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے یعنی وہی بلاشرکت غیرے سب کا خالق اور مالک ہے۔''

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (سورۃ الشعراء: ۸۸، ۸۹)
ترجمہ: ''جس دن نہ کام آئے گا کوئی مال اور نہ اولاد مگر جو کوئی ایا اللہ کے پاس بے روگ دل لے کر یعنی جو دل کفر و نفاق اور فاسد عقائد سے پاک ہو وہی وہاں کام آئے گا صرف مال و اولاد کام نہیں آئے گی۔''

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ (سورۃ حم سجدہ: ۱۱)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے فرمایا آؤتم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ دونوں بولے ہم آئے خوشی سے۔''

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (سورۃ الذاریات:۵۶)

ترجمہ: ''میں نے نہیں پیدا کئے انسان اور جنات مگر صرف اپنی عبادت کے لئے یعنی ان کے پیدا کرنے سے مقصود ان کی بندگی ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (سورۃ الذاریات:۵۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جو ہے وہی روزی دینے والا ہے زور آور اور مضبوط ہے۔''

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○

(سورۃ الذاریات: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: ''اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور وہ جو تم سے وعدہ کیا گیا یعنی ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکنے سے نہیں رکے گی سو قسم ہے رب آسمان و زمین کی کہ یہ بات حق ہے جیسے کہ تمہارا بولنا حق ہے یعنی جیسے تمہارے بولنے میں شبہ نہیں ویسے ہی اس کلام میں شبہ نہیں کہ یقیناً روزی پہنچ کر رہے گی۔''

☆ ...... فرمایا تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دوکان گھر یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

☆ ...... فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لا علاج مرض کے لئے مفید ہے، یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

☆ ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض بعض

علاقوں میں بھیج دیا تھا مثلاً حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف تعلیم کی خاطر بھیجا تھا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا بیت المال سپرد کیا، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے بھیجا تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا، اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک فرقیسہ میں چھ سو صحابہ رضی اللہ عنہم آباد تھے۔ الحاصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف بلاد[1] میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم و کلمہ اسلام کو پھیلانے کے لئے نکل گئے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فوقیت

سو اگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام دار الہجرۃ کا رہنے والا تھا تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرۃ تھے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم عراق میں بس گئے تھے، اور وہیں علم نحو مدوّن ہوا، کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوئی، آپ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت: اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ (سورۃ توبہ: ۳) میں رَسُوْلُهٗ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے [151] ابو الاسود دؤلی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ لفظ کی خطا سے لوگ محفوظ رہیں، پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا:

كُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ، وَكُلُّ مَفْعُوْلٍ مَنْصُوْبٌ وَكُلُّ مُضَافٍ إِلَيْهِ مَجْرُوْرٌ۔

ترجمہ: ”کہ ہر فاعل مرفوع ہوگا ہر مفعول منصوب ہوگا ہر مضاف الیہ مجرور ہوگا۔“

---

(۱) علاقے، شہر۔

پھر فرمایا:

اُنْحُ نَحْوَہٗ۔

ترجمہ: ''اس کے طریقے پر چلو۔''

پھر اسود دوٴلی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تصویب فرمائی، پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے، مگر ''وَلٰكِنَّ'' چھوڑ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا، غرض حنفیہ کو بھی فضیلت ہے۔

☆......فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَّمَا اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ۔

ترجمہ: ''میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے دیکھتا ہوں۔''

یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا، ایسا ہی ثابت ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے[152]، اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔

اِرْكَعُوْا ......اور...... اَقِیْمُوْا الرُّكُوْعَ۔

ترجمہ: رکوع کرو......اور......رکوع قائم کرو۔''

اِرْكَعُوْا اور اَقِیْمُوْا الرُّكُوْعَ میں فرق ہے ثانی ابلغ ہے، اس لئے کہ یہ لفظ وہاں مستعمل ہوتا جہاں لَوْلَاهُ لَانْعَدَمَ الشَّیْءُ مراد ہوتا ہے، لہٰذا ترجمہ قول یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کا یہ کریں گے کہ جاری رکھتے ہیں نماز کو حتیٰ کہ اگر جاری نہ رکھتے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔

☆......ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ۔

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں مع آپ کی تعریف کے۔''

تکبیر کے بعد پڑھے، اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو جہراً پڑھا ہے، یہ محض تعلیماً تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار اَللّٰھُمَّ بَاعِدْهُ ہے یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے، اور جو ہمارا مختار ہے وہ تعامل کے اعتبار سے قوی ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا۔

☆...... یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہیے کہ قوت سند پر اغتراء(۱) اور تعامل(۲) سلف سے اغماض(۳) بہت دفعہ مضر ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت(۴) کے لئے تھی پس لوگوں نے اسی کو پکڑا حتیٰ کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہوسکتا ہے۔

تفسیر آیت سورۃ مزمّل

☆...... فرمایا کہ سورۃ مزمل میں نصفه بدل واقع ہو رہا ہے اللیل سے، اس لئے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی گئی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین قیام لیل کے لئے رہ گیا، اور ''منه'' اور ''علیه'' کی ضمیریں نصف کی طرف عود کرتی ہیں، بہر حال محور نصف لیل ہے یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے، اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ مَادُوْنَ الثُّلُثِ قَلِيْلٌ ہے، حدیث میں ہے کہ اَلثُّلُثُ كَثِيْرٌ، گویا عبارت یوں ہے:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ

---

(۱) بے پروائی

(۲) قبول کرنا، ردِّ عمل

(۳) روگردانی

(۴) حفاظت

عَلَيۡهِ ...أَيۡ أَوۡقَعَ الۡقِيَامَ فِي هٰذَا الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ عَلٰى هٰذِهِ الصُّوۡرَةِ۔

ترجمہ: ''کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا حصہ شب کا اگر آرام کرو تو مضائقہ نہیں۔ پھر فرمایا آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا یا زیادہ کر اس پر یعنی آدھی رات سے کچھ کم چوتھائی تک پہنچے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔''

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے لے لیا چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی، کمافی الاحادیث باقی حکم اس کے ماسوا کی طرف پھیرا گیا اور اس کا محور نصف لیل رکھا گیا، اور اس پر کم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا، گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلی کو اختیار دیتے ہیں:

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ (سورۃ بنی اسرائیل:۷۹)

ترجمہ: ''اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی نماز ادا کیجئے اس میں تہجد پڑھا کیجئے یہ آپ کے لئے پنج گانہ نمازوں کے علاوہ زائد چیز ہے۔''

و من اللیل فتهجد میں ھی کل لیل کا احصا مطلوب نہیں۔

154

☆ ......فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وتر کی روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے، یہ روایت دار قطنی میں مختصر آئی ہے اور

امام بخاری 155 نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔

شیخ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے امام بخاری نے اس میں تیرہ رکعات صلاۃ اللیل ذکر کی ہیں ان دونوں کی ایک ہی سند ہے، ایک ہی متن ہے، یہ راوی کا تفنن ہے جب جمیع طرق حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا مغالطہ لگ جاتا ہے۔

☆......فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے، ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا، اگر اس میں عشاء ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلث لیل ہو گئے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو چاہیے کہ نصف مد نظر رکھیئے۔ تاکہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلاۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا خوب سمجھ لینا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

☆......جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی 156 عتیق الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب 157 الرحمٰن شیروانی رحمۃ اللہ علیہ صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے، ان کے سوال پر تقریر فرمائی (اور یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کی تفسیر فرمائی)، مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نشین ہو گیا، مجھے بڑا اخلجان [1] رہتا تھا اب صاف ہو گیا۔

مفتی عتیق الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل در دولت پر حاضر ہوا، فرمایا کہ میں نے کبھی پیشینگوئی

---

(۱) الجھن، تردّد۔

نہیں کی اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں، عرض کر ہی دیتا ہوں، ایک یہ کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی، دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا، اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال کا تار آیا، اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا یہ واقعہ رائیکوٹ 1933ء کا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان واپسی

☆......۱۳۳۸ھ میں جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں واپس تشریف لائے اور مولانا [158] سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار فرمائے تھے، (مولانا مرحوم اردو کے بہترین شاعر بھی تھے) دیوان حماسہ تو حفظ یاد تھا، کئی ماہ تشریف آوری سے قبل فرما دیا تھا:

شیخ آنے کو ہے ساتھ ان کے فتی آنے کو ہے

فتی [1] سے مراد مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دیوبند کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

حال من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست
اُو پسر گم گردہ بود و من پدر گم کردا ام

ترجمہ: میری حالت حضرت کی جدائی میں یعقوب علیہ السلام سے کم نہیں ہے ان کا بیٹا گم ہوا تھا اور میرا والد یعنی استاد گم ہوا ہے۔"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوئی تو ایک مخلوق جمع ہوگئی پنجاب سے ہزاروں علماء زیارت کے لئے دیوبند پہنچے، سندھ کے مشائخ میں سے حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے تھے، یہ بزرگ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مربی تھے، مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ان سے تعلق تھا۔

---

(۱) جوان۔

(ف) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مترجم قرآن مجید تو خوب اشاعت پذیر ہوا، بجنور کے مطبوعہ قرآن مجید میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا، منشی محمد قاسم [159] لدھیانوی مرحوم جن کا مولانا مجید حسن [160] رحمۃ اللہ علیہ نے انتخاب کیا کتابت عربی رسم الخط کے استاد تسلیم کر لئے گئے تھے۔ صحت کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ اور بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن وہ خوبی نظر نہیں آئی جو بجنور کے طبع شدہ قرآن عزیز میں تھی۔ ہانگ کانگ میں بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا، کاغذ تو نہایت اعلیٰ لگایا گیا لیکن صحت کا التزام نہیں کیا گیا پھر بھی غنیمت ہے لاہور میں تاج کمپنی نے بھی اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے، لاہور اچھرہ سے قاری عبدالرشید [161] رحمۃ اللہ علیہ مالک نورانی پریس نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔ لیکن وہ بجنور والی بات کہاں؟

دوسری بات جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی وہ بھی پوری ہوگئی، کاش انڈیا والے اس کی قدر کرتے، 1927ء مئی کے اواخر میں جب کشمیر طویل رخصت پر تشریف لے جا رہے تھے گوجرانوالہ دو دن قیام فرمایا، مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث گوجرانوالہ سے ابن قیم کی بدائع الفوائد مستعار طلب کر رہے تھے کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پر فوائد لکھیں گے، مولانا ہم سے پوچھتے تھے تو وعدہ کر لیا تھا کہ ہم سامان آپ کو دیں گے مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب تازہ مصر سے منگائی تھی، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دکھانے کے لئے پیش کر رہے تھے۔

بقاعی کی کتاب ''السلک الدر'' کا تذکرہ

یہ بھی فرمایا قسطنطنیہ سے مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے پاس خط آیا ہے کہ امام بقائی [162] کی کتاب ''السلک الدرر فی نسق الآیات والسور'' آیات اور سورتوں کی ترتیب میں بہترین ہے، ایک زمانے میں ہم نے بھی یہ کتاب دیکھی تھی بڑی عمدہ کتاب ہے، لیکن مصنف چونکہ معتزلی العقیدہ ہے اس لئے مجھے چنداں پسند نہیں، حضرت مولانا

خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری قدس سرہ بھی کئی بار تشریف لاتے رہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی دوبارہ تشریف لائے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ القرآن کا مقدمہ خود زبان مبارک سے سناتے تھے ان دنوں احقر (محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ) دورہ کی جماعت میں شامل تھا، بیعت بھی چونکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تھی اس لئے کئی بار دن میں حاضری ہو جاتی تھی۔ اور حضرت کی زبان مبارک سے کئی بار یہ مقدمہ سنا۔

میرٹھ سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لائے تو بعد عصر خوب خوش ہو کر سنا رہے تھے ایسا ہی جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اہتمام سے سنایا۔

مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کی تفسیر دجل والحاد کی ہے

جب لدھیانہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو فرمایا ہم حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کریں گے اور دیو بند میں بار بار مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ سلف کے طریق پر ایک تفسیر لکھنی چاہئے۔ جس میں موجودہ فتن کا رد ہو، دس پارے میں لکھتا ہوں اور دس دس آپ حضرات لکھیں، یا مولانا خلیل احمد صاحب کی بجائے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھیں پھر اس کو یورپ میں اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ طباعت سے شائع کیا جائے، تاکہ موجودہ دور میں ان فتن خصوصاً قادیانیت کا رد بھی ہو جائے اور محمد علی 163 لاہوری کے الحاد اور دجل پر دنیا مطلع ہو سکے۔

چار سال 1964ء میں احقر (محمد انوری رحمہ اللہ) کے نام جنوبی افریقہ سے متعدد خطوط آئے کہ ہم نے ایک سوسائٹی ترجمۃ القرآن کرنے کے لئے بنائی ہے، یہاں کی زبان یا تو افریقی ہے یا لوگ اکثر انگریزی بولتے ہیں خاص کر یورپین لوگ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن کا انگریزی ترجمہ چاہتے ہیں، آپ مشورہ دیں کہ ہم کون سا قرآن

منتخب کریں؟ احقر نے ان کو لکھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا قرآن شائع کریں اور ایسے عالم دین سے انگلش میں ترجمہ کرائیں جو دینی علوم کا بھی ماہر ہو اور انگریزی زبان پر پوری دسترس رکھتا ہوتا کہ عقائد اور ان کا انگریزی ترجمہ کرنے میں دھوکہ نہ کھائے۔

الحمدللہ! ان لوگوں نے کروڑوں روپے سے یہ کام شروع کیا ہے اللہ کرے تکمیل کو پہنچ جائے ، اور حضرت شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کی تعبیر عملی جامہ پہن لے، اس اہم بات کو جس کے پاس بیان فرماتے اس وقت آپ کو بڑی ہی رقت ہوتی۔

اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَهٗ۔

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ان کے خواب گاہ کو آرام دہ بنا دے۔“

☆...... بہاولپور کے مقدمہ میں شہادت کے لئے جب تشریف لے گئے تو ان

[164]

دنوں حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سنٹرل جیل ملتان میں تھے۔ حضرت نے بڑی لجاجت کے ساتھ دونوں حضرات سے ذکر کیا، مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے لاہور میں تاکیداً فرمایا کہ یہ کام ضرور کرو، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو سنا رہے تھے۔ (یہ لدھیانہ ہی کی بات ہے جب حضرت رائے پوری 1941ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تھے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ میرے مکان پر لاہور سے اپریل 1933ء واپسی پر تشریف لائے، وزیر تعلیم عبدالحئی ایڈووکیٹ حضرت کی زیارت کے لئے آئے، معاً حضرت نے فرمایا کہ وزیر صاحب کچھ فارسی کا بھی ذوق ہے؟ عرض کیا ہاں کچھ ہے۔ تو فوراً خاتم النبیین کا مسودہ نکال کر سنانے لگے، پھر فرمایا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو دین محمدی کی کچھ خدمت کر جایئے۔

حضرت شیخ الہند کی وفات پر مجمع العلماء اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اور دو قصیدے

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی سے دیوبند اسٹیشن پر آیا، غالباً ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ تھا، تمام اکابر ساتھ تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آنسو نہیں تھمتے تھے، طلباء و اہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا، جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئی، نہایت ادب کی ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا، اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، تابوت اٹھائے ہوئے تھے، اور روتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت کی طرف آ رہے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

وَلَمْ اَرَ مِثْلَ الْيَوْمِ كَمْ كَانَ بَاكِيًا۔

یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے۔ ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی سب ہی اکابر نے مرثیے پڑھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے۔ دو قصیدے ایک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى مَزَارٍ فَنَدْ مَعَا
مَصِيْفًا وَ مَشْتًا ثُمَّ مَرْاًى وَ مَسْمَعًا
قَدِ احْتَفَّهُ الْاَلْطَافُ عَطْفًا وَ عَطْفَةً
وَ بُوْرِكَ فِيْهِ مَرْبَعًا ثُمَّ مَرْبَعًا

ترجمہ: ’’آپ دونوں کھڑے ہوجاتے ہم رونے لگ جاتے مزار کے ذکر سے۔ گرمی کے اعتبار سے اور سردی کے اعتبار سے۔ اور دیکھنے کے اعتبار سے اور سننے کے اعتبار سے۔ اللہ تعالیٰ کے الطاف اورمہربانیوں نے اس کو گھیرا ہے اور اس میں برکت ڈالی ہے۔‘‘

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقف گریہ وبکا تھے۔

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست
در زمین و آسماں جز نام حق آباد نیست
بر روانِ رہرواں ہاں رحمتے بفرستہ باش
حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرح حال خود نمودن شکوہ تقدیر نیست
نالہ بر سُنّت نمودن نوحہ فریاد نیست

ترجمہ: ’’پھول کی یاد سے گزر جا اور گلاب کے درخت کے پار سے گزر جا کہ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ زمین وآسمان میں اللہ کے نام کے علاوہ کسی کے لئے بقاء نہیں ہے۔ ہمارے رہبر کی روح پر رحمتیں نازل فرما۔ حسن بے بنیاد ہوتا ہے لیکن عشق بے بنیاد نہیں ہوتا۔ اپنی حالت کی شرح کرنا تقدیر کا شکوہ نہیں ہے۔ سنت کے مطابق رونا نوحہ اور فریاد نہیں ہے۔‘‘

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنت کے مطابق حزن وملال کا اظہار کیا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے، اسلئے آنسو بہانا یہ غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہی، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ صاحبزادۂ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (بخاری ج ا ص ۱۷۴)

ترجمہ: ''ابراہیم ہم آپ کے فراق اور جدائی سے غمزدہ ہیں۔''

اور آنسو جاری تھے، طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

☆...... 1929ء مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا، اس میں حضرت مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ولولہ انگیز تقریر کی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہئے تو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے کچھ ذکر و اذکار تلقین کیجئے ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔ پھر میں نے کہا کہ کچھ رد قادیانیت کے سلسلہ میں سپاہیانہ خدمت کیجئے، لہٰذا میں آپ صاحبان کی سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں، آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہئے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے رو رہے تھے۔ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی انسو جاری تھے، بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا، ہمارے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے رد قادیانیت پر لگایا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد

جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت شفقت سے ملنے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں، ہمارے سرپرست تو رخصت ہو گئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے "اجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کیا کہنا، میں تو مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں، جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔

مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے میانی افغانان ضلع ہوشیار پور کے سفر میں جب کہ ہم دونوں وہاں جلسہ میں گئے تھے تو مولانا نے راستے میں بیان فرمایا تھا، یہ 1937ء کا واقعہ ہے تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ مولانا احقر کو سنا رہے تھے۔ قولہ تعالیٰ:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ (سورۃ البقرۃ:۸۱)

ترجمہ: "کیوں نہیں یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہیں گے جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے وہی ہے جہنم کے رہنے والے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یعنی گناہ اس پر ایسا غلبہ کرے کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو جس پر گناہ کا غلبہ نہ ہو حتیٰ کہ دل میں ایمان باقی نہ رہے۔

اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ (سورۃ آل عمران:۲۴)

ترجمہ: "یہود کہتے کہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے" بیان کی۔

اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرئیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی

غلط رَوِش [۱] اور تحریف [۲] کا یہ منشاء تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں، ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو، ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو، مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا، چوری لواطت بھی حرام ہے، کبائر ہیں لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہوجاتا ہے، اس مرتبہ کا نام فسق و فجور وعصیان ہے۔ (العیاذ باللہ) اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہوجائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا، یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس الامر (حقیقت) میں ثابت ہے خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو، یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو، اس کو جحود اور کفر، زندقہ اور الحاد کہتے ہین، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اسی کو کہتے ہیں:

اَلْفَاسِقُ لَا یُخَلَّدُ فِی النَّارِ۔

ترجمہ: ''فاسق ہمیشہ آگ میں نہیں رہے گا۔''

چونکہ ملت حقہ اس زمانے میں صرف یہود تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی غباوت [۳] سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا، اس فرقے نے اپنی کُند ذہنی سے فرق عنوان میں اور مُعَنْوَنْ

---

(۱) طور طریقہ۔

(۲) ردّ و بدل۔

(۳) کُند ذہنی، کم فہمی

میں نہ کیا، اور کہہ دیا کہ

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (سورۃ آل عمران:۲۴)

ترجمہ: ’’یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے۔‘‘

حق تعالیٰ شانہٗ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے:

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (سورۃ البقرۃ:۸۰)

ترجمہ: ’’کہہ دیجئے کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے کہ اب ہرگز اللہ خلاف نہیں کرے گا اپنے عہد کے یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جس کو تم نہیں جانتے۔‘‘

کیوں کہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہلِ حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماوّل جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ۔ (سورۃ البقرہ:۸۱)

ترجمہ: ’’یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا۔‘‘

کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے، موجب ’’خلود فی النار‘‘ کا ہے جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو بظاہر کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کی

قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے......وَالْعَیَاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ الْعَیَاذُ بِاللّٰہِ۔

مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

یعنی انہوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں:

وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: ''اور نہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے۔''

یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر کے ہے:

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ......الخ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

اس کا عطف ''ماتتلو'' پر ہے، اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت و ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا، بلکہ عطف تو مغایرت [1] پر دلالت کرتا ہے، محض لفظوں میں قِران کے باعث یہ وہم ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر ہوتا ہے، مثلاً ادویہ طبعیہ مثلاً (ایسبغول اس کا لعاب پیتے ہیں اگر اس کو چبائیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سفلی کرتے ہیں کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے:

حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ وہ دونوں کہتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو۔''

وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کریو، یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ

(۱) ناموافقت، اجنبیت۔

کرنا، جس کا نتیجہ برا نکلے، اور غایت تشنیع کے باعث اس کو کفر فرمایا گیا، اس واسطے بھی کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے، مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے، پھر اس کو استعمال کرے، دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے، تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں، کہ ہاروت و ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا، دیکھو جو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع سے نقل کیا ہے، اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے، بلکہ تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہد رضی اللہ عنہ، سدی رضی اللہ عنہ، ربیع ابن انس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق و مصدوق و معصوم سے ثابت نہیں، اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے، کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر اطناب [۱] کے۔ اور موضح القرآن میں يُلۡحِدُوۡنَ فِيۡۤ اَسۡمَآئِهٖ میں حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے:

وَذَرُوا الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِيۡۤ اَسۡمَآئِهٖ (سورۃ الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: ''اور چھوڑ دو ان کو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں میں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو، تاکہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چلو کج راہ، کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے بندہ وہ کہے، جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہا ہے لمبا نہیں کہا، یا قدیم کہا ہے پرانا نہیں کہا، اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے، اپنے کئے کا پھل پائیں گے، یعنی قرب الٰہی نہ ملے گا، وہ مطلب ملے گا بھلا ہو یا برا۔

یا یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت ماروت

(۱) بات کو طول دینا۔

سے سیکھتے تھے اور وہ جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا، ان دونوں میں خلط ملط کرتے تھے، پس ظاہر اور غیر ظاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہوا، لہٰذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر پس یہ ایسا ہوا جیسے قولہ تعالیٰ:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ (سورۃ البقرۃ:۲۶)

ترجمہ: ''گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو اور ہدایت کرتا اس سے بہت سے لوگوں کو۔''

بس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا، جیسے علم دین پڑھے:

لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ۔

(ترمذی ج ۲ ص ۹۴ کتاب العلم)

ترجمہ: ''علم اس لئے پڑھے کہ علماء سے مناظرے کرے اور عوام سے جھگڑے کرے۔''

پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۳)

ترجمہ: ''تھے سب لوگ ایک دین پر۔''

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے، اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی، اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ایک ہی راہ ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے (پھسلے) ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں پھر کتاب والے کتاب سے بچلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی، سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں

اس کی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، اب آخری کتاب میں ایسی دوا بتلائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے، یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

ہدایت کے معنی طریق حق اور صواب [۱] کی طرف راہنمائی کرنا اور وہ ایک ہی ہوسکتا ہے، لوگوں نے اختلاف کیا، یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے اور بعضوں نے ترک کردیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں لَمَّا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْاِسْلَامِ ہے۔ (البحر المحیط) چنانچہ:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ○ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ (سورۃ البینہ: ۴، ۵)

ترجمہ: ”اور وہ اختلاف ہوا اہل کتاب میں یہ اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی بات آئی اور ان کو بھی حکم ہوا کہ بندگی کرے صرف اللہ کی خالص کرکے اس کے واسطے بندگی۔ مائل ہو حق کی طرف یعنی ہر قسم باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہوکر خالص اللہ کی بندگی کرے۔“

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہوسکتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

165

☆...... ابھی فروری 1965ء میں مولانا غلام نبی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ شرق پور سے تشریف لائے مولانا فاضل دیوبند اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے، تقریباً ۲۳ گھنٹے قیام فرمایا، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے

---

(۱) نیک عمل، درست

رہے، بڑے فاضل ہیں مردان کے علاقہ کے باشندے ہیں، جب میں نے باچشم نم(۱) بہاول پور کے مقدمہ کا تذکرہ کیا اور یہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد بہاولپور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ تُو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ، تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا، یہ سنتے ہی مولانا فاروقی بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔

جب تک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حین حیات رہے، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جلسہ کرتے رہے، جب وصال فرمایا پھر کبھی جلسہ نہیں کیا جب تک دہلی قیام رہا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لاتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں تقریر اور دُعا فرمائی

جب لاہور تشریف لے آئے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ 1921ء میں لاہور اچھرہ تردید قادیانیت کے سلسلہ میں تشریف لائے (جامعہ فتحیہ میں بیان فرمایا) اور میاں قمر الدین [166] رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کی اور تقریر سنی، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ہو گئی، پھر لاہور وزیر خان کی مسجد میں مولانا دیدار علی [167] رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی، اور بعد نماز تقریر فرمائی تو مولانا نجم الدین [168] رحمۃ اللہ علیہ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور بھی وہاں تشریف فرما تھے، فرمایا مولانا نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے علماء میں سے ہمارے ساتھ تھے۔

سب سے اوّل اہلِ لاہور کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تھا، ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت زیارت سے مشرف ہوئے تھے، احقر

---

(۱) آنکھوں میں آنسو کے ساتھ۔

کا ان دنوں دورۂ حدیث تھا، دیوبند واپس تشریف لے جا کر درس حدیث میں سارا سفر نامہ سنایا تھا۔

دسمبر 1932ء کے اواخر میں ڈابھیل حاضر ہو کر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ دعوت دے کر آئے تو حضرت دو تین شب دیوبند ٹھہر کر لاہور جلسہ میں شرکت کی غرض سے تشریف لے آئے، مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ بڑی شان سے ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صدارت فرمائی اور تقسیم اسناد بھی ترجمۃ القرآن سے فارغ التحصیل علماء کو فرمائی تھی، واپسی دیوبند کے سفر میں احقر بھی حضرت کے ہمراہ تھا، امرتسر پہنچ کر کھانا کھایا، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ [169] جو کہ رشتہ میں بھانجے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہوتے تھے اور مولانا عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ [170] بھی تھے، جب کھانا تناول فرمانے لگے تو ہم سب کو بھی شریک فرمایا احقر ادباً زمین پر بیٹھنے لگا تو نیچے کا کپڑا سرکا دیا، فرمایا اجی! اسے کیوں اٹھاتے ہو، اسے بچھا ہی رہنے دو اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، اب تکلف چھوڑو بے تکلف بیٹھو۔

پھر بعد فراغت طعام احقر نے کچھ باطنی حالات سنانے شروع کئے بڑے غور سے سنتے رہے پھر فرمایا کہ حالات سب مبارک ہیں، پھر دعائیں دیتے رہے، مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں۔

☆...... امرتسر سے کسی صاحب نے پھلوں کی پیٹیاں ساتھ کر دیں، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے کہ کوئی پھل نکالو، پھر فرمایا کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو بچے کچھ مانگتے ہیں تو اس لئے کچھ پھل خرید کر ساتھ رکھ لیتا ہوں، بعض دفعہ سہارنپور یا دیوبند ہی سے کچھ لے لیتا ہوں، بچے جب پوچھتے ہیں ابا جی یہ وہیں سے لائے ہیں جہاں سے آپ آ رہے ہیں تو چشم پوشی کرتا ہوں اور مسکرائے۔

بیعت اور تلقینِ ذکر جہر و اَوراد

☆......بہاولپور کے سفر میں تشریف لے جاتے وقت یہ فرمایا کہ یہاں پر علماء سنٹرل جیل ملتان میں مقید ہیں ان سے ملاقات کر کے آگے جانا ہے اس لئے ملتان چھاؤنی کے سٹیشن پر اتر گئے۔

صبح صادق ہو چکی تھی جب گاڑی ملتان چھاؤنی پہنچی اترتے ہی پلیٹ فارم پر مجمع کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی، پھر مجلس احرار کے دفتر میں تشریف لائے، ان لوگوں نے وہاں چائے کا انتظام کر رکھا تھا، بہت مجمع ہو گیا بعض لوگ بیعت بھی ہوئے ان کو بیعت فرمایا، بعد نماز فجر کلمہ توحید سو بار اور بعد نماز عصر کلمہ تمجید سو بار بعد نماز عشاء درود شریف سو بار۔ نماز والا درود تو بہت فضیلت رکھتا ہے، یا یہ درود شریف پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحٰبِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اس کو درود مشہور کہتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ سہروردی طریقہ ہے، اس کو اوراد کہتے ہیں، جب تخلیہ ہوتا تو بیعت کرتے وقت دوازدہ (بارہ) تسبیح چشتیہ ہی تلقین فرماتے اور اس کا طریق بھی خود کر کے دکھاتے، خوب شد مد سے اللہ اللہ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ فرماتے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرتے اس کو اذکار کہتے ہیں۔

''مبسوط'' کا تذکرہ

ایک شخص نے کہا کہ مبسوط میں احادیث بہت ہیں، میری زبان سے نکلا کہ مبسوط میں احادیث مذکور نہیں وہ ایک متن فقہ کا ہے، فرمایا (ان مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے) کچھ ذخیرہ احادیث آپ کی نظر سے گذرا؟ احقر نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ وہ جو آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ تو شمس الائمہ کی مبسوط ہے، اسکو بھی مبسوط ہی کہا جاتا ہے پھر کھانا تناول فرمایا، اور قبل ظہر ایک کوٹھی میں تشریف لے گئے

جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بنوائی تھی۔

بعد نماز ظہر احقر سے فرمایا وہ رسالہ لائیے جو آپ نے رد قادیانیت میں لکھا ہے احقر نے پیش کیا، عصر تک مطالعہ فرماتے رہے، بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ پھر بہاولپور جا کر مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور علماء سے اس کا تذکرہ فرماتے رہے کہ اس نے رسالہ لکھا ہے جس میں کفریات مرزا مزید جمع کئے ہیں، پھر فرمایا میں اس کو ڈابھیل سے طبع کرا دوں گا۔ تا کہ وہاں کے طلباء یاد کریں، احقر نے عرض کیا صاف کر کے ارسال کر دوں گا پھر التواء ہوتا گیا یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔

افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت وہ سب کاغذات ضائع ہو گئے، مولانا نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ لاہور والوں کا بیان اس رسالہ سے مرتب کیا گیا تھا، مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق ہو گیا تھا ہر وقت خدمت مبارکہ میں حاضر رہتے تھے، مولانا مرحوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خاموش رہتے تھے، حضرت مولانا عبداللطیف ناظم سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی خاموش بیٹھے رہتے۔

فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا، حتیٰ کہ جنگ احزاب میں جو ابوسفیان اتنی عداوت کا مظاہر کر رہے تھے، وہی جب ایمان لائے تو جنگ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے، فرما رہے تھے، لوگو! یہ موقع روز روز ہاتھ نہیں آتے، آج وقت ہے خوب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا ثبوت دو، خوب جوش دلا رہے تھے، تا آنکہ میدان جیت لیا۔

بہاولپور کے مقدمہ کا کچھ حال

بہاول پور کے تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر العلوم سہارن پور بھی تشریف لے گئے تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غایت

ادب تھا اس لئے خاموش بیٹھے رہتے، ایک روز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صاحب سے فرمایا مولانا شمس الدین بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں معجم کبیر للطبرانی قلمی ہے وہ ہمیں چند یوم کے لئے درکار ہے، خواہ وہ صاحب جو مولانا کے کتب خانہ کے مالک ہوں وہاں بیٹھ کر دیکھ لینے دیں، یا ہم سے ضمانت لے کر چند یوم کے لئے مستعار عنایت فرمائیں۔ حضرت مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے ہی چلے گئے اور کتاب لے آئے لاکر پیش خدمت کر دی، فرمایا کہ میں اسی وقت چلا گیا تھا ان سے عرض کیا تھا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب کی ضرورت ہے، انہوں نے بے تامل عنایت فرمائی۔

171

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بے حد اثر ہوا۔ دیر تک ''اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے یہ تو بڑی عنایت فرمائی'' فرماتے رہے پھر کتاب احقر کے حوالے کر دی، اور فرمایا اس میں سے مجھے کچھ عبارت نقل کر دے، اور نشان لگا دیئے اور یہ بھی فرمایا کہ قلمی کتابوں میں عموماً اعراب اور نقطے نہیں ہوتے، علماء کو پڑھنے میں دِقت ہوتی ہے، لاؤ میں آپ کو اس کا طریقہ بتاؤں۔

پھر میں نے مختلف مقامات سے بہت سی عبارات نقل کر کے پیش کیں تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ اکثر لوگوں کو میں نے کتاب دی، مگر غلط ہی نقل کر دی، بعض نے صفحات غلط لگا دیئے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نئی بات تو نے دیکھی ہے، تو بتلا دے؟ بعض دفعہ کچھ عرض بھی کر دیتا۔

ایک دفعہ ایک راوی کی نسبت میں مجھے شبہ ہوا تو دریافت کرنے کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا، فوراً فرمایا ''سَیَلْحِیْنِیْ'' اَلْحَمْدُلِلّٰہِ بِالْاِسْتِیْعَاب (۱) ہی اس کتاب مستطاب کے دیکھنے کا موقع مل گیا، بابو حبیب اللہ امر تسری بھی رات کے وقت بعد عشاء میرے پاس آ بیٹھے کہ میں تیرے ساتھ حضرت

(۱) شروع سے آخر تک۔

کے پاؤں دباتا ہوں، توفی کے لفظ پر کچھ دریافت کر رہے تھے، احقر نے عرض کیا حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے۔ فرمایا ہاں:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ

(سورۃ الزمر: ۴۲)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مرے ان کو کھینچ لیتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے۔''

اس میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے موت واقع نہیں ہوئی جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ ۔ (سورۃ الانعام: ۶۰)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ رات میں تمہاری روح کھینچ لیتا ہے۔''

پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر پنجاب میں حیات عیسیٰ پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے، بچے یتیم ہو جاتے ہیں عورت بیوہ ہو جاتی ہے، بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے (کبھی مدت العمر کھلکھلا کر نہیں ہنسے)۔

☆☆☆☆

عید مسلم اور علامہ جوہر طنطاوی کا تذکرہ

افادات عالیہ حضرت شیخ الاسلام سید المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

172 علامہ جوہری طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حامد کی حمد اس کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، اب اندازہ لگائیے کہ رب العالمین نے بھی قرآن عزیز میں اپنی حمد مختلف عنوانات سے فرمائی ہے، مخلوق کو تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ایک پیغمبر برحق جو حمد خدا کر سکتا ہے، ایک امتی کیا مقابلہ کرے گا، جو علومِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرمائے گئے

تھے اس لئے کہ وہ تو اذکیا امت تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاگردی کے لئے منتخب فرمایا گیا، اگر وہ حمد باری عزاسمہ بیان کریں گے تو انہیں کی شایان شان ہوگی، اسی طرح دیکھتے جایئے اب ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ عید کا دن ایک افضل دن ہے، سارے شہر کو باہر کھلے میدان میں نکل کر شکر کے دو نفل ادا کرنے چاہئیں۔

لیکن حجۃ الاسلام سیدنا حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عید مسلم
173
تبلیغ کا دن ہے ہر شخص جو تکبیر کہتا ہے اللہ کی کبریائی کی تبلیغ کرتا ہے، حتیٰ کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوام اگر جوق در جوق بازاروں میں تکبیرات کہتے پھریں تو منع نہ کرنا چاہیے کہ عوام میں ترغیب ہوتی ہے، یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون اسلام کے تمام شعبوں کو حاوی ہے جتنا جتنا غور کرتے جائیں گے آپ پر منکشف ہوتا جائے گا۔

فروع، عقائد، تاریخ، سِیَر، احکام سبھی پر بصیرت افروز اور ناقدانہ تحقیقی بحث فرمائی ہے، ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی تلاش کر کے خوب اشاعت کی جائے یہ تبرک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلا ہے، ایک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر مہاجر دیوبند 1928ء میں الصوم لی وأنا أجزی بہ (یعنی روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں خود دوں گا) پر شائع ہوئی تھی، افسوس کہ ہمارے پاس محفوظ تھی، لیکن 1947ء کے خونی ہنگامہ میں جب ہم رائفلوں کے سائے میں نکالے گئے تو احقر کی کتابوں کے ساتھ رائے کوٹ ضلع لدھیانہ ہی رہ گئی۔ حضرت کی سیرت پاک بھی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تھی، بہت سے خطوط مولانا محمد سلیمان شاہ رحمۃ اللہ علیہ برادر خورد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، اب ہم اس تبرک انوری کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کہ اس کا افادہ عام ہو جائے شاید کہ ہمارے لئے ذخیرہ عقبیٰ ثابت ہو۔ آمین

محمد انوری لائل پوری عفا اللہ عنہ

31 مارچ 1965ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرُ ور وانبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابہتاج[1] عید کے مترادف ہے ، لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضاء کی نظر میں عید اس مسرت وخوشی کو کہتے ہیں جو نعماء[2] ربانی اور کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل وجود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے، دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی، پھر اس پر کیا مسرت وانبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد رنج ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے، اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡفَرِحِیۡنَ ﴿۷۶﴾ (سورۃ القصص:۷۶)

ترجمہ: ’’تُو نہ اَترا کہ اللہ اَترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔‘‘

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت میں مضمر[3] ہے جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہ صمدیت سے وابستہ ہے منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل و احسان سرمدی، لہٰذا اپنی یہ مسرت وفرحت اور خوشی و انبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے:

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ط (سورۃ یونس:۵۸)

ترجمہ: ’’کہہ دیجئے میرے اللہ کے فضل سے اور اس کی مہربانی سے خوش ہونا چاہئے۔‘‘

یعنی خوشی ومسرت درحقیقت اللہ رب العزت کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر

---

(۱) خوشی۔

(۲) نعمتیں۔

(۳) پوشیدہ۔

کرنا چاہئے۔

عیدالٰہی

حقیقت بین نظریں اور معرفت سے پُر نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس [1]، کہ جس کو عالم اوامر ونواہی کہنا بہتر ہے، بہت کچھ عالم تکوینی کے مظاہر وشواہد پر قائم کی گئی ہے تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے۔ اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے، عالم تکوینی کی ابتداء اور اس کے منصۂ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب العزت نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت وتعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض وسماوات اور کائنات عالم چھ روز میں پیدا کیا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (سورة یونس:۳)

ترجمہ: ”بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قرار پکڑا عرش پر۔“

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح روز وشمار بھی اس تکوینی عالم سے اخذ کی گئی ہے، چند روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کے سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا، اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (سورة یونس:۳)

---

(۱) بنیاد۔

ترجمہ: ''پھر قرار پکڑا عرش پر۔''

مسئلہ استواء علی العرش کی مقامی توجیہہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استوی علی العرش سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے، کیونکہ یہ انہیں امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ

اَلْاِسْتَوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفِيَّةُ مَجْهُوْلٌ۔

یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے، لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات و اقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین و فلاسفہ کی زیغ [1] کو دیکھ کر کی ہے تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے۔ مناسب مقام اسکے معنی یوں سمجھنے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض و سماوات کو چھ روز میں پیدا کردیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شہنشاہیت کے استیلاء [2] و غلبہ کا اظہار فرمایا، اور تمام عالم اس کے حیطۂ اقتدار میں محیط ہوگیا، کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سماوات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت وسطوت کا اظہار کرنا ہے۔

---

(۱) ٹیڑھ پن، پھر جانا۔

(۲) قابو، قبضہ۔

ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے، جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض وسماوات کی مدت سِتَّةُ اَيَّامٍ چھ روز قرار دی ہے، اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا، پس اگر تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی کو محیط ہوجاتا ہے، اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا، لہٰذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر سِتَّةُ اَيَّامٍ کو صحیح باقی رکھا جاسکے اور استواء کے لئے ایک روز فاضل نکالا جاسکے، اس اشکال کے پیدا ہوجانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے جس میں کہ تخلیق ارض وسماوات ہوئی ہے، حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو سِتَّةُ اَيَّامٍ کے تذکرہ کے بعد آتا تھا، بلکہ ایک عرصہ مدیدہ[1] کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور تخلیق ارض وسماوات کے متصل جو جمعہ آتا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے، ان حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے ان کے لئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی ووافی ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اسی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین و تحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا نام ہے، اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت

(۱) لطیف جسم، بدن (جمع جرم)

اتوار ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم السبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے اس اشکال کو اس سے اور زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جہالت میں دنوں کے نام یہ نہ تھے جو کہ اب ان کے یہاں مستعمل ہیں، کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے، موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں، چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے، اردو زبان میں ہر عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے، بعینہ یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے، اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے، عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا، اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے، بہرحال جب کہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اسی لئے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علماء اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انہوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا، اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ مسند امام شافعی کی روایت میں مذکور ہے کہ استواء علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے۔ اور مسلم روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتدا ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی، لہٰذا

ان دونوں روایتوں کی بنا پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سینچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلا شک وشبہ یوم السبت جمعہ کا نام ہے، اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے، بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ مشرف ومعزز ہو رہا ہے، کیونکہ اس دن ہی رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کی عید تھی۔

انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے مین امت مرحومہ کا بھی نصیب زبردست تھا، اور ان ہی کی قسمت یاور تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی، چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں سے، پس نصاری نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رَبُّ الْعَالَمِیْن نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا محدثین نے دو توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا، پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پا سکا جس کو امت محمدیہ ﷺ نے حاصل کر لیا۔ اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اوّل تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رغبتوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارے میں تنگ کیا کہ وہ اللہ کو کہہ کر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں اس لئے وہ اس جنگ وجدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے، اور بالآخر امت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا، سو آ گیا۔ اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط (سورۃ الحدید:۲۱)

ترجمہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس پر فضل فرماتے ہیں۔''

اللہ رب العزت کا فضل اور اس کا احسان ہے بطفیل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ نہایت شان وشوکت سے منایا جاتا ہے، اور عید الٰہی کے باغ اور اس کی بارگاہ میں ہر ایک اس کی شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا ہے اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

ایام ربانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو سِتَّةُ اَيَّامٍ کا ذکر کیا ہے آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین وصوفیاء کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ درگاہ صمدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحصیل بھی نَسْيًا مَّنْسِيًّا ہے، کیوں کہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت وسکون کی نسبت انہیں اجرام (۱) واجسام کی طرف کی جا سکتی ہے جو ان کا محتاج ہو، لیکن خالق حرکت وسکون اور مکون زمانہ اور زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تَعَالَى اللّٰهُ عُلُوًّا كَبِيْرًا، لہٰذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کا سدہ کی تفہیم کیلئے ہے اسی لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہوگئی ہیں، بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام (۲)، ایام

---

(۱) لطیف جسم، بدن (جمع جِرم)

(۲) دن (جمع یوم)

معمولہ ہی کی طرح تھے، نہ زیادہ اور نہ کم، اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے، چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۝۴۷ (سورۃ الحج:۴۷)

ترجمہ: ”بے شک ایک دن تیرے رب کے پاس ہزار سال کی مانند ہے ان دنوں کے حساب سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔“

یوم ربوبی کا ایک نکتۂ لطیف

اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے، کیوں کہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گذرے ہیں اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے، چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلیٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں اِنحطاط شروع ہو گیا، جس کی انتہا وجود قیامت پر ہوگی، اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتویں ہزار میں آئے گا۔ اور اس پر ایمان لائیں گے، لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ پر اعتماد تھا، لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترا تو اس کو ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی، لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا، اور یہ قوم اس بارہ میں خاسر ہی رہی۔

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ایک ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے اور کسی نہ کسی رحمت وفضل الٰہی کے ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراعنہ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً اور قہراً سہا کئے، لیکن ظلم وعدوان اور غرور نخوت کا مظاہر ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اور انانیت و کِبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا، چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا اور غلامی کی لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام معہ اپنی قوم کے تشرین اولی میں قلزم سے پار ہو گئے، اور خدائی کا جھوٹا مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہہ میں فنا ہو گئی۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی بارگاہ کے لئے یوم عاشوراء کی عید ان کے مذہبی امور میں داخل کی گئی تا کہ اس دن میں روزہ رکھ کر ابنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں، اور اس روز مسرت وشادمانی کے ساتھ اللہ رب العزت کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشورہ ایک تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اولیٰ (۱) یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے

---

(۱) رومی مہینہ (اکتوبر)

گئے ہیں لہٰذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح نہیں ہوسکتا، پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشورہ کا ہونا کسی طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اس دن یہود عاشوراء کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی رُستگاری[1] پر خوشی کریں اور شکر الٰہی بجا لائیں، لہٰذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے، اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاوّل میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہوسکتا ہے؟ لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں، ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاوّل میں جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ پر آ کر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اوّل سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے پھر یہی طریقہ جاری ہوگیا۔

---

(۱) نجات، رہائی۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی، اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اِعتناء[1] کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی اس طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا، جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اس کی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پر مبنی ہے، رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: ’’رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے قرآن ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور روشن دلائل ہیں ہدایت کی اور حق سے باطل کو جدا کرنے کی۔‘‘

وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی، اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کن اور

---

(۱) غور

احکام الٰہیہ کا آخری پیغام ہے رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے، لہٰذا فضل ونعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے بعد اسلام نے ایک دن خاص دعوت الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا اور اسی کا نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات وانوار کو حاصل کیا، عید کی حقیقی وابدی مسرت سے حصہ پایا، اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی، اور دائمی سرور وشادمانی سے بہرہ مند ہوئے یہی شادمانی وسرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد وہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع:

وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ط (سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: ''اور تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ تمہیں ہدایت کی اور شاید کہ تم شکر ادا کرو۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت کی تو تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور ان کی نعمتوں پر شکر کرو۔

ہماری زبانوں سے اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہلاتا ہے۔

اتمام قرآن عزیز

اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تیئیس (۲۳) سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر

نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض یاب کرتا رہا، آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمہ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی، اور ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔

(سورۃ المائدہ:۳)

ترجمہ: ''آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر اپنا احسان۔''

یعنی سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا اور طاعات پر استقامت کی توفیق بخشی روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دستر خوان تمہارے لئے بچھایا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے، یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی، اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی تھی اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہر حال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خالص فضل وانعام کے تشکر اِمتنان (۱) میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت وشادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر عید الاضحیٰ جو جمعہ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا

---

(۱) احسان۔

خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی۔یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل وادیان میں کہ اس کی غمی وخوشی،رنج وسرور،حزن ومسرت سب اللہ رب العزت ہی کے لئے ہے اسکی تمام عیدیں ہزلیات(۱) اورخرافات سے پاک اور بری ہیں اوران کا ہرہرجزو صرف اللہ رب العزت ہی کی یاد سے مملو(۲) ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِرًا۔

☆☆☆☆

174

☆......حضرت شاہ صاحب کا کلام بالعموم حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر ہوتا تھا حافظ نے لکھا ہے:

شاہد دل ربائے من می کنداز برائے من
نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

ترجمہ:''محبوب دلربا، ہمارے لئے کرتا ہے نقش رنگارنگ و بوتازہ بہ تازہ گلدستہ کی طرح۔''

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

در ہمہ سیر و غربتے کشف نہ شد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو
گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح وہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہ ہو
دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ در حنطہ بہ حنطہ جو ز جو

---

(۱) بے ہودگی۔

(۲) پُر،لبریز۔

ترجمہ: ”تمام اسفار و سیاحتوں میں حقیقت نہیں کھلی اگرچہ میں تمام رنگوں میں ایک گھر سے دوسرے گھر ایک گلی سے دوسری گلی خوشبوں کی طرح پھرا۔ اگر موت کے بعد ایک ساعت فرصت مل گئی تو تمام قصہ کی تشریح آپ کو کردوں گا۔ ہو بہ ہو۔ دانہ سے بیج کے خلاف نہیں نکلتا خواہ کوئی اپنے کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے۔ جو بیج آپ نے ڈالا ہے وہی نکلے گا گندم سے گندم جَو سے جَو یعنی اگر آپ نے گندم بویا ہے تو گندم کاٹ لے اگر جَو بوئے ہیں تو جَو کاٹ لے۔“

عالم برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے۔

☆......حضرت کا ایک مربعہ نعتیہ ہے جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں لگا ہوا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر و ماندہ آخر طالب منزل شدم
کز تگا پو سو بسو شام غریباں در رسید

ترجمہ: ”میرے کندھا نے جب مفلسی سے دل کے سامان والے بنے تو ماضی کے زمانے کو یاد کیا اور مستقبل کی فکر میں لگ گیا۔ سفر سے تھکا ہوا آخر منزل کا طالب ہوا اور دوڑ دھوپ تلاش و تجسس سے غریبوں کی شام میں پہنچ گیا۔“

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے ہم نے محض چار مصرعے درج کئے اس میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعزیتی کلام

☆......حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ڈابھیل ضلع سورت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصال کی خبر سنی تو تعزیتی جلسے میں فرمایا

ہوئی مدت کہ دنیا سے میرا دل اٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلہ یاد رفتگاں دل سے اُٹھتا ہے
ہجوم درد و غم اس درد آہ دل سے ہے ثابت
وُرودِ کارواں ہو تب دھواں منزل سے اُٹھتا ہے
الٰہی فرقت مرحوم میں کیوں کر بسر ہوگی
نہ دل اُٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اُٹھتا ہے
ہمارے شعلہ غم کا یقین تم کو نہیں آتا
تمہیں کیوں کر دکھائیں دل میں بجھتا دل سے اُٹھتا ہے

شبیر احمد عثمانی عفااللہ عنہ

۴ صفر ۱۳۵۲ھ

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا فرق

☆......ایک دفعہ ۱۳۳۸ھ میں ترمذی شریف کے درس میں احقر نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو آتی ہے:

يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَاتَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا۔

(بخاری حدیث ۱۱۴۷، مسلم حدیث ۷۳۸، بلوغ المرام ص ۱۰۰، قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعت پڑھتے آپ مت پوچھیئے اس کے طول اور حسن کے بارے میں پھر چار رکعت پڑھتے آپ نہ پوچھیئے اس کے طول اور حسن کے بارے میں پھر ۳ رکعات وتر پڑھتے۔“

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ میرا سوال بے محل تھا کیوں کہ اس حدیث میں ایک تو فِیْ رَمَضَانَ وَغَیْرِہٖ ہے، حالانکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں، اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند کرتے ہیں وتر پڑھنے سے پہلے؟ جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیوں کہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال؟ معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کے متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں جیسا کہ حدیث یہ ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مسند احمد، حدیث: ۳۷۵، مشکوٰۃ ص ۳۰)

ترجمہ: ”جس نے تم میں سے میرے بعد زندگی گزاری تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو تمہارے اوپر میری سنت لازم ہیں۔ اور

خلفائے راشدین کا طریقہ تمہارے اوپر لازم ہے۔ ان کے ساتھ چمٹ جاؤ اور ڈاڑوں میں اس کو پکڑ لو اور اپنے آپ کو دین میں نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کسی کے عمل کو دیکھ کر، جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھا جائے گا، اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے گا، تا کہ اختلاف رفع ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فائدہ: کہ خلفاء راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم علیہا السلام اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے:

وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ، فَإِذَا قَامَ بِهَا فِيْ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔

(مؤطا مالک ص ۱۱۵)

ترجمہ: ''اور قاری سورۃ البقرۃ کو ۸ رکعات میں پڑھا کرتا تھا پھر جب اس کے بعد ۱۲ رکعات کے لئے کھڑا ہوتا تو لوگ سمجھتے کہ اب اس نے تخفیف کیا۔''

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیلِ قوی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا، اور بھی مؤطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ زمانہ میں بھی حضرت ابی رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا، اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں ہے راوی کہتا ہے:

حَتّٰی خِفْنَا الْفَلَاحَ۔

ترجمہ: ''یہاں تک کہ ہم ڈر گئے کہ سحری ہم سے فوت نہ ہوجائے۔''

اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا کہ حَتّٰی خِفْنَا الْفَلَاحَ کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہوگیا، جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جاکر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تو اتنا لمبا پڑھنا چاہیئے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہوجائے۔

جب روایات متعارض آرہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور حدیث:

مَا أَنَا عَلَیْہِ وَأَصْحَابِیْ۔

ترجمہ: ''جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔''

صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیئے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بُغض کی۔ (وَالْعِیَاذُ بِاللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے قابل لوگ ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذکیاء امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کا صاف ارشاد ہے جو مشکوٰۃ اور ابوداؤد شریف میں مذکور ہے کہ ان کے گہرے علوم تھے اور صاف قلوب تھے، پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ کر چھوڑنا؟! حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل سے معلوم

ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، فَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ۔ (ترمذی، مناقب حدیث ۳۷۹۷)

ترجمہ: ''جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض کیا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا۔''

یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے، یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع کے متعلق فرمایا ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے اس وعید سے ڈرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

☆☆☆☆

ختم نبوت کی ایک تحقیق

حضرت شاہ صاحب کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان، کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء وفضلاء رؤساء اور آفیسران ریاست آئے ہوئے تھے، انجمن مؤیدالاسلام بہاول پور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان ''البیان الازہر'' پر لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس اللہ اسرارہم کی بلند پایہ ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مرزائی فتنے کے ردّ و اِستیصال (۱) کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ

---

(۱) جڑ سے اکھیڑنا۔

الجامعہ مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا خط حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جاچکا تھا، مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور 19۔ اگست 1932ء کو بہاول پور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنان رحمۃ اللہ علیہ [175] خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور وناظم جمعیۃ العلماء پنجاب، ومولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند ومولانا زکریا [176] لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تشریف لائے۔ ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور زائرین اس قدر جمع ہوئے حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات جگہ نہ ملتی اور زائرین مصافحہ سے مشرف نہ ہوسکتے تھے۔

25۔ اگست 1932ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا، عدالت کا کمرہ امراء ورؤساء ریاست وعلماء کی وجہ سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا، مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لاکر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کا کفر وارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان ساطع برہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت ووحی ومدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لیے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شائد مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں۔ آمین

حضرت کا حافظہ اس وقت قابل دید وشنید تھا اس پر مولانا محمد صادق کا بیان ختم ہوا، احقر عرض کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تین دن بیان کیا اور دو دن جلال الدین قادیانی نے جرح کی، کل پانچ روز بیان ہوا یعنی 25 سے شروع ہو کر 29 اگست 1932ء کو ایک بجے ختم ہوا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے منجملہ حوالہ جات کے ایک فتویٰ مصری مطبوعہ بھی پڑھ کر سنایا جس میں علماء مصر نے مدعی نبوت پر کفر کا فتویٰ دیا تھا اس میں مشہور عالم دین علامہ محمد بخیت[177] رحمۃ اللہ علیہ کا بھی فتویٰ تھا اس پر فرمایا کہ میں علامہ بخیت رحمۃ اللہ علیہ کو پہچانتا ہوں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا بھی طویل فتویٰ سنایا تھا، اور بھوپال کے مفتی اعظم کا بھی فتویٰ سنایا تھا، یہ دونوں فتوے مولانا نور احمد[178] امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''اِسْتِنْكَافُ الْمُسْلِمِيْنَ عَنِ الْاِخْتِلَافِ بِالْمِرْزَائِيْنِ'' سے پڑھ کر سنائے تھے۔

(نوٹ) اب بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک رسالہ اور بھی ہے جس میں مولانا مولوی امیر علی[179] رحمۃ اللہ علیہ مصنف عین الہدایہ وغیرہ مدرس اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنو اور مولانا شبلی[180] نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت مدرس ندوۃ العلماء کے تھے، اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا نور محمد[181] لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت میاں عبدالرحیم[182] رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے تھے اور ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی فتویٰ ہے۔

قادیانی مختار نے کہا کہ تحذیر الناس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔

فرمایا جج صاحب لکھیئے:

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل وبراہین ساطعہ [1] بیان فرمائے ہیں اور اثر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ان لوگوں پر حیرت ہے جو تحذیر الناس کو بغور اور بالاستیعاب دیکھتے نہیں،اس رسالہ میں جابجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے،رسالہ کے صفحہ ۱۰ کی عبارت میں آپ کولکھوانا چاہتا ہوں،حضرت مولانا فرماتے ہیں:

''سواگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ التزامی ضرور ثابت ہے،ادھر تصریحات نبوی مثال کے طور پر:

''أَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ أَوْ كَمَا قَالَ۔ ''(ترمذی،حدیث ۳۷۳۰)

ترجمہ:''اے علی رضی اللہ عنہ! آپ مجھ سے ایسے نسبت رکھتے ہیں جیسے ہارون علیہ السلام کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔''

جو بظاہر بطرز مذکوراسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تو اتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا ہے گو الفاظ مذکور بسند تو اتر منقول نہ ہوں۔سو یہ عدم تو اتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں،جیسا اس کا منکر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں جابجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا اقرار ہے نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے نیز آبِ حیات قاسم العلوم انتصار الاسلام وغیرہا کتب مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنا چاہئے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔

---

(۱) واضح ثبوت

ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتمیت ذاتی کا ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاء اکرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے، جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہیں یہی حال وصف نبوت کا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے متصف بالذات اور اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت ملی حدیث میں ہے:

كُنْتُ نَبِيّاً وَآدَمُ مُنْجَدَلٌ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ (۱)

ترجمہ: ''میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے۔''

اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے متصف بالنبوۃ ہوئے، حدیث میں ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰)

ترجمہ: ''اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ (اس جہان میں) ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

پارہ ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱

(سورۃ آل عمران: ۸۱)

---

(۱) اسی موضوع پر ایک حدیث یہ بھی ہے: قَالَ علیہ السلام: كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔
(مسند الامام أحمد: ج ۵ ص ۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۲۰ ص ۳۵۳)

ترجمہ: ’’جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں نے تم
کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس رسول اور تصدیق
کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے تو تم اس نبی پر ایمان
لاؤ گے اور اس کی نصرت کرو گے۔‘‘

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ اس امت کے رسول ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک طرف، اور سب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا، آیت میں ثُمَّ جَآءَ کُمۡ فرما کر تصریح فرما دی گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

آیت میثاق دروے ثم ہست
این ہمہ از مقتضائے ختم است

ترجمہ: ’’آیت میثاق لفظ ثم ہے یہ سب ختم نبوت کے مقتضیات [1]
میں سے ہیں۔‘‘

ثم عربی زبان میں تراخی [2] کے لئے آتا ہے اس واسطے عَلٰی فَتۡرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ فرمایا۔ حدیث میں ہے: أَنَا دَعْوَۃُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات دیتے آئے، چنانچہ توراۃ شریف، انجیل شریف، و دیگر صُحُف میں باوجود تحریف لفظی و معنوی ہو جانے کے بعد اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر اتباع شریعت

---

(۱) ضروریات، مطالبے۔
(۲) تاخیر زمانہ۔

محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہر ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ۔ (سورۃ الزخرف:۴۵)

''آپ پوچھ لیجئے ان رسولوں سے جو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں۔''

بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا، اور ابن حبیب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی (اتقان)۔ اور اَنَا خَطِیْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا، اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نصرت کریں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور سلسلہ اسحاقی اور اسماعیلی کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا:

(۱) یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ (سورۃ الصّف:۶)

ترجمہ: ''اے بنی اسرائیل! میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہوکر آیا ہوں۔''

دوسری جگہ آل عمران میں وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فرمایا گیا ہے، صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

(۲) مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ۔ (سورۃ الصّف:۶)

ترجمہ: ''اور تصدیق کرنے والے ہیں اس کتاب کی جو مجھ سے

پہلے نازل ہوئی تورات۔''

(۳) وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورۃ الصّف:۶)

ترجمہ:''میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے۔''

قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ وہ نبی برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا اور بشارات دی گئی تھیں آ چکا۔

جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ○ (سورۃ الصافات:۳۷)

ترجمہ:''وہ حق کی ساتھ آیا اور رسولوں کی تصدیق کی۔''

حدیث شریف ہے:

إِنِّي أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ۔

مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے۔انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق کے دین کے نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل فرمانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے فضیلت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے، آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقے میں چلا جائے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکمًا عدلاً تشریف آوری ہوگی، بطور جج منٹ فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی، لہٰذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے

نزدیک مسلم ہو، ہماری کتابیں ''عقیدۃ الاسلام''، ''تحیۃ الاسلام''، ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' اس باب میں دیکھنا چاہئے۔

دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے آخر میں ہے آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

بَدَأَبِيَ الْخَلْقُ وَ كُنْتُ اٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. وَأَخْرَجَ جَمَاعَةٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا: كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ، كَذَا فِي رُوحِ المعانی۔

(ج ۷ ص ۱۱، سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: ''مخلوق کی ابتداء مجھ سے ہوئی اور مبعوث ہونے میں سب سے آخر میں ہوں۔ میں تخلیق میں اوّل ہوں اور بعثت میں آخر میں ہوں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جاچکے ہیں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے، مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے۔ (انجام آتھم ص ۱۴۴)

مرزا صاحب نے کفار کے تواتر کو بھی حجت مانا ہے چہ جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ کو۔ (تریاق القلوب)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے، اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ

علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر سے فرمایا کہ ابیؒ کی شرح مسلم شریف نکالو، چنانچہ ص ۲۲۶ ج ۱ مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی:

و فی العتبیة: قَالَ مَالِك: بینا الناس قِیَامٌ یَسْتَمِعُوْنَ لِاِقَامَةِ الصَّلَاةِ فَتَغَشَّاهُمْ غَمَامَةٌ، فَاِذَا عِیْسٰی قَدْ نَزَلَ...الخ۔

ترجمہ: عتبیہ میں ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حال ہوگا کہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع (۱) کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہ احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں، تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے، امام ترمذی نے پندرہ صحابہ گنوائے ہیں ہم نے مزید پندرہ کا اضافہ کیا، چنانچہ مسند احمد و کنز العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں، ہمارا رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء بریلوی علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماء دیوبند بریلوی پر۔

حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے، اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے، علما دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریحات فرمائی

---

(۱) تلاش، اتباع

ہیں کہ اگر مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی، دیکھو ردالمحتار والبحر الرائق۔

مقدمہ بہاولپور سے واپسی کا حال

☆...... بہاولپور سے واپسی پر ریل گاڑی میں احقر نے عرض کیا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر میرا مناظرہ مرزائیوں سے ہوا میں نے منجملہ دلائل کے ایک یہ آیت بھی پیش کی تھی:

فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط (سورۃ المائدہ:۱۷)

ترجمہ: ’’اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہما السلام کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ان کو ذرہ بھی بچا سکے۔‘‘

اس پر وہ مرزائی کہنے لگا کہ دیکھو دیکھو اس نے کیا کہہ دیا، اس میں تو اُمَّہٗ کا لفظ بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ آیت پاک بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے کا ارادہ بھی نہیں کیا، کیوں کہ فرمایا:

إِنْ أَرَادَأَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ ۔

موت تو درکنار ابھی تک تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ بھی نہیں فرمایا اور عرض کیا کہ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا بھی تو ہے، کیا قیامت آ گئی؟ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مر گئے؟ جب سارے مریں گے تو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرمائیں گے، رہا اُمَّہٗ کا لفظ سو اس میں کیا حرج ہے اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ابھی تک زندہ ہیں کوئی کفر ہے؟ اس پر بہت مسکرائے فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا، دیکھو میں بیان کرتا ہوں، سنو اس کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کا

ارادہ کرلیں تو کون روک سکتا ہے، خواہ وَمَنۡ فِي الأَرۡضِ جَمِيعًا ہوں خواہ ان کی والدہ بھی ساتھ ہوں کوئی نہیں روک سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وَ اُمَّہٗ مفعول معہ واقع ہوا ہے اپنے ماقبل سے، مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا کوئی شرط نہیں جیسے:

اِسۡتَوَى الۡمَاءُ وَالۡخَشَبَةُ۔

ترجمہ: ''پانی اوپر چڑھا اور لکڑی۔''

استوائی کا کام فقط پانی نے کیا لکڑی نے نہیں کیا، لکڑی تو ایک جگہ گاڑی ہوئی ہوتی ہے، پانی چڑھتا ہے جب پانی لکڑی کے سرے پر آجاتا ہے تو عرب والے بولتے ہیں:

اِسۡتَوَى الۡمَاءُ وَالۡخَشَبَةُ والخشبة۔

مفعول معہ واقع ہوا ہے اب دوسری مثال جیسے:

سِرۡتُ وَالنيلُ۔

ترجمہ: ''میں چلا اور نیل۔''

یہاں والنیل بھی مفعول معہ واقع ہوا ہے۔ کیوں کہ اگر واو جمع کے لئے ہوتی تو سِرۡتُ وَجَرَى النِّيۡلُ ہوتا کیونکہ پانی کا کام جریان[1] ہے نہ کہ اس پانی کا کام سیر کرنا، اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں نے سیر کی مع النیل یعنی میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

تیسری مثال: كُونُوۡا اَنۡتُمۡ وَبَنِي أَبِيكَ مَكَانَ الۡكُلۡيَتَيۡنِ مِنَ الطِّحَالِ، یعنی تم اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ یوں ہو جاؤ جیسے گردے تلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یک جان ہو کر رہو، یہاں وَبَنِي أَبِيكُمۡ مفعول معہ واقع ہوا

(۱) بہنا

ہے، یہ مطلب نہیں کہ تم ہو جاؤ اور تمہارے چچازاد بھائی ہو جائیں۔

چوتھی مثال: مَاتَ زَيْدٌ وَطُلُوعُ الشَّمْسِ مطلب یہ ہے کہ زید مر گیا سورج کے نکلنے کے وقت، یہ مطلب نہیں کہ زید مر گیا اور طلوع شمس بھی مر گیا، غرض اس طرح بہت طویل تقریر فرمائی بہت سی آیات اور بہت سے اشعار پیش فرمائے۔

نوٹ: میں اپنے بچوں کو ایک دفعہ ''متممہ آجرومیہ'' پڑھا رہا تھا، مفعول معہ کے بیان میں اس میں یہ سب امثلہ (۱) موجود ہیں اور اُشمونی میں بھی ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ نحو کا ہے اس میں بھی ہے، ''متممہ آجرومیہ'' میں یہ کمال ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی مثال میں قرآن اور حدیث کو پیش فرماتے جاتے ہیں، ''آجرومی'' کہتے ہیں حبشی زبان میں صوفی کو۔

فتنہ کا معنی

(۱)......حضرت حجۃ الاسلام مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

(۲)......اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ (سورۃ قٓ :۳۷)

ترجمہ: ''اس میں بڑی یاداشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو، شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مغفل (۲) نہ ہو۔''

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس سیکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرمارہے تھے دیکھنا مغفل نہ بننا۔

---

(۱) مثالیں (جمع مثال)

(۲) غافل

(۳)......اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ (سورۃ الفاطر:۱۰)

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں، کیوں کہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف اٹھا لیتے ہیں۔

(۴)......إِذَا غَلَا وَاشۡتَدَّ۔

جو فقہاء شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے: جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

(۵)......ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے، جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہیں۔

183

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کا نام محمد اسحاق تھا، وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی، فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں، اور تم سلم کی عبارت سناتے ہو۔

(۶)......حلول معنی ہیں کھپ جانا، خواہ حلول سَریانی [۱] ہو خواہ طریانی [۲]۔

(۷)......فرمایا کہ فلاسفہ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں، قابل للابعاد ثلاثہ،

---

(۱) سرایت کرنے والا، جاری وساری۔

(۲) وارد ہونے والی، طاری ہونے والی۔

اور جسم کہتے ہیں جو ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو، قابل للابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور حیولہ پر صادق نہیں آتی۔ اور صدر الدین[184] شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں، لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں ارسطو[185] کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے، اور تحریر لمبی ہے میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا، اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں، میری تحریر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ محقق ہے۔

(۸)...... جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتاب طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا اور ان کا امام غزالی[186] رحمۃ اللہ علیہ پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا، لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایۃ المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

(۹)...... فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن[187] نے بڑی عمدہ کتاب لکھی ہیں، فرمایا کہ نیوٹن کی میں نے پندرہ تصانیف دیکھی ہیں میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور ''مرقاۃ الطارم'' اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا، پھر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''ضرب الخاتم'' مجھ سے لے لی اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ''ضرب الخاتم'' کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ''ضرب الخاتم'' کو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی بھی نہیں سمجھ سکا۔

(۱۰)...... ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاول پور میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی[188] رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا، ''غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان'' کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے، اس میں عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی

ہے، نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں، یہ سن کر ڈاکٹر اقبال حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے، 1928ء میں جب ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ صدارت سنایا تھا، یہ قصہ بھی سنایا تھا۔

(۱۱)......دسمبر 1928ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنہ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی، اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا، ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا اس جلسہ میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور حیدر آباد سے مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے اس میں تمام پروفیسر حضرات شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبان سے سن کر حیران رہ گئے۔

189

(۱۲)......مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ برادر خورد مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو، ہمارا سالانہ امتحان لینے کیلئے حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا، اور یہ حدیث سنی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے، اور میں پانی لینے میں پیش قدمی[۱] کرتی تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی[۲] کرتی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(۱۳)......ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارن پور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھالیا، اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔

---

(۱) قدم بڑھانا۔

(۲) ہاتھ بڑھانا۔

اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جارہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے ہم اکثر حضرت کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرت کو بٹھاتے تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے، ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھنچوایا تو حضرت شاہ صاحب نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ مصالحے استعمال کرتے ہو وہ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

(۱۴)......ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔

غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے شاہ صاحب تو آیۃ من آیات اللہ (۱) تھے۔

☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہاولپور تشریف آوری اور علماء کا اجتماع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جس روز بہاول پور پہنچے اس کے دوسرے روز حضرت خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علماء جمع ہوئے جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبداللطیف سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور احقر بھی شامل تھا، اگلے دن چونکہ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت تھی اس لئے مشورہ ہوا کہ شہادت میں

(۱) اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی

بیان کس طرح دیا جائے، مولانا اسعد اللہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور احقر محمد لائلپوری عفا اللہ عنہ کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا کہ بطور مختار مقدمہ کام کریں، مدعیہ کی طرف سے ہم دونوں مختار مقرر ہوئے، اور ہم نے اس کام کو بزرگوں کے زیر سایہ بحمد اللہ نبھایا۔ میں نے اس مجلس میں عرض کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ''انجام آتھم'' میں لکھا ہے کہ جس شخص نے کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے رسول کی لعنت اور اس کے فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہے، پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت جو ایک اجماعی عقیدہ ہے اس کا انکار کیا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی ہے اس نے خود ہی عیسیٰ بننے کا دعویٰ کر دیا، حالانکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم وتکریم کرنا اور ان پر اعتماد کرنا بھی اجماعی عقیدہ ہے، چنانچہ علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام توہین کرنا تو کفر ہے، العیاذ باللہ چنانچہ ''اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْل'' میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن اور حدیث اور بے شمار علماء کی کتابوں سے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، میں نے جب یہ بات کی تو حضرت شاہ صاحب اس کو غور سے سنتے رہے پھر اگلے دن صبح کو میرے پاس مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے کہ وہ عبارت کہاں ہے میں نے نکال کر پہلے پہلے تو اپنی بیاض میں سے دکھایا، پھر اصل کتاب میں سے وہ عبارت نکالی، جب کچہری کو چلے گئے تو میرے پاس کچہری میں مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے کہ وہ عبارت جو تو نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھی تھی وہ مجھے دکھا، پھر میں نے اپنی بیاض میں سے ان کو وہ عبارت لکھوا دی، اور اصل کتاب سے بھی دکھا دی۔ پھر تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر مشورے میں احقر کو بلاتے تھے اور بڑا اہتمام فرماتے تھے، مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان دیا، احقر اس خدمت پر مامور تھا کہ کتابوں سے

عبارات اور حوالہ جات نکال کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھتا تھا یہ میں نے حضرت کی بڑی کرامت دیکھی جس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ فلاں کتاب سے یہ عبارت نکالو تو میں فوراً نکال کر دکھا دیتا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کو پڑھ کر جج صاحب سے لکھوا دیتے تھے۔ درمیان میں قادیانی مختار مقدمہ نے کہا کہ آپ حوالہ دیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا، پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

☆......آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق (۱۳۳۶ھ ہجری میں) جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمائیے غریب پرور۔

☆......ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ 1908ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے، یہ خواب کسی نے اخبارت میں شائع کر دیا، مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہوگیا ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیاں سے لاہور آ کر کل ہیضے سے چل دیئے، خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

حافظ عراقی کے اشعار

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نخستیں مے کہ اندر جام کردند
ز چشم مست ساقی دام کردند

ترجمہ: ”جب شراب کو جام کے اندر ڈالا ہے تو مست آنکھوں سے

ساقی کو قید کر دیتا ہے۔''

حضرت شاہ صاحب آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا:

ز دریائے عما موج ارادہ

حباب انگیخت حادث نام کردند

''عما کی دریا سے موج کے ارادے نے بلبلے کو حادث نام سے موسوم کیا۔''

☆......عَنۡ أَبِي الدَّرۡدَاءِ رَضِيَ الله تعالیٰ عَنۡهُ قَالَ: إِنَّ بِلَالاً رَاٰی فِي مَنَامِهٖ رَسُوۡلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوۡلُ لَهٗ: مَا هٰذِهِ الۡجَفۡوَةُ يَا بِلَالُ؟ أَمَا آنَ لَكَ أَنۡ تَزُوۡرَنِيۡ يَا بِلَالُ؟ فَانۡتَبَهَ حَزِيۡناً وَجِلاً خَائِفاً، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهٗ وَقَصَدَ الۡمَدِيۡنَةَ، فَأَتٰى قَبۡرَ النَّبِيِّ صَلَى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَبۡكِيۡ عِنۡدَهٗ وَيُمَرِّغُ وَجۡهَهٗ عَلَيۡهِ، فَأَقۡبَلَ الۡحَسَنُ وَالۡحُسَيۡنُ رَضِيَ الله تعالیٰ عَنۡهُمَا فَجَعَلَ يَضُمُّهُمَا وَيُقَبِّلُهُمَا، فَقَالَا لَهٗ: نَشۡتَهِيۡ نَسۡمَعُ أَذَانَكَ الَّذِيۡ كُنۡتَ تُؤَذِّنُ لِرَسُوۡلِ الله صَلَّى الله عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِي الۡمَسۡجِدِ فَفَعَلَ، فِعۡلًا سَطۡحَ الۡمَسۡجِدِ فَوَقَفَ مَوۡقِفَهُ الَّذِيۡ كَانَ يَقِفُ فِيۡهِ فَلَمَّا أَنۡ قَالَ: اَللهُ أَكۡبَرُ الله أَكۡبَرُ اِرۡتَجَّتِ بِهِ الۡمَدِيۡنَةُ، فَلَمَّا أَنۡ قَالَ: أَشۡهَدُ أَنۡ لَا اِلٰهَ إِلَّا الله، اِزۡدَادَ رَجَّتُهَا، فَلَمَّا أَنۡ قَالَ: أَشۡهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللهِ خَرَجَت الۡعَوَاتِقُ مِنۡ خُدُوۡرِهِنَّ. وَقَالُوۡا: أُبۡعِثَ رَسُوۡلُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ؟ فَمَا رَاٰى يَوۡمًا أَكۡبَرَ بَاكِيًا وَلَا بَاكِيَةً بِالۡمَدِيۡنَةِ بَعۡدَ رَسُوۡلِ الله صَلَّى الله عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مِنۡ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ. رواہ ابن عساکر وقال التقی السبکی: إسنادہ جید. (آثار السنن باب فی زیارۃ قبر النبی، حدیث ۱۱۱۳)

ترجمہ: ''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال! یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے تو آنکھ کھلنے پر مدینہ حاضر ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر آئے قبر کے پاس رو رہے تھے اور قبر سے چمٹ رہے تھے اور اپنا چہرہ قبر پر مل رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے ان دونوں کو سینے سے لگایا اور ان کا بوسہ لیا ان دونوں نے اذان کی فرمائش کی ان لاڈلوں کی فرمائش میں انکار کی گنجائش نہیں تھی اذان کہنا شروع کی مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا پردہ نشین عورتیں بھی گھروں سے نکل پڑیں اور کہنے لگیں کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں دوبارہ تشریف لائے گئے ہیں اس دن کی طرح مدینہ میں رونے والے اور رونے والیاں کبھی نہیں دیکھی گئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن کے بعد۔''

فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث آثار السنن جلد ۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے [190] اور تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ [191] نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے، اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں بھی لیا ہے اور لسان المیز ان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابرہیم بن محور بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

ماحصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال! تم نے کیا جفا کاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر مدینہ شریف کا رخ کیا، جب مدینہ تشریف لائے روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں سے معانقہ فرمایا، اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا اور پیار کیا، ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں، تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی جب اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تو تمام مدینہ کانپنے لگا، جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو تمام مدینہ میں چیخ وپکار پڑ گئی، کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

☆☆☆☆

مکتوب حبشہ (افریقہ)

از عدیس آبابا حبشہ (ایتھوپیا)

بنام مولانا محمد انوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ترجمہ: ''اے رب! درود و سلام نازل فرما ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب پر جو تمام مخلوق میں بہتر ہے۔''

بزرگوارم جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پروردگار ذوالجلال سے قوی امید ہے کہ جناب کی طبیعت باعافیت ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی شفقت کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔ آمین، تمام وقت آپ کی صحت عاجلہ مستمرہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں، ہم آپ کی دعاء سے روانہ ہو کر کچھ دن رائے ونڈ اور کچھ دن میوات میں گذار کر بخیریت کراچی پہنچے، قانون اور ضابطے کی تمام مشکلات درپیش تھیں جس کو سورت یاسین کا روزانہ ختم اور صلاۃ الحاجۃ سے حل کرایا گیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ خود حاضر خدمت ہو کر عرض کریں گے۔

بہر حال پاسپورٹ کرنسی سعودی عرب کا ویزہ پچاس سال عمر کا مسئلہ اور سفینہ حجاج میں سیٹوں کا ملنا، پھر ایک آدمی کا مسئلہ نہیں بلکہ عشرہ انفار کا مسئلہ اللہ پاک کے نام کی برکت سے نہ ہونے والے کام بھی ہو گئے، سفینہ حجاج پر سوار ہو کر حاجیوں میں خوب محنت کرتے ہوئے اذانوں اور جماعتوں، تعلیموں، گشتوں کا عمل اور ذکر اذکار کی پابندی، تہجد کا اہتمام اللہ کی توفیق سے کرتے ہوئے بخیریت جدہ شریف پہنچے، جدہ میں مولانا سعید[194] خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فریدی[193] صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بھائی سردار[192] صاحب رحمۃ اللہ علیہ ودیگر

حضرات موجود تھے،مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ حاجی حضرات کا حکومت نے پہلے مدینہ منورہ جانا طے کیا ہے۔اس لئے ان حاجیوں ہی میں کام کرتے ہوئے پہلے مدینہ پاک میں روضہ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی جائے،بذریعہ بس مدینۃ الرسول کو روانگی ہوئی۔نماز عصر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ادا کی گئی اس کے بعد شوق اور جذبے کے ساتھ انتہائی شرمندگی اور ندامت کی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے بارگاہ رسالت میں ہدیہ صلاۃ وسلام پیش کیا گیا۔امسال حاضری چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے مسجد نبوی کے باہر تمام راستے محلے اور گلیوں تک نمازیوں سے بھر جاتے تھے،مدینہ پاک میں حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ [195] اور دیگر بزرگوں اور علماء کرام کی خدمت میں بھی دعاؤں کے لئے حاضری ہوئی،حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے،ان کی خدمت میں بھی دعا کے لئے حاضر ہوئے، ان ایام میں افریقہ، انگلینڈ، ترکی، مراکش، امریکہ، افغانستان، ہندوستان، ایران، سوڈان، شام، مصر، حبشہ، فرانس، زیکوسلاویکیہ، انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، الجزائر، سمالی لینڈ و دیگر کئی ملکوں سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے زائرین آئے ہوئے تھے۔مسجد نبوی میں صبح ناشتہ کے بعد روزانہ ایک یا دو ملکوں کے اجتماع ہوتے، اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت والی محنت کی طرف متوجہ کیا جاتا۔

الحمدللہ! اجتماعات بہت کامیاب ہوئے، بہت سارے ملکوں کے لوگوں نے اس مبارک کام سے بہت ہی کافی تعارف بتایا،مختلف ملکوں کے یعنی حبشہ سوڈان الجزائر اور نائجیریا کے علماء اور عوام میں سے بڑے لوگوں کو زیادہ قریب پایا،بہت متاثر ہوئے اپنے اپنے ملک میں کام کرنے اور جماعتوں کی نصرت کے ارادے کئے۔ ایک جماعت انگلینڈ سے بائیس نفر کی اسٹیشن ویگن کاروں کے ذریعہ سڑک پہنچی،اور دیگر تبلیغی کام کرنے والے بذریعہ ہوائی جہاز آئے،اس بائیس آدمیوں کی جماعت نے واپسی پر

درمیان میں پڑنے والے ملکوں میں کام کرتے ہوئے جانے کا ارادہ فرمایا، الحمدللہ عجیب فضا بنی ہوئی تھی، حضرت مولانا عبیداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ [196] انڈیا سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے، جناب گرامی قدر کا ہدیہ صلاۃ وسلام بارگاہ نبوت میں بصد ادب پیش کر دیا گیا، اگر جناب ارشاد فرمائیں تو واپسی پر دوبارہ حاضری نصیب ہونے پر جناب کی طرف سے ہدیہ سلام پیش خدمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جائے، ہماری جماعت چھ نفری کی حضرت مولانا جلیل احمد [197] رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں چل رہی ہے جو کہ پہلے ایک سال حبشہ جا چکے ہیں۔ بھائی سردار احمد صاحب لائل پوری سے ملاقات ہوئی بخیرت ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں، قریباً دس یوم کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کو واپسی ہوئی حج کے ایام قریب تھے، بیت اللہ پر حاضری ہوئی۔

انوار وبرکات کی بارش ہورہی تھی، حج کا سفر بہت اچھا گذرا، دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین ثم آمین

بذریعہ بحری جہاز مورخہ 16۔ اپریل 1966ء کو ہماری جماعت جدہ سے حبشہ روانہ ہوئی دو دن ایک رات کے بعد ہم حبشہ کی بندرگاہ ''مسوا'' پر اترے، وہاں سے بذریعہ ریل کار بہت اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے حبشہ کے بہت بڑے خوبصورت شہر سمرا پہنچے۔ وہاں پر جامع عبدالقادر میں کچھ یوم قیام کیا، وہاں سے پھر غریب محلوں کی مسجدوں میں غرباء میں کام شروع کیا، بڑی محبت سے دین اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی بابت خوب جم کر سنتے ہیں، صبح کی نماز کے بعد اشراق تک اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک اجتماعی ذکر بالجہر کرتے ہیں، تقریباً ہر مسجد میں یہی معمول ہے، غربت اور سادگی بہت زیادہ ہے۔ کچھ دن یہاں گذار کر اب ہماری جماعت بذریعہ بس سفر کرتی ہوئی قریہ قریہ آخرت کی آواز اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دینی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہوئی عدیس ابابا پہنچی، یہ بھی بہت بڑا مرکزی شہر ہے، راستہ میں حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک

بھی ایک بستی میں آئی، مزار بنا ہوا ہے تقریباً پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں بہت سکون تھا، فاتحہ پڑھی گئی اور دعائیں مانگی گئیں۔

شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے، سب سے پہلی ہجرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی ملک میں ہوئی اور ام المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہاں پڑھا گیا اور خوب ہدیئے اور خوشبو وغیرہ دے کر اور حق مہر خود ادا کر کے مائی صاحبہ کی رخصتی بھی یہیں سے ہوئی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی اسی ملک سے نسبت ہے، آپ کی دعاؤں کی برکت سے ساتھی ذکر خوب پابندی سے کرتے ہیں اور تلاوت قرآن پاک بھی خوب ہوتی ہے راتوں کو اٹھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، ساتھیوں کا آپس میں خوب جوڑ ہے، موسم سرد خشک ہے، رات کو لحاف کے اندر سوتے ہیں، پانی کی قلت ہے علاقہ خوب سرسبز ہے سوائے پہاڑوں کے میدانی علاقہ بہت ہی کم ہے، لکڑی بہت زیادہ ہے مٹی بہت کم ہے، کئی جگہ تو مٹی کم ہونے کی وجہ سے جانوروں کے گوبر سے مکان باہر سے لیپے ہوئے ہیں، سبزیوں میں ٹماٹر، آلو، سبز مرچ ہے، بس انڈے ایک ڈالر کے بیس پچیس ملتے ہیں، ایک ڈالر پونے دو ریال سعودی کا ہے، مویشی کثرت سے ہیں دنبہ یا بکرا چھ سات سیر وزن کا پانچ/ چھ روپے میں مل جاتا ہے، بڑے شہروں میں کاروبار تو یمن کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یا ہندوستان کے ہندوؤں کے ہاتھ میں۔

الحمد للہ یہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں بھی حاضری ہو رہی ہے مل کر بہت خوش ہوتے اور بہت شفقت فرماتے ہیں، ان تمام شہروں میں ''سمرا'' بہت خوبصورت شہر ہے، سنا ہے کہ یہاں ملکہ بلقیس کا پایہ تخت تھا، جس کی ہدہد نے خبر دی تھی، امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک مہینہ کے قریب واپسی تک ہمارا وقت اور لگے گا اس کے بعد واپسی مکہ معظّمہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگی، کچھ روز حرمین شریفین میں لگا کر براستہ ریاض کویت سے

جہاز پر سوار ہو کر ان شاء اللہ کراچی پہنچیں گے، آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنی خصوصی دعاؤں میں ہم نااہلوں کو یاد رکھیں، اللہ پاک ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کو قبول فرما کر ہماری اصلاح اور تمام عالم کے لئے ہدایت اور رشد کے فیصلے فرما دیں۔ آمین

198 مکرر عرض ہے کہ مراسلہ نگار (۱) کو شاید یہ یاد نہیں رہا یہ بات غلام یاسین رحمۃ اللہ علیہ

199 نے جو پہلے حبشہ ہو آئے ہیں کئی بار ذکر کی کہ غالباً سمرا شہر میں مولانا صالح رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے ایک وہاں کے مولوی صاحب نے مزار کی زیارت کرائی ہے، ذکر کیا کہ مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ دس سال دارالعلوم دیوبند پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث پڑھی اور کئی سال حضرت کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کی، غلام یاسین رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کے وارثوں کے پاس وہ سندات بھی ہیں، جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر دی تھیں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی سند جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی تھی وہ بھی ان کے پاس تھی۔ (یعنی مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس) اور حضرت مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ نے جو پہلے شافعی المذہب تھے حنفی المذہب ہو گئے پھر وہاں واپس آکر اپنے ملک میں اس مذہب کی تبلیغ کی، کوئی تیس میل کا علاقہ بقول محمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ ایسا ہے جہاں حنفی المذہب لوگ آباد ہیں، وہاں اس مذہب کے مدرسے بھی ہیں، مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کیا کہ علماء دیوبند کا لباس اور کھانا بھی وہاں رائج کیا۔

وہ لوگ دیوبند کے ساتھ بے حد عقیدت رکھتے ہیں کتابیں حنفی المذہب کی پڑھائی جاتی ہیں اب بھی وہاں ایسے مدارس موجود ہیں مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کا تو وصال ہو گیا لیکن ان کے شاگردوں اور وارثین کی کوشش سے مدارس اب بھی جاری ہیں مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو بیس پچیس سال ہو چکے۔

---

(۱) خط لکھنے والا

☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ......مَا أَنَا قُلْتُ......کی، جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے...... مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ ...... ہے۔(بخاری ج ۲ ص ۹۹۴)

☆☆☆☆

اچھی اور بُری تقدیر

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ اِسْتَحْمَلَهُ. (بخاری ج ۲ ص ۹۹۴)

مِنْ تَعَوَّذَ بِاللهِ مِنْ دَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ، وَقَوْلُهُ: قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (بخاری ج ۲ ص ۹۷۹)

ترجمہ: ''ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ایک جماعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور سواری طلب کی......الخ جس نے پناہ پکڑی اللہ کے ساتھ شقاوت کے پکڑنے سے اور برے فیصلے سے اور اللہ کا یہ ارشاد تو کہہ دیجئے میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے بنائی یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں جو بدی اور برائی ہو اس کی برائی سے میں پناہ مانگتا ہوں۔''

معلوم ہوا اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔

قادیانی کے اعتراض پر فوری جواب

☆...... قادیانی نے بہاول پور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرا دیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فورا جواب دیا کہ جج صاحب لکھئے کہ ابن صیاد نابالغ تھا، نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا، یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدے کے، چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی، مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ ۱۲ میں ص ۹۷۹ ج ۲ پر لکھتے ہیں:

لِأَنَّهٗ كَانَ غَيْرُ بَالِغٍ۔

ترجمہ: ''اس لئے کہ وہ نابالغ تھا۔''

☆☆☆☆

"بَيْرَحَاءَ" فِيْهِ وُجُوْهٌ بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ وَالرَّاءِ وَ سُكُوْنِ التَّحْتَانِيَّةِ بَيْنَهُمَا وَبِالْمُهْمَلَةِ مَقْصُوْرًا۔

(کرمانی) بخاری ج ۲ ص ۹۹۲)

ترجمہ: ''بیرحا، کئی طریق ہے اعراب کے با کے فتحہ کے ساتھ فتح سے بھی ہے اور را، کے فتحہ کے ساتھ اور یا، کے سکون کے ساتھ۔''

☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

مولانا محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ سناتے تھے حضرت شاہ صاحب کے وصال پر مئی 1933ء میں جب میں دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ (۱) سناتے تھے کہ ایک

(۱) اصل کتاب میں اس واقعے میں نام اسی طرح مذکور ہیں، مگر بظاہر اس میں ناموں کو ذکر کرنے میں کوئی خطا معلوم ہوتی ہے۔ مصحح

دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تُو کہدے کہ اپنی بچی کے پاؤ سے پازیبیں نکال دے، میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا، (حضرت شاہ صاحب کی بچی چھ سال کی تھی)، میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے اور پازیبوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۲۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے:

قَالَ عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ: اِبْنُ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَوْلَاةٌ لَهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنِ الزُّبَيْرِ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رِجْلِهَا أَجْرَاسٌ، فَقَطَعَهَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانًا۔

ترجمہ: ''علی بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ ان کی ایک باندی تھی وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئی اس کے پاؤں میں جرس تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹ لیا۔ اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے ہر جرس یعنی گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔''

حضرت شاہ صاحب کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا، مگر حضرت شاہ صاحب بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

روزوں کی قرقی کی تحقیق

ایک دفعہ فرمایا کہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی (۱) نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے اس حدیث

---

(۱) مال یا رقم ضبط کرلینا کسی چیز کے عوض

سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے، وہ حدیث یہ ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَ أَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا. فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ. فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

(مسلم جلد ثانی ص ۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال پیسے اور سامان نہ ہو وہ مفلس ہے۔ فرمایا، میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو کسی ایک کو ان کی نیکیاں دی جائیں گی اور اسی طرح دوسرے کو بھی دی جائیں گی پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں حقوق کے ختم ہونے سے پہلے تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اسکو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے جس نے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط سمجھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑی عمدہ تقریر

(صیام کے متعلق) تھی جو کسی زمانے میں مہاجر میں چھپی تھی، فیض الباری میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے ہمارے پاس یہ تقریر محفوظ تھی، مگر افسوس کہ 1947ء کے خونی ہنگامی میں وہ رائے کوٹ ہی رہ گئی۔

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ لکھا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔

(سورۃ البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ: ”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔“

میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ۔ (سورۃ الانعام:۹۳)

ترجمہ: ”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا وہ کہے کہ میرے اوپر وحی اتری ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں اتری۔“

یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسیح ابن مریم علیہما السلام کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی، پس میں مسیح ابن مریم ہوں، میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجال ہیں۔

☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قصیدہ معراجیہ

از حضرت خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز

تَبَارَكَ مَنْ أَسْرَى وَ عَلَا بِعَبْدِهٖ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى إِلَى الْأُفُقِ الْأَعْلٰى

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد اقصیٰ تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا۔

فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۶ مصری میں ہے:

وَفِيْ حَدِيْثِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ أَحْمَدَ: فَلَمَّا أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ الْأَقْصٰى قَامَ يُصَلِّيْ، فَإِذَا النَّبِيُّوْنَ أَجْمَعُوْنَ يُصَلُّوْنَ مَعَهٗ۔

ترجمہ: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں آئے مسجد اقصیٰ، کھڑے ہو گئے نماز پڑھنے کے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگ گئے۔''

إِلَى سَبْعِ أَطْبَاقٍ إِلَى سِدْرَةٍ كَذَا
إِلَى رَفْرَفٍ أَبْهٰى إِلَى نَزْلَةٍ أُخْرٰى

''ساتوں آسمانوں تک اور سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى تک، ایسے ہی سیر کرائی خوبصورت رَفْرَف تک اور نَزْلَةً أُخْرٰى تک سیر کرائی۔''

وَ سَوّٰی لَهُ مِنْ حَفْلَةٍ مَلَكِيَّةٍ
لِيَشْهَدَ مِنْ اٰيَاتِ نِعْمَةِ الْكُبْرٰی

''اور فرشتوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی تا کہ آپ مشاہدہ کریں باری تعالیٰ کی نعمت الکبریٰ کی آیات کا۔''

(زرقانی جلد ۶ شرح مواھب اللدنیہ مصری ص:۵ میں ہے:

فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ فِيْ ذِكْرِ الْأَنْبِيَاءِ إِلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا يُقَالُ لَهُ: بَابُ الْحَفَظَةِ، وَعَلَيْهِ مَلَكٌ يُقَالُ لَهُ: إِسْمَاعِيْلُ تَحْتَ يَدِهِ اِثْنَا عَشَرَ أَلْفَ مَلَكٍ۔

ترجمہ: '' بیہقی میں ابوسعید کی حدیث میں ایک دروازے کا ذکر ہے اس کو باب حفظہ کہا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ ہی اس کا نام اسماعیل ہے اس کے کمان میں ۱۲ ہزار فرشتے ہیں۔''

وَفِيْ حَدِيْثِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ أَيْضًا يَسْكُنُ الْهَوَاءُ لَمْ يَصْعَدْ إِلَى السَّمَاءِ قَطُّ وَلَمْ يَهْبِطْ إِلَى الْأَرْضِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَ فِيْ حَدِيْث أَبِيْ سَعِيْدٍ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ فِي الدَّلَائِلِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ مَعَ كُلِّ مَلَكٍ جُنْدُهٗ مِأَةُ أَلْفٍ۔

ترجمہ: '' حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے بیہقی میں '' ہوا رکی ہوئی ہے نہ اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے اور نہ زمین کی طرف جاتی ہے مگر صرف اس دن جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تھی اور ابی سعید کی روایت ہے کہ بیہقی میں ہے اور اس کے سامنے ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان ستر ہزار میں ہر ایک کے

نیچے ایک لاکھ فرشتے ہیں۔"
فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۵ میں ہے:

وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِّاَبِیْ سَعِیْدٍ فِیْ شَرَفِ الْمُصْطَفٰی اَنَّہٗ اُتِیَ بِالْمِعْرَاجِ مِنْ جَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ وَ اَنَّہٗ مُنَضَّدٌ بِاللُّؤْلُؤِ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ مَلَائِکَۃٌ وَعَنْ یَسَارِہٖ مَلَائِکَۃٌ۔

ترجمہ: "اور کتاب شرف مصطفیٰ میں ابوسعید کی روایت ہے کہ معراج یعنی سیڑھی لائی گئی جنت الفردوس سے اور بے شک موتیوں کے ساتھ پروئی گئی اور اس کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے۔"

بُرَاقٌ یُسَاوِیْ خُطْوُہٗ مَدَّ طَرْفِہٖ
اُتِیْحَ لَہٗ وَاُخْتِیْرَ فِیْ ذٰلِكَ الْمَسْرٰی

ترجمہ: "ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔ آپ کیلئے مقدر کیا گیا اور اس سیرگاہ میں پسند کیا گیا۔"

وَ اُبْدٰی لَہٗ طَیُّ الزَّمَانِ فَعَاقَہٗ
رُوَیْدًا عَنِ الْاَحْوَالِ حَتّٰہٗ مَا اَجْرٰی

ترجمہ: "اور زمانے کا سمیٹ لینا آپ کے لئے ظاہر ہوا پس اور اس کی رفتار کو روک دیا تھوڑی دیر کے لئے (اپنے چکر سے) حتیٰ کہ وہ زمانہ نہ چلا۔"

وَکَانَتْ لِجِبْرِیْلَ الْاَمِیْنِ سَفَارَۃٌ
اِلٰی قَابَ قَوْسَیْنِ اِسْتَوٰی ثُمَّ مَا اَقْصٰی

ترجمہ: "اور حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سفیر تھے قاب قوسین تک ٹھہر گئے پھر انتہا تک نہیں گئے۔"

بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۰ میں ہے:

ثُمَّ عَلَا بِهٖ فَوْقَ ذٰلِكَ بِمَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰه حَتّٰى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ فِيْمَا يُوْحِي اللّٰه خَمْسِيْنَ، أَيْ صَلَاةً، عَلٰى أُمَّتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ، ثُمَّ هَبَطَ حَتّٰى بَلَغَ مُوْسٰى فَاحْتَسَبَهُ مُوْسٰى فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَاذَا عَهِدَ إِلَيْكَ رَبُّكَ؟ قَالَ: عَهِدَ إِلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً۔

بخاری میں ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اوپر لے گئے کتنا اوپر لے گئے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک آ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوئے پھر صرف دوکمان کا فرق رہ گیا یا اس سے بھی نزدیک پھر وحی کی اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمائی اس میں ۵۰ نمازیں امت پر فرض فرمائیں ہر دن اور رات میں پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اترے اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ نے کیا تحفہ دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ۵۰ نمازیں۔"

إِذَا خَلَفَ السَّبْعَ الطِّبَاقَ وَرَائَهُ
وَ صَادَ فَهُنَّ أَوْلٰى لِرُتْبَتِهِ الْمَوْلٰى

"جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ اور آپ نے پالیا جو کچھ آپ کے رتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے، کذا فی

النبہانیہ:

نَبِیٌّ خُصَّ بِالتَّقْدِیْمِ قِدْمًا
وَ آدَمُ بَعْدُ فِیْ طِیْنٍ وَ مَاءٍ
عَلَا وَ دَنَا وَ جَازَ اِلٰی مُقَامٍ
کَرِیْمٍ خُصَّ فِیْہِ بِالْاِصْطِفَاءِ
بَدَا قَمَرٌ بِبَدْرٍ فِیْ نُجُوْمٍ
مِنَ الْاَصْحَابِ أَھْلِ الْاِقْتِدَاْ
وَ لَمْ یَرَ رَبَّہٗ جَھْرًا سِوَاہُ
بِسِرٍّ فِیْہِ جَلَّ عَنْ اِمْتِرَاءِ

(تحیۃ الاسلام مع عقیدۃ الاسلام ص ۳۹)

ترجمہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقدیم کے ساتھ خاص کیا اور آدم علیہ السلام ابھی کیچڑ اور پانی کے درمیان تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر چلے اور قریب ہوئے اور مقام کریم کو پار کیا جس میں اصطفاء کے ساتھ خاص ہوئے۔ چاند ظاہر ہوا چودھویں کا ستاروں کے درمیان چاند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور ستارے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی اقتداء کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نے اپنے رب کو بالکل سامنے نہیں دیکھا۔''

وَ کَانَ عَیَانًا یَقْظَۃً لَا یَشُوْبُہٗ
مَنَامٌ وَ لَا قَدْ کَانَ مِنْ عَالَمِ الرُّؤْیَا

اور عروج بیداری کی حالت میں تھا ملاوٹ نہیں تھی نیند کی اور نہ تھا خواب کے عالم سے۔

اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونے کی تصریح کی ہے۔اور شرح مواہب لدنیہ زرقانی مصری ج:۶ ص:۱۱۹ میں بھی ابن المنیر [200] نے نقل کیا ہے ص ۲۴۵ ج ۸ شرح المواھب اللدنیۃ للزرقانی العیان بکسر العین المشاھدۃ

قَدِ الْتَمَسَ الصِّدِّیقُ ثُمَّ فَلَمْ یَجِدْ
وَ صَحَّحَ عَنْ شَدَّادِ الْبَیْهَقِیُّ كَذَا

''بیشک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پس
آپ کو نہ پایا،اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے
امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح۔''

اور یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد:۳ ص:۱۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے،اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی [201] رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے،اور فتح الباری ج:۷ ص:۱۴ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے،اور دیکھو شفا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ۔

رَاٰی رَبَّهٗ لَمَّا دَنَا بِفُؤٰدِهٖ
وَ مِنْهُ سَرٰی لِلْعَیْنِ مَا زَاغَ لَا یُطْغٰی

''جب آپ قریب گئے تو اپنے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک
سے اور قلب سے رؤیت سرایت کر گئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی
اور ماطغیٰ تھی۔'' (زرقانی ج ۲ ص ۵)

مَا كَذَبَ الْفُؤٰدُ مَا رَاٰی۔

ترجمہ: ''نہ آنکھ نے تجاوز عن الحد کیا اور نہ بہکی۔''

رَاٰی نُوْرَہٗ اِنِّیْ یَرَاہُ مُؤَمِّلٌ
وَ اَوْحٰی اِلَیْہِ عِنْدَ ذٰلِكَ بِمَا اَوْحٰی

''اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہا دیکھ سکتا ہے اس کو۔اور باری تعالیٰ نے اس وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔''

بَحَثْنَا مَاٰلَ الْبَحْثِ اِثْبَاتَ رُؤْیَۃٍ
لِحَضْرَتِہٖ صَلّٰی عَلَیْہِ کَمَا یَرْضٰی

''ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رؤیت ثابت کی جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جناب کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیسا کہ راضی ہو۔''

وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا مُبَارَکًا
کَمَا بِالتَّحِیَّاتِ الْعُلٰی رَبَّہٗ حَیّٰی

''اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں۔جیسا کہ التحیات للہ والصلوٰت والطیبات فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو سلام کیا۔''

یہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص۱۳۳ ج۲ میں ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے سارا قصہ نقل کیا ہے:

قَالَ ابْنُ مَلِكٍ:رَوٰی اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِہٖ اَثْنٰی عَلَی اللہِ تَعَالٰی بِھٰذِہِ الْکَلِمَاتِ فَقَالَ اللہُ تَعَالٰی:اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ، فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللہِ الصّٰلِحِیْنَ، فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَبِهٖ يَظْهَرُ وَجْهُ الْخِطَابِ وَأَنَّهٗ عَلٰى حِكَايَةِ مِعْرَاجِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامِ فِيْ آخِرِ الصَّلَاةِ الَّتِيْ هِيَ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ، (ص:۱۱۱)

ترجمہ: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج پر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کہ التحیات للہ والصلوٰت الطیبات کہ میری قولی عبادتیں اور میری بدنی عبادتیں اور میری مالی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، تو اللہ نے جواب میں فرمایا اے نبی! تیرے اوپر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اوپر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم جو نماز میں ایھا النبی پڑھتے ہیں یہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب نہیں کرتے بلکہ اللہ کی حکایت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تو ہم اس کی حکایت کرتے ہیں۔''

عُمْدَةُ الْقَارِيْ جلد۶ مصری) قَالَ الشَّيْخُ حَافِظُ الدِّيْنِ النَّسَفِيْ: اَلتَّحِيَّاتُ اَلْعِبَادَاتُ الْقَوْلِيَّةُ، وَالصَّلَوَاتُ اَلْعِبَادَاتُ الْفِعْلِيَّةُ، وَالطَّيِّبَاتُ اَلْعِبَادَاتُ الْمَالِيَّةُ۔

(عمدۃ القاری ج۳ ص ۱۱۲)

202

ترجمہ: عمدۃ القاری میں ہے: حافظ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ التحیات سے قولی عبادتیں مراد ہیں۔ الصلوٰت سے بدنی والطیبات

سے مالی عبادتیں مراد ہیں۔''

کَمَا اخْتَارَہُ الْحِبْرُ ابْنُ عَمِّ نَبِیِّنَا
وَ اَحْمَدُ مِنْ بَیْنِ الْاَئِمَّۃِ قَدْ قَوّٰی

رؤیت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو قوی کہا ہے۔(نیز شمیم الریاض جلد اص ۴۹ مطبوعہ لکھنو میں بھی ہے)

(ف) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص:۱۱۹ جلد ۶۔

فِی الْاَوْسَطِ بِاِسْنَادٍ قَوِیٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ مَرَّتَینِ۔ وَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ قَالَ: نَظَرَ مُحَمَّدٌ اِلٰی رَبِّهٖ۔ جَعَلَ الْكَلَامُ لِمُوْسٰی وَالْخُلَّةُ لِاِبْرَاهِیْمَ وَالنَّظْرُ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فَاِذَا تَقَرَّرَ ذٰلِكَ ظَهَرَاَنَّ مُرَادَ ابْنِ عَبَّاسٍ هِنَا بِرُؤْیَةِ الْعَیْنِ اَلْمَذْكُوْرَةُ جَمِیْعُ مَاذُكِرَ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (زرقانی ج۶ ص:۳، فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۱، مصری عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۰ وفی البخاری (ص:۵۵۰ ج اول)

ترجمہ: '' اوسط میں ہے قوی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور دوسرے طریق میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے کلام کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا خلّت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کا اور دیکھنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے ظاہر ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد دیکھنے سر کی آنکھوں سے دیکھنا

مراد ہے۔‘‘

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهٖ تَعَالىٰ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ قَالَ: هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ۔

ترجمہ: ’’ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس آیت کی تفسیر میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ کے تفسیر میں کہ رؤیت آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے۔‘‘

اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اور دکھانا جو تجھ کو ہم نے دکھلایا لوگوں کے جانچنے کے لئے یعنی شب معراج میں دیکھنا یہ امتحان تھا سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔‘‘

فَقَالَ اِذْ اِمَامُ الْمَرْوَزِيُّ اِسْتَبَانَهُ
رَآهُ رَأَى الْمَوْلٰى فَسُبْحَانَ مَنْ أَسْرٰى

’’پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) نے جبکہ امام

203

مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے بیان کرایا دریافت کیا۔‘‘

اس کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے اپنے مولا کو دیکھا ہے، پس پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۱ مصری بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے:

فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّيْ وَقَعْتُ لَهُ سَاجِدًا۔ (۱) فِيْ كِتَابِ السُّنَّةِ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ مَنْصُوْرِ بْنِ بَهْرَامِ الْكَوْسَجِ التَّمِيْمِيِّ الْمَرْوَزِيِّ نَزِيْلِ نَيْسَابُوْرِ، أَحَدُ الْأَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ الثِّقَاتِ، رَوٰى عَنِ الْجَمَاعَةِ سِوَاى اَبُوْدَاوٗدَ قَالَ الْخَطِيْبُ كَانَ فَقِيْهًا عَالِمًا، وَ هُوَ الَّذِيْ

(۱) ترجمہ: جب میں نے اپنے رب کو دیکھا تو میں سجدے میں گر گیا۔

دَوَّنَ الْمَسَائِلَ عَنْ اَحْمَدَ مَاتَ سَنَةَ اِحْدٰی وَخَمْسِیْنَ
مِأَتَیْنِ، (زرقانی، شرح المواھب اللدنیۃ جلد۶ص۱۱۹مصری)

رَوَاهُ اَبُوْذَرٍّ بِأَنَّ قَدْ رَأَیْتُهٗ
وَ أَنِّیْ أَرَاهُ لَیْسَ لِلنَّفْیِ بَلْ ثَنْیَا

''اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اور انی اراہ نفی کے لئے نہیں بلکہ کسر نفسی کے لئے ہے۔''

204

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے:

نَعَمْ رُوْیَةُ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ حَقِیْقَةٌ
یُقَالُ لَهَا الرُّؤْیَا بِاَلْسِنَةِ الدُّنْیَا

''ہاں رب جلیل کی رؤیت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسی کو رویا کہا جاتا ہے دنیا کی زبانوں میں۔''

فتح الباری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''رُؤیَا عَیْنٍ'' کتاب التعبیر فتح الباری ج ۲ و ج ۷ ص ۱۳، زرقانی ج ٦، ابن کثیر ج ۱۳ از ص۱ تا ۱۴، فِیْ عُمْدِۃِ الْقَارِیْ ج ۱۷ ص: ۳۰ میں ہے:

قُیِّدَ بِهٖ لِلْأَشْعَارِ بِأَنَّ الرُّؤْیَا بِمَعْنَی الرُّؤْیَةِ فِی الْیَقْظَةِ۔

ترجمہ: ''اس لئے اس کو مقید کیا کہ رؤیا بمعنیٰ رؤیت ہے، یعنی جاگتے ہوئے دیکھنے کے معنی میں ہے۔''

وَ إِلَّا فَمَرْأَی جِبْرِیْلَ عَوَّادَةً
وَ لَیْسَ بَدِیْعًا شَکْلُهٗ کَانَ أَوْأَوْفَی

''ورنہ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام کا دیکھنا تو کئی بار تھا یہ کوئی نئی بات

نہیں تھی میری قبر پر آ کر آواز دے دینا خواہ کسی شکل میں دیکھا ہو۔"
بعض نے لکھا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وَ ذَالِكَ فِیْ التَّنزِیْل مِنْ نَظْمِ نَجْمِهٖ
إِذَا مَارَعَى الرَّاعِیْ وَ مَغزَاهُ قَدْ وَفّٰی

اور یہ یعنی رؤیت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۃ النجم میں ہے۔ جب کہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کرے۔

وَ كَانَ بِبَعْضِ ذِكْرِ جِبْرَئِیْلَ فَانْسَرٰی
إِلَی كُلِّهٖ وَالطُّوْلُ فِی الْبَحْثِ قَدْ عَنّٰی

"اور بعض طریقوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر ہے، یہ کل کی طرف سرایت کر گیا ور بحث کے طول نے تھکا دیا۔"

وَ كَانَ اِلَی الْأَقْصٰی سَرٰی ثُمَّ بَعْدَهٗ
عُرُوْجًا بِجِسْمِهٖ اِنَّ مِنْ حَضْرَةِ أُخْرٰی

"مسجد اقصیٰ تک تو اسراء تھی پھر اس کے بعد جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک۔"

عُرُوْجًا إِلَی أَنْ ظَلَّلَتْهُ ضَبَابَةٌ
وَ یَغْشٰی مِنَ الْأَنْوَارِ إِیَّاهُ مَا یَغْشٰی

"عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا اور انوارات نے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا۔"

وَ یَسْمَعُ لِلْأَقْلَامِ ثُمَّ صَرِیْفَهَا
وَ یَشْهَدُ عَیْنًا مَالَهُ الرَّبُّ قَدْ سَوّٰی

''اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے ، صریف الاقلام یعنی قلموں کے چلنے کی آواز۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔''

وَ مَنْ عَضَّ فِيهِ مِنْ هَنَاتِ تَفَلْسُفٍ
عَلَى جُرُفٍ هَارٍ يُقَارِفُ أَنْ يَرْدِى

''اور جو آدمی فلسفہ کی غلیظ باتوں کو دانتوں سے کاٹے وہ ایسی گھاٹی یعنی غار کے کنارے جو گرنا ہی چاہتی ہے قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔''

كَمَنْ كَانَ مِنْ أَوْلَادِ مَاجُوجَ فَادَّعٰى
نُبُوَّتَهُ بِالْغَيِّ وَالْبَغْيِ وَالْعَدْوٰى

''جیسا کہ وہ آدمی جو یا جوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعویٰ کر دیا اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے اور بغاوت اور تعدّی سے۔''

وَ مَنْ يَتَّبِعْ فِي الدِّيْنِ اَهْوَاءَ نَفْسِهٖ
عَلٰى كُفْرِهٖ فَلْيَعْبُدُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى

''اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے کفر میں لات وعزیٰ کو پوجتا پھرے۔''

205

فائدہ: علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معراج کے استحالہ[۱] کا دعویٰ کرنا باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قرآن و حدیث نے تصریح فرمائی ہے لہٰذا اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات میں اس بات پر قادر ہے کہ ایسی حرکت سریع[۲] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن

---

(۱) حالت و خاصیت کا بدل جانا۔

(۲) بہت تیز

میں پیدا کر دے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ بیداری کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح اور جسم مبارک کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، یہ تو قرآن وحدیث نے تصریح کی ہے لیکن قرآن جیسا کہ قول ہے باری تعالیٰ کا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (سورۃ الاسراء:۱)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ۔''

دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ عبد نام ہے جسد اور روح دونوں کا، تو ضروری ہوا کہ اسراء بھی دونوں ہی سے ہو یعنی جسد اور روح سے، کیونکہ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بِرُوْحِ عَبْدِهٖ یعنی اپنے بندہ کی روح کو لے گیا۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ (سورۃ العلق:۹،۱۰)

ترجمہ: ''کیا تو نے دیکھا اس آدمی کو جو منع کرتے ہیں ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھے یعنی اس کی سرکشی اور ضد کو دیکھو خود رب کے سامنے جھکتا نہیں دوسرے کو بھی سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

دیکھو اس آیت میں مجموعہ جسد اور روح مراد ہے، کیونکہ یہاں پر عبد تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور روکنے والا نماز سے آپ کو ابوجہل تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز سے اپنی روح کے ساتھ نہیں روکتا تھا۔ اور سورۂ ''جن'' میں ہے:

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ۔ (سورۃ الجن:۱۹)

ترجمہ: ''اور جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ یعنی بندہ کامل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو پکارے یعنی جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ آپ پر

ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآن سننے کی خاطر
اور کفار تکلیف دینے کے لئے حالانکہ وہ تو اپنے رب کو پکارتا ہے تو
اس میں لڑنے کی کیا بات ہے۔"

یہاں پر عبد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یَدۡعُوۡهُ سے مراد بھی آپ ہی ہیں، یہاں پر روح اور جسد ہی مراد ہے، ایسے ہی اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ میں روح اور جسد ہی مراد ہے۔ رہی حدیث وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول أسریٰ بی ہے، کیونکہ فعلوں میں اصل یہ ہے کہ وہ یقظہ پر محمول کئے جائیں، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو عقلی شرعی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ معراج کے سارے قصہ میں روح اور جسد دونوں ہی مراد ہیں اور ظاہر سے عُدول[۱] نہ کیا جائے گا اور حقیقی معنوں سے اور طرف نہیں پھیرا جائے گا اور اسریٰ کے جسم اور روح کے ساتھ بیداری کے عالم میں ہونے میں کوئی استحالہ[۲] نہیں۔ اور یہ جو باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (سورۃ النجم:۱۷)

ترجمہ: "بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا
پورے اتقان سے دیکھا نہ نگاہ ہٹی نہ تجاوز کیا حد سے آگے بڑھی
بس اسی پر جمی رہی۔"

یعنی عجائبات ملکوت سے نظر نہیں پھری اور نہ اس سے تجاوز کیا، کیوں کہ الۡبَصَرُ بیداری کی حالت میں ہی دیکھنے کو کہتے ہیں اس کی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡکُبۡرٰی ﴿۱۸﴾ (سورۃ النجم:۱۸)

---

(۱) انکار

(۲) حالت و خاصیت کا بدل جانا

ترجمہ: ''سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔''

اگر یہ نیند میں ہوتا تو اس میں کون سی آیات تھیں جو خارق العادت [1] ہوں؟ اور ان کے تکذیب [2] کرنے کی کوئی وجہ نہیں ، یہ بھی متواتر حدیثیں ہیں کہ آپ کے لئے براق پیش کیا گیا ، معلوم ہوا کہ آپ کی معراج روح اور جسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ابن کثیر نے اپنی کتاب کی تیسری جلد کے شروع میں اس کو خوب لکھا ہے پھر [207] اخیر میں فرماتے ہیں کہ ابوالخطاب حافظ عمرو بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں لکھا ہے کہ حدیث اسرٰی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ ، ابوذر رضی اللہ عنہ ، مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ ، ابن عباس رضی اللہ عنہ ، شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ، عبدالرحمٰن بن قریظ رضی اللہ عنہ ، ابی حبۃ رضی اللہ عنہ ، ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ، جابر رضی اللہ عنہ ، حذیفہ رضی اللہ عنہ ، ابو ایوب رضی اللہ عنہ ، ابو امامہ رضی اللہ عنہ ، سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ ، ابی الحمراء رضی اللہ عنہ ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ ، ام ہانی رضی اللہ عنہا ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا (دونوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں ہیں) وغیرہم سے بھی رضی اللہ عنہم ۔ اور اس مسئلے پر اتفاق کیا ہے تمام مسلمانوں نے اور اعراض کیا ہے زندیقوں اور ملحدوں نے۔

امریکہ سے ایک رسالہ ماہواری (لائف) نکلتا ہے نیو یارک سے ، اس میں جولائی 1963ء کے لائف میں اس مضمون کو خوب لکھا ہے اور آئے دن اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے ، روس امریکہ میں یورپ کے مختلف ممالک میں تجربے ہو رہے ہیں۔ سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے ایسا سریع السیر سفر ممکن الوقوع ہے ، چنانچہ لائف

---

(۱) معجزہ ، کرامت۔

(۲) جھٹلانا۔

1963ء میں درج ہے کہ'' گارڈن کوپر'' نے صرف ۹۰ منٹ میں ساری دنیا کے گرد بائیس چکر کاٹے اور ساڑے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ ہوائی جہاز چلا تھا، یہ مضمون 1964ء کے ماہنامہ ''چٹان'' میں شائع ہوا تھا۔ اور بھی بہت سے اخبارات میں مضامین آئے دن آتے رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فضائی سفر کس قدر سریع السیر تھا۔ ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰے سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور یہ بھی فرماتے ہیں:

رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات [208]

حضرت مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تن او کہ صافی تر از جان ماست
اگر شد بیک لحظہ آمد روا است

ترجمہ: ''اس کا بدن ہماری روح سے زیادہ صاف تھا اگر اس کا آنا ایک لمحہ میں ہو تو جائز ہے۔''

11 نومبر 1966ء کے ترجمان اسلام لاہور میں ہے روس نے بھی ایک خلائی تجربہ گاہ فضاء میں چھوڑی ہے جو کہ خلا میں 62 سے 248 میل تک کی بلندی پر زمین کے گرد چکر کاٹ رہی ہے یہ تجربہ گاہ گذشتہ اکتوبر میں چھوڑی گئی تھی۔

اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدے ضرب الخاتم علی حدوث العالم میں لکھا ہے کہ:

وَ قَدْ قِيْلَ إِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَقَدُّمٌ

بِمَا یَرْتَقِی فِیْهِ الْخَلِیْقَةُ فِی الْمَدَی

ترجمہ: ''کہا گیا ہے کہ معجزات آگے بڑھتے ہیں جس میں مخلوق بہت زمانے تک ترقی کرے گی۔''

چنانچہ آئے دن کے تجربے ہم مشاہدہ کر رہے ہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اس بات کی دلیل ہیں کہ آئندہ کو مخلوقات ان کا تجربہ کرے گی، چنانچہ ریڈیو کی ایجاد اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حج کے متعلق آواز دی تھی وہ بالکل حق ہے گو اس کے متعلق سائنس ابھی ابتداء ہی میں ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو کعبہ شریف کے بنانے کے بعد ایسی آواز دی تھی جو تا قیامت جن کی قسمت میں حج لکھا تھا، ان سب نے لبیک کہا، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آواز دینا بغیر کسی آلہ کے تھا، اور سائنس اب آلات کی ایجاد سے اس طرف ترقی کر رہی ہے تاکہ یہ منوایا جائے کہ جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا ہے وہ سب کچھ ممکن الوقوع ہے یا مثلاً ہوائی جہاز کی ایجاد حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے اڑنے کی تصدیق فعلی ہے مگر وہ بغیر آلات کے تھا، اور یہ آلات سے ہے۔ اور جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوئے پندرہ سو میل پر آواز بغیر کسی آلہ کے پہنچا دی تھی، فرمایا تھا:

یَا سَارِیَةُ الْجَبَلَ اَیْ اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ۔

ترجمہ: ''اے ساریہ پہاڑ کے طرف دیکھ لیجئے۔''

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج اور نزول ہے۔ الحاصل کہ حشر اجساد اور موت کے بعد سارے عالم کا اٹھانا وغیرہ سب برحق ہیں خواہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا اور قرب قیامت میں آپ کا نزول ہونا سب برحق ہیں اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور یہی صراط مستقیم ہے:

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (سورۃ النور:٤٦)

ترجمہ: ''جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔''

یا اللہ! ہمیں اپنے فضل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نصیب فرما اور ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، ہمیں بزرگان دین کا اتباع نصیب ہو۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆☆

علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تجلی ایک رتبہ ہے بڑا عالیشان وہ ایک حالت ہوتی ہے:

(بين النوم واليقظة)۔

ترجمہ: ''سونے اور جاگنے کے درمیان۔''

(ف) جب انسان کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہے اور اس کی ہڈی ہڈی میں یہ سما جاتا ہے اور اس کو باری تعالیٰ اپنے فضل سے روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں اور اس کو سلطان الاذکار نصیب ہو جاتا ہے اس پر اس حالت کا کھلنا آسان ہو جاتا ہے حضرت شیخ
209
عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خنجر خاموشی و شمشیر جوع
نیزہ تنہائی و ترک ھجوع

ترجمہ: ''خاموشی کا خنجر اور بھوک کی تلوار اور تنہائی کا نیزہ اور نیند کو چھوڑنا۔''

اور اس مسئلہ کو اہلِ تحقیق کے سوا کوئی کم سمجھتا ہے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اہلِ حقائق میں سے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، اور اپنی کتاب میں جابجا تحقیق کی ہے۔ (زرقانی، شرح مواہب لدنیہ ج٦، ٨)

(۱) در ہمہ سیر و غربتے کشف نشد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

تشریح: تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا، یعنی اس عالم مشاہدہ میں اُس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے، تو بعینہٖ اس کو بیان نہیں کرسکتا۔

(۲) گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح وہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو

تشریح: اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کردوں گا۔

(۳) دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ ای درو حنطہ بحنطہ جوز جو

تشریح: خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہرحال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں جو کچھ تو نے بویا ہے اسی کو کاٹ لے اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

(۴) ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل داں
نے بعد از یک زدو جنب بجنب دوبدو

تشریح: یہ دنیا اور آخرت اسی طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دوان کو کہیں جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے، تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے، اور کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

(۵) رشتہ این جہاں بتن جامہ آن جہاں بتن
رشتہ برشتہ نخ بخ تار بتار پو بپو

تشریح: جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے بعینہٖ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے، بعینہٖ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چوں کہ اس جہاں کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

(٦) ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض
بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

ترجمہ: ”جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو جڑ ہے وہی شجر ہے جو پھل ہے وہی بیج ہے مشہور ہے کہ بیج جب ٹہنی کے ہاتھ چڑھتا ہے اس کا نام پھل ہوتا ہے۔“

تشریح: جزا جنس عمل سے ہوتی ہے قرآن شریف میں آتا ہے:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال: ۷،۸)

ترجمہ: ”جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

یعنی جو ایک ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہوگا۔“

وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

(سورۃ الکہف: ۴۹)

ترجمہ: ”اور وہ لوگ پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر۔“

یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا یہ نیکی و بدی عمل نامے میں درج ہوگی۔
جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔ سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا ہے وہی ملے گا:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ (سورۃ النجم:۳۹)

ترجمہ: ’’اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔‘‘
یعنی دوسروں کی نیکیاں لے اُڑے یہ نہیں ہوسکتا۔

(۷) قبر کہ بودد اورے سوئے جہان دیگرے
غیب شود شہود ازو دیدہ بدید روبرو

تشریح: قبر میں جا کر اپنے سب اعمال منکشف ہو جائیں گے جب روح ظاہر ہو جائے گی کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آ جائیں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور ہوائیں آتی ہیں اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے، اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے، یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہو جائے گا گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

(۸) منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود
زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ موبہ مو

تشریح: وہ جہاں بالکل واضح ہو جائے گا اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہاں میں ہوتی ہے اس جہاں کی زندگی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔

(۹) مردن این طرف بوزیستن دگر طرف
روزن بازدید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

تشریح: اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشن دان سے نظر آ جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں صاف مذکور ہے مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴿۴۹﴾ (سورۃ التوبہ:۴۹)

ترجمہ: ''اور جہنم گھیر رہی ہے کافروں کو یعنی یہ برے اعمال ہی جہنم ہے جنہوں نے ان کو گھیرا ہے۔''

بے شک جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کفار کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے۔ قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ اٹھا دیا جائے گا نیچے سے جہنم نمودار ہو جائے گی، اسی واسطے مؤمن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہو جا، حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، رَتِّلْ وَ ارْتَقِ۔

(۱۰) تا نہ شکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہیں ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی

210

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند
اول آن بنیاد را ویراں کنند

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا، پھر اس میں سے آخرت

نمودار کردی جائے گی، جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے، اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے، حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہو گی جب یہ جہاں فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا، لہٰذا قیامت کا آنا برحق ہے، وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھ کر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے۔ اسی واسطے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہو گی۔ یہ تقریر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہاول پور میں 1932ء میں فرمائی تھی، پھر میں نے یہ تقریر حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سنائی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی، یہ 1942ء کا واقعہ ہے جب کہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رہے جو ان سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے، ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں حل کر کے رکھ دیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے، مرنے سے پہلے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی، عموماً عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

میری قبر پر آ کر آواز دے دینا

بہاول پور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ دوم مدرس تھے جامعہ عباسیہ کے، جب مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آ کر آواز دے دینا، ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی، جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا

تو مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیو بند کا سفر کیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ (۱) مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے ویسے بڑے فاضل تھے علوم مستحضر تھے۔

☆☆☆☆

احوال سفر بہاولپور بزبانی مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہاول پور تشریف لے جانا مولانا محمد صادق رحمہ اللہ کی زبانی سنئے۔

☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حَامدًا وّ مُصلِيًا۔

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس اللہ اسرارہم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ کو مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیو بند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا

---

(۱) مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے 1945ء میں دیو بند کا سفر کیا اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنے کا مقصد بیان کیا اور درخواست کی کہ کسی طالب علم کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی نشاندہی کیلئے میرے ساتھ بھیج دیں، اس وقت میں وہاں موجود تھا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے انکے ساتھ کر دیا۔ قبر پر پہنچ کر مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ پر رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مقدمہ جیتنے کی خوشخبری دی۔ از (مولانا) مجاہد الحسینی (مدظلہ) (علماء دیو بند صفحہ ۱۵۲)

ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور 19 اگست 1932ء کو بہاول پور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبد الحنان رحمۃ اللہ علیہ خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیت علماء پنجاب مولانا محمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند مولانا محمد زکریا لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم بھی تشریف لائے، ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقہ کے علماء وزائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیامگاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور زائرین مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے، 25 اگست 1932ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا عدالت کا کمرہ امراء و رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پُر تھا، عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باوجودیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کا کفر و ارتداد، دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزائی کے اِدّعاء نبوت اور وحی مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز (۱) ہو کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمادیں۔ آمین

---

(۱) فائدہ حاصل کرنا (خصوصاً علمی)

علماء اہل حدیث حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مداح

☆......علماء اہل حدیث میں سے جو چوٹی کے علماء ہیں وہ بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضل و کمال کے مداح تھے، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قادیاں میں آپ کا بیان سنا تو فرمایا کہ اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے۔

دوم مولانا عبدالتواب [211] ملتانی تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالجبار [212] غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء اہلِ حدیث کے مجمع میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کمالات اور بزرگی کا برملا اعتراف کیا، مولوی محمد [213] اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ نے اس مجمع میں کہا تھا کہ مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ تو حافظ حدیث ہیں، مولانا ثناء [214] اللہ رحمۃ اللہ علیہ متعدد بار ملاقات فرما کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادات فرماتے رہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرتسر تشریف لاتے رہے، علماء اہل حدیث احناف کی نسبت زیادہ سے زیادہ تعداد میں حضرت کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس کا اہتمام خصوصی رکھتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اپنے اخبار اہلحدیث میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا ہے اور اس میں اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مناقب اور علمی فضائل بیان کئے ہیں، اور محبت بھرے الفاظ میں متعدد ملاقاتوں کا ذکر کیا، اور یہ کہا کہ بے نظیر عالم دین رخصت ہو گیا۔

اور مصری علماء میں سے علامہ حضرت مولانا محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے ''تانیب الخطیب'' اور متعدد رسائل اور مقالات الکوثری میں جگہ جگہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی تبحر کا برملا اعتراف کیا ہے، کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سب تصانیف بندہ کے پاس موجود ہیں مقالات کوثری مدینہ منورہ سے بڑی کوشش کے بعد دستیاب ہوئی، اس کتاب کے

پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہیں، ''عقیدۃ الاسلام'' مع ''تحیۃ الاسلام'' کے جدید ایڈیشن سے مولانا مولوی محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ پڑھنا چاہئے ''نیل الفرقدین'' کی ''تانیب الخطیب'' میں بڑی ہی تعریف کی ہے۔

☆☆☆☆

مکتوب مولانا طاسین رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا محمد طاسین[215] رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ہدیہ متبرکہ خطبات واکفار الملحدین دو عدد نسخے پہنچے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ۔

ترجمہ: '' تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں بہت زیادہ حمد پاکیزہ حمد جس میں برکت ہو اور جس کے اوپر برکت ہو ایسا حمد اللہ کے لئے ہیں۔''

ہدیہ کیا تھا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس پر آپ بہت شکریہ کے اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس[216] میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اکفار الملحدین کا اردو ترجمہ کر کے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان عظیم فرمایا ہے، حضرت مولانا ومخدومنا شیخ المحدثین محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شاید روح کتنی خوش ہوئی ہوگی اور مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے مدارج عالیہ بلند ہوئے ہوں گے، ان کے لئے یہ ترجمہ سرمایہ آخرت ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان عظیم ہے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ خوش رکھیں۔ مجلس علمی کیا ہے ایک خوان نعمت ہے جس کو آپ نے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی نفع کے لئے بچھا رکھا ہے اور ہر وقت اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے تقسیم

کرتے رہتے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: ''یہ سعادت بازو کے زور سے نہیں مل سکتی جب تک بخشش کرنے والا اللہ اپنا فضل و بخشش نہ کرے۔''

مولانا حاجی محمد صاحب سملکی ثم افریقی بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرف متوجہ کیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کے علوم کو کوئی اپنے لفظوں میں دنیا تک پہنچا دے ''اکفار الملحدین'' تو دنیا بھر میں پہلی کتاب ہے جس میں اصول تکفیر مدون فرمائے گئے ہیں، گویا یہ کتاب حضرت کی ایک الہامی کتاب ہے، ''عقیدۃ الاسلام'' کو بھی آپ نے دوبارہ شائع کیا، اور ''تحیۃ الاسلام'' کو ساتھ ہی ملا دیا اس سے علماء کو بہت فائدہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ ضرب الخاتم میں جو حوالے دیئے گئے ہیں اس کی عبارتیں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی تھیں وہ بھی اگر چھپ جائیں تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ ضرب الخاتم بڑی ضروری کتاب ہے جس کو علماء بھی کم سمجھتے ہیں، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جتنا ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ضرب الخاتم کو سمجھے ہیں اتنا کوئی مولوی بھی نہیں سمجھا۔ اگر اس کے ساتھ حوالہ جات کی عبارتیں بھی شامل کردی جائیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ خطبات کے شروع میں جو نماز سے متعلق آپ نے مضمون دیا ہے وہ بڑا ہی قیمتی ہی، آپ اگر سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت النبی کے حوالہ کی بجائے امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ سے اقتباسات لیتے تو بہت اچھا ہوتا، کیونکہ حقیقت صلاۃ تک راستہ حاصل کرنے والے یہ ہی محقق علماء ربانی ہیں جو حقیقت صلاۃ تک پہنچتے ہیں اور ان پر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

میں حج بیت اللہ کو گیا یہ جنوری 1939ء کا واقعہ ہے (حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مئی 1933ء میں ہوگیا تھا یعنی ۳ صفر ۱۳۵۲ھ) یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کا ہے اس وقت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں تھے، جس دن میں بعد نماز مغرب ان کی زیارت کے لئے گیا وہ مُصلّٰی مالکی کے پاس بیٹھے تھے میرے ساتھ میاں جان [217] صاحب مطوف تھے، جب ملاقات ہوئی تو مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے کسی سے پڑھا اور تو کسی سے بیعت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حدیث تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور بیعت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کی، اس پر حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے پھر فرمایا کہ جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین میں تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کا حج کرایا میں نے جب کعبۃ اللہ کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ دیواریں پتھر کی تو نہیں بلکہ نور کی دیواریں ہیں گویا تجلیات کعبہ ان پر منکشف کردی گئیں، ان کے نورانی ہاتھ نور کی دیواروں کو محسوس کرنے لگے، پھر فرمایا جب میں روضہ مطہرہ پر مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی یہ دیواروں کو ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ دیواریں بھی نور کی بنی ہوئی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالغنی محدث [218] دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انجاح الحاجہ'' میں لکھا ہے کہ......

أَنْ تَعْبُدَاللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ...... یہ تو مشاہدہ ہے۔ اور...... فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يُرَاكَ ...... یہ حضوری ہے اگر آدمی نماز طریقہ پر پڑھے اور ذکر اذکار بھی کرتا ہو حتیٰ کہ اس کو باری تعالیٰ روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں تا آنکہ اس کا بال بال ذاکر ہوجائے تو اسکو حضوری نصیب ہوجاتی ہے، اگر روح کے ذکر کے بعد ذکر سِرّ بھی نصیب ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور اس میں استعداد بھی ہو تو مشاہدہ بھی نصیب ہوسکتا ہے، مگر اس میں محنت درکار ہے،

اَرِحْنِیْ یَابِلَالُ۔

اور

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

اور

اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ۔

ترجمہ: ”نماز پڑھنے والا اللہ سے سرگوشی کرتا ہے۔“

اور

قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ: ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“

احادیث کا مطلب اس پر کھل جاتا ہے، گویا علم تقلیدی سے نکل کر علم تحقیقی نصیب ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے تو فرمایا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے، سبحان اللہ کہ حضرت کو نماز ہی کا فکر رہا کہ نماز صحیح طریقے پر پڑھنا آجائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کروائی، یہ بات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ فرمائی تھی۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب کانپور پڑھاتا تھا تو یہ معمول تھا کہ شعبان میں جب میں تھانہ بھون آتا تو گنج مرادآباد حضرت [219] مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرکے آتا، ایک دفعہ میں جب حاضر ہوا تو بیٹھتے ہی حضرت مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا یہ جو حدیث میں آتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ۔

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے اپنی ملاقات کا شوق عنایت فرمادیجئے۔“

شوق کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی فرمائیں مجھے تو شوق کے معنی نہیں آتے، تو حضرت نے فرمایا شوق کے معنی ہیں تڑپ، یعنی اے اللہ! اپنے دیدار کی تڑپ عنایت فرما یعنی یہ غم لگا رہے کہ ہائے میں نے کچھ نہیں کیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

یہاں جو درخور توفیق غم پائے نہیں جاتے
انہیں رازِ درون پردہ سمجھائے نہیں جاتے

یعنی سارے غموں کو چھوڑ کر فقط ایک اس کے دیدار کا غم لگا رہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے، جو آخرت کا غم لگائے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے سارے غموں کے لئے کفایت کرتے ہیں، یہ بات کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہے کہ ذکر کی بھوک و پیاس لگی رہے اور ذکر اس کی خوراک بن جائے جیسے ملائکۃُ اللہ کی تسبیح باری تعالیٰ اور تقدیس غذا ہے بندہ بھی اگر اخلاص سے چلے اور محنت کرے تو باری تعالیٰ یہ بات نصیب فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فقط چائے کی ایک فنجان [1] پر روزہ رکھتے تھے اور سارا دن قرآن شریف پڑھتے رہتے حتیٰ کہ روزانہ کا قرآن شریف ختم کرنا معمول تھا، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن جرأت کرکے دریافت کیا کہ حضرت اتنی تو گرمی کے روزے ہیں اور آپ فقط ایک فنجان پر کفایت کرتے ہیں، فرمایا کہ الحمدللہ جنت کا ذائقہ آرہا ہے۔

میں نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی زیارت کی ہے ہمارے حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبدالقادر چونکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑی محبت تھی اکثر دیوبند تشریف لے جاتے تھے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی رائے پور

---

(۱) قہوہ والی چھوٹی پیالی یا کپ

زیارت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سفر دیوبند کا اس لئے کیا ہے کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کا رکن بنانا ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑی ہی محبت تھی۔

220

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخواں بہت وسیع تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، ایک دفعہ شوربے کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر لقمہ منہ میں نہیں ڈالا، یہاں تک کہ دسترخوان اٹھالیا گیا، پھر رات بھر جاگنے کا معمول تھا۔

دیوبند کے بزرگوں میں یہ مشہور تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھتے ہیں تو ٹھیک بندہ بن کر کھڑے ہوتے ہیں، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِتّقاء (۱) بہت ہی بڑھا ہوا تھا، ہمارے ایک استاد تھے حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے، یہی اولیاء اللہ کی نشانی ہے، جیسا کہ روایات میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق نماز پڑھنا ثابت ہے، کم از کم میں نے تو اپنی ساری عمر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ پاک سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خشیّت (۲) بہت ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ (سورۃ یونس: ۶۳)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لاتے اور معاصی سے پرہیز کرتے ہیں، یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ تعالیٰ کا قرب

(۱) تقویٰ، پرہیزگاری۔

(۲) (اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا) خوف

نصیب ہوتا ہے۔‘‘

اولیاء اللہ کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا۔

فقط والسلام

بچوں کو دعوات، اور پیار

یہ خط حضرت مولانا طاسین رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو شروع ہوا تھا جہاں ختم ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

دورانِ سبق ظرافت

(حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بعض اوقات سبق کے ضمن میں طلباء کا دل بہلانے کے لئے کوئی بات ظرافت کی کہہ دیتے تھے، ایک دفعہ بخاری شریف کے درس میں قصہ سنایا کہ دیو بند میں ایک شاعر صاحب تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم بھی تصوف پر شعر کہتے ہیں مثلاً

الٹپٹی والنہرینا والاسترا

حجام تیرے شوق میں کفگیر لایا ساتھ

کسی نے کہا کہ شعر تو آپ نے خوب سنایا مگر اس میں تصوف کی کون سی بات ہے؟ دوسرے آدمی نے کہا کہ اجی اس میں الف لام تو تصوف کا ہے، اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مسکراتے تھے، پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ پہلے مصرع میں قضاء بھی ہونا چاہئے یعنی

الٹپٹی والنہرینا والاسترا قضا

تاکہ وزن درست رہے، پھر وہ شاعر صاحب فرمانے لگے کہ میں کیا شاعر ہوں مجھ سے تو بیچارہ ذوق ہی اچھا تھا اس پر بہت مسکراتے تھے۔ 221

☆......آپ کی نظمیں بہت ہیں بہت سے قصائد عربی و فارسی ہیں، بعض

نظمیں ایسی ہیں جن کا ایک مصرع فارسی اور ایک عربی ہے، عموماً اشتیاقیہ نظمیں بہت ہیں جو اکثر مدینہ شریف کے راستے میں کہی ہیں کئی نظموں کا اور قصائد کا مجموعہ ہمارے پاس بھی ہے جو اگر موقع ملا تو شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ، آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا۔

☆...... فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا پس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے، مقامات حریری کی طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقالے بے نقط تھے۔

☆...... ایک دفعہ احقر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا، حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی، فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہئے تھا، اس طرح حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی بار تشریف لاکر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں، ان کو اجازت (حدیث) حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اور اُن کو اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت (حدیث) دی تھی۔

صحابی جن کا واقعہ

☆...... حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً

اٹھے اور اس سپاہی کی ساتھ چل دیئے، وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف گیا وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو، جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بوڑھا جن بیٹھا ہے اور بادشاہ کی سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے، اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انہوں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے، ہمیں قصاص دلوانا چاہئے، حضرت شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی آدمی غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔

222

حضرت شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن رضی اللہ عنہ کے دیکھنے سے ہوئی، پھر شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابی جن رضی اللہ عنہ سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے، یہ ہمیں حدیث ترمذی شریف کے درس میں حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی، اُس جِنّ کا نام شاہورش رضی اللہ عنہ تھا، یہ واقعہ ۱۳۳۸ھ کا ہے۔

☆☆☆☆

جمع الفوائد ہندوستان کیسے پہنچی

223
ظفر (یعنی بہادر شاہ ظفر دلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، گو ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکاء
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

☆......جب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الفوائد کے شائع کرنے کا ارادہ فرمایا تو میرٹھ میں بہت سے حضرات کا اجتماع کیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھانہ بھون سے تشریف لے گئے حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی سب کے سب حاضر تھے، دیوبند سے بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے، سب نے تجویز کیا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابتداء کریں، تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت مبارکہ لکھ کر دی کہ اسے ٹائپ کر کے دکھاؤ:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ (سورۃ الفتح:۱)

ترجمہ: ’’بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔‘‘

ماشاءاللہ ٹائپ بہت اچھا آیا سب حضرات بہت خوش ہوئے۔

224
مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق جا کر حضرت مولانا بدرالدین محدث کے فرمانے پر دمشق سے ستر میل ایک گاؤں میں جا کر یہ کتاب یعنی جمع الفوائد حاصل کی اور بڑی کوشش سے ہندوستان لائے پھر بڑے ہی اہتمام سے اس کتاب کو شائع کیا، اس کتاب میں حدیث کی چودہ کتابوں کی حدیثیں جمع ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سارا کتب خانہ مدرسہ کی ملک کر دیا تھا مگر یہ کتاب اپنے پاس رکھی تھی۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں عاشق الٰہی تھے۔

☆☆☆☆

برکت اسماء الحسنیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے، پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل (۱) ہے کیوں کہ یہ علَم ہے اس ذات پاک کا جو مجتمع لجمیع (۲) صفات کمال ہے، پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمٰن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے۔ تیسرے پایا جانا فائدہ اس کام کا، اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے۔ عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور تھا (بنی اسماعیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا:

قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ (سورۃ الاسراء:۱۱۰)

ترجمہ: ''میرے حبیب کہہ دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو جو کہہ کر پکاروگے سو اسی کے ہیں سب نام اچھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اور رحمان ایک ہی ذات کے دو نام ہیں صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا۔

قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنی ہیں، پہلے عرب یوں کہتے تھے...... ومالرحمن ...... آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا، پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریفہ ہوگیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی

(۱) کفالت کرنے والا، ذمہ دار

(۲) تمام کا مجموعہ

اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریفہ ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل درآمد کریں گے، یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب ادیان ایک ہوگئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں یہ عملی طور پر ثابت فرمادیں گے۔ بزرگان دین نے ان اسماء(۱) کا ورد کرنا فرمایا ہے تا کہ ان کی برکت سے دینی ودنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

☆☆☆☆

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔''

(ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے، ذیلعی [225] شرح کنز اور زاہدی [226] نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح روایت ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے (وہبانیہ میں ہے) نے اپنے منظومہ میں فرمایا ہے:

وَ لَوْ لَمْ یُبَسْمِلْ سَاھِیًا کُلَّ رَکْعَۃٍ
فُیَسْجُدُ إِذْ اِیْجَابُھَا قَالَ أَکْثَرُ

ترجمہ: ''اگر کوئی کسی بھی رکعت میں بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو وہ سجدہ سہو کرلے کیونکہ اکثر کے نزدیک یہ واجب ہے۔''

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

سورہ فاتحہ مکیہ ہے یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے، یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جناب باری تعالیٰ عزاسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ

---

(۱) یا اللہ یا رحمان یا رحیم

مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائی:

(۱) تربیت (۲) رحمت (۳) جزا

اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس کے احسانات سابقہ اس کے مدِّ نظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں جو بندے صفت وثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری اور باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں کہ رحمٰن ورحیم ہوں۔اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی، غرض ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے، مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء کرام علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا، روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا، اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہتا حتیٰ کہ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ نصیب ہو جائے، غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

مسلم ج ۱ ص ۱۷۹ میں ہے کہ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے:

حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ۔

ترجمہ: ”میرے بندے نے میری تعریف کی۔“

اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ۔

ترجمہ: ''میرے بندے نے میری ثنا پڑھی۔''

جب ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ۔

ترجمہ: ''میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔''

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں:

هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔

ترجمہ: ''یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان (آدھا آدھا) ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا۔''

اور جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔

ترجمہ: ''یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ سبھی ملے گا جو اس نے سوال کیا۔''

حدیث کے شروع میں ہے:

قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ۔

ترجمہ: ''میں نے سورۃ فاتحہ کو تقسیم کیا ہے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان۔''

یہاں پر صلاۃ بمعنی سورۃ فاتحہ، حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے:

وَإِذَا قَالَ الْإِمَامُ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ، فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ۔

ترجمہ: ”اور جب امام کہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو تم آمِین کو۔“

معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔ جیسے:

وَإِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔

ترجمہ: ” جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پڑھے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ پڑھو۔

سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہئے، آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرمالے۔ (اِسْتَجِبْ)

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: ”جن پر تونے انعام کیا۔“

چار قسم کے گروہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء صالحین، یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں ان کا طریق اختیار کرلیں، صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اَخلاق رذیلہ [۱] سے دور رکھتے ہیں اور یادِ حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرما لیتا ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (سورۃ یونس: ۶۳)

(۱) بُرے اخلاق (ظاہری و باطنی)

ترجمہ: ”جو ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں۔“

اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مُستغرَق (۱) ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام نے پہنچایا ہے دل ان کے اسی شان سے قبول کر لیتے ہیں، گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے، اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں امور دین میں بالکل اللہ کے واسطے لگے رہتے ہیں خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا، صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا، انبیاء کرام علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عزاسمہ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور شبہ ان کے معلومات میں راہ نہیں پاتے ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے، لہٰذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں، انبیاء کرام علیہم السلام پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا۔ اَلْعَیَاذُ بِاللهِ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

ترجمہ: ”ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔“

گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء کرام علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (سورۃ الانعام:۹۰)

ترجمہ: ”یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلئے۔“

---

(۱) ڈوبا ہوا، محو ہو جانا۔

یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی، تو جب آپ ان کی ہدایت پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا، کیوں کہ آپ کو اولیت باطناً حاصل ہے اور ظاہراً آخریت ہے، ورنہ بِهُمُ اقْتَدِهْ ہوتا، اور حدیث:

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔

ترجمہ: ''میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام ابھی تک کیچڑ اور پانی میں تھے۔''

نصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں، بر دانا مل والی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء کرام علیہم السلام جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ (الیواقیت ج ۲ ص ۱۸)

هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ۔

ترجمہ: ''راہ بتلائی ہے ڈرنے والوں کو یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں تو ڈرنے والوں کو راستہ بتلاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی مُتفاوتہ[1] پر ہوتا ہے کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (سورۃ الفتح:۲۶)

ترجمہ: ''اور ان کے ساتھ تقویٰ کا کلمہ چمٹا دیا۔''

کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے مثلاً:

---

(۱) جدا، مختلف۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا۔ (سورۃ الاعراف:۹۶)

ترجمہ: ''اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرے۔''

کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے، مثلاً:

اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۝۲ (سورۃ النحل:۲)

ترجمہ: ''ان کو اس بات سے ڈراؤ کہ میرے علاوہ کوئی الہٰ نہیں پس مجھ سے ڈرو۔''

کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۹)

ترجمہ: ''گھروں کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ سے ڈرو۔''

کبھی اخلاص کے معنی میں آئے ہے:

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝۳۲ (سورۃ الحج:۳۲) (فتح العزیز)

ترجمہ: ''شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کا تقویٰ ہے۔''

آیات واحادیث کے بعض تطبیقات

الٓمّٓ یہ حروف مُقطّعات کہلاتے ہیں، ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلّف نہیں بنایا گیا، بس ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان...... ذٰلِكَ الْكِتٰبُ...... یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے...... لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ......اس کے برحق اور اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں، کیوں کہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمھیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنالاؤ یا کم ازکم دس سورتیں ہی بنالاؤ، کم از کم ایک ہی سورت بنالاؤ، تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہو عرب العرباء ہو، مگر بحمداللہ آج تک کوئی نہ لا سکا یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ...... یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے، یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے اس کی ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہوگا، ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (سورۃ البقرہ)...... یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات، صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں، حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کر لیا یہی ایمان بالغیب ہے تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن، باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی مکر جانا یعنی منکر ہو جانا، یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبہے نکالنا یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ...... اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کے فرائض واجبات وشرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ...... جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (سورۃ الذاریات:۱۹)

ترجمہ: ”اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔“

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

(سورۃ البقرۃ:۴)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو اس وحی پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اس پر بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اتاری گئی۔''

یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں، چنانچہ فرماتے ہیں:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ (سورۃ آل عمران: ۸۴)

ترجمہ: '' کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم علیہ السلام پر اور اسماعیل علیہ السلام پر اور اسحاق علیہ السلام پر اور یعقوب علیہ السلام پر اور اس کی اولاد پر اور ملا موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

اور پارہ اول رکوع آخری میں بھی آیا ہے، اور سورۃ البقرہ کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے:

قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۶)

ترجمہ: ''تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اُترا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام

اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے۔''

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ (سورۃ البقرۃ:۲۸۵)

ترجمہ: ''مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی مان لیا سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو، کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔''

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

(سورۃ البقرۃ:۵)

ترجمہ: ''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔''

یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتح العزیز میں فرمایا کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے دوسرا وجود عینی تیسرا وجود لفظی، وجود عینی تو ایک نور کی اصل ہے جو حجاب رفع ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، جب بندہ مومن میں اور اس کے رب تعالیٰ شانہ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو (درج ذیل آیات میں فرمایا ہے):

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ (سورۃ النور:۳۵)

ترجمہ: ''مثال اس کے نور کی جیسے ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ ہو۔''

اور

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ
(سورۃ البقرۃ:۲۵۷)

ترجمہ: ’’اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔‘‘

جب حجاب رفع ہوتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے، پھر پہلے تو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شئی کی متجلی ہوتے ہیں ہر ایک شئی کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء کرام علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں، اور اوامر اور نواہی کے موافق حکم الٰہی پر عامل ہوتا ہے اس حال میں خصائل حمیدہ[1] اَخلاق فاضلہ[2] پیدا ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ انوار معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں :

یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (سورۃ النور:۳۵)

ترجمہ: ’’اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی طرف۔‘‘

اور وجود ذہنی ایمان کا دو مرتبے رکھتا ہے، اول کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی کہتے ہیں اس کا نام تصدیق اجمالی ہے، دوم ہر شئی کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو ارتباط[3] ان میں ہے اس کو بھی لحاظ رکھنا۔

اور ایمان ایک وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا اقرار ہے اور

---

(۱) اچھی عادتیں

(۲) اچھے اخلاق (ظاہری و باطنی)

(۳) ربط، تعلق۔

کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ......یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اس طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس کا خاتمہ کفر پر نہ ہو جائے۔ کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے سے ہی انکار کر دے، اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہنچانتا ہو یا نہ پہنچانتا ہو۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ......یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے جیسا کہ

وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط

(سورۃ الجاثیہ: ۲۳)

ترجمہ: ''اور ان کے کانوں پر مہر لگایا اور ان کے دلوں پر مہر لگایا اور ان کے آنکھوں پر پردے لٹکائے۔''

کہ استدلال دوسروں کا بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا، دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ لٹکانا ذکر فرمایا، اس کا سبب یہ کہ یہ چیز مدرکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں، آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کا شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے، اور وہی منشاء رؤیت کا ہے، اور عُقلاء کا قاعدہ ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ ......یعنی یہ دعوی دونوں علموں کا کرتے ہیں علم توحید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں، پس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں، حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے کسی وقت نصیب نہ ہوگا، ان کو منافق کہتے

ہیں، نفاق کی کئی اقسام ہیں جیسے احادیث میں مروی ہیں۔

قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۵)

ترجمہ: ’’تو کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے۔‘‘

یعنی جزا در حقیقت مجزی علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہوں گے۔

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۵۵ (سورۃ العنکبوت:۵۵)

ترجمہ: ’’تم چکھو وہ جو تم عمل کرتے تھے۔‘‘

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۝۷ (سورۃ الزلزال:۷)

ترجمہ: ’’پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔‘‘

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ در و حنطہ بہ حنطہ جو ز جو

’’خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں۔ جو کچھ تو نے بویا ہے اسی کو کاٹ لے اگر گندم بوتے ہیں تو گندم کاٹ لے اور اگر جَو بوتے ہیں تو جو کاٹ لے۔‘‘

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں معنی تنزیہی نے دنیا میں تو لباس کلمات طیبات کا پہن لیا آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا معانی متجسد ہو جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا...... مخفی نہ رہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں

پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں:

اول: انسان کی پیدائش۔

دوم: پیدائش ان کے باپ دادوں کی، ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔

سوم: پیدائش زمین کی۔

چہارم: وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے، پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو یکجا لائے وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں نفس سے متعلق ہیں اور تینوں جسمانی ہیں، پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے پھر اپنے اصول اقرباء ماں باپ وغیرہما سے، پھر زمین جو جگہ انسان کے رہنے کی ہے، پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے یعنی بارش، پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے کوئی اس کا شریک سہیم نہیں لہٰذا شکر میں اسی ہی کو مخصوص کرو کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک الٰہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ:

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۷)

ترجمہ: ’’جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ملانے کا۔‘‘

شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گرویدن باور کردن، جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جابجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے چنانچہ

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔ (سورۃ النحل:١٠٦)

ترجمہ: ''اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ۔ (سورۃ المجادلہ:٢٢)

ترجمہ: ''ان کی دلوں میں ایمان لکھ لیا۔''

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط (سورۃ الحجرات:١٤)

ترجمہ: ''ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے اور بس، نیز ایمان کا عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ (سورۃ الرعد:٢٩)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔''

اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا چنانچہ

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ۔ (سورۃ الحجرات:٩)

ترجمہ: ''اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔''

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا ۔ (سورۃ الانفال:٧٢)

ترجمہ: ''اور جو ایمان لایا اور ہجرت نہیں کی۔''

پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے اور اقرار محض کی بھی بلا تصدیق مذمت کی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ (سورۃ البقرۃ:٨)

ترجمہ: ''اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر وہ ہرگز مومن نہیں یعنی دل سے

ایمان نہیں لائے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے ایمان کا
اظہار کرتے ہیں۔"

پس معلوم ہوا کہ اقرار محض تو ایمان کی حکایت ہے، اگر محکی عنہ [۱] کے مطابق ہوتو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں، محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔

تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے ایمان کا بھی تین طرح کا وجود ہے ایک لفظی، دوم ذہنی، سوم عینی، وجود عینی تو اصل ہے، باقی وجود اس کے تابع ہیں، ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے تمام پردے بینہ وبین الحق [۲] رفع ہو جاتے ہیں۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ (سورۃ النور:۳۵)

ترجمہ: "(اللہ تعالیٰ کی) روشنی کی مثال جیسے ایک طاق ہو اس میں
چراغ ہو۔"

میں تمثیل مکمل فرمائی گئی۔ چنانچہ

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
(سورۃ البقرۃ:۲۵۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو
اندھیروں سے نور کی طرف۔"

اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ نور، انوار محسوسہ کی طرح قوت وضعف، اشتداد وانتقاص قبول کرتا ہے، چنانچہ آیت:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ۔ (سورۃ الانفال:۲)

---

(۱) جس بات کی طرف حوالہ دیا گیا ہو۔ (مروی عنہ)

(۲) اس کے اور حق کے درمیان۔

ترجمہ: ''جب پڑھا جاتا ہے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہوجاتا ہے ان کا ایمان۔''

اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مُرتفع [۱] ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے تا آنکہ اوجِ کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع قوی اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں۔ اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں مستعد ہو جاتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے۔ اور وجود لفظی ایمان کا حکم شہادتین ہے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

ترجمہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی رسول ہیں۔''

ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ۔ (سورۃ حم السجدہ:۱۱)

ترجمہ: ''پھر قصد کیا آسمانوں کی طرف۔''

خواہ دحوِ ارض [۲] کو پہلے کہو خواہ تسوِیہ [۳] آسمان کو پہلے کہو سب درست ہے۔

إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ط (سورۃ البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: ''کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔''

اس میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعۃ اللہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت

---

(۱) اٹھنا، بلند ہونا۔

(۲) زمین کا پھیلانا، زمین کی خشکی کا پانی کے اندر سے باہر آنا۔

(۳) ٹھیک کرنا، سیدھا کرنا۔

کرے، جیسے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ (سورۃ التغابن: ۱۲)

ترجمہ: ”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔“

اور اس میں حُسن وقبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا، اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے، اور تقدیر خیر وشر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کہ شرف عبودیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (سورۃ الانبیاء: ۲۳)

ترجمہ: ”اللہ سے نہیں پوچھا جائے گا ان اعمال کے بارے میں جو یہ لوگ کرتے ہیں ان لوگوں سے پوچھا جائے گا۔“

اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ۔

ترجمہ: ”میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔“

اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے، اور مسئلہ جبر وقدر بھی اس میں آ گیا:

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ (سورۃ البقرۃ: ۳۰)

ترجمہ: ”میں وہ جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔“

جو کچھ کہ آدمی کے جوارح واعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے پھر قلب میں پھر قوای نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ (سورۃ البقرۃ:۸۱)

ترجمہ: ’’یقیناً جس نے برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیرلیا، وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔‘‘

اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ مبنیٰ تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا چوری، لواطت بھی حرام ہیں کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے اس مرتبہ کا نام فسق و فجور اور عصیان ہے۔ (العیاذ باللہ) اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو، مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو اس کو جحود اور کفر اور زندقہ و الحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ

اَلْفَاسِقُ لَا يُخَلَّدُ فِي النَّارِ وَالْكَافِرُ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: ’’فاسق ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ سزا کے بعد نکل پائے گا اور کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔‘‘

چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ

اپنی غباوت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا، اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ (سورۃ البقرۃ:۸۰)

ترجمہ: ’’اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے۔‘‘

حق تعالیٰ شانہٗ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے؟

اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (سورۃ البقرۃ:۸۰)

ترجمہ: ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا۔ (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ تعالیٰ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔‘‘

کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں، پس نص صریح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس بات میں مفقود تھی، اور تاویلات اعتقادیات اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے، نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ (سورۃ البقرۃ:۸۱)

ترجمہ: ’’کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اس کی خطا وقصور اس کو گھیر لے، ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں۔‘‘

کہ فسادِ علم وعمل اور خرابی عقیدہ واعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب خلود فی النار کا ہے۔جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو ظاہر میں کلمہ گوہی ہو اور دعوی بھی دین داری کا رکھتا ہو۔یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔(وَالْعِیَاذُ بِاللہِ ثُمَّ الْعِیَاذُ بِاللہِ) مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ۔ (سورۃ المومنون:۴۹)

ترجمہ: تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب۔''

یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی اور بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لئے۔سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے، حضرت یوشع، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت شمعون، حضرت داؤد وحضرت سلیمان، حضرت شعیاء، حضرت ارمیاہ، حضرت یونس، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور ہزارہا پیغمبر علیہم السلام تھے، سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے انہیں کی شریعت کے متبع تھے۔

وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۵۳)

اور حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادرزاد اندھے کو اچھا کرتے تھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے تھے مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا۔یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا، جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں

میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ علیہ السلام بتلا دیتے تھے، آپ کو بلا باپ پیدا فرما دیا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف لے گئے اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی نہ اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے، لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان قائل ہو گئے۔

وَ قَدْ قِيْلَ اِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَقَدُّمٌ

بِمَا يَرْتَقِيْ فِيْهِ الْخَلِيْقَةُ فِي الْمَدٰى

آپ کا نام ہی روح رکھا روح کی سبک سیر (تیز رفتار کا کس نے اندازہ لگایا ہے روح نام ہے یا تو جبرائیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان کو اڑ کر تشریف لے گئے فرمایا گیا...... وَرُوْحٌ مِّنْهُ...... ''شہادۃ القرآن''، ''عقیدۃ الاسلام'' اور ''تحیۃ الاسلام''، ''سیف چشتیائی'' بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

ایشوع اصل ہے عیسیٰ کی، اس کے معنی ہیں مبارک اور مریم بھی عبرانی لفظ ہے اس کے معنی ہیں خادمہ یا عابدہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے:

اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا۔

ترجمہ: ''کہ کوئی جان دار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا۔''

اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ (سورۃ البقرۃ: ۸۷)

ترجمہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کی تم نے تکذیب کی اور

ایک جماعت کو تم نے قتل کیا۔“

مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت شعیاء علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی (یہود نے) کئی بار حملہ قاتلانہ کیا زہر دیا چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا، اس زہر کا اثر وفات میں ظاہر ہوا، چنانچہ ”الشہادتین“ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

یعنی ایسے متعصب ہیں کہ اچھی بات سنتے ہی نہیں، تصلب حق کے معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے اور کسی کے فریب میں نہ آجائے، اور ادھر توجہ بھی نہ کرے یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

متفرق واقعات

☆......فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی پڑھی ہے، اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کشمیر میں چھ ماہ انگریزی پڑھی تھی۔ میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھے۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی، آج کل کے بی اے، ایم اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

227

ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا حضرت علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کا جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کی تشریف آوری کا سن کر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خادم سے فرمایا کہ صحن کا دروازہ بند کر دو کسی عورت کو مت آنے دو اور خود حَسْبُنَا اللہُ پڑھتے رہے۔

☆...... احقر محمد لائل پوری (رحمۃ اللہ علیہ) عرض کرتا ہے کہ 1951ء میں جب میرے والد حضرت مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ٹنڈو اللہ یار سندھ میں ہوا تو میں

وہاں گیا جس مکان میں میں ٹھہرا تھا اس مکان کے قریب مسجد تھی، وہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری[228] رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، غالباً حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی[229] رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے باتیں ہو رہی تھیں، مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ مولانا ابوالوفاء افغانی[230] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد دکن تشریف لائے تو میں نے بھی گزارش کی کہ میری دعوت قبول فرمائیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمالیا، دوسرے دن ایک مجمع کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے ہم نے کھانا تو فقط بیس آدمیوں کا بنایا تھا وہاں کھانے پر جمع ہو گئے اسّی (۸۰) سے بھی زائد آدمی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں، آپ کھانا لے آؤ، اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں گے، واقعی یہ حضرت شاہ صاحب کی کرامت تھی کہ کھانا اسّی سے زائد آدمی کھا گئے پھر بھی کھانا بچ رہا۔ خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حیدر آباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں اور بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

☆...... ایک دفعہ بہاولپور سے واپسی پر میرے عرض کرنے پر بہت طویل تقریر وحی کے اقسام پر فرمائی تھی جس کو ہم نے دارالعلوم میں شائع بھی کیا تھا۔ لاہور میں معراج کے سلسلے میں بیان فرماتے وقت یہ بھی فرمایا:

کہ بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر بین حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے:

أُتِيَ بِالْمُنْذِرِبْنِ أَبِي أُسَيْدٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حِيْنَ وُلِدَ، فَوُضِعَ عَلَى فَخِذِهِ وَ أَبُوْا أُسَيْدٍ جَالِسٌ، فَلَهِيَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَخَذَ أَبُوْ أُسَيْدٍ اِبْنَهُ
فَاحْتَمَلَ مِنْ فَخِذِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفَاقَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَیۡنَ الصَّبِیُّ؟۔ (ج۲ ص۹۱۴)

ترجمہ: ''منذر بن اسید کی جب ولادت ہوئی تو اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ران مبارک پر اس کو رکھا گیا ابو اسید بیٹھے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشغول ہوئے تو ابو اسید نے بچے کو اٹھا لیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شغل سے فارغ ہوئے تو فرمایا وہ بچہ کہاں ہے۔''

تو اس روایت میں استفاق (۱) کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آ گئے بلکہ اسی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا۔ فَاسۡتَفَاقَ اَیۡ فَرَغَ مِنۡ اِشۡتِغَالِہٖ۔

☆...... فصل الخطاب طبع ہونے کے بعد ۱۳۳۸ھ کی دورے کی ساری جماعت کو بلایا اور سب کو ایک ایک نسخہ اپنے دست مبارک سے عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کاتب کے کچھ اغلاط رہ گئے ہیں جن کی تصحیح نہیں ہو سکی۔

☆...... حضرت شاہ صاحب کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت کہیں نہیں جمتی خواہ کتنا ہی علامہ کیوں نہ ہو۔ کچھ ایسی برکات انوارات مجلس کی ہوتی تھیں کہ وقت محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جس بات کا حوالہ دیتے کتاب کھول کر حَسۡبُنَا اللّٰہ پڑھ کر فوراً انگلی اسی جگہ پر رکھتے تھے جہاں سے عبارات پڑھنا مقصود ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ ایک دو ورق الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے ورنہ وہی صفحہ نکلتا تھا حوالہ پڑھ کر سناتے، کبھی کتاب کا حوالہ محض نام لے کر نہیں دیا بلکہ عبارت پڑھ کر سناتے، لکھنے والے صفحہ دیکھ کر لکھ لیتے تھے یہ جو حوالہ نکالنے میں تخلف ہوتا ہے تقطیع جدا جدا ہونے کے باعث سے یا مطابع کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتاب دیکھ کر حوالہ پڑھ کر آگے چلتے تھے۔ بعض دفعہ جس کتاب میں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے

(۱) اصلی حالت پر آنا۔

تھے مصر یا لندن کا مطبوعہ ہوتی تھی۔ ہندوستان کی مطبوعات کے صفحات میں فرق ہوتا ہے، علماء گھبرا جاتے ہیں کہ حوالہ نہیں ملتا، محنت کرنے سے کیا نہیں ملتا انسان کو۔

231

☆......حضرت خواجہ محمد معصوم اپنے مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں:

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ ؕ

(سورۃ الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: ''جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتے ہیں تو اس کے سینے کو کھول دیتے ہیں قبول اسلام کیلئے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سینے کو تنگ کردیتے ہیں گویا کہ وہ آسمان پر چڑھتا ہے۔''

''صِرَاطِ مُسۡتَقِيۡم'' کے ترجمہ میں اس آیت مبارکہ کو پیش فرماتے تھے، پس ہم نے جو شرح صدر دینی مسائل میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کسی کو نہیں پایا، ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط کے ساتھ اور شرح صدر کے ساتھ چلتے تھے۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝۴ (سورۃ الجمعۃ:۴)

ترجمہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اسے دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔''

☆......ایک دفعہ مالیر کوٹلہ میں تشریف لائے مولانا عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ جو مالیر کوٹلہ میں رہتے تھے وہ خود جا کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لائے، بندہ بھی رائے کوٹ سے مالیر کوٹلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو مجھے تنہائی میں ایک بات کہی کہ یہ بات مولانا محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ سے لدھیانہ جا کر کہہ دینا میں نے اسی پر عمل کیا، بہت سی راز کی باتیں احقر کو کان میں فرما دیتے تھے۔

مالیر کوٹلہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد عشاء ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی علماء کا بہت مجمع تھا اس میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء موجود تھے فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی ہی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں فقط اتنا چاندنا(۱) چاہئے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے۔ باقی تو اسراف ہے، (غالباً یہی الفاظ تھے)۔

☆......ایک دفعہ وہیں بہاول پور ہی میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں 1928ء میں دسمبر کے مہینے میں السنہ شرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے، ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فارسی رسالہ دیا جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے، میں نے پوچھا یہ عراقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں تو فرمایا یہ بہت مشہور محدث ہیں ان کی کتاب کا نام ہے ''غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان'' یہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق گذرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واپس طلب کیا، تو ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو گیا، پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے۔

فائدہ: نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ عراقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

---

(۱) روشنی

☆...... ایک مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حافظ شیرازی کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں شراب کباب کا ذکر ہے، تو پھر حافظ شیرازی کو عارف کیوں کہتے ہیں، فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے میں نے سورۃ کہف تک دیکھا ہے بہت اعلیٰ حاشیہ ہے وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے، باری تعالیٰ آوارہ لوگوں سے ایسے بلند کام نہیں لیتا، جب انہوں نے تفسیر کشاف کا ہاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چاہئے آپ توبہ کرو استغفار کرو۔ جب رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ [232] رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہوگیا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبند سے دعوت دی گئی، یہ جنوری 1927ء کا واقعہ ہے میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا، زائرین ایک دوسرے پہ گرتے پڑتے تھے، اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہورہا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے گھر کی چھت پر سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیا، فوراً کود کر زمین پر آیا مجمع کو چیرتا ہوا آیا، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں یہ کہا اور ایمان لے آیا، ایسے واقعات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع [233] رحمۃ اللہ علیہ سرگودھے والوں نے بھی سنایا تھا جب آپ لائل پور احقر سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کندیاں والوں کے یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے منجملہ ان کے حاجی قائم الدین [234] لائلپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

☆...... جب حضرت مولانا محمد مونگیری رحمۃ اللہ علیہ (بہار) نے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا مرتضیٰ

حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اجتماع میں حضرت مولانا محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے تھے جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن[۱] جو خود بھی بہت بڑا وِدوان[۲] تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پا آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے وِدوان ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں۔ پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بہاول پور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

☆...... مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کے امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے وہاں کے اہل خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی، اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لا کر تمام مدرسین کی دعوت کی، پر تکلف کھانا کھلایا اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے، مولانا
235 احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب دینے کے لئے طیار ہی بیٹھے تھے۔

---

(۱) پنڈت، ہندوؤں کا عالم

(۲) بڑا عالمِ دین

☆......مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خیر الدین سرسوی [236] رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غوث محمد [237] رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرا دے تو عرض کرسلیک غطفانی کا واقعہ سنتیں جمعہ کی ادا کرنے کا، جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں، فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا درس دوں گا، اور خود ہی تلاوت کروں گا کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے، چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہو گئے مولانا مفتی خلیل [238] صاحب بھی بیٹھے تھے مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف لائے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بخاری شریف شروع کرا دی، اور درس حدیث دیا، علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے ایک سکتہ کا عالم تھا پھر سلیک غطفانی کا واقعہ بھی ذکر فرما دیا کہ علماء کی تسلی ہوگئی۔ مولانا عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے، مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینے سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے افسوس کہ ہم تو دیوبند جانہ سکے دور ہی سے چھینٹے پڑے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا، مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

تفسیر آیات سورۃ نجم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰىۙ‏ ﴿۱﴾ (سورۃ النجم:۱)

ترجمہ: ’’قسم ہے تارے کی جب گرے یعنی غروب ہو۔‘‘

سماویات سے شروع کیا، اس لئے کہ مابعد کا کلام آسمان کی خبر اور اسرا کے متعلق ہے، سَمَاوَاتِ الْعُلٰى تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک یہاں تک کہ فرمایا

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰىۙ‏ ﴿۴﴾ (سورۃ النجم:۴)

ترجمہ: ’’یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا یعنی آپ کی کوئی خواہش نفس کی وجہ سے نہیں بلکہ حکم کی وجہ سے۔‘‘

یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور مُوحی بکسر الحاء کو مبہم رکھا کیوں کہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ ہی میں ہے، اور وحی رسالت ہی میں ہے اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے سے زیادہ ابلغ ہوتا ہے، مثلاً قول ان کا:

مَرَرْتُ بِاَكْرَمِ الْقَوْمِ۔

ترجمہ: ’’میں قوم کے شریف آدمی پر گزرا۔‘‘

پھر فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰىۙ‏ ﴿۵﴾ (سورۃ النجم:۵)

ترجمہ: ’’اس کو سکھلایا سخت قوت والے نے یعنی جس فرشتہ کے ذریعہ وحی آئی وہ بڑی قوت والا ہے۔‘‘

پس منتقل ہوئے معلم کی طرف موحی کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا، موحی اور معلم، پھر اوصاف وہ ذکر کئے جو معلم ہی کے ہو سکتے ہیں، کیوں کہ کلام مکہ والوں

کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبرائیل علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے۔ پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت تکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی، کیونکہ جب کہا جائے کہ...... یَاْتِیْهِ الْمَلَكُ ...... تو جی میں کھٹکتا ہے کہ آنے کی کیا صورت ہے؟ لہٰذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ ''سویٰ'' مبارک ہے ''ذومرة'' ہے اس جیسے سے خیر ہی کا ایناس ہے اور وہ نزدیک ہوتا ہے اور وہ لٹک آتا ہے، لہٰذا اس کے اوصاف ذکر فرما دیئے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذومرة یعنی جمیل المنظر حسن الصورة ہے، جلالت شان والا ہے، اقبح صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل الخلق ہے اور ذی امانت اور مکانت والا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وحی نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے جیسے اس کی نظیر سورة تکویر میں ہے بیان فرمایا کہ وہ علم قدرت والا جمال المنظر ہے یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

قوله: فَتَدَلّٰی

ترجمہ: ''لٹک آیا۔''

اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اپنے مکان سے تجاوز نہیں کیا یہاں تعلق بھی قائم رہا جیسے پھل کی تدلی ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے جیسے: نُوْرٌ عَظِيْمٌ مُنْبَسِطٌ فِي الْجَوِّ ہوتا ہے کہ چھوٹے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظریوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر ہے منفصل نہیں ہوا گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبریل امین علیہ السلام کی بشر کی شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا جیسا کہ سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف چڑھے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۱۰ (سورة النجم: ۱۰)

ترجمہ: ''پس وحی کی اپنے بندے کو جو وحی کی۔''

تو جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دُنُوِّ ربّ محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گرے پس...... سُبْحَانَ رَبِّ الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَةِ ...... کہتے ہی رہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو وحی کرنا تھا وہ کرلیا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پر ملائے ہوئے ہیں۔ (یاقوت اور زبرجد اور لؤلؤ کے) میں نے خیال کیا کہ جبرائیل علیہ السلام کی دو انکھوں کے درمیان کے فاصلہ نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے میں ان کو مختلف صورتوں میں دیکھتا تھا، اور اکثر دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں دیکھا کرتا تھا، اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے۔

قولہ: فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی۔

اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، تفسیر طبری میں ہے...... فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیَّ مَا اَوْحٰی ......اس کے قریب قریب مسلم شریف میں ہے، اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں کیوں کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے، اور رسول تو موحی ہو نہیں سکتا، بلکہ مرسل ہی موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا:

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ ط (سورۃ الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ: ''یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچائے اس کے حکم سے جو چاہے۔''

یہاں بھی متعاطفات (۱) نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے بعض بعض سے ملا ہوا ہے جس کی انتہا الی اللہ ہے، یہ خلاصہ ہے مضمون کا جیسا کہ...... اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ...... میں استیناف ہوا باعادۃ ما استونف عنہ چنانچہ: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○

---

(۱) عطف سے متعلق۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (بتلا ہم کو راہ سیدھی راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا) میں۔

پھر فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ (سورۃ النجم:۱۱)

ترجمہ: ''جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا یعنی اندر دل نے فیصلہ کیا کہ میں نے ٹھیک دیکھا دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔''

اس کو ماقبل سے جدا کر دیا اور عطف نہیں ڈالا کیوں کہ یہ شامل ہے رؤیت باری تعالیٰ کو فؤاد سے اور رؤیت جبرائیل کو علی صورتہ یہ دونوں قبل الاسراء حاصل تھے۔ اور یہ شامل ہے ان تمام اشیاء کو جو لیلۃ الاسراء میں دیکھیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (سورۃ النجم:۱۸)

ترجمہ: ''بے شک دیکھی اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں اور نمونے۔''

اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ط (سورۃ بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ: ''تا کہ دکھلائے اس کو کچھ اپنی قدرت کی نشانیاں اور نمونے۔''

وہاں یہ بھی فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔

(سورۃ بنی اسرائیل:۶۰)

ترجمہ: ''اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنا دیا۔''

سو فتنہ ممارا ۃ ہی کا نام ہے جیسے سورۃ النجم میں فرمایا:

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ (سورۃ النجم:۱۲)

ترجمہ: ''اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا''

پس قولہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَیْ مَا كَذَبَ الفُؤادُ عَبدُنَا مَا رَأَی اَیْ هٰذَا الْعَبْدُ یا تو فواد سے یا آنکھوں سے، اور کذب متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے انکا قول صَدَقْتَ فُلَانًا اَلْحَدِیْثَ وَ كَذَّبْتَهٗ احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے یعنی مَا قَالَ كِذْبًا اَیْ هٰذِهِ الْمَقُوْلَةُ بَلْ قَالَ مَا وَقَعَ بَعْدَ عَیَانًا فِی الْاِسْرَآءِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی رُؤْیَةِ اللهِ تَعَالٰی۔

اور یہاں پر رؤیت فواد کا ہونا اور مابعد میں رؤیت بصر کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک [۱] کا باعث نہیں بلکہ رؤیت امر واحد ہے اور فرق جو آتا ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے، آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رؤیتیں ثابت ہیں، رؤیت اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھا دیا جانا آتا ہے۔

پھر فرمایا...... اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی...... اور نہ کہا...... فِیْمَا یَرٰی...... اس نے دلالت کی کہ یہاں اور رؤیت بھی ہے اس کو سہیلی نے ذکر فرمایا، اور...... عَلٰی مَا یَرٰی ......فرمایا نہ فرمایا...... فِیْمَا یَرٰی...... کیونکہ ان کو نفس رؤیۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصاً مرئی میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فؤاد سے، رواہ طبرانی فی الاوسط، رجالہ رجال الصحیح۔ مسند دارمی میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرح صدر فرمایا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

قَلْبٌ وَكِیْعٌ لَهٗ اُذُنَانِ سَمِیْعَتَانِ وَعَیْنَانِ بَصِیْرَتَانِ۔

ترجمہ: ''یعنی مضبوط دل ہے اس کے کان سننے والے ہیں اور اس

---

(۱) علیحدگی، جدائی۔

کی آنکھیں دیکھنے والی ہیں۔"

پھر فرمایا:

وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰیۙ﴿۱۳﴾ (سورۃ النجم:۱۳)

ترجمہ: "اور اس کو اس نے دیکھا ایک بار پھر۔"

یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے لیکن رؤیت جبرائیل علیہ السلام یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سو اس کے قرب کے باعث ہوئی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

یُطۡلِعُ اللہُ عَلٰی اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ فَیَقُوۡلُ ھَلۡ رَضِیۡتُم؟ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَھٰی۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیدار کروائے گا اور ان سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو۔"

اس کا تعلق رائی سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا کہ طبری نے فرمایا۔ جیسے:

رَأَیۡتُ الۡھِلَالَ مِنَ الۡمَسۡجِدِ۔

ترجمہ: "میں نے چاند مسجد سے دیکھا۔"

قولہ تعالیٰ:

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰیۙ﴿۱۶﴾ (سورۃ النجم:۱۶)

ترجمہ: "اس وقت اس بیری پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔"

یعنی انوار و تجلیات۔ نسائی شریف میں ہے:

ثُمَّ أَتَیۡتُ سِدۡرَۃَ الۡمُنۡتَھٰی فَغَشِیَتۡنِیۡ ضَبَابَۃٌ فَخَرَرۡتُ لَہٗ سَاجِدًا۔

ترجمہ: ''پھر میں سدرۃ المنتہیٰ آیا بادل نے مجھے ڈھانپ لیا تو میں سجدے میں گر گیا۔''

اور یہی ظُلَلٌ مِنَ الْغَمَامِ ہے۔ پھر فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿١٧﴾ (سورۃ النجم:١٧)

ترجمہ: ''پیغمبر کی آنکھ نہ تو چکرائی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔''

اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا، پھر خلاصہ بیان فرمایا:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿١٨﴾ (سورۃ النجم:١٨)

ترجمہ: ''بے شک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے۔''

یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے، حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ میں ہے: رَأَیْتُ نُوْرًا اور نُوْرٌ اَنّٰی اُرَاہُ اس کے معنی ایک ہی ہیں...... أَیْ هُوَ نُوْرٌ مِنْ اَیْنَ رَاَیْتُهٗ ...... اور مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رَأَیْتُ رَبِّیْ ...... پھر مسند کی حدیث میں ہے...... رَأَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ ...... اس کی سند قوی ہے۔

متفرق واقعات

239

☆...... ایک مولانا شریف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کابل کے تھے حضرت رائے پوری شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے ننگے بدن رہتے تھی، فقط تہ بند باندھتے تھے، دارالحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جارہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے، پھر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے پاس لے آئے، دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے، جو ١٣٢٨ھ میں ہوا۔ وہ رائے پور بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں،

مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہو گئے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرما دیا تھا کہ کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحب حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

وہ فرماتے تھے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

ترجمہ: ''جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے، ہمارے زمانے میں بھی دیوبند تشریف لائے تھے، جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے۔

قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

بے آہ سحر گاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالہ پیکانی کہا آنکھوں کو جیسا گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے، ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنارے جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔

فرماتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خدا گاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یعنی جب اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں:

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا ساز دل شکست غم سے ہے نا آشنا
جو سدا مستِ شراب عیش و عشرت ہی رہا
کلفت غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۱ (سورۃ آل عمران:۳۱)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسی واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں روتے تھے، اکثر آنسو بہاتے تھے۔ یہ حالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر دیکھا گیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے، اکثر آنسو بہاتے تھے۔

240

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا تو امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار پڑھے:

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ترجمہ: ''روح کو بدن سے لے گئے لیکن آپ ابھی بھی ہماری جان ہیں۔ درد ہے لیکن درد کے علاج کرنے والے بھی آپ ہیں۔ آپ نے اپنی قیمت دو عالم بتائی ہے۔ اپنی قیمت کو مہنگا کر دے کہ آپ دو عالم جو قیمت اپنی بتائی یہ قیمت آپ نے کم بتائی ہے۔''

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہوگئی، فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی، کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا بس رفیق فرماتے تھے، نہ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

ترجمہ: ''متقی لوگ غصے کو پینے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔''

پر صحیح طور پر عامل تھے۔

☆......حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے بلکہ سکڑ کر سوتے تھے جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کر سکتا ہے۔

241

حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے، ایک اسماء اللہ کا تحقق، ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق، یہ جو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق

(ف) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق مبارکہ بیان فرمایئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنُ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۱)

ترجمہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔''

اسی سے وفورِ علم (۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصوف سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی قرآن پاک تھے، یعنی یہ جو قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ تو علمی قرآن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی قرآن پاک تھے، اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے......

تخلقوا باخلاق اللہ۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا یہ بہت بڑی بات ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط (سورۃ الجمعہ: ۴)

ترجمہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے۔''

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر پر
حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا محظوظ ہونا

☆...... ایک دفعہ غالباً 1954ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ملتان سے لائل پور تشریف لائے، ایک مکان پر ان کی چائے کی دعوت تھی، احقر بھی مدعو

(۱) علم کی زیادتی۔

تھا احقر بھی حاضر ہوا، ملاقات پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں ہونے لگیں میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قہوہ حمد را نسرد انور
دار چینی ز نعت پیغمبر

ترجمہ: ''حمد کا قہوہ اے انور بے مزہ ہے جب تک اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کی دار چینی نہ ہو۔''

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب پھڑک گئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمد رب العالمین پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کہی جائے۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَ آخِرًا، وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

محمد عفا اللہ انوری قادری لائل پوری

۹ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق 9 مارچ 1968ء

مختصر تعارف

قطب الاقطاب عالمِ ربّانی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

(خادم خاص وخلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ ارشد وخلیفہ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ وخلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ)

آپ مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر موضع اوگی میں ۶ صفر ۱۳۱۹ھ بروز ہفتہ بمطابق 1901ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا فتح الدین رشیدی رحمۃ اللہ علیہ امام ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور اجلّہ خلفاء میں سے تھے اسی وجہ سے رشیدی ان کے نام کا جز بن گیا۔ نیز حضرت گنگوہی کی طرح حضرت مولانا فتح الدین رشیدی بھی شرک و بدعات کے خلاف سیف بے نیام تھے،

ردّ بدعات پر آپ کا تحریر کردہ رسالہ عظیمہ بنام ''ختم مرسومۃ الھند'' ہے، جو حضرات علمائے کرام کیلئے سرمایہ گرانمایہ ہے۔آپ نے دارالعلوم دیوبند کے نام اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ وقف کردیا تھا۔ چنانچہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے پاکیزہ ماحول میں آنکھ کھولی جو خالصتاً دینی اور علمی خوشبوؤں سے معطر تھا۔

مولانا فتح الدین رشیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے محمد انوری کی تعلیم وتربیت بڑے استغنا سے فرمائی یعنی جس مدرسے میں بھی داخل کروایا ان کے کھانے کا انتظام ذاتی طور پر کیا۔ مدرسہ پر کبھی بوجھ نہیں بننے دیا فالحمد للہ علی ذلک اور نصیحت

فرمائی کہ دین کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے جو اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔ حضرت انوری نے تاحیات مسجد اور مدرسے سے تنخواہ نہیں لی کیونکہ آپ صاحب ثروت تھے۔

مولانا فتح الدین کے تین بیٹے تھے:

۱۔ مولانا اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مولانا اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ مولانا محمد حنیف جالندھری ہیں، یہ عزیزداری مزید قربت میں یوں بدل گئی کہ مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا سعید الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ کے مولانا محمد حنیف جالندھری داماد بنے)

حضرت مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے لوگوں کو دین کی محنت پر لگایا جن میں حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث خیر المدارس) شامل ہیں۔ جب انہوں نے 1944ء میں مڈل پاس کیا تو مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ہی آپ کو مدرسہ رائے پور گجراں میں داخل کروایا۔

حضرت انوری نے موقوف علیہ تک علوم اسلامیہ کی تعلیم مدرسہ رائپور گجراں میں حاصل کی۔ جون 1920ء میں سالارِ کارواں جہاد آزادی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ یورپ کے جزیرہ مالٹا کی قید سے رہائی پا کر واپس تشریف لائے۔ چونکہ حضرت مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے کے ساتھ والہانہ مراسم تھے جس کی وجہ سے مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیس سالہ جواں بیٹے کو ہمراہ لے کر دیوبند پہنچے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت سے حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف کے چاروں سلاسل میں بیعت کرلیا۔ آپ کو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تحریک جہاد آزادی کے راہنما و رفقاء علماء وغیرہ مہمانوں کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوتا۔ نیز حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اصلاح و تربیت پر خاص توجہ مبذول فرمائی اور اجازت و خلافت سے بھی نواز دیا۔

(چنانچہ مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے) شوال المکرم ۱۳۳۸ھ میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے عظیم استاذ التفسیر والحدیث حضرت شیخ الہند کے تلامذہ کی صف میں بیٹھ گئے، مگر حضرت شیخ الہند کبر سنی اور مسلسل اسفار کے باعث اسباق نہ پڑھا سکے تو آپ کے مایہ ناز شاگرد امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کیا جن میں حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست تھے۔ رجب ۱۳۳۹ھ بمطابق 1921ء میں دورہ حدیث مکمل کیا۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ نے تدریسی، تحریری، تقریری میدانوں میں خوب کام کیا۔ نیز حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم یافتہ بھی تھے آپ نے مولوی فاضل، منشی فاضل کا دو سالہ کورس اورنٹیئل کالج لاہور سے کیا تھا۔ تدریس میں آپ نے دورہ حدیث تک کے اسباق کئی سال پڑھائے اور تحریری سلسلہ میں مختلف موضوعات پر رسائل لکھے اور تقریری سلسلہ میں آپ نے کئی مناظروں میں قادیانی اور شیعہ مبلغوں کو عبرتناک شکست دی۔ عقیدہ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کی تحریک میں جید علماء متکلمین کی صف میں شمار کئے گئے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ گرفتار ہو کر جیل بھی گئے آپ کو قید تنہائی دی گئی جیل کی پہلی رات ہی آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

آپ کا تبحر علمی اور مشائخ حق سے روحانی کسب فیض کی تکمیل ہی تھی کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو خلافت عنایت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیوں کے خلاف مشہور مقدمہ بہاولپور 1932ء میں اپنے خاص معاون کے طور پر آپ کو اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقدمہ بہاولپور کا مختار مقدمہ بنا دیا تو پورا مقدمہ ان کی

قیادت میں طے پایا۔ زہے نصیب۔

اس عظیم استاذ و شیخ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب کے گھرانہ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی بحمد للہ اس خدمت کو تادمِ آخر نبھایا، نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وفات سے حضرت انوری کو بہت صدمہ ہوا تا آنکہ خواب میں بار بار اپنے مرشد علمی و روحانی کی زیارت ہوئی تو آپ نے مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (رحمۃ اللہ علیہ) ہمارے رفیق ہیں آپ ان کی خدمت میں تشریف لے جائیں چنانچہ آپ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ علمی و روحانی نسبتوں کی برکات ظاہر ہوئیں اور آپ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفیہ اعظم قرار پائے۔ قیام پاکستان کے بعد لائل پور (فیصل آباد) میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی تشریف لائے تو انوری مسجد اور مولانا محمد انوری کے گھر حضرت کا قیام ہوتا۔ بعد ازاں اسی گہرے تعلق کی برکت تھی کہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ (ڈھڈیاں شریف سرگودھا) کو حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فرزندی میں لے لیا یعنی مولانا عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بنے۔

یہ رشتہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ہوا اس سے قبل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بنے یہ رشتہ بھی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ہی ہوا تھا۔

1967ء تک مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ ہی پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے محسن خاص اور انتظامی نمائندے تھے۔ اس مادرِ علمی اور مرکز رشد و ہدایت کے معاونین، حضرت مولانا انوری رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے ہی اپنے عطیات دیوبند بھجوایا کرتے تھے۔

اسی خدمت گزاری میں مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کل 69 برس عمر پا کر دار فناء سے دار بقاء کی طرف ۱۳ ذیقعدہ بروز جمعرات ۱۳۸۹ھ بمطابق 22 جنوری 1970ء میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ تھے۔ بیٹوں میں اب صرف ایک بیٹا مولانا مقبول الرحمٰن انوری مدظلہٗ بقید حیات ہے۔

حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے کرام:

۱)...... ابن الانور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

۲)...... حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)

۳)...... حضرت مولانا عبدالوحید رحمۃ اللہ علیہ (ڈھڈیاں شریف)

۴)...... حضرت مولانا عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ (ڈھڈیاں شریف)

۵)...... حضرت مولانا حافظ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ (کمالیہ)

۶)...... حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

۷)...... حضرت مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ (ڈونگا بونگہ)

۸)...... حضرت صوفی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ (قصبہ جلپانہ شاہ پور صدر)

۹)...... حضرت قاری فضل کریم مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل (لاہور)

۱۰)...... حضرت مولانا عبدالعزیز فیض پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۱)...... حضرت مولانا عبدالقادر فیض پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲)...... حضرت مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ فاضل مظاہر العلوم سہارنپور (شاہ پور صدر)

۱۳)...... حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (چک 306 ٹوبہ ٹیک سنگھ)

حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان:

۱)...... مولانا عزیز الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ

۲)...... مولانا سعید الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ

۳)...... مولانا مسعود الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ

۴)...... مولانا مقبول الرحمٰن انوری مدظلہٗ

۵)...... مولانا ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصانیف:

۱)...... سیرت خاتم الانبیاء (اردو)

۲)...... العجالہ (داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ)

۳)...... احادیث الحبیب المتبرکہ

۴)...... اربعین من احادیث النبی الامین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۵)...... الصلوٰۃ یعنی نماز مترجم

۶)...... فضائل مکہ مکرمہ

۷)...... مکتوبات بزرگان

۸)...... ملفوظات حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری (رحمۃ اللہ علیہ)

۹)...... انوار انوری (مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وکمالات کا تذکرہ)

۱۰)...... السنن الآثار لسید الابرار (اردو)

۱۱)...... نطق الانور (علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی (قلمی)

۱۲)...... ترجمہ کتاب، خاتم النبیین (قلمی)

۱۳)...... مکتوبات وملفوظات (قلمی)

۱۴)...... مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قلمی)

۱۵)...... تقلید کیا ہے؟ (قلمی)

۱۶)...... ردقایانیت (قلمی)

۱۷)...... البشارات فی حل الاشارات

۱۸)...... الحج المقبول

۱۹)...... البدور الطالعہ اعنی الشمس البازغۃ

۲۰)...... نفحات الطیب للنبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (عربی)

۲۱)...... حیاتِ انور

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مشائخ و اساتذہ کی قبور مبارکہ کو نور سے بھر دے اور مغفرت کے ساتھ جنت الفردوس میں درجات عالیہ بھی نصیب فرمائے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

محمد راشد انوری ابن حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ

نبیرہ حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ

عکس سندِ فراغت دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

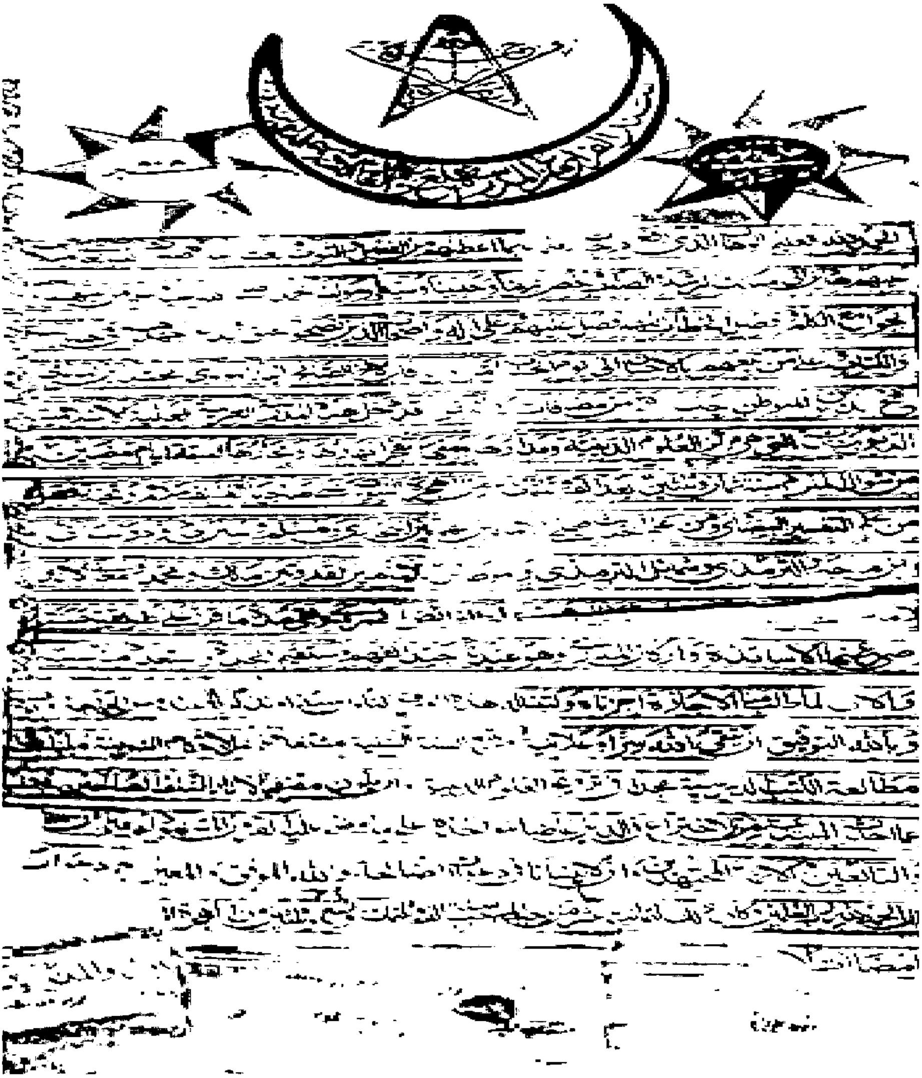

تاریخ دورۂ حدیث رجب ۱۳۳۹ھ بمطابق 1921ء

سند پر جن اساتذہ کرام کے دستخط موجود ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد احمدؒ (ابن حضرت نانوتویؒ) (۲) مولانا سید محمد انور شاہؒ (۳) مولانا اعزاز علیؒ (۴) مفتی عزیز الرحمٰنؒ (۵) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

مختصر تعارف

شخصیات

انوارِ انوری

جامع و مرتّب

ابو حذیفہ عمران فاروق

عرضِ مرتّب

الحمد للہ وحدہٗ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ من لّا نبیّ بعدہٗ

احقر نے کتاب ''انوارِ انوری'' پہلی بار اپنے نانا جان حاجی میاں غلام مصطفےٰ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھی تھی۔ حضرت نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے گہرا تعلق تھا۔ 1997ء میں نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اُن کا علمی ورثہ احقر کو نصیب ہوا جس میں انوار انوری اور حضرت انوری رحمۃ اللہ علیہ کے چند دیگر رسائل بھی شامل تھے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد شدت سے احساس ہوا کہ اگر تخریج وتسہیل کے ساتھ جدید انداز میں شائع ہو جائے تو علماء کے لئے بالخصوص نافع ہوگی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ کا احقر کے ہاں قیام کے دوران ان کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بھرپور تائید فرمائی، مگر عوارض و مصروفیات کی وجہ سے تاخیر ہوتی گئی تا آنکہ کے حضرت کا وصال ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے 2017ء میں حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محترم محمد راشد انوری حفظہ اللہ کی تحریک پر احقر نے کتاب ''حیاتِ انوری'' تالیف کی جو ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ پھر ان ہی کی مشاورت سے ان کے پردادا جان رحمۃ اللہ علیہ، دادا جان رحمۃ اللہ علیہ اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی طباعت کا کام شروع کیا جس میں انوارِ انوری پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس کتاب میں مختلف شخصیات کے واقعات وحوالہ جات مذکور ہیں تو قلبی خواہش ہوئی کہ اگر ان شخصیات کے مختصر حالات مرتب ہو جائیں تو متعلقہ شخصیت کا اجمالی تعارف بھی ہو جائے گا اور قاری کو واقعہ یا مضمون سمجھنے میں آسانی بھی ہوگی۔ اس سلسلہ میں کتب کی ورق گردانی کے ساتھ انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا گیا۔ کچھ شخصیات کے عزیز واقارب سے معلومات حاصل کی گئیں جس میں صاحبزادہ صاحب نے اہم کردار ادا کیا۔ مختصر وقت میں یہ محنت طلب کام اللہ کی توفیق سے مکمل ہوا، پھر بھی کہیں کوئی کمی کوتاہی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں۔

خاکپائے بزرگاں

ابوحذیفہ عمران فاروق بن روشن علی محمود رحمۃ اللہ علیہ

(غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ)

۲۴ شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ بمطابق 30 اپریل 2019ء

(1) حضرت شیخ مسعود نروری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد دو سو سال قبل بغداد سے ہندوستان پہنچے اور مختلف مقامات پر قیام کرنے کے بعد کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا پورا سلسلہ اولیاء اللہ اور کاملین سے سرافراز ہے۔ خصوصاً ''شاہ فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ'' اور ''شاہ مسعود نروری رحمۃ اللہ علیہ'' ہر دو کے مزارات کشمیر میں مرجع خاص و عام ہیں شیخ مسعود نروری رحمۃ اللہ علیہ جن تک حضرت شاہ صاحبؒ نے بیشتر اپنا نسب پہنچایا ہے۔ سری نگر کے ایک دور افتادہ گاؤں نرورہ میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت شاہ کرمان ابو الفیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی جو میر سید کرمانی رئیس الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔

۹۷۶ھ میں شاہِ کرمان نے شیخ مسعود نروری کو ایک خاص تحریر خلافت کے ساتھ کچھ تبرکات عطا فرمائے اور دستاویز خلافت میں لکھا ''یہ تبرکات میرے بزرگوں سے حاصل ہوئے ہیں اور اب میں انھیں شیخ مسعود نروری کے سپرد کرتا ہوں۔'' (نقش دوام ص ۲۷)

(2) مولانا سلیمان شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ سلیمان شاہ بن معظم شاہ بن عبد الکبیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا معظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ ضلع مظفر آباد تحصیل کرناؤ میں پیدا ہوئے۔ یہ وادی کشمیر کے ایک جید عالم اور خانقاہ نشین بزرگ تھے۔ ہزاروں کشمیریوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ سہروردیہ سلسلہ میں مجاز طریقت تھے۔ ایک سو پندرہ سال کی طویل عمر میں وفات پائی اور اپنے نامور وفاضل روزگار بیٹے کے سانحۂ وفات کا دلدوز منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سالہا سال بقیدِ حیات رہے۔ کشمیر میں داعئ اجل کو لبیک کہا اور وَرنو میں مزار پُر انوار ہے۔

(نقش دوام ص ۲۷)

حضرت معظم شاہ صاحب کے سات بیٹے تھے: (1) یٰسین شاہ (2) عبداللہ شاہ (3) محمد انور شاہ (4) سلیمان شاہ (5) نظام الدین شاہ (6) سیف اللہ شاہ (7) محمد شاہ۔ مولانا سلیمان شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۵ صفر ۱۳۶۵ھ بروز جمعرات قبل ظہر اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آبائی وطن وادئ لولاب کشمیر ہے، بارہ مولہ دفن ہیں۔ آپ کے 5 بیٹے ہوئے: (1) احمد سعید (2) عزیز الدین (3) عبد الرشید (4) عبد المجید (5) محمد شاہ۔ (خاندانی روایت)

(3) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ چاند پور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے آپ کے والد حکیم سید بنیاد علی قصبہ چاند پوری کے مشہور طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی ۔آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد محمود مولانا محمود حسن شیخ الہند مولانا ذوالفقار علی اور مولانا منفعت علی شامل تھے۔ دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور وہاں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی فن معقولات سے خاص دلچسپی تھی اس لئے مولانا احمد حسن کی خدمت میں کانپور پہنچے اور وہاں ان سے معقولات کی اعلیٰ کتب پڑھیں فراغت تعلیم کے بعد واپس وطن چاند پور آ گئے اور اپنے والد کے ساتھ مطب میں کام کرنے لگے۔

اسی دوران مولانا منور علی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے در بھنگہ کے قریب ایک مدرسہ ''امدادیہ'' کے نام سے قائم کیا اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اعلیٰ مدرس کی فرمائش کی ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر آپ طبی شغل چھوڑ کر در بھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک بطور صدر مدرس رہے۔ اس دوران میں آپ نے آریہ سماج کے ردّ میں کئی رسائل لکھے اور بابو رام چندر سے مشہور تاریخی مناظرہ کیا۔

1920ء میں حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے واپسی دارالعلوم دیو بند آ جانے کو کہا چنانچہ آپ دارالعلوم دیو بند پہنچے یہاں آپ کو ناظمِ تعلیم بنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ تدریس کا شغل بھی جاری رہا اس دور میں آپ نے ردّ قادیانیت میں بہت سے رسائل تحریر فرمائے جو بہت مقبول ہوئے۔ طبی مشغلہ کے دوران اپنے والد کے ہمراہ حج کیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قرب حاصل ہوا اور ان کی مجالس سے فیضیاب ہوتے رہے بعد فراغت حج آپ کے والد مدنیہ منورہ میں واصلِ بحق ہوئے اس دوران حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بہت تسلی دیتے رہے دوسرے حج کے موقع پر علمی کُتب ہمراہ لائے ، تیسری مرتبہ حضرت شیخ الہند کے ساتھ حج کیا حضرت شیخ الہند کے ساتھ حج کیا حضرت شیخ الہند کے حکم سے واپس وطن آ گئے۔

فراغت تعلیم کے بعد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ

سے بیعت ہوئے اور ان سے تعلیم و تربیت پائی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کیا حضرت شاہ رفیع الدین کے وصال کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث بھی پڑھی بیعت بھی ہوئے، زمانہ قیام کانپور کے دوران مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اپنے اُستاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا پھر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں زندگی گزارنے لگے، ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا سرپرست اور مربی بنایا، وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، آخر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور ''اجازت بیعت'' سے نوازے گئے

31 دسمبر 1951ء کو باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے وصال ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۱۹ھ تا ۱۳۲۲ھ، دوبارہ ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۳۱ھ سہ بارہ ۱۳۳۹ھ تا ۱۳۵۰ھ، آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ (مشاہر علماء دیوبند ج۱ ص ۵۸۳)

(4) حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی غلام محمد، لقب شیخ الجامعہ، شیخ الاسلام، محدث گھوٹوی۔ آپ کا تعلق ''کنگ جٹ'' برادری سے ہے۔ آپ کے ننھیال ''وڑائچ'' قوم سے ہیں۔ سلسلۂ نسب نوشیرواں عادل بادشاہ تک منتہی ہوتا ہے۔ قصبہ گھوٹہ ضلع ملتان میں قیام کی وجہ سے ''گھوٹوی'' معروف ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت ماہ جمادی الاولی/ ۱۳۰۲ھ مطابق جنوری/ 1885ء کو موضع ''گمرالی'' نزد منگووال ضلع گجرات پنجاب، پاکستان میں ہوئی۔

حفظ قرآن، فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں چکوڑی (گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے پڑھیں، پھر قصبہ گھوٹہ (ضلع ملتان) میں سیبویہ زمانہ مولانا حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر قطبی اور میبذی تک کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں مولانا علامہ سید غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موضع تلیری (مظفر گڑھ) حاضر ہوئے اور اکتساب علوم کیا، پھر بمقام چکی (مضافات کیمل پور) مولانا علامہ محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔

مولانا محمد زمان کو ان کی قابلیت کا پتہ چلا تو نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ انہیں قرب خاص سے نوازا۔ وہاں کچھ عرصہ استفادہ کرنے کے بعد جامعہ نعمانیہ لاہور چلے آئے اور مولانا علامہ غلام احمد حافظ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر علامہ زمن مولانا احمد حسن

کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر فنون عالیہ کا درس لیا، ڈیڑھ سال بعد جب ان کا وصال ہو گیا تو آپ مدرسہ عالیہ رامپور میں مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوئے اور کسبِ فیض کیا۔ طب اور صحاح کا درس حضرت مولانا وزیر حسن رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ درس وتدریس سے قلبی لگاؤ تھا۔ تمام فنون کی کتب کا درس جاری رہتا۔

جب 1911ء کو دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اس دوران آپ کے نصیب جاگے، اپنے شیخ کی معیت میں زیارتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ دربارِ رسالت سے آپ کو ''خدمتِ حدیث'' پر مامور کیا جاتا ہے۔ پھر بقیہ تمام زندگی خدمتِ حدیث میں گزاری۔

(حیات شیخ الاسلام محدث گھوٹوی، ص 40)

آپ مذاہبِ باطلہ کے خلاف بالعموم اور قادیانیوں کے خلاف بالخصوص ساری زندگی معرکہ آراء رہے۔ مقدمہ بہاولپور اس کی زندہ مثال ہے۔ انتقال بروز پیر ۲۷/ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ، مطابق 8/ مارچ 1948ء کو ہوا۔ آپ کا مزار نور محل کے قریب قبرستان ملوک شاہ، بہاولپور میں مرجعِ خلائق ہے۔ (ضیاء طیبہ)

(5) حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک وہند کے معروف ومقبول شاعر اور قیام پاکستان کے داعی علامہ محمد اقبال مرحوم ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ/ 9 نومبر 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام نور محمد اور دادا کا محمد رفیق تھا۔ علامہ اقبال مرحوم نے مختلف کالجز اور یونیورسٹیز میں تعلیم حاصل کر کے، 1908ء میں لاہور چیف کورٹ میں وکالت شروع کی جس کا سلسلہ 1934ء تک جاری رہا، 1922ء میں حکومت برطانیہ نے ادبی خدمات کے صلہ میں سر کا خطاب دیا۔

علامہ اقبال کا اکابر علماء دیوبند سے گہرا تعلق تھا خصوصاً حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ بھی کیا تھا اور اُنہی کی ہدایت پر مرزائیت کے خلاف ''اسلام اور احمدیت'' نامی رسالہ لکھا تھا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر فقہ اسلامی کو جدید خطوط پر استوار کریں لیکن اس کا موقع نہ مل سکا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر علماء دیوبند سے تعلق پر قاضی

افضل حق قریشی صاحب نے ''اقبال کے ممدوح علماء'' کے نام سے ایک تفصیلی کتاب تحریر فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے، ۲۰ صفر المظفر ۱۳۵۷ھ/21اپریل 1938ء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں وفات ہوئی اور بادشاہی مسجد کے صدر دروازہ کے باہر بائیں جانب تدفین ہوئی۔

(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۷۰)

(6) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللہ مرقدہ کا آبائی وطن موضع اللہ داد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے، آپ کے والدِ محترم سید حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بسلسلۂ ملازمت ضلع اُنّاؤ کے ایک قصبے بانگرمئو میں مقیم تھے، یہیں ۱۹ شوال المکرّم ۱۲۹۶ھ/ 1879ء پیر اور منگل کی درمیانی شب میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی، تاریخی نام ''چراغ محمد'' رکھا گیا جس سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے۔

بچپن ہی میں والد محترم کے ساتھ آبائی وطن اللہ داد پور چلے آئے، ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں حاصل کی، اِس کے بعد مڈل سکول میں داخل ہوئے، آپ کی عمر مبارک ۱۲ برس کی ہوئی تو آپ کو اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں حصولِ تعلیم کے لئے دیوبند بھیج دیا گیا، جہاں آپ کے دو بڑے بھائی مولانا سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے زیر تعلیم تھے، یہاں آپ کی تعلیم علماء صلحاء اور اولیاء اللہ کے مجمع میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں شروع ہوئی۔ آپ اَوائل ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۵ھ تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے خاص شفقت و عنایت سے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی، بہت سی متوسط اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں بہ نفسِ نفیس خود پڑھائیں، ۱۳۱۵ھ/ 1898ء میں دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کی۔

سات سال کے بعد جب وطنِ مالوف تشریف لے گئے تو والد ماجد شوقِ ہجرت میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رختِ سفر باندھ چکے تھے، آپ بھی والدین کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ روانگی حجاز سے قبل آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے تھے، مکہ مکرمہ میں پیرومرشد کی ہدایت کے بموجب کچھ عرصہ تک سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا، بعدازاں والد ماجد کے ساتھ مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے، ہر چند

آپ نے ہندوستان سے ہجرت کا قصد نہیں فرمایا تھا تاہم والد صاحب کی حیات تک ہندوستان واپس آنا پسند نہیں کیا۔ قیامِ مدینہ منورہ کے زمانہ میں تقریباً اٹھارہ برس (۱۳۱۷ھ/ 1899ء تا ۱۳۳۵ھ/ 1917ء) درس حدیث کی خدمت تنگی اور عُسرت کے باوجود توکلاً علی اللہ انجام دی، عموماً روزانہ ۱۲۔۱۲ گھنٹے تک درست وتدریس کا مشغلہ جاری رہتا تھا۔

۱۳۳۵ھ/ 1917ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حجاز تشریف لے گئے۔ انہی دنوں شریف حسین ترکوں سے بغاوت کر کے انگریزوں سے مل گیا۔ اُس نے آپ کو آپ کے رفقاء سمیت انگریزوں کے ایماء پر گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے اپنے اُستاد کی خدمت کے جذبہ سے از خود گرفتاری پیش کر دی، ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ/ 14 جنوری 1917ء میں آپ کو سرزمینِ حرم سے مالٹا روانہ کیا گیا۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ/ 8 جون 1920ء کو تین سال اور سات ماہ قید کے بعد بمبئی پہنچا کر رہا کیا گیا۔ مالٹا سے رہائی ہوئی تو آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے۔ مالٹا سے واپسی کا زمانہ تحریک خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا۔ آپ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ملک کی سیاست میں شریک ہو گئے۔

آپ عرصہ دراز تک جمعیت علماءِ ہند کے صدر رہے، ۱۳۴۶ھ/ 1928ء میں جب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دار العلوم میں صدر مدرس بنے تو آپ کے زمانۂ صدارت میں طلباء کی تعداد میں دوگنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ تقریباً پونے دو سو حضرات آپ سے احسان وسلوک کی تعلیم مکمل کر کے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ/ 5 دسمبر 1957ء بروز جمعرات آپ کا انتقال ہوا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خطۂ صالحین قبرستانِ قاسمی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

اپنے پیچھے کس قدر چھوٹی بڑی کتابیں اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گئے:

(۱) نقش حیات (خودنوشت سوانح حیات)۔ (۲) مکتوبات شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ چار جلد (۵۸۲ مکتوبات کا عظیم ذخیرہ)۔ (۳) سفر نامہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔ (۴) الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب (احمد رضا خان صاحب کے اکابر علماءِ دیوبند پر الزامات کا جواب)۔ (۵) تعلیمی ہند (یہ کتاب

اُردو۔عربی دونوں زبانوں میں شائع ہوئی)۔(۶) متحدہ قومیت اور اسلام۔(۷) مودودی دستور و عقائد کی حقیقت۔(۸) سلاسلِ طیبہ۔(۹) الخلیفۃ المھدی فی الاحادیث الصحیحۃ (یہ رسالہ عربی میں ہے لیکن اب اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔(۱۰) کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند کی سیاسی پوزیشن پر ایک تفصیلی مطالعہ۔(۱۱) مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کُش سیاسی غلطیاں۔(۱۲) پاکستان کیا ہے؟ (۱۳) مسٹر محمد علی جناح کا پراَسرار معمہ اور اس کی حقیقت۔(۱۴) اظہارِ حقیقت۔(۱۵) دعوت عزم وعمل مشکلات کا حل اور شاہراہ کامیابی۔ ولادت باسعادت سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد کس طرح منائی جائے۔(۱۶) معراج جسمانی اور سائنس و فلسفہ نقلی و عقلی دلائل و براہین۔(۱۷) فتاوٰی شیخ الاسلام ایک جلد۔(یہ فتاوٰی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ حضرت مفتی سلمان صاحب زید مجدہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف تحریرات سے جمع کر کے شائع کئے ہیں)۔(۱۸) مکتوبات شیخ الاسلام ایک جلد (مکتوبات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی سے سلوک وطریقت کے مکاتیب کا انتخاب)۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تقراری اور مواعظ بھی مختلف بزرگوں نے منضبط کر کے شائع کئے تھے۔ جو تقاریر و مواعظ ناچیز کو طبع شدہ دریافت ہو سکے اُن کے نام درج ذیل ہیں:
(۱) ذکر (آسام میں کی گئی تقریر)۔(۲) سلوک وطریقت کے جواہر پارے۔ احسان وتصوف کی تفسیر۔(۳) استغفار اور ذکر۔(۴) احسان وتصوف (مدارس میں کی گئی ایک اہم تقریر۔(۵) عشق حقیقی کا ایک جام۔ (۶) نزول الرب کی حقیقت جمع کردہ مولانا نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ۔(۷) انعامات خداوندی اور فرائض انسان۔(۸) عید، مستحبات عید اور تعلیم دین کا تذکرہ۔(۹) 1947ء کے قیامت خیز ہنگامہ اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی تقریر۔(۱۱) تکبر اور فساد۔(۱۲) دعوت الی اللہ۔(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۶۳)

(7) حضرت مولانا سیّد محمد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام انیس الحسن اور کنیت ابونجیب تھی بعد میں رنگون کے ایک تاجر سلیمان کے نام سے متاثر ہو کر آپ کے اہلِ خانہ نے آپ کا نام سلیمان رکھا، آپ ددھیال کی طرف سے حسینی اور ننھیال کی طرف سے زیدی حسینی سادات میں سے ہیں۔ آپ ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ/ 22 نومبر 1884ء بروز جمعہ صبح کے وقت صوبۂ بہار کے ضلع پٹنہ میں مقام دیسنہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد

ماجد مولانا حکیم ابوالحسن صاحب ایک ممتاز عالم، بہترین طبیب اور سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ کامل تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ مولانا ابوحبیب مجددی سے حاصل کی، 1899ء میں پھلواری شریف ضلع پٹنہ بھیج دیئے گئے یہاں ایک برس میں مولانا محی الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ 1901ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور 1906ء میں سندِ فراغت حاصل کی، ندوہ میں آپ کو علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش تربیت میسر آئی۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی جلدیں لکھ کر ایک بہت بڑا فریضہ سرانجام دے دیا۔

علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوراً ہی ''الندوہ'' جیسے بلند پایہ علمی ماہنامہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے، 1914ء میں علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ ہی کو اُن کا جانشین بنایا گیا۔ اس کے بعد آپ اعظم گڑھ تشریف لائے اور دارالمصنفین کا قیام عمل میں آیا اور آپ کی علمی شہرت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔

اگست 1938ء میں آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو 22۔ اکتوبر 1942ء میں سلاسلِ اربعہ میں خلافت واجازت مرحمت فرمائی۔ قیام پاکستان کے بعد 1950ء میں آپ کراچی تشریف لے آئے، ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ/ 22 نومبر 1953ء بروز اتوار آپ کا انتقال ہوا، اسلامیہ کالج کے احاطہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی قبر کے برابر میں تدفین ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں چند ایک کے نام درج ذیل ہیں: (۱) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۳) خطبات مدراس (۴) تاریخ ارض القرآن (۵) عرب و ہند کے تعلقات (۶) خیام (۷) حیات شبلی رحمۃ اللہ علیہ۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۱۱)

(8) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے علّاتی بھائی، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور مرید تھے، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ/ 1888ء میں بجنور میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد محترم

ان دنوں ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات کے عہدہ پر سرفراز تھے، سات سال کی عمر میں درجۂ قرآن مجید میں داخل ہوئے، دارالعلوم کے اساتذہ سے ۱۳۲۵ھ/ 1907ء میں علوم کی تکمیل کی، فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں صدر مدرس مقرر ہوئے وہاں سے ۱۳۲۸ھ/ 1901ء میں آپ کو دارالعلوم بلالیا گیا یہاں عرصہ تک درجۂ علیاء کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درس صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ ۱۳۴۶ھ/ 1928ء میں دارالعلوم سے بعض اختلافات کے سبب حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/ 1933ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۱۳۵۴ھ/ 1935ء میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے اکابر کے ارشاد پر دارالعلوم تشریف لے آئے اور ۱۳۶۲ھ/ 1944ء تک بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم کی خدمات انجام دیتے رہے اس دوران میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق قائم رہا۔

آپ کی تحریر اور تقریر عوام وخواص دونوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن، حجابِ شرعی اور الشہاب لرجم الخاطف المرتاب وغیرہ آپ کی معرکہ آراء تصانیف ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن مجید پر علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ علم حدیث میں آپ کی گراں قدر عربی تصنیف ''فتح الملہم''، حنفی نقطہ نظر سے صحیح مسلم کی پہلی شرح ہے۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ خلافت کمیٹی کے ایک اہم رکن رہے۔ ۱۳۳۳ھ/ 1914ء میں جنگ بلقان کی زمانے میں آپ نے ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ آپ سالہا سال تک جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ اختلاف پیش آیا اور آپ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، ۱۳۶۵ھ/ 1946ء میں جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب کئے گئے، تقسیمِ ہند سے قبل رمضان ۱۳۶۶ھ/ اگست 1947ء میں آپ پاکستان تشریف لے ائے اور کراچی میں مقیم ہوگئے، پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی رکن اور دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور جو ایک قدیم دینی درسگاہ ہے اس کا انتظامی اور تعلیمی نظام کے لئے بہاولپور تشریف لے گئے۔ وزارتِ تعلیم سے ابھی گفتگو شروع ہی ہوئی تھی کہ اچانک ۲۱ صفر

۱۳۶۹ھ/ 13 دسمبر 1949ء کو چند گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد داعیِ اجل کو لبیک کہا، جنازہ بہاولپور سے کراچی لے جایا گیا اور اسلامیہ کالج جمشید روڈ کے احاطہ میں تدفین ہوئی۔

(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۱۳)

(9) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد ہیں آپ ہی کی نسبت کہا گیا ہے کہ جس نے سب سے پہلے یہاں اُستاذ کے سامنے کتاب کھولی وہ محمود تھا، آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ/ 1851ء میں بریلی میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے مشہور عالم چچا مولانا مہتاب علی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ آپ اس میں داخل ہوگئے نصابِ دارالعلوم کی تکمیل کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔ فنون کی بعض اعلیٰ کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ/ 1874ء میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی اور اسی سال مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا جس سے بتدریج ترقی پا کر ۱۳۰۸ھ/ 1890ء میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ظاہری علم وفضل کی طرح باطن بھی آراستہ تھا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے برطانوی حکومت کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے ایک اسکیم تیار کی، یہ ۱۳۳۰ھ/ 1913ء کا زمانہ تھا، جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی۔ مجوزہ پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت سرگرمی اور جاں بازی کے ساتھ کوشش کی، شاگردوں میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بہت سے تلامذہ اس میں شامل تھے، اس کے لئے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے، ان چیزوں کی فراہمی کے لئے افغانستان اور ترکی کا انتخاب کیا گیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجوزہ اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے پیرانہ سالی کے باوجود ۱۳۳۳ھ/ 1915 میں حجاز کا سفر فرمایا، اچانک جنگِ عظیم کے دوران میں شریف حسین والیِ مکہ نے انگریز حکام کے ایماء پر آپ کو گرفتار کر کے اُن کے حوالہ کر دیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے

ساتھ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ، حکیم نصرت حسین رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا وحید احمد رحمۃ اللہ علیہ، کی گرفتاری بھی عمل میں آئی، آپ کو پہلے مصر اور پھر وہاں سے مالٹا لے جایا گیا، جنگ کے ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ/ 1920ء کو آپ نے ساحلِ بمبئی پر قدم رنجہ فرمایا، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ 30 نومبر 1920ء کی صبح داعئ اجل کو لبیک کہا، جنازہ دیوبند لایا گیا اور اگلے روز حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبرِ مبارک کے قریب تدفین ہوئی۔

کچھ تصانیف آپ کی یادگار ہیں جن کے نام اور مختصر تعارف ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں: (۱) ترجمہ قرآنِ کریم مع فوائد موضح فرقان: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اَسارتِ مالٹا کے دوران پورے قرآن کریم کا ترجمہ لکھا پھر حاشیہ پر اس کے فوائد لکھنے شروع کئے۔ ابھی آپ سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک لکھ پائے تھے کہ رہائی کا پروانہ آ گیا، رہائی کے بعد بہت جلد آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۲) الابواب والتراجم: بخاری شریف کے تراجمِ اَبواب کے مقاصد کی اُردو میں تشریح وتوضیح۔ (۳) اَدِلّہ کامِلہ: اس کا دوسرا نام اظہار الحق ہے، یہ مختصر رسالہ غیر مقلدین کی جماعت کے سرخیل مولانا محمد حسین بٹالوی کے دس سوال پر مشتمل اشتہار کا جواب ہے۔ (۴) اِیضَاحُ الاَدِلَّہ: اَدلہ کاملہ کا جواب ''مصباح الادلہ لدفع الادلۃ الاذلۃ'' کا جواب لکھا اور ایسا لکھا کہ غیر مقلدین آج تک اس کا جواب نہیں لکھ سکے۔ (۵) افاداتِ محمود: اس کا دوسرا نام ''مقالات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ'' ہے، اس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دو مقالوں کو جمع کیا گیا ہے۔ (۶) کلیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے جسے آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کر کے شائع کیا تھا۔ (۷) حاشیہ مختصر المعانی: مختصر المعانی کا یہ حاشیہ معروف ومتداول ہے۔ (۸)۔ تصحیح ابی داؤد: ابوداؤد شریف مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر عبارت کی تصحیح اور کتابت کی اَغلاط درست فرمائیں۔ آپ کی اِنہی کوششوں کی بدولت ابوداؤد شریف کا ایک صحیح ترین نسخہ وجود میں آ گیا۔ (۹) الفیض الجاری بشرح صحیح البخاری (عربی): یہ آپ کی بخاری شریف کی درسی تقریر ہے۔ (۱۰) النور الساری علی صحیح البخاری: یہ بھی بخاری شریف کی درسی تقریر ہے۔ (۱۱) الورد الشذی علی جامع الترمذی (اُردو): یہ ترمذی شریف کی درسی تقریر ہے۔ (۱۲) تقاریر ترمذی و ابوداؤد (اُردو): یہ ترمذی وابوداؤد شریف کی درسی تقاریر ہیں۔ (بیا بہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۷۸)

(10) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۶۹ھ یکم دسمبر 1852ء کو انبیٹھ (انبیٹھ ضلع سہارنپور کا ایک قدیم اور تاریخی قصبہ ہے جو سہارنپور سے ۱۴ میل کے فاصلے پر جنوب میں ہے) ضلع سہارنپور میں علی بن شاہ احمد علی کے گھر پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر منتہیٰ ہوتا ہے۔

پانچ سال کی عمر میں آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحب نے آپ کو بسم اللہ خود ہی شروع کرائی۔ اس کے بعد قصبہ کے ایک مکتب میں قرآن مجید پڑھا۔ ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے قصبہ انبیٹھ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پائی۔ اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کے ہمراہ گوالیار بھی گئے چند کتابیں ان سے بھی پڑھیں پھر انبیٹھ واپس آ کر مولانا سخاوت علی صاحب سے کافیہ تک کی کتابیں پڑھیں۔

۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تو آپ وہاں چلے گئے اور کافیہ کی جماعت میں شریک ہوئے چند ماہ بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں آ کر مختصر المعانی والی جماعت میں داخلہ لے لیا اور باقی کتب (مع دورۂ حدیث) مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں پڑھیں۔ ۱۲۸۸ھ/ 1871ء کو انیس سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کی۔ صحاح کی اکثر کتب آپ نے اپنے حقیقی ماموں مولانا محمد مظہر صاحب مدرس اوّل مظاہر العلوم سے پڑھیں (دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مظاہر العلوم کے مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں آپ کے حقیقی ماموں اور استاد ہیں)۔

ان کے علاوہ آپ کو شیخ احمد زحلان المہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید احمد البرزنجی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالقیوم بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازتِ حدیث حاصل تھی۔ فراغت کے فوراً بعد مظاہر العلوم میں بطور معین مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ میں مظاہر العلوم میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔

ابتداء سے لے کر صحاح ستہ تک کتب آپ کے زیرِ درس رہیں۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر العلوم کے سرپرست بنا دیئے گئے۔ کامل ۳۱ سال تک مظاہر العلوم میں یکسوئی کے ساتھ گزار کر علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کر کے ۱۳۴۴ھ میں ساتویں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریباً دو سال وہاں قیام فرما کر ۱۵ ربیع الاخر ۱۳۴۶ھ چہار شنبہ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور ''جنت

البقیع'' میں دفن کئے گئے۔

آپ نے قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کر کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے خلیفہ ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ کو ۱۲۹۷ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلافت عطا فرمائی اور پھر آپ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، آپ کے خلفاء میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (تبلیغی جماعت)، مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم، حافظ قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ امام مسجد سہارنپور، مولانا عبداللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب الکمال الشیم) حاجی محمد حسین حبشی رحمۃ اللہ علیہ (مکہ معظّمہ)، حاجی فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (غازی آباد)، مولانا حافظ فیض الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مقیم (کانپور) اور مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

تصنیفی خدمات: (۱) ''ہدایات الرشید الی افحام العنید'' روافض کے رد میں ایک عجیب کتاب ہے۔ (۲) ''مطرقۃ الکرامتہ علی مراۃ الامہ، یہ بھی روافض کے رد میں ہے۔ (۳) ''تنشیط الآذان فی تحقیق محل آذان'' خطبہ جمعہ کی آذان فی المسجد کے جواز کو منقح کیا گیا ہے۔ (۴) ''المھند علی المفند'' اس کتاب کا معروف نام تصدیقات لِدَفع التلبیسات ہے۔ بریلویت کے رَدّ میں ہے۔ (۵) براہین قاطعہ علی ظلام الانوار الساطعۃ یہ کتاب مشہور مولوی عبدالسمیع رامپوری کی ''انوار ساطعہ'' کا علمی جواب ہے۔ (۶) ''اتمام النعم'' (عبرت و موعظت سے بھرپور) یہ ''تبویت الحکم'' کا اردو ترجمہ ہے جو آپ نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کیا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ کتاب سالکین کی تربیت کے لئے مخصوص اہمیت رکھتی ہے۔ فن تصوف کی یہ اہم کتاب حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے۔ (۷) ''بذل المجھود فی شرح سنن ابی داؤد'' (عربی) فنِ حدیث کی پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی تالیف میں آپ کے دس سال صرف ہوئے یہ ابوداؤد کی عربی شرح ہے۔

آپ کا نکاح شاہ عبدالرحمٰن بن شاہ حبیب اللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر سے ہوا۔ ان سے ۱۲۹۰ھ میں صاحبزادہ ابراہیم اور ۱۲۹۳ھ میں صاحبزادی منیر النساء اور ۱۲۹۵ھ میں ایک اور صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ اس ولادت میں ماں اور بیٹی دونوں عالم آخرت کو سدھار گئیں۔ دوسرا عقد ۱۲۹۷ھ میں حاجی نظام الدین انبیٹھوی کی بیوہ صاحبزادی محترمہ منیر النساء سے ہوا، یہ آپ کے

ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور آپ کے وصال کے بعد بھی زندہ رہیں۔

ممتاز ترین تلامذہ: (۱) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۲) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۳) مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (۴) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۵) مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۶) مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ (۷) مولانا محمد زکریا قدوسی (۸) مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی (۹) مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) مولوی روشن دین بہاولپوری (۱۱) مولوی محمد دین کشمیری (۱۲) مولوی غلام الرحمٰن تبتی وغیرہم۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ کا سلسلۂ نصب چند پشت پر حضرت امامِ ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) قدس سرہٗ سے ملتا ہے اور نیز ایک سلسلہ سید شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے۔''

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں فرمایا کہ ''جو میں ہوں وہ مولوی خلیل احمد''۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۶۷)

(11) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ 1863ء بروز بدھ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تاریخی نام ''کرمِ عظیم'' ہے، آپ ددھیال کی طرف سے فاروقی اور ننھیال کی طرف سے علوی تھے، قرآن پاک حافظ حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو دارالعلوم دیوبند کے اولین قراء میں سے تھے، ۱۲۹۵ھ/ 1878ء کے اواخر میں تکمیل علوم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، تجوید وقراءت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کی، ۱۳۰۱ھ میں اولاً مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے پھر مدرسہ جامع العلوم کان پور کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی، کان پور میں آپ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلباء کھنچے چلے آتے تھے ۱۳۱۵ھ/ 1897ء میں ملازمت ترک کر کے خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں متوکلاً علی اللہ قیام فرمایا، جہاں تا دمِ واپسیں 47 سال تک تبلیغِ دین، تزکیۂ نفس اور تصنیف وتالیف جیسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اِس دور

کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔

دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ کی تصانیف موجود نہ ہوں۔آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے اِن کے علاوہ تین سو سے زائد وہ مواعظ ہیں جو چھپ چکے ہیں، تیس جلدوں میں آپ کے ملفوظات مرتب ہوئے ہیں جو ملتان سے شائع ہو چکے ہیں۔ برصغیر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کے کم گھر ایسے ہوں گے جہاں آپ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو، اِن میں بہشتی زیور کی مقبولیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ نے اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسے کا فائدہ حاصل نہیں کیا، تمام کتابوں کے حقوقِ طبع عام تھے جس کا جی چاہے اُنہیں چھاپ سکتا تھا، آپ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز وخلیفہ تھے، آپ کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے، حکیم الامت کے لقب سے آپ کی شہرت ہے، ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ/ 19۔20 جولائی 1943ء کی درمیانی شب میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے وقف کردہ قطعہ میں تدفین ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ ورحمۃ واسعۃ۔ایک باغ میں کچی قبر ہے اور اس پر کتبہ بھی نہیں ہے۔(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۷۲)

(12) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۷۵ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ظفر الدین تھا۔عثمانی شیوخ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔مولانا فضل الرحمٰن کے بڑے صاحبزادے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں کہ تعلیم وتربیت آپ کی اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی ہے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیشتر کتابیں پڑھیں۔۱۲۹۸ھ میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے، اس کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور بغرض تدریس تشریف لے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک آپ وہاں بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار مدرس رہے، ۱۳۰۹ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنایا گیا اور ۱۳۱۰ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مستقل مفتی بنا دیا گیا۔مفتی اعظم کا پندرہ سالہ فتاویٰ کا ریکارڈ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران آپ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی مجموعی تعداد ۴۲۵۱۹ ہے جو ۲۷۵۶۱ خطوط کی صورت

میں روانہ کئے گئے۔

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ/ دسمبر 1928ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں دفن ہوئے۔حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم اور جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحب استاذ تجوید دارالعلوم آپ کے صاحبزادگان ہیں۔حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ مہتمم اوّل دارالعلوم سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔آپ نے مولانا مملوک علی صاحب اور مولانا فضلِ رحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر و باطن کا فیض اٹھایا تھا۔(مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۳۵۸)

(13) حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ،حضور سید العارفین رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔منہ بولے بھائی تھے۔ایک دوسرے کو ”اڈا (بھائی) کہہ کر پکارتے تھے۔ایک بڑی مدت دونوں مرشد حضور مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک ساتھ رہے تھے۔بعد میں بھی یہ تعلق قائم رہا، بلکہ بڑھتا چلا گیا۔

آپ گوٹھ دیوانی (ضلع خیر پور میرس‘ سندھ) کے ایک مشہور سید گھرانے میں پیدا ہوئے والد محترم سید عبدالقادر شاہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔سن ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ایک اندازہ کے مطابق آپ کی ولادت غالباً 1759ء میں ہوئی ہوگی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔اور پھر مولانا عبدالقادر پھنواری رحمۃ اللہ علیہ پنو عاقل ضلع سکھر کے پاس چلے گئے۔وہاں ان سے تمام ظاہری علوم کی تکمیل کی۔شرعی وعصری تعلیم سے فارغ ہوکر باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو خوش قسمتی سے حضور سید العارفین کی صحبت بابرکت میں پہنچ گئے۔خرقۂ خلافت لینے کے بعد آپ نے حضور مرشد سید العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے امروٹ شریف۔علاقہ گڑھی یاسین میں مستقل قیام فرما کر خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔”پریت ناموں“ اور سورۃ یٰسٓ کا منظوم سندھی ترجمہ کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ بھی کیا تھا۔

سندھ میں انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے،مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے بھرچونڈی شریف میں تعلق ہوا۔اور حضور مرشد کے وصال کے بعد آپ نے ہی ان کی سرپرستی فرمائی۔

ان کی شادی بھی آپ نے ہی کرائی تھی۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مدت تک اپنے پاس ٹھہرایا اور اکٹھے سیاسی اور علمی کام کرتے رہے۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق استوار ہوا آپ دو دفعہ دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ پہلی دفعہ حضرت دین پوری بھی ہمراہ تھے اور یہ دیوبند کے پچاسویں دستار بندی کے جلسہ کا موقع تھا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں شریک ہوئے تو دیوبند ہی میں قیام کا ارادہ فرما لیا۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ دوسری دفعہ اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہند کے ہاں گئے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ٹوپی بھیجی جس پر ''تاج محمد'' کے لفظ کڑھے ہوئے تھے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی رومال میں کام کیا۔ آپ نے 1915ء میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو افغانستان پہنچانے میں بڑی امداد کی۔ امروٹ شریف اس زمانے میں اس تحریک کا زبردست مرکز تھا اور جہاد آزادی کے لئے وہاں مکمل تیاری تھی آپ کے پاس بھی ریشمی خط آیا تھا افشائے راز کے بعد آپ کو بھی گرفتار کر کے کراچی لے گئے مگر کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو کمشنر کراچی کی کوٹھی پر نظر بند رکھا گیا تھا۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت میں بھی آپ نے زبردست کام کیا تھا اور خود بھی ہجرت کی تھی مگر افغان حکومت کی منافقانہ پالیسی سے بددل ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ آپ جمعیۃ العلمائے ہند میں باقاعدہ شامل ہو کر تاعمر سیاسی کام کرتے رہے۔ انگریز دشمنی اور جذبہ جہاد کے بعد تبلیغ دین (غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت) آپ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ مشہور ہے کہ آپ کے دست حق پرست پر سات ہزار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ آپ جلالی شان کے بزرگ تھے۔

انگریزوں نے کسی شقی القلب کے ہاتھوں آپ کو زہر دلا دی تھی جس کے اثر سے آپ کے تمام جسم مبارک پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور خارش کی تکلیف رہنے لگی۔ آخر زہر کے اسی اثر سے 5 نومبر 1929ء کی درمیانی شب (ایک بجے رات) مطابق ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ (۱۳۴۸ء) کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنّا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی، ایک بچہ حسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ عین عنفوان شباب میں فوت ہو گیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے میاں نظام الدین شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد

اب ان کے فرزند حضرت سید محمد شاہ مدظلہ العالی جماعت کی روحانی تربیت فرماتے ہیں۔ مخلص و با خدا جوان ہیں۔ آپ کا سیاسی تعلق بھی جمعیۃ علماء اسلام سے ہے۔ صوبہ سندھ میں آپ اس کے امیر ہیں۔ حضرت امروٹی کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ۔ (۲) حضرت مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ (بائی جی شریف)۔ (۳) حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (تھریچائی شریف)۔ (۴) حضرت مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ہالیجی شریف)، (ماخوذ ید بیضاء)۔ (تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۲۸۵)

(14) حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ ۱۲۷۹ھ/ 1863ء کو ''نانوتہ'' میں پیدا ہوئے۔ قصبہ رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور کے جیّد حافظ نور محمد صاحب سے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر والد صاحب نے مدرسہ اسلامیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں ابتدائی تعلیم کی غرض سے بھیج دیا، وہاں آپ مولانا عبداللہ انبیٹھوی سے پڑھتے رہے، پھر ''مدرسہ شاہی'' مراد آباد میں داخلہ لیا یہاں اپنے والد کے نامور شاگرد مولانا احمد حسن امروہی محدث رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ پھر والد صاحب نے خود تعلیم دینے کے لئے دیوبند بلالیا، تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا، بقیہ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پوری کی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے معقول وادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی شریف کے چند سبق پڑھے۔

دورۂ حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ ۱۳۰۳ھ/ 1886ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ ۱۳۱۳ھ/ 1896ء میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے دارالعلوم کا اہتمام آپ کے سپرد کیا گیا۔

برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو ''شمس العلماء کا خطاب دیا گیا مگر دارالعلوم کے حریت پسندانہ مسلک کی بناء پر آپ نے حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا چنانچہ خطاب واپس کردیا گیا۔ نظامِ دکن کی درخواست پر آپ وہاں ''مفتی اعظم'' کے منصب پر فائز ہوئے، حکومتِ آصفیہ کے اس سب سے بڑے دینی منصب پر آپ ۱۳۴۱ھ/ 1923ء سے ۱۳۴۴ھ/

1926ء تک فائز رہے۔

پھر دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے، دوبارہ ۱۳۴۷ھ/ 1929ء میں آپ نظام صاحب کو لینے حیدرآباد پہنچے واپسی پر ٹرین جب نظام آباد اسٹیشن پر پہنچی تو آپ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے، وفات کے وقت زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری تھا، اللہ کے لفظ کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔ یہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/ 1929ء کا واقعہ ہے۔ نظام آباد اسٹیشن پر نعش کو اتار کر جنازہ تیار کیا گیا، حضور نظام میر عثمان علی خاں کا حکم پہنچا کہ جنازہ حیدرآباد لایا جائے۔ نظام آباد اور حیدرآباد میں متعدد مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اگلے دن ۴ جمادی الاولیٰ عصر سے کچھ پہلے مخصوص قبرستان ''خطۂ صالحین'' میں اپنے مصارف پر، شاہانہ اعزز کے ساتھ سپرد خاک کروایا اور باغِ عامہ کی مسجد میں تعزیتی تقریر کرتے ہوئے نہایت تاسف کے ساتھ پر پُراثر جملہ فرمایا کہ ''افسوس کہ وہ مجھے لینے آئے تھے مگر خود یہیں رہ گئے۔''

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے، مصروفیت کی وجہ سے بیعت کا سلسلہ بہت وسیع نہ تھا۔ آپ کی اولاد میں حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری محمد طاہر قاسمی ہیں۔ (مشاہر علماء دیوبند ج۱ ص ۴۳۳)

(15) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں، ''دیوبند'' ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں علوم کی تکمیل کی۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

> ''حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی دانش پر دارالعلوم کے چھٹے مہتمم ہوئے ہیں۔ آپ ۱۳۲۵ھ/ 1907ء میں مہتمم بنائے گئے تھے۔ ممدوح نے اپنے خداداد تدبر سے دارالعلوم کے انتظامات کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر منظم کیا۔ آپ کا زمانہ اہتمام شعبان ۱۳۴۸ھ/ 1930ء تک رہا۔''
>
> ''مطالعہ کے شوق نے آپ کو نہایت وسیع المعلومات بنا دیا تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر مجھ پر

کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں۔‘‘

عربی ادب اور تاریخ سے خاص ذوق تھا اور ان علوم کی وسیع النظری مشہورِ زمانہ تھی، مندرجہ ذیل تصانیف علمی یادگار چھوڑی ہیں: (۱) قصیدہ لامیۃ المعجزات (عربی): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہے۔ (۲) اشاعتِ اسلام: دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا؟ (۳) تعلیماتِ اسلام: اس کتاب میں اسلام کے طرزِ حکومت کو بیان کیا گیا ہے۔ (۴) رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن: سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۵) حاشیہ مقاماتِ حریری (۶) حاشیہ تفسیر جلالین۔

حضرت حافظ (محمد احمد) رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے ٹھیک چودہ ماہ کے بعد ۴ رجب ۱۳۴۸ھ/ 1930ء کی شب میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۲۷)

(16) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک آزادی کے نامور سپوت اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے تلمیذِ اَجل حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ شاہجہان پور (روہیل کھنڈ) کے محلہ سن زئی میں ۱۲۹۲ھ/ 1875ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام شیخ عنایت اللہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب شیخ جمال یمنی سے ملتا ہے جو موتیوں کی تجارت کرتے تھے، قدرت نے انہیں ہندوستان پہنچا دیا تھا اور وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مختلف مقامات پر تحصیل علم کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے، تین سال دارالعلوم میں پڑھا، ۱۳۱۵ھ/ 1897ء میں سندِ فراغت حاصل کی، دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن شاہجہان پور تشریف لے گئے اور اپنے استاذ مولانا عبیدالحق کے مدرسہ میں پڑھاتے رہے ان کے انتقال کے بعد اپنے دیرینہ ساتھی مولانا امین الدین کے اصرار پر مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے آئے اور تاحیات اِسی مدرسہ سے وابستہ رہے، آپ اپنے دور کے مفتی اعظم تھے، تاریخ شاہد ہے کہ کبھی آپ کو اپنے کسی فتوے سے رجوع نہیں کرنا پڑا۔ آپ نے تحریک آزادئ ہند میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ جمعیت علماء ہند کے صدر تھے اور آپ کی قیادت و سیادت پر سب کا اتفاق تھا، سیاست میں قیادت کے ساتھ ساتھ تدریس و اِفتاء اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، آپ کے فتاویٰ نو جلدوں میں کفایت المفتی کے نام سے طبع ہوئے، آپ کی تصانیف میں تعلیم الاسلام نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ/ 1952ء میں تقریباً اسی سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور مہرولی میں حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی رحمہ اللہ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔
(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵٦٧)

(17) حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

عاشق الٰہی بن یاد الٰہی بن رحم الٰہی ۵ رجب ۱۲۹۸ھ 3جون/ 1881ء بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں الف با شروع ہوئی۔ ۱۳۰۴ھ میں جب کہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی قرآن پاک ناظرہ اور کچھ کتابیں پڑھ لی تھیں۔ ۱۳۰۵ھ میں عربی شروع کی، اس کے بعد انگریزی سکول میں دو سال تعلیم پائی، جمادی الثانیہ ۱۳۱۱ھ میں تیرہ سال کی عمر میں مدرسہ قومی میرٹھی میں داخلہ ہوئے اور ابتداء سے میزان وغیرہ شروع ہوئی، ۱۳۱۲ھ میں مشکوٰۃ شریف شروع ہوگئی جب کہ عربی شروع کئے ہوئے صرف دس مہینے ہوئے تھے، دو سال میں جملہ کتب صحاح و دینیات ختم ہوگئیں اور حضرت مولانا میر حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ نے دستار بندی فرمائی، اس وقت آپ کی عمر ١٦ سال کی تھی۔

ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور اسی سال رجب میں لاہور ''مولوی فاضل'' کی تعلیم کے لئے چلے آئے اور اعلیٰ نمبر کی کامیابی حاصل کی۔ ۴ محرم ۱۳۱٦ھ کو کامیابی کا انعام لینے کے لئے لاہور روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، ایک شب قیام کے بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ واپسی پر ۱۳۱۷ھ میں ندوۃ العلماء لکھنو کی طلب پر ملازمت پر گئے اور ٢٦ محرم ۱۳۱۷ھ کو ندوۃ میں ۲۵ روپے ماہوار پر بطور مدرس دوم آپ کا تقرر ہوا، لیکن آب و ہوا کی عدم موافقت اور اکابر کی عدم پسندیدگی کی وجہ سے آخر رجب میں واپسی ہوگئی۔

کچھ روپیہ قرض لے کر صفر ۱۳۱۸ھ میں ''خیر المطابع'' کے نام سے مطبع کھولا جس سے اجرت پر کتابیں طبع کرانے لگے اور ساتھ ہی مفید کتابوں کے تراجم میں مصروف ہو گئے اور سب سے اوّل قرآن مجید کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۹ھ میں بصورت حمائل اس کو طبع کرایا۔ ۱۳۲۰ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا اور ساتھ ہی اپنی تالیف ''الاسلام'' طبع کرائی، ان سے اتنا نفع ہوا کہ آپ کا قرض بھی ادا ہوگیا اور آپ پر حج بھی فرض ہوگیا۔

رجب ۱۳۲۱ھ کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، محرم ۱۳۲۲ھ میں واپسی ہوئی اور اپنے سابقہ تجارتی کام میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسرا حج جو اپنے والد کی

طرف سے حج بدل تھا کیا اور ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ میں واپسی ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں تذکرۃ الرشید شائع کی۔ ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حج پر تشریف لے جارہے تھے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہولیے، اسی سفر میں شام، فلسطین اور مصر کا بھی سفر کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۳۵ھ میں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور تین لڑکے (ڈاکٹر محمود الٰہی، مولوی حافظ مسعود الٰہی اور حافظ مقبول الٰہی) اور دو لڑکیاں پسماندگان میں چھوڑیں۔ اسی سال ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ میں آپ کا دوسرا نکاح ہوا اور ۲۱ شوال ۱۳۴۱ھ میں مع دوسری اہلیہ چوتھے حج کے لئے روانہ ہوئے، ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ کو واپسی ہوئی۔ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ کو پانچویں حج کے لئے روانہ ہوئے، حج سے فراغت پر مصر جا کر ٹائپ خریدا جس پر ہندوستان آکر ''جمع الفوائد'' طبع کرائی۔ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ کو جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مستقل قیام کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جانے لگے تو تین حضرات کا مدرسہ مظاہر العلوم کی سرپرستی کے لئے انتخاب فرمایا، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور الحاج شیخ رشید احمد میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ثم پاکستانی۔

۱۳۴۸ھ کے آخر میں چھٹے حج کے لئے تشریف لے گئے اور ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ کو حجاز سے واپسی ہوئی۔ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ مہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت سے ہی خلافت اور اجازت بیعت سلوک ملی۔ حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مرشدِ اوّل کی سوانح کی طرح مرشدِ ثانی کی سوانح بھی ''تذکرۃ الخلیل'' تصنیف فرمائی۔ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ/ 25 اگست 1941ء دوشنبہ کی صبح کو چھ بجے وصال ہوا۔ چار بجے شام مولانا محمد زکریا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۲۴۲)

(18) حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ قبیلہ لاڑ کے ایک جلیل القدر علمی و دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ جس کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا حافظ محمد لعل دین بن مولوی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ خطہ بہاولپور کے رہنے والے

تھے۔ وہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۷ھ/ 1783ء) کے مسترشد تھے اور صاحب وجد و حال بزرگوں میں شامل تھے۔ ان کے بیٹے حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۵ھ/ 1859ء) تھے، جو اپنے زمانے کے معتبر و تبحر عالمِ دین، صاحب کمالات روحانی اور ولی کامل تھے۔ وہ حضرت خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۹ھ / 1813ء) کے شاگردان رشید میں شامل تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں حجاز مقدس کا سفر کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مقدس مدینہ منورہ میں مستقل قیام کرلیا۔ وہیں عالمِ بقا کا سفر اختیار کیا اور پھر جنت نظیر خاکِ پاک میں محوِ استراحت ہوئے۔ حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حضرت مولانا محمد عبداللہ جامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ/ 1906ء) ممتاز عالم دین تھے اور فقہ میں مہارت خاصہ کے حامل تھے۔ انہوں نے فقہ کی مشہور کتاب قدوری کی عام فہم اور مفصل شرح تصنیف کی تھی، جو پنجاب بھر میں مقبول رہی ہے۔ علاوہ ازیں ''تعویذ بہاول خانی شرح قصیدہ محبوب سبحانی'' اور کئی دوسری عرفانی کتب ان سے یادگار ہیں۔ آپ انہی مولانا محمد عبداللہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کے دوسرے دو بھائیوں کے نام مولوی عاشق محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی شاکر محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

آپ ۰۹-۱۳۰۸ھ/ 1891ء میں حضرت مولانا محمد جامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ/ 1906ء) کے گھر بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد عبداللہ جامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ/ 1906ء) کے زیرِ سایہ حاصل کی اور علاقے کے ممتاز علماء و فضلاء سے دینی علوم کسب و اخذ کئے۔ بعد ازاں برصغیر پاک و ہند کی معروف دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) میں وارد ہوئے اور محدث کبیر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ/ 1934ء)، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۷ھ/ 1957ء) اور اُس وقت کے دوسرے ممتاز و شہیر اساتذہ سے اعلیٰ دینی علوم حاصل کئے اور سندِ فراغت پائی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے درس و تدریس کا شغل اختیار فرمایا۔ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور قائم ہوا تو آپ اس سے وابستہ ہوگئے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت شیخ الجامعہ کے منصب عالی پر فائز ہوئے۔ آپ کو جامعہ عباسیہ کے روحِ رواں کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور سے ریٹائر ہونے کے بعد محکمہ امور مذہبیہ، بہاولپور کے ناظم مقرر ہوئے۔ 1952ء میں بہاولپور اسمبلی کے ہونے والے انتخابات میں مسلم لیگی امیدوار کے

مقابلے میں شہری حلقے سے انتخاب لڑا۔

''افسوس ہے کہ اس الیکشن کا نتیجہ مولانا کے حق میں برآمد نہ ہوا، وہ اپنے علم و فضل کے باوجود ایک ایسے امیدوار سے شکست کھا گئے جو ہر لحاظ سے ان سے حیثیت میں کم تھا۔''

۱۳ محرم ۱۳۴۵ھ/ 24 جولائی 1926ء کو ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر، ریاست بہاولپور کی عدالت میں مولوی الٰہی بخش سکنہ احمد پور شرقیہ نے ایک مقدمہ دائر کیا، جس میں انہوں نے اپنی مسلمان لڑکی کے خاوند کے مرزائیت اختیار کر کے مرتد ہو جانے پر تنسیخِ نکاح کی باقاعدہ ڈگری (فیصلہ) صادر کرنے کی استدعا کی۔ اس مقدمے کا شریعتِ اسلامی کے مطابق فیصلہ کرانے کے لئے برصغیر پاک و ہند کی کئی عظیم و دینی شخصیات نے گہری دلچسپی لی۔

حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہیں۔ دوسرے فریق کے مالی وسائل اور سرکاری اثر رسوخ سے یہ مقدمہ کئی برس چلتا رہا۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے تو انہوں نے شدتِ جذبات میں آکر حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی:

''اس مقدمے کا فیصلہ میری زندگی میں ہو گیا تو میں خود سن لوں گا، اگر میری وفات کے بعد ہوا تو میری قبر پر آکر سنا دینا، تاکہ میری روح کو تسکین پہنچے۔''

مورخہ ۳ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ/ 7 فروری 1935ء کو عدالت نے مذکورہ مسلمان لڑکی کی حق میں فیصلہ دیتے ہوئے مرزائی شخص کے ساتھ اس کا کیا گیا نکاح منسوخ کر دیا۔ اس وقت حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے، لہٰذا حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے بعد ازاں جب ۱۳۶۴ھ/ 1945ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۷ھ/ 1955ء) سے دارالعلوم دیوبند میں ملاقات کی تو اُن سے عرض کیا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی نشاندہی کے لئے کوئی طالب علم بند کے ساتھ روانہ فرما دیں تو حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب نے اس خدمت کے لئے خود کو پیش کیا۔ پھر دونوں حضرات حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر پہنچے۔ حضرت مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ پر رقت طاری ہو گئی۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْر" کہنے کے بعد مقدمہ بہاولپور

کے فیصلے کی خوشخبری سناتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی اور پھر ایصالِ ثواب کیا۔

آپ نے قضائے الٰہی سے ۳۰ جمادی الاوّل ۱۳۸۴ھ/ 1964ء کو رحلت فرمائی اور قبرستان ملوک شاہ، بہاولپور میں آخری آرام گاہ پائی۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، پنجاب ج ۲ ص ۲۱۴)

(19) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق 1897ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، خاندانی اعتبار سے آپ عثمانی تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی، فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں حساب وفنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے، اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لیے استاذ مقرر فرما دیا پھر بہت جلد درجہ عالیہ کے استاذ ہو گئے، اور تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا۔ دارالعلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سال کے عرصہ میں انڈونیشیا، سنگاپور، برما، برصغیر، افغانستان، بخارا، سمرقند، وغیرہ کے تقریباً تیس ہزار طلباء نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی نے فتویٰ کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے اور اصلاح وتصدیق کے بعد یہ روانہ کر دیئے جاتے ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے، ارباب دارالعلوم نے مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا کام چلایا۔ مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند رحمۃ اللہ علیہ سے 1920ء میں بیعت ہوئے پھر ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۴۹ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بیعت قرار دے دیا۔ آپ

تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایماء پر تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا، اور کھلم کھلا مسلم لیگ کی حمایت فرماتے رہے۔جس سے قائداعظم بہت متاثر ہوئے، پھران علمائے حق نے باقاعدہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور ایک تنظیم ''جمعیت علمائے اسلام'' کے نام سے تشکیل دی، جس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی، اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی منتخب ہوئے اور آپ اس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ 1949ء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ 1953ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور 1958ء تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کراچی میں قائم کیا۔ جوصرف چند ماہ کے بعد ایک مرکزی دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا۔ دارالعلوم کی نظامت آپ کے صاحبزادوں خصوصاً مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی سنبھالے ہوئے ہیں۔

حافظہ بڑا غضب کا تھا اور عربی ادب کے شاعر تھے۔ ۹، اور ۱۰ شوال المکرّم ۱۳۹۲ھ مطابق 5، 6 اکتوبر 1976ء کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی مدظلہ، نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔(تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۵۱۱)

(20) حضرت مولانا عبداللطیف مظفر نگری رحمۃ اللہ علیہ

آپ پور قاضی ضلع مظفر نگر میں مولانا جمعیت علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

قرآن مجید اپنے وطن میں حافظ امانت علی صاحب سے حفظ کیا، ابتدائی فارسی کی کتابیں اپنے والد صاحب سے بہاولپور میں پڑھیں۔ پھر ۱۳۱۵ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۲ھ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے اور نسائی شریف مولانا عنایت الٰہی سے پڑھ کر فارغ ہوئے۔

مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر ۱۳۲۳ھ میں مظاہر العلوم میں تدریس کا آغاز کیا۔ اسی سال پہلا اور ۱۳۲۸ھ میں دوسرا حج کیا۔ ۱۳۳۳ھ میں ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ میں استاذ حدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ میں مستقل طور پر مدرسہ کے ناظم بنائے گئے۔ کامل ۲۹ سال تک

مدرسہ کی خدمات مخلصانہ طور پر انجام دیں۔ ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/ 2اگست 1954ء دوشنبہ کو وصال ہوا اور حاجی شاہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ وصال کے وقت عمر ۷۵ سال کے قریب تھی۔ ترجیح درسِ نظامی کے نام سے ایک غیر مطبوعہ پمفلٹ مدرسہ کے نوادرات زیر نمبر ۷۷ ۶/ ا میں محفوظ ہے۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ا ص ۳۳۰)

(21) حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا وطن اصلی رامپور ہے۔ وہیں ۱۳۱۴ھ میں مولوی رشید احمد بن مفتی بشارت اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رامپور میں حاصل کی، پھر تھانہ بھون میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی سے درمیانے درجے تک کی کچھ کتابیں پڑھیں، کچھ اسباق حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب سے بھی پڑھے۔

۱۳۳۳ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد یحییٰ، مولانا ثابت علی، مولانا عبداللطیف سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی جب کہ دوسری کتب مولانا عبدالوحید، مولانا ظفر احمد عثانی اور مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد ایک سال تک کتب فنون پڑھتے رہے، پھر ''ہدایۃ الرشید'' کے ناظم مقرر ہوئے ۱۳۳۷ھ میں مظاہر میں بطور معین مدرس اور شوال ۱۳۳۸ھ میں باقاعدہ مدرس مقرر ہوئے، درسِ نظامی کی تمام کتب آپ نے کئی بار پڑھائیں۔

1929ـ30ء اور 1936ـ37ء کو چھوڑ کر (ان سالوں میں ناظم مدرسہ راندیر یہ قیام رہا) ہمیشہ مظاہر سے تعلق رہا۔ یکم صفر ۱۳۶۵ھ سے مظاہر العلوم کے نائب ناظم اور یکم محرم ۱۳۷۴ھ کو ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد انہوں نے آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت عطا فرمائی۔ آپ اردو، فارسی اور عربی کے اچھے شعراء میں سے ہیں۔

تصانیف: (۱) اسعاد النحو شرح نحو میر (اردو)، (۲) التحفۃ الحقیرۃ فی نسبۃ سبع العشیرۃ (علم ہیئت)، (۳) القطائف من اللطائف، صفحات ۳۴، اس میں لطائفِ ستہ کے متعلق مفید بحث ہے۔ (۴) ایک فیصلہ (مطبوعہ وادرالنوادر)، (۵) رسالہ المسالمہ فی شرح المکالمہ (مطبوعہ بوادرالنوادر)، (۶) ہفت اختر، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مجموعہ (۷) تکمیل العرفان فی شرح

حفظ الایمان، غیر مطبوعہ (۸) شرح التقصیر فی التفسیر (غیر مطبوعہ)، (۹) حاشیہ برطحاوی (غیر مطبوعہ)، (۱۰) تقریر بخاری (غیر مطبوعہ)، (۱۱) اشکالاتِ طحاوی کے جوابات (غیر مطبوعہ)، (۱۲) عروض با قافیہ (غیر مطبوعہ)، (۱۳) شرح حماسہ (غیر مکمل)، (۱۴) فتنۂ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض۔ یہ رسالہ شدھی تحریک کے دوران بار بار طبع ہوتا رہا۔ (۱۵) صحائف اسعد۔ یہ حضرت تسکین کے نام مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مکاتیب جگر کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ (۱۶) کلامِ اسعد حصہ اوّل و دوم، مطبوعہ، سالِ طباعت ۱۳۹۴ھ۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج۱ ص ۴۷۵)

(22) حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ / 12 جون 1884ء میں اُورَئی ضلع جالون میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عصری تعلیم وطن ہی میں حاصل کی، اعلیٰ انگریزی تعلیم کے لئے علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا اور بی اے کا امتحان پاس کر کے ایل ایل بی کی تیاری کے لئے الٰہ آباد آئے، چونکہ گھر کا ماحول مذہبی تھا اس لئے مذہبی کتابوں سے دلچسپی بچپن ہی سے رہی اور پھر چونکہ آپ کے والد شیخ عزیز اللہ مرحوم کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا اس لئے فطرتاً آپ کی کشش اُن کے خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی طرف ہوئی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ ۱۳۲۶ھ میں الٰہ آباد تشریف لائے تو آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے، بیعت کے بعد قانون چھوڑ کر پہلے آبکاری میں ملازمت کی پھر ڈپٹی کلکٹر ہوئے پھر کوشش کر کے اپنا تبادلہ تعلیمات میں کرا لیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فطری شاعر تھے، شاعری میں کسی سے تلمذ نہ تھا وہ صرف تلمیذ الرحمٰن تھے اول تو شاعری کا سنجیدہ فطری مذاق اور ذوق سلیم اور اس پر تصوف کی چاشنی اور اس میں بھی جگ بیتی نہیں بلکہ اپنی کہانی سب مل ملا کر ان کی شاعری اپنے زمانے کی شاعری کا بے مثال نمونہ تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اس شعر پر

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

فرمایا تھا کہ ''میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو آپ کو اس شعر پر دیتا'' آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ آپ ہی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ کی سوانح حیات ''اشرف السوانح'' کے نام سے لکھی تھی، آپ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عاشقانہ تعلق

تھا۔ اُن کی وفات کے بعد بے چین رہنے لگے تھے حتیٰ کہ اُن کی وفات کے ایک سال بعد 17۔ اگست 1944ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نظم و نثر میں اپنی کئی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کا منظوم کلام ''کشکولِ مجذوب'' کے نام سے ملتان سے طبع ہو گیا ہے۔ اسی طرح اشرف السوانح چار جلد اور ملفوظات حسن العزیز بھی ملتان سے شائع ہو چکے ہیں۔ (بیادِ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۰۴)

(23) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے آباء واَجداد کا اصلی وطن تھوہا محرم خان ضلع اٹک ہے، حضرت کے والد ماجد حضرت حافظ احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ تھوہا محرم خان سے موضع ڈُھڈیاں ضلع سرگودھا میں آکر آباد ہوئے یہیں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۲۹۵ھ/ 1878ء کے قریب ولادت ہوئی، حضرت کے تایا مولانا کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کھیوڑہ ضلع جہلم میں رہائش رکھتے تھے، اِنہی کے پاس رہ کر حضرت نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور اِنہی سے فارسی کے چند رسالے پڑھے، صرف ونحو کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور جھاوریاں میں مقیم تھے، بچپن ہی میں مزید تعلیم کے لئے ہندوستان کا لمبا سفر کیا اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے رام پور پہنچے یہاں درسِ نظامی کی کچھ کتب پڑھیں پھر پانی پت سہارنپور اور دہلی کے مقامات پر قیام کر کے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے باقاعدہ طور پر طبِ یونانی کی تحصیل کی، ضلع بجنور کے ایک قصبے افضل گڑھ میں مطب بھی کیا، کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے مقامات پر رہ کر قرآن وحدیث کا درس بھی دیا۔ خدا طلبی کا جذبہ طبیعت میں شروع سے موجزن تھا جو آپ کو چین نہیں لینے دیتا تھا، چنانچہ آپ تمام مشاغل کو چھوڑ کر دیوانہ وار تلاشِ حق میں نکل کھڑے ہوئے اور ایک عرصہ تک سرگرداں رہے، آخر عنایتِ ربانی نے دستگیری فرمائی اور آپ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے پہلی ملاقات میں ہی حضرت کے اَخلاق کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے انہی کا ہو رہنے کی تمنا کا اظہار کیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی، اُس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو گنگوہ جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے عرض کیا کہ مجھے جناب ہی سے پوری مناسبت ہے میں کہیں اور جانا نہیں چاہتا، فرمایا: اچھا اتنی جلدی کیا ہے

استخارہ وغیرہ کر کے اپنی طبیعت کا اطمینان کر لیں چنانچہ ذکر وغیرہ بتلا کر آپ کو رخصت کر دیا، آپ اپنے وطن تشریف لے آئے اور چند روز وطن میں قیام کر کے دوبارہ ہندوستان کا سفر کیا اور رائے پور تشریف لے گئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت فرما لیا اور ذکر اذکار کی تلقین فرمائی۔ چودہ پندرہ سال مسلسل حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر اور سخت مجاہدات کر کے سلوک کی انتہائی منزلیں طے کیں اور چاروں سلسلوں کے فیوض و برکات حاصل کئے، ۱۳۳۷ھ میں حضرت عالی رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو آپ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے پینتالیس سال تک تلقین وارشاد کی رونق کا باعث بنے رہے، بڑے بڑے اکابر علماء آپ کے حلقۂ بیعت وارشاد میں داخل ہوئے اور آپ سے فیض حاصل کر کے اجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/ 16 اگست 1962ء بروز جمعرات لاہور میں حاجی عبدالمتین صاحب کی کوٹھی میں انتقال ہوا، جنازہ ڈُھڈیاں شریف لے جایا گیا وہیں آپ کی مسجد کے پہلو میں تدفین ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً۔ (بیادِ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۸۶)

(24) حضرت منشی رحمت علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت غالباً ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔ وطن مبارک موضع ویراں متصل رائے پور گوجراں ڈاکخانہ مہت تحصیل نکودر ضلع جالندھر مشرقی پنجاب تھا۔ آپ خاندانی طور پر میرزادے (میراثی) تھے۔ کل پانچ جماعتیں پڑھیں تھیں بچپن ہی سے صاحب تفکر تھے۔ آپ کو حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی ترغیب فرماتے تھے۔

ایک دن حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ جہاں فرماویں گے وہاں بیعت ہو جاؤں گا آخر ایک رات حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور یہ خواب تین روز پے درپے آیا۔ فرمایا گنگوہ مولوی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جاؤ چنانچہ آپ گنگوہ حاضر ہو کر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے سلسلہ چشتیہ، صابریہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ سے تکمیل کی قریباً دونوں حضرات کی خدمت میں ذکر واشغال ومراقبہ ومجاہدہ وریاضت میں چودہ سال مصروف رہے۔ جب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے سلوک کی تکمیل ہو گئی تو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ نے آپ کو............ اجازت وخلافت

سے مشرف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدّنی سے نوازا تھا۔ آپ سکول میں استاذ تھے۔

عربی، فارسی اور انگریزی پر ویسے ہی اچھا عبور ہو گیا تھا۔ آپ کو جب اجازت و خلافت ملی تو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ نے حضرت مولانا فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پور رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر دوستوں سے فرمایا کہ حضرت منشی صاحب کی ہر قسم کی مدد کریں کیونکہ ان کی چھوٹی قوم ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ لوگ اُن کی سخت مخالفت کریں گے۔ کہ میراثی ہو کر پیری مریدی کرتا پھرتا ہے اور پیر اور مرشد بن بیٹھا ہے۔

ایک دفعہ آپ رائے پور سے حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف فتوح الغیب لے گئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لے گئے ہیں تو فرمایا کہ ان کو کیا ضرورت ہے وہ تو خود فتوح الغیب ہیں۔ آپ ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے ممبر صرف ایک سال رہے تھے۔ دارالعلوم میں کچھ اختلاف سا ہو گیا تو آپ کے پاس حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ خود حاضر ہوئے۔ اور آپ کو دیوبند لے گئے اور عرض کیا کہ ان باتوں میں سردست اختلاف ہے اس پر آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اس پر کیا عرض کروں ایک عامی اور جاہل آدمی ہوں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے اصرار پر ایک جامع تقریر فرمائی۔ جس سے سب اختلافی مسائل حل ہو گئے اور سب حضرات نے آپ کی رائے پر اتفاق فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت عالی رائے پوری قدس سرہٗ کے مشن کے مطابق کئی مدرسے عربی کھلوائے تھے اور کئی ایک مدرسوں کے سرپرست تھے مثلاً رائے پور گجراں، ضلع جالندھر اور سرپرست اول جامعہ رشیدیہ ضلع ساہیوال۔ آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔

اپنے گاؤں ویراں میں ہی فالج کا شدید حملہ ہوا اور زبان بند ہو گئی۔ حضرتِ اقدس رائے پوری قدس سرہٗ اطلاع ملتے ہی ویراں پہنچے اور علاج کے لئے جالندھر لے گئے۔ سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر انچارج آپ کے مرید تھے۔ انہوں نے ایک وسیع کمرہ خالی کر کے آپ کو ٹھہرا دیا۔ مگر آپ کی طبیعت وہاں نہ لگی اور بے چین ہو گئے اور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ مجھے یہاں سے لے جاؤ، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہسپتال ہی میں رکھ کر علاج کرانا چاہتے تھے مگر آپ کی بے چینی اور اصرار دیکھ کر مولانا غلام رسول صاحب مرحوم کی مسجد میں لے گئے جہاں آپ کا قیام تھا۔ وہاں بہت خوش ہوئے وہیں آپ کا بعمر

۵۱ سال ۲۱ جمادی الثانی شب یکشنبہ (اتوار) ۱۳۵۰ھ بمطابق 25۔ اکتوبر 1930ء میں وصال ہوا جنازہ میں بے پناہ اجتماع تھا، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جالندھر ہی میں مزار ہے۔ (احوال العارفین ص ۱۷۷)

(25) حضرت شیخ مولانا اللہ بخش بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت ۱۲۸۴ھ یا ۱۲۸۵ھ میں بمقام گلوبودلہ تحصیل ضلع بہاولنگر ریاست بہاولپور میں ہوئی۔ دیپالپور ضلع ساہیوال کے قریب قصبہ منچریاں سے نقل مکانی فرما کر بمقام کلوبودلہ، قمر بودلہ تحصیل و ضلع بہاولنگر، ریاست بہاولپور میں آباد ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بستی سمجھو میں حضرت مولانا کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی تشریف لئے گئے۔ وہاں تکمیل کر کے جوہری بازار کی ''مسجد مہرکن'' کے خطیب ہو گئے۔ آپ نے استخارہ فرمایا کہ یا اللہ میرے شیخ کی مجھے زیارت کرادے۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف فرمایا اور عالم بیداری میں اطمینانِ قلب اور فرحت جان حاصل ہوئی کچھ عرصہ انتظار میں رہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ دہلی بغرض علاج تشریف لائے، لیکن نماز باجماعت کے خیال سے کسی مسجد کے قریب رہائش فرمانا چاہتے تھے، راؤ عبدالعزیز خان اور حافظ عبدالرشید صاحب آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اگر آپ ایک کمرہ ہمیں عنایت فرمادیں تو از حد مہربانی ہوگی۔ آپ نے اپنا حجرہ خالی کر کے راؤ صاحب کی سپرد کر دیا اور خود مسجد میں بستر جمالیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے جب آپ زیارت سے مشرف ہوئے تو زبانِ عشق پکار اُٹھی کہ یہ تو میرے شیخ ہی تشریف لائے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا علاج شروع ہوا اور آپ مجلس مبارک سے استفادہ کرتے رہے۔

دیوانہ وار درخواست بیعت عرض کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استخارہ کرلو۔ آپ نے عرض کیا حضرت استخارہ تو کر چکا ہوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ چند دنوں کے قیام کے بعد واپس رائے پور تشریف لے گئے۔ دل کی بے قراری اتنی بڑھی کہ رائے پور دیوانہ وار روانہ ہو گئے۔ رائے پور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ لودھی پور تشریف لے گئے ہیں جو رائے پور سے مغرب کی طرف قریباً دو کوس کے فاصلہ پر آباد ہے وہیں حاضر خدمت ہو کر بیعت کے لئے عرض کیا۔

چونکہ طلب صادق دیکھنی مقصود تھی، چنانچہ حضرت نے چاروں سلسلوں میں بیعت فرما کر سلسلہ سلوک ذکر و اذکار تلقین فرمائے۔ حضرت اقدس عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میرے سے پانچ سال پہلے حاضر ہو کر بیعت ہوئے تھے یعنی قریباً ۱۲۱۷ھ میں بہر حال آپ عالی ہمت کے ساتھ ذکر و اذکار عبادت و ریاض، اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچویں روز فتوح باب نصیب فرمایا۔ حضرت عالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازت فرمائی۔ کچھ عرصہ کے بعد چاروں سلسلوں میں اجازت فرمائی۔ آپ معمولات کے بہت سخت پابند تھے۔ اپنے وطن تشریف لائے اور چک نادر شاہ تحصیل و ضلع بہاولنگر قیام فرما ہوئے اور ایک مسجد میں امام و خطیب ہو گئے اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ذکر و فکر میں محو رہتے اور ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر انقباض ہو گیا۔ تو گاؤں کے باہر شورہ کوٹھی میں کچھ مکان بھی تیار کرائے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ بہمراہی حضرت مولانا جمعیت علی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کا چک نادر شاہ سے اس جنگل سے گزر ہوا۔ جہاں آج کل دین پور شریف آباد ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں کھڑے ہو گئے اور عصا مبارک گاڑ دیا اور چاروں طرف نظر مبارک اٹھا کر دیکھا اور فرمایا۔ مولانا یہ جنگل تو بڑا مبارک ہے اور انوارات برس رہے ہیں اس لئے بجائے شورہ کوٹھی کے یہاں قیام فرمائیں۔

آپ نے اس جنگل میں ایک ٹپری ڈال لی اور متوکلانہ بیٹھ گئے، مقامی لوگ اس جگہ کو چاہ جٹو والا عام طور پر کہتے تھے۔ آپ نے یہاں درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کا یہ سلسلہ اس قدر مقبول و منظور ہوا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فرزند ارجمند الحاج مولانا حافظ عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کو اور حضرت مولانا حافظ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کو اور حضرت مولانا محمد اشفاق احمد رحمۃ اللہ علیہ کو کتب عربی کی تحصیل کے لئے رائے پور شریف سے یہاں آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور آپ نے باقاعدہ طور پر ۱۲۲۵ھ میں مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ انوار الہدایت کی بنیاد رکھی جس کی سرپرستی حضرت رحمۃ اللہ علیہ وصال تک فرماتے رہے۔ مدرسہ تجوید القرآن خیر پور ٹامیوالی اور ہارون آباد میں اور جامع مسجد بہاولنگر اور مدرسہ تعلیم القرآن اور مدرسہ ریلوے مسجد میں جاری فرمائے۔ بعمر ۶۶ یا ۶۷ سال رات منگل ۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق 21۔ اکتوبر 1933ء کو وصال

فرمایا۔ مزار مبارک دین پور شریف متصل شہر بہاولنگر میں ہے۔(احوال العارفین ص ۱۶۳)

(26) حضرت مولانا حافظ محمد صالح جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

آپ عظمت بن روشن دین کے فرزند ہیں، رائے پور تحصیل نگودر ضلع جالندھر میں ۱۲۷۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ گجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا محمد ساکن کوٹ بادل خان سے تعلیم پائی۔ اور پھر تدریس کرتے رہے۔ مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میرے والد مجھے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں چھوڑ آئے تھے، میں حضرت کے گھر میں رہتا تھا، حضرت مجسم شفقت تھے، بہت کم گو ہر وقت چپ رہتے تھے۔ تھوڑی سی بات کر کے خاموش ہو جاتے تھے ۔حضرت کی عبادت کا ایک چھوٹا حجرہ گھر میں بنا ہوا تھا، جس میں ان کی چار پائی اور ایک طرف چوکی پر جائے نماز بچھی رہتی تھی، اکثر دروازہ بند رہتا تھا۔ فجر کی نماز باجماعت پڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور اشراق کے بعد کھولتے اور خدام کو تلقین فرماتے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ پنجاب کے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں جب ان کے پاس حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔ محمد صالح بھی رشید احمد ہی ہے۔ اللہ اکبر، بڑا ہی اعتماد تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے حج میں ان کے ہمراہ تھے، حافظ صاحب جہاز میں ہر وقت الگ بیٹھے ہوئے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔

مولانا عبداللہ فاروقی نے مجھے بتایا کہ میں ایک بار گنگوہ حاضر ہوا' حضرت حافظ صاحب کا پتہ کیا معلوم ہوا کہ فلاں مسجد میں رہتے ہیں۔ وہاں پہنچا تو حافظ صاحب ذکر کر رہے تھے۔ الا اللہ کی ضرب اتنی زور سے لگاتے تھے' لگتا تھا کہ تمام مسجد کانپ رہی ہے۔ جب فارغ ہوئے تو حاضری دی فوراً اٹھے اور سینے سے لگا لیا۔

جامعہ رشیدیہ جالندھر کے موسس آپ ہی ہیں۔ چھ شوال ۱۳۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے گاؤں سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر دوسرے گاؤں دوسنگھ تحصیل پھلور ضلع جالندھر میں دفن کیے گئے اور وہ اس وجہ سے کہ اپنے گاؤں میں دریا کی وجہ سے سطح زمین مرتفع نہ تھی۔ وصال کے وقت عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔

اولاد نرینہ میں دو عالم و فاضل فرزند (۱) مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (چک ۱۱ چیچہ وطنی) اور (۲) حضرت پیر جی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ (چیچہ وطنی شہر) ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب ۱۳۱۶ھ میں پیدا

ہوئے۔ دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں امام العصر مولانا محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے پڑھا۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مجاز ہوئے۔ قیام پاکستان پر چک نمبر ۱۱/۱۱ ایل چیچہ وطنی ساہیوال میں قیام کیا اور وہاں مدرسہ صابریہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا پیر جی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ، حافظ صاحب کے دوسرے فرزند ہیں۔ تعلیم والد صاحب اور مدرسہ رشیدیہ جالندھر میں پائی، ساتذہ میں مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کر کے خلافت حاصل کی۔ قیام پاکستان پر چیچہ وطنی کو وطن بنایا، وہاں مدرسہ تجوید القرآن قائم کیا جس کا فیض بہت عام ہے۔ ۱۵ رجب ۱۳۹۷ھ /6 جولائی 1977ء کو وصال ہوا۔

(تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۲۸۲)

(27) حضرت مولانا عبدالعزیز محدث سہالوی رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ

آپ 1884ء کو پنڈ سہال ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام قاضی نور محمد تھا۔ قومیت کے لحاظ سے ''اعوان'' تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر نوشہرہ کے قاضی صاحب سے پڑھتے رہے، پھر انہی ضلع گجرات کے مولانا غلام رسول صاحب (م ۱۳۵۱ھ 1933ء سے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۷ھ 1920ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور میں ایک سال، رحیمیہ نیلا گنبد میں ایک سال اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ میں بطور مدرس عربی ۲ سال تدریس کی۔ اس کے بعد ۱۳۳۶ھ 1918ء جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں امام وخطیب مقرر ہوئے۔

علمِ حدیث کے ساتھ گہرا شغف رکھتے تھے۔ (اسی بنا پر انہیں محدث پنجاب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اپنے وقت کے معروف محدث اور آپ کے گرامی قدر استاد حضرت مولانا سیّد محمد انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ 1934ء) اپنے شاگردوں اور متعلقین کو آپ سے استفادہ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ۱۴۱۔ ۱۳۴۰ھ/ 1922ء میں جامع مسجد گوجرانوالہ میں مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ اس تقریب سعید کے موقع پر اپ نے حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ/ 1934ء کو خصوصی دعوت پر دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) سے مدعو کیا۔ آپ گوجرانوالہ

تشریف لائے اور انہی کے نام کی مناسبت سے مدرسے کا نام انوار العلوم قرار پایا۔

آپ جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ تھے اور اِس کی مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔

1930ء (۵۲۔۱۳۵۱ھ) میں ''قرأتِ خلف الامام'' کے موضوع پر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۷ھ/ 1948ء) سے آپ کا تحریری مناظرہ ہوا، بالآخر دونوں صاحبان نے حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۳ھ/ 1953ء) کو اپنا حکم بنایا تو مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

تحریک آزادی پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور اس سلسلے میں قید و بند اور قید بامشقت کی سزا سے واسطہ پڑا۔ تحفظ ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ سے سرشار تھے اور تحریک ختمِ نبوت میں پیش پیش رہے۔ ۴۹۔۱۳۴۸ھ/ 1930ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ/ 1934ء) نے ''امیر شریعت'' کے لئے حضرت مولانا سید عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۱ھ/ 1961ء) کا نام تجویز فرمایا تو آپ نے سب سے پہلے حضرت مولانا سید عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ (تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت پنجاب ج ۱ ص ۳۲۴)

تصنیفی خدمات: (۱) بغیۃ الالمعی حاشیہ نصب الرایہ للزیلعی رحمۃ اللہ علیہ تا کتاب الحج (۲) نبراس الساری فی اطراف البخاری (عربی) دو جلدوں میں، مقیاس الواری کے نام سے حاشیہ بھی ہے۔ (۳) بتویب مسند احمد (غیر مطبوعہ)، (۴) رجال طحاوی (غیر مطبوعہ)، (۵) حاشیہ طحاوی (غیر مطبوعہ)، (۶) فہرست مسند ابن حنبل (غیر مطبوعہ)۔ ان کے علاوہ چند رسائل بھی لکھے ہیں جن میں مسئلہ تقلید، مسئلہ قراءۃ خلف الامام وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

بیعت کا تعلق حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور اُن سے مجاز بھی تھے۔

۳ رمضان ۱۳۵۹ھ/ 5 اکتوبر 1940ء بروز ہفتہ بوقت چاشت، سہال، میں بلڈ پریشر سے وفات پائی اور وہیں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اولاد میں احمد سعید، عبدالحی، رفیع الدین، نقی الدین، عبیداللہ المعروف اظہار الحق شامل ہیں۔ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں کہ گوجرانوالہ میں 1919ء میں انگریز کے خلاف بغاوت کے جذبات شدت سے جب ابھرے تو اس کے نتیجہ میں لوگوں نے گوجرانوالہ کا سٹیشن جلا دیا۔ اس

وقت مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ مولانا عبدالعزیز بھی اس زمانہ میں قید ہوئے اور قید بامشقت کی سزا انہیں دی گئی۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۳۰۱)

(28) حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''باہمنیاں'' ضلع جالندھر میں ۱۲۹۵ھ / 1878ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم جامعہ رشیدیہ رائے پور کے بانی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد مولانا حافظ محمد صالح سے حاصل کی، ایک سہ ماہی میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر کوٹ بادل خان کے مولانا محمد صاحب سے بھی پڑھتے رہے۔ پھر لدھیانوی علماء سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی، اس دوران غزنوی حضرات سے بھی استفادہ کرتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۲۵ھ / 1908ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انہی سے تکمیلِ سلوک کر کے خلافت حاصل کی مگر بیعت نہیں کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تو فقیر ہوں پیر نہیں۔''

فراغت کے بعد مدرسہ جامعہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر میں تدریس کا آغاز کیا اور ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ اس مدرسہ کے مفتی اور صدر مدرس تھے۔ سینکڑوں علماء ان میں مولانا رشید احمد سلفی مدینہ منورہ، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عبدالجبار حصاروی، مولانا محمد انوری لائلپوری، مولانا عزیز الدین عظامی ہوشیار پوری، قاری تاج محمد اور مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کی تدریسی زندگی پچاس سال کے قریب بنتی ہے۔

جامعہ رشیدیہ، ساہیوال کے بانی بھی آپ ہی ہیں۔ آخر وقت تک تدریسی خدمات انجام دے کر ۲۱ رمضان ۱۳۸۲ھ / 11 فروری 1963ء کو واصلِ بحق ہوئے، اور ساہیوال میں دفن کئے گئے۔ اولاد میں آپ کے تین فرزند مولانا الحاج حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال)، مولانا حافظ قاری لطف اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۰ سالہ مدت تدریس میں ۱۵ سے ۱۷ روپے تک تدریسی الاؤنس لیتے رہے، مستغنی

مزاج تھے۔آپ نے اپنے زمانۂ درس میں درسِ نظامی کی جملہ کتب ابتداء سے لے کر انتہاء تک پڑھائیں۔آپ کے مضامین بعض رسائل میں خصوصاً ''العدل'' (گوجرانوالہ) میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔(مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۴۰۲)

(29) حضرت مولانا فضل احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ رائے پور گوجراں، ضلع جالندھر (ہندستان) میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ۱۳۶۶ھ/ 1947ء میں مملکتِ خداداد پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد پاکستان آ گئے اور چک نمبر ۱۱، متصل چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال (منٹگمری) میں مقیم ہو گئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے آبائی علاقہ رائے پور گوجراں، ضلع جالندھر (ہندوستان) میں پائی اور بعد ازاں پانی پت (ہندوستان) میں پڑھتے رہے۔یہاں قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۸۲ھ/ 1962ء) آپ کے ہم درس تھے۔کچھ عرصہ آپ سہارنپور (ہندوستان) میں بھی زیر تعلیم رہے۔

آپ درسِ نظامی کی کتب کی تکمیل کے بعد حدیث کی تعلیم کے لئے مدرسہ عبدالرب، دہلی (ہندوستان) میں داخل ہوئے اور علمِ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۔۱۳۲۴ھ/ 1906۔7ء سے یہیں رہ کر کی۔مدرسہ عبدالرب، دہلی (ہندوستان) سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ ہاپوڑ (ہندوستان) کی جامع مسجد کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے، اور ایک عرصہ یہاں درس و تدریس میں مصروف رہے۔بعد ازاں وہاں اختلافات ہو گئے تو ملازمت چھوڑ کر گھر چلے گئے۔

آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ/ 1905ء) سے بیعت تھے۔ان کے وصال کے بعد قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ / 1962ء) کی طرف رجوع فرمایا۔دو مرتبہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مدرسہ رائے پور میں لائے۔آپ نے اپنے گاؤں رائے پور گوجراں (ہندوستان) میں مدرسہ بنایا تو حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تشریف لائے۔اسی طرح مرشد کامل و اکمل حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۷ھ/ 1918ء) اور قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی رائے پور گوجراں میں آپ کے مدرسہ میں تشریف لائے اور تین دن یہاں قیام فرمایا۔

آپ کی عمر نوے برس کے قریب پہنچی۔بدھ کی رات ۶ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ/ 11

نومبر 1964ء نمازِ تہجد کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ اچانک پیامِ اجل آ گیا اور قضائے الٰہی سے آپ نے عالمِ بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چک نمبر ۱۱۔ ایل، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال ہی میں نمازِ ظہر کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور وہیں تدفین ہوئی۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، پنجاب ج ۲ ص ۵۲)

(30) امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ/ 10 مارچ 1872ء میں ضلع سیالکوٹ کی تحصیل پسرور کے ایک گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے، آپ کے والدین سکھ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولتِ اسلام سے نوازا، اور سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی کی خدمت میں پہنچا دیا، آپ کو حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی دعاؤں کی بدولت آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دیوبند پہنچے۔ ۱۳۰۷ھ/ 1889ء میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی، آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے روحِ رواں تھے، تیس برس جلا وطنی کی زندگی گزاری۔ ۳ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ/ 22۔ اگست 1944ء میں دین پور میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

(بیا بہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۰۸)

(31) شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ/ 25 مئی 1887ء بروز جمعہ گوجرانوالہ کے جلال نامی قصبہ میں ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم (ناظرہ قرآن پاک) والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے والد ماجد شیخ حبیب اللہ کے دوست تھے آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے گوٹھ پیر جھنڈا حیدر آباد پہنچے وہاں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدرسہ ''دارالارشاد'' کے نام سے قائم فرمایا، اسی مدرسہ میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ سال کے عرصہ میں تمام علومِ مروجہ متداولہ میں پوری مہارت حاصل کر لی۔

یہیں پر حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مسلسل تین سال تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انہی دنوں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی سے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح

کر دیا، ان زوجہ محترمہ سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا نام حسن رکھا گیا لیکن یہ صاحبزادے ساٹھ دن بعد انتقال کر گئے اور اس سے اگلے دن اس بچے کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنی جگہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے اور وہاں ایک عالمگیر تحریک کی ''جمعیۃ الانصار'' کے نام سے بنیاد ڈالی لیکن یہاں آپ کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور یہاں سے دہلی چلے آئے، یہاں آکر آپ نے جامع مسجد فتح پوری کے شمالی کمروں میں سے ایک کمرہ کرایہ پر لے کر ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کی بنیاد رکھی اور اس جگہ آپ نے علماء اور گریجوایٹ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جن کو حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانے کی تربیت دی جانے لگی، 1914ء میں پہلی جنگ عظیم کے موقع پر حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کابل ہجرت فرما گئے اور اپنی جگہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ گئے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا، مختلف مقامات پر آپ کو پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ پھر لاہور لا کر دو حضرات کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ شیرانوالہ دروازہ میں آپ نے رہائش اختیار کی اور یہیں پر مخلوق کی رشد و ہدایت کا کام کرتے رہے، چالیس برس تک درس قرآن دیا، ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ/ 23 فروری 1962ء جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب انتقال ہوا، اگلے دن ظہر کے بعد یونیورسٹی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی اور قبرستان میانی صاحب میں تدفین ہوئی، تدفین کے موقع پر آپ کی قبر سے تیز قسم کی خوشبوئیں پھوٹیں جنہوں نے سارے قبرستان کو معطر کر دیا۔

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری شادی، حضرت مولانا ابو محمد احمد تلمیذ رشید حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، و حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے محرم ۱۳۳۰ھ/ جنوری 1912ء میں ہوئی۔ دیوبند کی چھتہ مسجد میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح پڑھایا۔ آپ کی تمام اولاد انہی اہلیہ سے ہے۔ (۱) مولانا حبیب اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ (۳) حافظ حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۲۰)

(32) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے مشہور بزرگ، خانقاہ رائے پور کے محترم شیخِ طریقت اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، آپ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوست اور رفیق تھے، جنگ عظیم شروع ہو جانے پر جب شیخ

الہند رحمۃ اللہ علیہ ملکِ حجاز جانے لگے تو اہم اُمور کے سلسلہ میں آپ کو اپنا قائم مقام بنایا اور تمام کارکنوں کو ہدایت کی کہ آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھایا جائے، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے پورے استقلال، عالی ہمتی اور انتہائی راز داری کے ساتھ تحریک سے متعلق سارے اُمور انجام دیے۔

۱۲۷۲ھ/ 1855ء میں تگری ضلع انبالہ میں آپ کی ولادت ہوئی، بعد میں رائے پور ضلع سہارن پور میں مستقل سکونت اختیار کی پہلے شاہ عبدالرحیم سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جو سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے بڑے شیخ تھے۔ وہ قطبِ سوات اخونزادہ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز تھے بعد میں باشارۂ غیبی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، آپ کا شمار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء میں ہوتا ہے۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ/ 29 جنوری 1919ء میں رائے پور میں وفات ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اَجل خلفاء میں سے ہیں اور آپ کا سلسلہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ذریعہ سے پھیلا ہے۔

(بیا بہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۸۵)

(33) حضرت علامہ سیّد محمد یُوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا سید محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ/ 1908ء شبِ جمعرات بوقتِ سحر مہابت آباد میں پیدا ہوئے جبکہ آپ کے والد وہاں مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب ماموں اور علاقہ کے علماء کے علاوہ علماء کابل سے پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری المتوفی ۱۳۴۰ھ مولانا عبدالقدیر قاضی القضاۃ جلال آباد کابل اور شیخ محمد صالح قیلنوی افغانی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا، دو سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ 1930ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ فراغت کے بعد علامہ انور شاہ صاحب کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں تدریس کا آغاز کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ اس ادارہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ ''آپ نے کراچی میں ''مجلس علمی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا مقصد عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کی اشاعت ہے۔ ۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے مصر یونان ترکی اور حجاز

مقدس کا سفر کیا۔

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈ و اللہ یار سندھ کے ارباب حل وعقد کے شدید اصرار پر مسند شیخ کو چھوڑ کر جنوری 1951ء میں اس ادارہ کے شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث ہو کر تشریف لائے تین سال کے بعد مستعفی ہو کر کراچی تشریف لے گئے وہاں سے حرمین کا سفر اختیار کیا واپسی پہ ایک علمی ادارہ۔ ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' کی نیو ٹاؤن کراچی میں بنیاد رکھی۔ آپ اس ادارہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ عربی زبان کے صاحب طرز ادیب تھے۔ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپ کے قصائد اس کے شاہد ہیں۔ جو مصر کے علمی رسالہ ''الاسلام'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ اُردو، پشتو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں کے ادیب اور شاعر تھے۔ دمشق کی مجلسِ علمی کے ممبر تھے۔

آپ کی مشہور تصانیف: (۱) معارفُ السُّنَن شرح جامع ترمذی (عربی) جلد اوّل۔ آپ کی تصانیف میں سب سے بڑی تصنیف یہی ہے جو چھ جلدوں میں کوئی تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲) بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب'' (عربی)۔ (۳) نفحۃ العنبر۔ اپنے اُستاذ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح ہے جو 1935ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ (۴) یتیمۃ البیان فی مشکلات القرآن'' مطبوعہ دہلی۔ (۵) تسخیر کائنات اور اسلام۔ (۶) ختم نبوت۔

اور ان کے علاوہ جن کتابوں پر آپ نے مقدمے تحریر فرمائے ہیں وہ بجائے خود ایک تصنیف ہیں ان میں سے ''فیض الباری شرح بخاری'' مطبوعہ مصر مقدمۃ مشکلات القرآن مقدمہ عبقات، مقدمہ عقیدۃ الاسلام بنزول عیسیٰ علیہ السلام مطبوعہ کراچی ''مقدمہ نصب الرایہ لتخریج الھدایہ'' مطبوعہ قاہرہ، مقدمہ مقالات الکوثری مطبوعہ قاہرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مجاز صحبت'' ہیں ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بھی آپ کو اجازت بیعت'' حاصل تھی۔ علامہ طنطاوی مصری صاحبِ تفسیر طنطاوی پر آپ نے مصنف کے روبرو نقد تبصرہ جس میں خود مصنف متاثر ہوئے اور بہت سی تنقیدات کو انصاف پسندی کے ساتھ اُنہوں نے قبول کیا اور ''یا اُستاذ'' کے الفاظ سے خطاب کیا۔ موتمر علامِ اسلامی قاہرہ (مصر) میں رئیس وفد پاکستان کی

حیثیت سے آپ کو بلایا گیا۔ آپ نے کراچی میں ایک مثالی دارالعلوم قائم فرمایا۔

اولاد میں بچیوں کے علاوہ آپ کے دو فرزند تھے بڑے مولانا محمد بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا سلمان بنوری (نائب مہتمم بنوری ٹاؤن) ہیں۔ آپ 5۔ اکتوبر کو ''اسلامی مشاورتی کونسل'' کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے اسلام آباد آئے ہوئے تھے کہ اسی دوران دل کی تکلیف ہوئی سی ایم ایچ داخل کروا دیئے گئے اور پیر کی صبح 17۔ اکتوبر 1977ء کو اپنے رب سے جا ملے۔

جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں غسل دیا گیا ور تجہیز و تکفین ہوئی، تین بجے بعد نمازِ ظہر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کی اقتداء میں مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے نماز جنازہ پڑھی، اس کے بعد تابوت بذریعہ جہاز کراچی لے جایا گیا۔ اور نو بجے کے بعد مدرسہ عربیہ اسلامیہ اور آپ کی بنوائی ہوئی جامع مسجد کے ایک جانب آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس زمین کے سپرد کر دیا گیا جو بنی آدم کا آخری ٹھکانا ہے۔'' (مشاہر علماء دیوبند ج ا ص ۶۳۵)

(34) مولانا عتیق احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے بارے میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ناظرین المفتی یہ خبر حسرت و افسوس کے ساتھ سُنیں گے کہ مولانا عتیق احمد صاحب صدیقی سابق مدیر الانصار دیوبند و مدیر قاسم العلوم دیوبند تین چار ماہ کی طویل علالت کے بعد ۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ شب چہار شنبہ (بدھ) میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم ایک فاضل عالمِ قابل ایڈیٹر سچے ہمدرد اہل اسلام، صالحِ اور با اخلاق بزرگ تھے۔ ہمیشہ بذریعہ اخبار و رسائل عقائد حقّہ اور مضامین مفیدہ کی اشاعت ان کا مشغلہ رہا حق تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ مرحوم کا ایک تجارتی کُتب خانہ بھی تھا، افسوس ہے کہ ان کے ورثہ میں اس وقت سوائے چھوٹے چھوٹے بچوں اور ایک بیوہ اور بوڑھے ضعیف العمر والد کے کوئی ایسا نہیں جو اس کو سنبھال سکے لیکن چونکہ ان بچوں کے لئے کوئی ذریعہ معاش بھی دوسرا نہیں اس لئے کوشش کی جا رہی ہے کہ کُتب خانہ بدستور جاری رکھا جائے۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۳ ص ۲۰۰)

(35) حضرت مولانا محمد کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ ایم اے، فاضلِ دیوبند، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور، آپ کا اصل وطن ''مونڈکا''، تحصیل و ضلع مظفر گڑھ تھا، اسی نسبت سے آپ خود کو مظفر گڑھی لکھا

کرتے تھے، حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر رحمہ اللہ آپ کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''آپ بڑے محقق، نکتہ رس، دیانت دار اور خوفِ خدا رکھنے والے بزرگ تھے، آپ بڑے تخلیہ پسند اور صوفی مزاج تھے، نام و شہرت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، (چہل مسئلہ حضرات بریلویہ ص: ۵،۶) شاید یہی وجہ ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود آپ کے حالات دستیاب نہیں ہوسکے، تاہم کچھ حالات بریگیڈیئر قاری فیوض الرحمٰن نے اپنی کتاب ''معاصرینِ اقبال'' میں درج کئے ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پرانی انارکلی میں ٹولنٹن مارکیٹ سے ذرا آگے بائیں جانب کی ایک گلی کے ایک مکان میں رہا کرتے تھے، یہ جگہ دھوبی منڈی کہلاتی ہے۔

حضرت مولانا کریم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی کتابیں بھی تحریر فرمائی تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں: (۱) کتاب الحج والزیارۃ (۲) اَرکانِ اربعہ (۳) حقیقۃ الایمان (۴) صلوٰۃ المومنین من کلام رب العالمین (۵) جزاء الاحسان (۶) شرح اذکار الصلوٰۃ (۷) نور البشر (۸) ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۹) ضرورتِ حدیث (۱۰) خزانۃ الاسرار (۱۱) قولِ محمود در مسئلہ سود (۱۲) الکلمۃ العلیا فی حقائق الرؤیا (۱۳) احسن المقالات فی ضیافۃ الاموات (۱۴) احسن تقویم یعنی سالانہ دائمی جنتری (۱۵) شعار الاخیار فی الدعوات والاذکار (۱۶) چہل مسئلہ حضرات بریلویہ (۱۷) کشف النقاب عن مسئلۃ الحجاب۔

آخر کی چار کتابیں راقم الحروف کے پاس بھی ہیں باقی کی زیارت نہیں ہوسکی، بریگیڈیئر فیوض الرحمٰن صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مولانا کریم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ شاہ محمد یٰسین نیگنوی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۶۰ھ/ 1941ء) کے خلیفہ مجاز تھے، ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۶۵ھ/ 19 مئی 1946ء میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کے آبائی وطن مونڈ کا ضلع مظفر گڑھ میں تدفین ہوئی۔ (بیا بہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۷۷)

(36) حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

سید احمد رضا ابن پیر جی شبیر علی کی پیدائش جنوری ۱۹۰۷ء بمقام بجنور میں ہوئی، ددھیال سیتا پور اور ننھیال جہاں آباد ضلع بجنور ہے۔ خود تحریر فرماتے ہیں کہ، احقر کی ابتدائی فارسی وغیرہ کی تعلیم بجنور میں ہوئی، ۱۰ سال کی عمر میں عربی کے لیے سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوا۔ غالباً 1918ء تک وہاں رہا۔ 1919ء تا 1922ء میں مدرسہ عربیہ قادریہ حسن پور جا کر تعلیم جاری

رکھی، وہاں حضرت مولانا ولی احمد صاحب کیمل پوری (تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوا۔

1923ء تا 1926ء دارالعلوم دیوبند میں رہا۔اس چار سالہ قیام میں زیادہ تعلق حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے رہا۔۴۶۔۱۳۴۵ھ جس میں دورہ حدیث تھا۔ اصلاحی تحریک کی تائید میں طلبہ نے دوبار تعلیمی مقاطعہ کیا۔حضرت شاہ صاحب چند ماہ ترمذی پڑھا چکے تھے، پھر مستعفی ہو گئے، اور دوسرے اکابر اساتذہ نے بھی ترک تعلق کیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترک تعلق پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے باقی ترمذی شریف و بخاری شریف پڑھائی، دوسری اسٹرائک ہوئی تو احقر نے عدم شرکت اور تعلیم پوری کرنے کو ترجیح دی، جس کے لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت حاصل ہوگئی۔

اس طرح دورہ کا سال پورا کر کے احقر تبلیغ کالج کرنال چلا گیا وہاں تین سال اور چند ماہ رہ کر تبلیغی ضرورت کے لئے انگریزی پڑھی، ادب عربی کے تخصص کا نصاب پورا کیا اور کتب مذاہب وملل کا مطالعہ، مشق تقریر، تحریر اور مناظرہ کا سلسلہ رہا۔ وہاں سے فارغ ہو کر 29ء میں ڈابھیل پہنچا اور مجلس علمی سے تعلق ہوا جو 45ء تک باقی رہا، اس کے بعد رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مجلس کو مستقل طور سے کراچی منتقل کرنا پڑا۔حضرت مخدوم ومحترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب بانی وسرپرست مجلس نے احقر کو وہاں بھی بلانا چاہا۔بعض وجوہ سے ترک وطن کو ترجیح نہ ہو سکی۔ ڈابھیل کے قیام میں آپ کے آخری دو سال کے درس بخاری شریف میں شرکت واستفادہ کی نعمت غیر مترقبہ مل گئی۔

38ء 39ء میں فیض الباری ونصب الرایہ وغیرہ طبع کرانے کی غرض سے رفیق محترم مولانا المکرّم علامہ بنوری کے ساتھ حرمین ومصر وترکی کا سفر ہوا۔نو دس ماہ قیام مصر میں علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق واستفادہ بھی بڑی نعمت تھے۔اس خالص علمی سفر کے اول وآخر جو اپنے محبوب ترین روحانی مراکز مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ کی حاضری وحج وزیارات کی نعمت وسعادت اور دونوں بار طویل قیاموں میں علماء حرمین سے تعلق واستفادہ معاہد ومکاتب حرمین کی زیارات، یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے اوپر کسی نعمت کا تصور اس دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد بیعت سلوک کی طرف رجحان ہوا۔حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے استشارہ کیا کہ کس سے بیعت ہوں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ وقت مولانا حسین علی میانوالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ دیا۔ احقر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور تاحیات استفادہ کرتا رہا۔ چند سال قبل حضرت شیخ و مرشد مولانا عبداللہ شاہ خلیفۂ حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کندیاں ضلع میانوالی سے پہلے ذریعۂ مکاتبت اور پھر سرہند شریف میں وقت زیارت مشافہۃً شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کے جانشین حضرت شیخ و مرشد مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ذریعہ مکاتبت پھر گذشتہ سال وقت تشریف آوری دیوبند مشافہۃً بیعت سے مشرف ہوا۔ واللہ الموفق لما یحبہ ویرضی، زمانۂ تعلق مجلس علمی ڈابھیل میں 4،5 سال تک کتب درسیہ بھی جامعہ ڈابھیل میں پڑھائیں۔ یاد رہے کہ البلاغۃ الواضحہ، قدوری، کنز و ہدایہ میبذی، وشرح عقائد، دیوان متنبی وسبعہ معلقہ وغیرہ پڑھائیں۔ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں افریقہ گئے تھے تو اہتمام جامعہ بھی احقر و مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کو سپرد کر گئے تھے۔ دیوبند سے فارغ ہو کر احقر نے ''مولوی فاضل'' پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی اور چار سال تک مولوی فاضل کے پرچۂ جواب مضمون عربی کا ممتحن بھی رہا۔

46ء سے 52ء تک احقر کا قیام بجنور رہا جس میں مطب کا مشغلہ اور کچھ پڑھنے کا کام بھی اہتمام یتیم خانہ اسلامیہ بجنور کے ساتھ رہا۔ 53ء سے 59ء تک دہلی قیام رہا۔ جس میں دفتر روزنامہ الجمعیۃ اور الجمعیۃ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔ 47ء میں احقر کا عقد نکاح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا (نکاح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا)۔ اب دو سال سے دارالعلوم دیوبند کے شعبہ نشر و اشاعت سے تعلق ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل، عنوان بندی و تصحیح اغلاط مطبعی وغیرہ کا کام سپرد ہے۔ (انوار الباری ج ۲ ص ۴۵۷)

آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں مختصر سی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۲۲ / رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۲ / جنوری ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کا انتقال ہوا۔ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کا تعلق، واسطہ اور رابطہ ادارہ ندوۃ المصنفین اور رسالہ برہان سے روز اوّل ہی سے رہا۔ ان کی عربی زبان اور اردو زبان میں زبردست تصانیف ہیں۔ ان کی مشہور و معروف کتاب 'انوار الباری' (کئی ضخیم جلدوں میں) اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں

میں شمار ہوتی ہے۔حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ (وفیات بُرہان ص ۲۵۰)

(37) مولانا محمد بن موسیٰ افریقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا آبائی وطن ضلع سورت میں قصبہ سملک تھا، مگر چند پشتوں سے اُن کے خاندان نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ کو وطن اقامت بنالیا تھا، وہیں تقریباً ۱۳۲۲ھ/ 1904ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے لئے والد ماجد نے ہندوستان بھیج دیا، یہاں پالن پور میں مولانا نذیر احمد پالن پوری سے پڑھا، ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۴۴ھ میں فراغت حاصل کی، دارالعلوم میں آنے کے ساتھ ہی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے اور ہوبہو اپنے استاذ کا نمونہ بن گئے تھے، دولت مند ہونے کے باوجود مزاج اور رہن سہن میں انتہائی سادگی اور تواضع تھی۔عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہوکر جوہانسبرگ چلے گئے، وہاں اپنے وسیع ترین تجارتی کاروبار کے ساتھ بڑے پیمانے پر دینی خدمات بھی انجام دیتے رہے، اسلامی اور عصری علوم کی تعلیم کے لئے جوہانسبرگ میں واٹر فال اسلامی انسٹی ٹیوٹ قائم کیا، اس کے لئے عالیشان عمارت تعمیر کرائی، انسٹیٹیوٹ کے تمام مصارف اپنے پاس سے پورے کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے طریقے کے مطابق مفت تعلیم کے ساتھ طلباء کے خورد نوش کا انتظام بھی ان ہی کی جانب سے تھا، جمعیۃ العلماء ٹرانسوال کے ہمیشہ صدر رہے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تعمیر و ترقی میں ان کی زبردست مالی امداد کا بڑا حصہ ہے۔علمی کاموں سے بھی ہمیشہ شغف رہا، ڈابھیل میں مجلس علمی کے نام سے ایک تصنیفی ادارہ قائم کیا، جس میں اہم علمی کتابوں کے شائع کرنے کا انتظام کیا اور اس کے بھی تمام مصارف اپنے ذمے رکھے، علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ (وفات ۱۳۲۲ھ) کی کتاب آثارُ السنن پر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ خاص سے لکھے ہوئے حواشی کی مائیکروفلم لے کر اہلِ علم کے لئے اس کے نسخے شائع کئے۔حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے مصنف ابن عبدالرزاق کو انہی کے صاحبزادوں کی مالی اعانت سے ایڈیٹ کرکے شائع کیا۔

آپ نے 16۔ اپریل 1963ء (۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ) کو جوہانسبرگ جنوبی افریقہ

میں وفات پائی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۱۵۲)

(38) حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ (بڑے شاہ جی)

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزند تھے۔ عادل صدیقی صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ ''ایک اندازہ کے مطابق انہوں نے اپنی مدت العمر میں تقریباً چار ہزار مضامین مختلف ادبی، دینی، سیاسی، اور سماجی موضوعات پر لکھے ہیں۔ تقریباً ۳۳ برس سے دارالعلوم کے ماہ نامہ ''رسالہ دارالعلوم'' کے ایڈیٹر رہے۔ دیوبند سے شائع ہونے والے اخبار استقلال، ماہنامہ ہادی، ماہنامہ خالد، کے ایڈیٹر رہے اس طرح انہوں نے سات یا آٹھ مختلف رسائل اور اخبارات کی ادارت سنبھالی ہے۔

اگر کسی مجلس میں شعروشاعری کا ذکر آجاتا تو عربی و فارسی اور اردو کے پچاسوں منتخب اشعار سنا دیتے تھے۔ کسی خاص موضوع سے متعلق کتابوں کا ذکر آجاتا تو بیسیوں مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کا نام بتا دیتے اور ساتھ ہی ساتھ مصنف کا تعارف اور کتابوں کی محاسن وعیوب پر فاضلانہ ومحققانہ روشنی بھی ڈالتے جاتے تھے۔ شاہ جی کی مشہور تصانیف...... ''یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ'' ''سفینہ وطن کے ناخدا'' ''متفرقات'' اور حیات انور'' وغیرہ ہیں۔ آپ کے مخلصانہ تعلقات اور گہرے روابط ہر مکتب فکر کے لوگوں سے یکساں طور پر تھے خصوصاً شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا سندھی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خان، جگر مرادآبادی احسان دانش، سیماب اکبرآبادی، روش صدیقی، مولانا مظہر علی اظہر، غلام محمد صادق غلام رسول مہر جیسی بین الاقوامی شخصیتوں سے گہرے روابط و دیرینہ مراسم تاحیات قائم رہے۔

موصوف ''آل انڈیا ریڈیو'' کی دعوت پر دہلی تشریف لاتے جامعہ رحیمیہ میں قیام فرماتے شیر میوات صاحب کے خصوصی مہمان ہوتے۔ آخری دفعہ 7 ستمبر 1983ء کو آل انڈیا ریڈیو کی دعوت پر دہلی تشریف لائے غالباً سیرت نبوی یا فلسفہ قرآنی پر تقریر ٹیپ کرائی تھی۔

شاہ جی 27 نومبر 1985ء کو راہی ملک عدم ہو گئے۔ (دُنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں ص ۸۱)

مولانا ازہر شاہ صاحب نے یکے بعد دیگر سے دو نکاح کئے تھے دونوں سے آپ کو اللہ نے اولاد عطا فرمائی ہے۔ آپ کے چار فرزند اور تین صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ محمد اطہر، محمد راحت، محمد نسیم اور محمد وجاہت۔

(39) حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش شب براءۃ ۱۳۴۷ھ۔ آپ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تقریباً تیس سال بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس کی۔ ۱۴۰۲ھ سے تاحیات دار العلوم دیوبند وقف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ پہلی بیعت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ ان کے بعد حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ اس کے علاوہ دیگر مشائخ سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: (1) حکیم محمد اسلام خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (2) حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کندیاں شریف (3) حضرت مولانا حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ کراچی خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ۔ 26 اپریل 2008ء میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ دیوبند میں اپنے والد گرامی کے پہلو میں جگہ ملی۔

خلافت دینے کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ مشہور مجازین کے اسماء گرامی یہ ہیں:
(1) مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد (2) حاجی سہیل شیخ صاحب (3) جناب شعیب ملا صاحب انگلینڈ (4) مفتی محمد خالد صاحب برمنگھم (5) صاحبزادہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مدّظلہ اور کچھ حضرات کشمیر کے بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں ہیں۔ صاحبزادہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مدّظلہ نے 1979ء میں قدیم دار العلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا اسی وقت سے تدریس کے شعبہ سے منسلک ہیں، اپنے والد گرامی سے اجازت حدیث بھی ہے اور اجازتِ طریقت بھی۔ آپ دار العلوم وقف دیوبند میں شیخ الحدیث ہیں اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ جامعۃ الامام سید انور شاہؒ کے مہتمم ہیں۔ آپ کا ایک صاحبزادہ حافظ سید محمد ہمدان شاہ اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ (حیات انوری صفحہ 97)

(40) حضرت مولانا سیّد محمد ادریس سکروڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ضلع سہارنپور میں بھگوان پور کے قریب ایک بستی ''سکروڑہ'' نامی ہے۔ یہ مسلم راجپوت اور سادات کی مشترکہ آبادی ہے۔ موصوف یہیں کے باشندے تھے۔ دیوبند پڑھنے کے لئے آئے

تو مولانا حبیب الرحمٰن نے حضرت شاہ صاحب (انور شاہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ پھر انہوں نے ایسی جم کر خدمت کی چالیس سال کے طویل عرصہ میں کبھی جدا نہیں ہوئے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے امتحان دینے کا شوق چڑھا تو بلا اطلاع غائب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ لاہور میں ہیں۔ استاذ اپنے شاگرد کی مخلصانہ خدمت سے اس قدر مانوس ہو چکے تھے کہ ان کی تلاش میں لاہور جا پہنچے، مولانا ادریس لاہور پہنچنے کے ساتھ ہی ''اپٹوڈیٹ'' بن گئے۔ شاہ صاحب نے اپنی پوشاک پہنائی اور پھر دیوبند لے آئے، اس کے بعد فرار کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ دارالعلوم میں مدرس رہے اور پھر ڈابھیل میں بھی شاہ صاحب کی وفات کے بعد بیشتر وقت ڈابھیل میں گزرا۔ فن ریاضی و ہیئت میں طبیعت نافذ تھی۔ عمر کا آخری حصہ دہلی کے مدرسہ ''حسین بخش'' میں مدرسی کرتے ہوئے بیتا۔ یہیں دلی میں گھنٹہ گھر کے قریب ایک مسجد میں امامت کرتے رہے۔ آپ ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس پہ مامور ہوئے اور ۱۳۴۶ھ تک پڑھاتے رہے۔ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو ان کے داماد مظفر نگر لے آئے۔ وہیں کی خاک میں آسودہ خواب ہوئے۔ اولاد ذکور میں کوئی نہیں۔ صرف تین لڑکیاں تھیں۔ تیسری لڑکی مولانا محمد بشیر صاحب کے نکاح میں ہیں جو خود بھی شاہ صاحب کے تلامذہ میں ہیں۔ ان ہی مولانا بشیر احمد صاحب کی لڑکی یعنی مولانا محمد ادریس کی نواسی شاہ صاحب کے فرزندِ اکبر مولانا ازہر شاہ قیصر مدیر رسالہ ''دارالعلوم'' کے عقد میں ہیں۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۴۶۳)

(41) امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی نعمان، ابو حنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ''اسماعیل'' امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نسب اس طرح ذکر کرتے ہیں ''اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام بھی نعمان تھا، اسماعیل یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہمارے پردادا ثابت زمانۂ طفولیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے اُن کے اور اُن کی اَولاد کے حق میں دُعاءِ برکت فرمائی تھی اور ہمیں اُمید ہے کہ اُن کی یہ دُعاء ہمارے حق میں ضرور قبول ہوئی ہوگی، وہ کہتے ہیں کہ ثابت کے والد نعمان وہی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔

اسماعیل یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم فارسی النسل ہیں ہمارے باپ دادا سب آزاد لوگ

تھے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض ۶۱ھ بتلاتے ہیں، بعض ۷۱ھ کہتے ہیں مشہور روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ عراق کا مشہور شہر کوفہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولد و مسکن ہے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے ادب و اَنساب اور اس کے بعد خصوصاً علم کلام حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد فقیہِ وقت حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور امام اور اُستاذِ وقت تھے بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کر چکے تھے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام حماد رحمۃ اللہ علیہ سے پورے اٹھارہ برس استفادہ کیا۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔

اس زمانے میں حج افادہ واستفادہ کا بڑا ذریعہ تھا۔ امام ابوالمحاسن مرغینانی نے بسند نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پچپن حج کیے تھے آپ نے حرمین کے شیوخ میں سے عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں اور سالم بن عبداللہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ طیبہ میں خصوصیت سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ علاوہ ازیں ۱۳۰ھ سے لے کر منصور عباسی کے زمانۂ خلافت تک جس کو چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ کا مستقل طور پر قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا۔ بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ کا سفر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ و بصرہ غرضیکہ عراق وحجاز دونوں کی روایات کو حاصل کیا۔

خطیب بغدادی بسند ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین ابوجعفر منصور نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے، فرمایا: عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور اُن کے شاگردوں کا۔ آپ نے اہل بیت کے تین جلیل القدر ائمہ حضرات امام باقر رحمۃ اللہ علیہ، امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علوم نبوت اور اَسرارِ شریعت حاصل کیے تھے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کی روایات کتاب الآثار للامام محمد میں موجود ہیں۔ علامہ کردی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ سو فقہاء محدثین کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس طرح فقہاء میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں اسی طرح محدثین میں عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد، امام مالک اور مسعر بن

کدام رحمۃ اللہ علیہم اور صوفیاء میں فضیل بن عیاض، داود طائی، بشر بن حارث حافی، ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت وطبّاعی مشہور ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لیے دعاءِ رحمت فرماتے۔ خطیب یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ عقائد میں بھی سب سے پہلی کتاب ''الفقہ الاکبر'' آپ نے تصنیف فرمائی اور اَعمال میں بھی فقہی ترتیب پر سب سے پہلی حدیث کی کتاب ''کتاب الآثار'' آپ نے ترتیب دی اس لحاظ سے آپ علم شریعت کے مدون اوّل ہوئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم شریعت کی تدوین کے لیے باقاعدہ ایک مجلس فقہی قائم کی تھی جس کے چالیس اَرکان تھے جو اپنے زمانہ کے بڑے بڑے مفسر، محدث، فقہ و مجتہد، نحوی، صرفی، لغوی اور قیاس دان تھے، یہ حضرات انتہائی غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد مسائل کو مدوّن کرتے تھے۔ اس طرح سے اس مجلس نے تراسی ہزار مسائل پر مشتمل فقہی مجموعہ تیار کرلیا تھا جن میں سے اڑتیس ہزار مسائل عبادات اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔ تدوینِ فقہ کا کام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴۳ھ کے قریب شروع کیا تھا۔

آپ جلیل القدر تابعی، حافظ القرآن، حافظ الحدیث، محدث، مجتہد مطلق اور محبّ وشہید اہل بیت تھے۔ اَہل بیت کرام کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ آپ نے اُموی حکمران ہشام بن عبدالملک کے خلاف امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا ساتھ دیا۔ منصور عباسی نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور خاص منصوبہ کے تحت قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیشکش کی آپ نے اس پیشکش کو شدت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اس پر منصور بھڑک اُٹھا، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بُرا بھلا کہنے لگا، اور کوڑا منگا کر تیس کوڑے لگائے۔ لیکن پھر بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے انکار پر مُصر رہے تو منصور نے آپ کو جیل بھیج دیا اور آپ پر سختی کرنے کا حکم دیا۔ آپ کو زبردستی زہر پلایا گیا، جس سے آپ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا موت کا احساس کرکے آپ سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں آپ کی

روح قفصِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا سانحہ بقول بعض شعبان یا شوال میں اور اکثر مؤرخین کے قول کے مطابق رجب ۱۵۰ھ میں پیش آیا۔ جیل سے آپ کا جنازہ اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے انتہائی کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ محدود اندازہ کے مطابق پچاس ہزار افراد نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ کثرت اژدحام کی وجہ سے چھ مرتبہ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور ''مقبرۃ الخیز ران'' میں آپ کی تدفین ہوئی۔ لوگ بیس روز تک قبر پر نماز کے لیے آتے رہے۔ آپ نے اپنے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں روحانی اولاد کے ساتھ ایک صاحبزادے چھوڑے جن کا نام حماد تھا رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (بیاہ مجلس نفیس ص ۵۱۳)

(42) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

مالک بن انس بن مالک عمر (پیدائش ۹۳ھ 711ء مدینہ منورہ) امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہیں اور ابو عامر اصبحی دادا ان کے صحابی جلیل القدر ہیں۔ سوائے جنگ بدر کے اور سب غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ فقہ مالکی اہل سنت کے ان چار مسالک میں سے ایک ہے جس کے پیروکار آج بھی بڑی تعداد میں ہیں۔

آپ کے زمانہ میں بغداد میں عباسی خلفاء حکمران تھے۔ جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ کوفہ میں تھے قریب قریب اسی زمانہ میں امام مالک مدینہ منورہ میں تھے۔ انہوں نے حدیث کا ایک مجموعہ تالیف کیا جس کا نام موطا امام مالک تھا۔ امام مالک عشق رسول اور حب اہل بیت میں اس حد تک سرشار تھے کہ ساری عمر مدینہ منورہ میں بطریق احتیاط و ادب ننگے پاؤں پھرتے گزار دی۔

مسئلہ خلق قرآن میں مامون الرشید اور اس کے جانشین نے آپ پر بے پناہ تشدد کیا لیکن آپ نے اپنی رائے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ ہارون الرشید نے ان سے درخواست کی کہ ان کے دونوں بیٹوں امین و مامون کو محل میں آ کر حدیث پڑھا دیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ مجبوراً ہارون کو اپنے بیٹوں کو ان کے ہاں پڑھنے کے لیے بھیجنا پڑا۔ فقہ مالکی کا زیادہ رواج مغربی افریقہ اور اندلس میں ہوا۔ امام مالک کو امام ابوحنیفہ اور امام جعفر صادق سے بھی علم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ نو سو شیوخ سے استفادہ حدیث فرمایا اور فتویٰ نہ دیا۔ یہاں تک کہ ستر اماموں نے گواہی دی کہ وہ افتا کے قابل ہیں اور اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث لکھیں اور سترہ برس کے سن میں درس

حدیث شروع کیا اور جب حدیث پڑھانے بیٹھتے غسل کرتے اور خوشبو لگاتے اور نئے کپڑے پہنتے اور بڑے خشوع خضوع اور وقار سے بیٹھتے۔ امام شافعی اِن کے شاگرد ہیں اور امام احمد ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اور امام محمد جو شاگرد ہیں امام اعظم کے وہ بھی شاگرد ہیں امام مالک کے۔ جب امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کیا اس وقت لوگوں کے پاس کوئی کتاب نہ تھی بسوا کتاب اللہ کے۔ اساتذہ: ابن شہاب زھری، امام جعفر الصادق، عبدالرحمٰن اوزاعی، ایوب سختیانی، قابلِ ذکر شاگرد: محمد بن ادریس شافعی، محمد بن حسن شیبانی، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن اوزاعی۔

وفات کے وقت ان کی عمر ستاسی برس کی تھی اور بعض کے نزدیک نوے برس کی۔ امام مالک کی وفات بروز اتوار ۱۴ ربیع الاول ۹۷۱ھ مطابق 7 جون 795ء کو ہوئی۔ آپ کو مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں سپردخاک کیا گیا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(43) حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی معروف والد کا نام فیروز اور کنیت ابو محفوظ ہے، بغداد کے محلّہ کرخ میں رہنے کی وجہ سے کرخی کہلاتے ہیں۔ آپ دوسری صدی ہجری کے مشہور اولیاء کرام میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا تھا۔

آپ کے بارہ میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے تھے لیکن آپ کے بھائی عیسٰی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے سے ان کو عقیدۂ توحید کے لیے چن لیا تھا۔''

آپ اُن اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہیں جن پر کثرتِ نوافل سے زیادہ ذکر و فکر کا غلبہ تھا۔ ان کے ایک معاصر راوی ابوبکر بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی مسجد میں گیا۔ جب انہوں نے اذان شروع کی تو میں نے دیکھا کہ حضرت معروف کرخی قدس سرہ پر اضطراب کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ اور جب مؤذن نے أشھد أن لا اله الا الله کہا تو اُن کی ریش مبارک اور ابرو تک کے بال کھڑے ہوگئے، اور وہ بے قابو ہو کر اس درجہ جھکنے لگے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ اذان پوری بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

(حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم رحمۃ اللہ علیہ ج ۸، ص ۳۶۱)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۰۰ھ میں ہوئی۔ اور یہ بات اہل بغداد میں مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مزار پر کی ہوئی دعاء قبول فرماتے ہیں۔ خاص طور پر قحط کے زمانے میں بارش کی دُعاء۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۶۱)

ابوعبداللہ بن الحاملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارہ میں ستر سال سے جانتا ہوں کہ جوکوئی غمزدہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی دُعاء قبول فرماتے ہیں۔'' (تاریخ بغداد للخطیب رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۱۲۳)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے مرض الوفات میں عرض کیا گیا کچھ وصیت فرمایئے، فرمایا: جب میں مرجاؤں تو میری یہ قمیص صدقہ کردینا کیونکہ میری خواہش ہے کہ میں دنیا سے اُسی حالت میں (کپڑوں کے بغیر) جاؤں جس حالت میں آیا تھا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حالات پر مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ (بیا بہ مجلس نفیس ص ۷۰۵)

(44) حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام جعفر بن یونس، کنیت ابوبکر، خراسانی الاصل تھے۔ آپ کے مرقد مبارک پر آپ کا نام جعفر بن یونس کندہ ہے۔ موضع شبیلہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۴۷ھ/ 861ء میں بمقام سامرہ جو نواح بغداد میں ہے ہوئی اور وہیں پر آپ کی نشوونما ہوئی، یہیں تعلیم وتربیت پائی تھی۔ ان کے والد خلیفۂ بغداد کے حاجب (چوبدار) تھے اور خود شیخ شبلی حاکم نہاوند تھے۔

خلیفہ نے ایک گستاخی پر شیخ کو معزول کردیا۔ اس واقعہ نے شیخ کی زندگی کو بدل ڈالا۔ تارک الدنیا ہوگئے اور حضرت خیر نساج قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوکر مکروہاتِ دنیوی سے توبہ کی۔ حضرت خیر نساج نے انہیں شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں سے تھے۔ آپ نے خدمتِ شیخ میں رہ کر علم وعرفان کا بلند درجہ حاصل کیا اور خرقۂ خلافت پایا۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت امام مالک کے مقلد تھے۔ تیس سال تک علم فقہ وحدیث پڑھا۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ کو زبانی یاد تھی۔

روایت ہے شیخ شبلی ہمیشہ اللہ اللہ کہتے۔ ایک درویش نے پوچھا: لاالٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا: ڈرتا ہوں اگر لفظِ اللہ سے پہلے نفی لا میں مشغول رہا اور سانس منقطع ہوگئی تو مقامِ نفی

میں رہ جاؤں گا۔ درویش نے کہا میں اس سے بہتر توجیہہ چاہتا ہوں۔ کہا لانفی غیر اللہ کے لئے ہے اور میں غیر حق کو کسی صورت نہیں چاہتا۔ روایت ہے شیخ ابھی مرض الموت ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر شہر میں اُڑ گئی۔ لوگ انبوہ در انبوہ نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ شیخ نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہنس کر کہا: عجیب بات ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے آرہے ہیں۔ اُس وقت ایک شخص نے کہا: اے شیخ کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کہئے۔ فرمایا: لانہیں کہوں گا۔ لوگوں نے کہا: اس وقت سوائے کلمہ کہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا شیخ نے فرمایا: سبحان اللہ مُردہ زندہ کو تلقینِ شہادت کرتا ہے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے پوچھا: کہئے آپ کیسے ہیں؟ فرمایا: ابھی محبوب سے ملا چاہتا ہوں۔ یہ کہا اور واصلِ بحق ہوگئے۔ آپ کا وصال ۲۷ ذی الحجہ ۳۴۴ھ/ 955ء شب جمعہ ۸۸ سال کی عمر شریف میں ہوا اور اس وقت المستکفی باللہ کا دور خلافت تھا۔ آپ کے صرف دو خلفاء کے اسمائے گرامی دستیاب ہوئے ہیں۔ (۱) حضرت خواجہ عبدالواحد ابوالفضل تمیمی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت ابوالحسن نیالم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مزار مبارک بغداد شریف کے مقام سامرہ میں مرجع خلائق ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۱۴۴، ضیاء طیبہ)

(45) حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

بایزید بسطامی جو شیخ ابو یزید البسطامی اور طیفور ابو یزید بسطامی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں اصل نام ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن شروسان البسطامی اور کنیت ابو یزید ہے۔ فارس (ایران) کے صوبے بسطام میں 804ء میں پیدا ہوئے۔ بسطامی آپ کے نام کے ساتھ اسی نسبت سے لگایا جاتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مجوسی تھے جو بعد میں اسلام کی طرف راغب ہوگئے۔ بسطام ایک بڑا قریہ ہے جو نیشا پور کے راستے میں واقع ہے آپ کے دادا کے تین بیٹے تھے، آدم، طیفور (بایزید کے والد) اور علی یہ سارے بڑے ہی زاہد اور عبادت گزار تھے وفات ۲۶۱ہجری میں ہوئی۔ آپ معروف ترین مسلم صوفیہ کرام میں سے ایک ہیں۔ تصوف میں آپ کے استاد ابو علی السندی نامی ایک صوفی تھے جو عربی نہیں جانتے تھے۔ بعد ازاں دنیا ترک کردی اور بارہ سال تک جنگلوں میں ریاضت کی۔ آپ کو علم باطن میں: (۱) امام جعفر صادق کی روحانیت سے تربیت ہے جبکہ آپ کی پیدائش امام کی وفات کے بعد کی ہے۔ (۲) ذوالنون مصری۔ آپ کے معتقدین کو

طیفوریہ اور بسطامیہ کہا جاتا ہے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی نے آپ کے متعلق فرمایا بایزید ہمارے درمیاں اس طرح ہیں جس طرح ملائکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام امام مناوی فرماتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی عارفین کے اماموں کے بھی امام تھے اور محققین صوفیہ کرام کے مشائخ کے شیخ تھے۔ ابن عربی انہیں ابو یزید اکبر کہا کرتے تھے اور انہوں نے ذکر کیا کہ آپ اپنے زمانہ کے قطب غوث تھے۔ جب بایزید نماز پڑھتے تو اللہ کی ہیبت اور شریعت کی تعلیم کی وجہ سے ان کے سینہ کی ہڈیوں سے آواز نکلتی تھی جس کو لوگ سن لیتے۔

آپ نے ۱۵ شعبان ۲۳۱ھ 874ء بسطام میں انتقال کیا۔ جبکہ یہ بھی کہا گیا کہ ان کا وصال ۲۶۱ھ میں ہوا۔ کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ چند اقوال مختلف لوگوں کی زبانی تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(46) مولانا امین الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۸۳ھ کے قریب اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ایلہ ضلع ناسک میں سکونت اختیار کرلی تھی اور آخر میں مدرسہ امینیہ کے قیام کے بعد بس دہلی ہی کے ہوکر رہ گئے۔ ۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا پھر ۱۳۰۷ھ میں شاہجہان پور چلے گئے وہاں مولانا نادر الدین سے معقولات کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۹ھ میں پھر دیوبند واپس آکر درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ نے سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی میں مدرسہ امینیہ جاری کیا اس کے سب سے پہلے صدر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور ان کے بعد مولانا مفتی کفایت اللہ نے اسے بہت ترقی دی۔

مولانا امین الدین رحمۃ اللہ علیہ دہلی اور اس کے اطراف میں اپنے زہد وتقویٰ کے باعث بہت مشہور تھے۔ عملیات کے فن میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ان کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ دینی معاملات اور مدرسہ کے انتظامات میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔ سیاسی ہنگاموں سے ہمیشہ دامن کش رہے طلبہ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔

۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ/ 6 جون 1920ء کو وفات پائی۔ قبرستان مہندیوں، میں حضرۃ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۳ ص ۸۸)

(47) حضرت مولانا کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک قریہ ضلع لدھیانہ کے باشندے تھے۔ بہت حلیم اور طلبہ کے نہایت ہی خیر خواہ تھے۔ فارسی اور ابتدائی عربی وطن میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں موقوف علیہ دورہ حدیث مولانا غلام رسول صاحب سرحدی (ہزاروی) وغیرہ اساتذہ سے پڑھ کر خاتمہ المحدثین حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث لی اور حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے حکم سے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس ہوئے اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی کتابیں 28 برس پڑھائیں۔ اکابر علماء و مشایخ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں: مثلاً مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد انوری لائلپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ وغیر ہیں۔ اس اثناء میں ان کو بڑی بڑی تنخواہیں باہر سے آئیں۔ باوجود یہ کہ تنخواہ بہت قلیل تھی مگر باہر نہیں گئے اور اسی پر قانع رہے اور اسی میں بروز جمعہ مورخہ یکم صفر ۱۳۳۹ھ مطابق جمعہ 15 اکتوبر 1920ء گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں رحلت فرمائی۔ (خیر السوانح: ص107)

(48) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ۶ ذی قعد ۱۲۴۴ھ/ 1829ء بروز پیر گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اپنے زمانہ کے جید عالم اور حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی عمر ابھی سات سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آپ قرآن پاک وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں مولانا محمد تقی کے پاس کرنال چلے گئے اور اُن سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں مولانا محمد بخش رامپوری سے پڑھیں۔ ۱۲۶۱ھ/ 1845ء میں دہلی پہنچ کر حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، یہیں آپ کا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم ہوا جو پھر ساری عمر قائم رہا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات کی بعض کتابیں حضرت مفتی صدر الدین آزردہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھیں، آخر میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷ محرم الحرام ۱۲۹۶ھ/ 31 دسمبر 1878ء) مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کر کے صرف چالیس دن میں خلافت سے سرفراز ہو گئے، گنگوہ واپس

واپس آ کر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا۔

1857ء میں مرشد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے معرکۂ جہاد میں شامل ہو کر دادِ شجاعت دی۔ معرکۂ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ رہائی کے بعد گنگوہ میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ۱۲۹۹ھ/ 1882ء میں تیسرے حج کے بعد آپ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ کو ختم کرا دیتے تھے۔ درسِ حدیث میں آپ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، آخر میں نزول الماء کی وجہ سے درس بند ہو گیا تھا مگر ارشاد و تلقین اور فتاویٰ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۱۲۹۷ھ/ 1880ء میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۴ھ/ 1896ء سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کی سرپرستی بھی قبول فرما لی تھی۔ آپ نے فقہ اور تصوف میں تقریباً 14 کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (آپ کی تصنیفات ''تالیفاتِ رشیدیہ'' کے نام سے ایک جلد میں ادارہ اسلامیات لاہور سے شائع ہو گئی ہیں) ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ/ 11 اگست 1905ء بروز جمعہ اذانِ جمعہ کے بعد 78 سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃً۔ آپ کی قبر مبارک ایک مسجد کے متصل درخت کے سایہ میں سنت کے مطابق کچی بنی ہوئی ہے۔ (بیاد مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۷۵)

(49) حضرت علامہ محمد ظہیر احسن شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۸ھ /1861ء کو اپنی خالہ کے گھر موضع صالح پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد ظہیر احسن، کنیت ابوالخیر اور دنیائے شعر و ادب کا تخلص ''شوق'' ہے، جب کہ مادۂ تاریخ نام ''ظہیر الاسلام'' بعدد ۱۲۷۸ھ ہے۔ موضع نیمی ضلع پٹنہ آپ کا وطن مالوف ہے۔ اور اسی نسبت سے نیموی مشہور ہیں۔ انتالیس (۳۹) واسطوں سے آپ کا نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کی والد شیخ سبحان علی صدیقی موضع نیمی کے معزز اور صاحب علم آدمی تھے۔ آپ کے والد ماجد نے دو نکاح کیے تھے اور علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔

علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو مکتب میں تعلیم کے لیے بٹھا دیے گئے جہاں آپ نے شیخ عبدالوہاب المعروف شاہ دیدار علی (متوفی ۱۲۹۲ھ) سے فارسی کی ابتدائی تعلیم

حاصل کی، عربی کی تعلیم اپنے والد شیخ سبحان علی صدیقی (۱۲۹۶ھ) اور دیگر اساتذۂ فن سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) گئے اور وہاں عربی کے مشہور عالم مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی (۱۳۰۴ھ) کی خدمت میں رہ کر عربی زبان و ادب کی تکمیل کی۔ ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور گئے اور مفتی محمد فرنگی محلی کے پاس ٹھہرے، پھر آپ میر نور علی استانوی کے گھر میں قیام پذیر ہوئے اور اسی مدرسہ میں رہ کر مفتی محمد، شیخ عبداللہ اور دیگر مشاہیر فن سے کسب فیض کیا۔ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ غازی پور میں تقریباً چار برس قیام پذیر رہے اور اس دوران کتب متوسطہ متداولہ کی تکمیل کی۔

فرنگی محل کے مسند درس پر علامہ عصر علامہ عبدالحئ لکھنوی (۱۳۰۴ھ) متمکن تھے...... آپ نے لکھنؤ جا کر ان سے کسبِ فیض کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی کئی کتابیں پڑھیں۔ حکیم باقر حسین سے فن طب میں اکتساب فیض کیا اور اس میں مہارت تامہ پیدا کی۔ لکھنؤ میں آپ کے قیام کا زمانہ پانچ برس کا ہے۔ اس دوران آپ نے علوم تفسیر، حدیث، اصول، فقہ اور طب کی منتہی کتابیں پڑھیں اور رسمی تعلیم سے فراغت حاصل کی اور وطن واپس ہوئے۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۲ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے ساتھ ساتھ تمام کتب حدیث کی سند عموماً اور مسلسلات کی سند خصوصاً ان سے حاصل کی۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے۔ علم عَروض و نظم امیر اللہ تسلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ آپ نے ابتدائی کتب کی تعلیم کے دوران ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے ایک طویل نظم کہی اور اپنا تخلص ''شوق'' اختیار کیا۔ یہ آپ کی پہلی باقاعدہ نظم تھی جو آپ نے غازی پور میں کہی:

کر تجس گوہر مقصود مل جائیں گے شوق
دل کے ویرانے میں گنج معرفت پوشیدہ ہے

اس کے بعد علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسی بے تکلف دوست کے ہمراہ استاد محمد شمشاد لکھنوی کی خدمت میں گئے اور ان استفادہ کیا۔ اُردو شاعری کے مشہور استاد داغ اور امیر مینائی آپ کے قریبی دوست اور مداح تھے۔ اردو کے کئی نامور شعراء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔ شاہان مغلیہ کی اولاد میں سے مشہور شاعر شاہ زادہ مرزا محمد رئیس بخت المعروف شاہ زادہ مرزا

زبیرالدین زبیر مشہور صاحبِ دیوان آپ کے شاگرد ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا شفیق عماد پوری، علی رضا ضیاء اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

تصانیف: آپ کی تمام تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا سکتا ہے:

(۱) مذہبی تصانیف (۲) ادبی تصانیف

(۱) مذہبی تصانیف: مذہبی کتابوں میں علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی بارہ (۱۲) کتابوں کا پتہ ملتا ہے، جن میں سے گیارہ کتابیں حنفی مسلک کی تائید میں اور ''آثار السنن'' کے علاوہ بقیہ دس کتب مناظرانہ اسلوب میں ہیں۔ صرف ایک کتاب ''وسیلۃ العقبیٰ'' موت، مرض اور متعدی امراض سے متعلق ہے۔ جس میں قرآن و احادیث کی روشنی میں مختلف ابواب کے تحت مرض و موت کے متعلقہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ (۲) تبیان التحقیق۔ (۳) الدرۃ الغرۃ فی وضع الیدین علی الصدر و تحت السرۃ۔ (۴) مقالہ کاملہ: ۲۷ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ محمد علی اعظمی کی کتاب ''الاجوبہ الفاخرۃ الفاضلۃ'' کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ حکیم محمد علی نے حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور امام ابوحنیفہ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں ان اعتراضات کا شافی جواب دیا اور تصوف سے متعلق بہت ساری باتوں پر عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ (۵) جامع الآثار فی اختصاص الجمعۃ بالامصار۔ (۶) جلاء العین فی رفع الیدین۔ (۷) حبل المتین۔ (۸) آمین بالجہر و بالسر پر ایک مختصر مگر نہایت مفید اور معلوماتی رسالہ ہے۔ (۹) اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید: یہ کتاب ۱۱۰ صفحات پر مشتمل فقہ اسلامی کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے۔ (۱۰) تبصرۃ الانظار فی رد تنویر الابصار: تنویر الابصار کے رد میں تین صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے۔ (۱۱) آثار السنن: علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کا شاہکار اور ان کی وجہ شہرت یہ کتاب ہے۔ (۱۲) علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید فوقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کتابوں کے علاوہ تین اور کتاب ''لامع الانوار فی نظر المختار''، ''تذئیل'' اور ''المجلی فی رد قول المحلی'' کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر الذکر کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

ادبی تصانیف: ادبی تصانیف میں اب تک علامہ کی جن کتابوں کا پتہ چل سکا ہے ان کی تعداد آٹھ (۸) ہے: (۱) دیوان شوق۔ (۲۔۳) نغمۂ راز اور سوز و گداز۔ (۴) ازاحۃ الاغلاط: فارسی زبان میں۔ (۵) سرمۂ تحقیق۔ (۶) اصلاح۔ (۷) یادگار وطن: اردو زبان میں ۱۵۸ صفحات

پر مشتمل یہ کتاب نیمی کے حالات اور خود علامہ نیموی کے آباواجداد اوران کی حالات زندگی پر خود نوشت سوانح ہے۔(۸) سیر بنگال۔

علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف چوالیس سال کی عمر پائی۔آپ کے شیوخ اور اساتذہ سے لے کر ہم عصر حضرات اہل علم تک سب ہی نے آپ کی تحقیقات کو وقعت نظر سے دیکھا ہے اور داد تحسین پیش کی ہے۔

حضرت شاہ محمد عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ: علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آثارالسنن'' کے چند مطبوعہ اجزا حضرت مولانا شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دعا اوران روایات کی اجازت سند کے لیے مکہ مکرمہ بھیجے تو حضرت مولانا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد حرام میں ہاتھ اٹھا کر کتاب اور مؤلف کی مقبولیت کے لیے دعا فرمائی اور اپنی طرف سے تمام علوم وفنون اسناد تفسیر، حدیث فقہ اور تصوف و اوراد کی تحریری سند بھی ارسال فرمائی۔شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ارشاد فرمایا:''علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں اپنے استاد علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے فائق ہیں''۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہم کے ہم عصر ہیں۔آپ نے علامہ نیموی کے علمی مقام کا اعتراف فرمایا ہے۔آپ نے علامہ نیموی کی شان میں ایک لاجواب قصیدہ لکھا جو''آثارالسنن'' کے ساتھ مطبوعہ ہے۔علامہ کشمیری کا یہ قصیدہ عربی ادب کا ایک شاہکار ہے۔ ابتداء میں علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ پر ذوق شعر و ادب کا غلبہ تھا۔خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور تعبیر کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ تم حدیث کی خدمت کرو گے،

آثارالسنن کی تالیف کا پس منظر: علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تقلید اور عدم تقلید کے مابین ایک جنگ جاری تھی اور ہرسو اس بحث کے چرچے تھے۔طرفین سے اس موضوع پر کتابیں لکھی جارہی تھیں۔مناظروں کا بازار گرم تھا۔عدم تقلید کے قائلین کی جانب سے دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ حنفیت کو رائے اور قیاس پر مبنی گردانا جارہا تھا۔علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''الاتحاف لمذھب الاحناف'' میں ان عوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ''علم حدیث سے شغف رکھنے والے کچھ حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کرنے لگے کہ یہ صحیح احادیث کے مخالف ہیں، تو ان کو (حضرت نیموی) ان

روایات صحیحہ کے جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو خاص طور پر احکام میں امام کے مذہب کے موافق ہوں۔ انھوں نے اس تالیف کا نام آثار السنن رکھا۔"

علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے آثار السنن کی تالیف کا آغاز ۱۳۰۶ھ سے کچھ قبل کیا اور مشاغل کی کثرت، نایاب کتابوں کی فراہمی میں دقّت اور علائق زمانہ کے باوجود ۱۳۱۳ھ میں کتاب الصلوۃ تک مکمل کر دیا۔ لیکن اس کی طباعت کا شرف پہلی بار ۱۳۲۱ھ میں احسن المطابع عظیم آباد کو حاصل ہوا۔ قسطنطنیہ کے مشہور حنفی عالم محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ مولانا سید حکیم عبدالحئ "نزہۃ الخواطر" میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی خوبیوں "حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر عبقریت کے باوجود اس کتاب سے بہت متاثر ہوئے اور اس پر حاشیہ بنام "الاتحاف لمذہب الاحناف" لکھا۔ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب پر خود "التعلیق الحسن اور تعلیق التعلیق" کے نام سے دو حواشی تحریر فرمائے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ج ۱۰۲ شمارہ ۸۰ ص ۲۹)

(50) مولانا سیّد احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

احمد حسن بن اکبر حسین حسینی حنفی امروہوی۔ حضرت سیّد شاہ ابن کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔ ولادت اور نشو ونما امروہہ میں ہوئی۔ آپ نے فارسی وعربی کی تعلیم امروہہ کے مشہور عالم مولانا رافت علی، مولانا کریم بخش، مولانا محمد حسین جعفری سے حاصل کی اور طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خاں سے پائی۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیوبند، نانوتہ، میرٹھ میں رہ کر تمام علوم وفنون کی تکمیل کی اور اپنے استاد کے کمالاتِ علمیہ کے مکمل آئینہ بن گئے۔ حدیث کی سند شیخ احمد علی ابن لطف اللہ سہارنپوری شیخ عبدالرحمٰن بن محمد انصاری پانی پتی اور شیخ کبیر عبدالقیوم بن عبدالحئ البکری برھانوی سے حاصل کی۔ پھر حجاز کا سفر کیا۔ حدیث کی ایک اور سند شیخ عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی مہاجر مدینہ سے حاصل کی۔ پھر واپس آکر مدرسہ عربیہ امروہہ میں تدریس شروع کر دی۔

آپ فارغ التحصیل ہوئے تو نوجوان تھے، سبزۂ آغاز تھا کہ خورجہ تشریف لے گئے۔ خورجہ کے بعد سنبھل اور دہلی کے مدارس میں مختلف اوقات میں صدر مدرسی کے عہدے پر فائز رہے۔ جس وقت ۱۲۹۶ھ میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے ایماء سے مدرسۃ الغرباء عرف مدرسہ

شاہی مراد آباد قائم ہوا تو اس کے پہلے صدر مدرس آپ ہی تھے۔ ۱۳۰۳ھ تک آپ کا اس مدرسہ سے تعلق رہا۔ (پھر) امروہہ تشریف لے آئے اور جامع مسجد میں مدرسہ جامعہ عربیہ کی تشکیل جدید کی۔ اپنی بنیاد کے اعتبار سے یہ مدرسہ حضرت قاسم العلوم کا قائم کیا ہوا ہے۔

مدرسہ امروہہ کے قیام کے چند سال بعد بطلبی مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیو بند مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیو بند میں بھی آپ نے چند سال درس دیا۔ آپ کو اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ہی درجہ میں رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو مدرسہ امروہہ کے ذمہ دار حضرات یہ کہہ کر ''ہمارا باغ اجڑنے کا اندیشہ ہے'' لے آئے اور پھر آپ نے مدرسہ امروہہ میں سلسلہ دروس شروع کر دیا۔

حجاز کے سفر میں اجازتِ بیعت اور خلافت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حاصل ہے۔ استاذ محترم کی طرح آپ میں بھی انتہا سے زیادہ اخفائے حال تھا۔

ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتہ چند دن بخار آیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ امروہہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا، آخری اسی میں مبتلا ہو کر المطعون شہید کا مصداق ہوئے اور ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ کو واصلِ بحق ہوئے۔ وصال کی وقت تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ۔ صاحبزادہ مولانا سیّد محمد رضوی صاحب پسماندگان میں چھوڑے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے آپ کے مضامین کا مجموعہ ''افاداتِ احمدیہ'' کے نام سے شائع ہوا اور کئی غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ نے ''جمعیۃ الانصار'' کے اجلاسوں کی صدارت کی اور بہت سی تقاریر کی ہیں، جن سے عوام و خواص مستفید ہوتے تھے۔'' (مشاہر علماء دیو بند ج ا ص ۴۹)

(51)۔ مولانا محمد اسحاق کشمیری محدث رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(52) حضرت علامہ خیر الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

خیر الدین ابو البرکات نعمان بن شہاب الدین ابو الثناء محمود بن عبد اللہ آلوسی الحسینی البغدادی۔ آپ بروز جمعہ ۱۲ محرم 1252ء کو پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد کے گھر ہی پرورش پائی۔ آپ کے والد بغداد کے مشہور عالم صاحب تفسیر روح المعانی ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی اور الفیہ ابن مالک، رجبیہ اور دیگر متون حفظ کر لیے تھے پھر اپنے والد سے ہی مغنی

اللبیب، شرح الفیہ لابن ناظم اور منطق کی کتب پڑھیں۔ اور والد کی وفات کے بعد تمام علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد کے شاگردوں سے بغداد میں حاصل کیے۔ اپنی جوانی ہی میں متعدد شہروں میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے جن میں سے ایک حُلّہ بھی ہے۔ پھر انہوں نے یہ منصب چھوڑ کر 1295ء میں مصر کی طرف سفر کیا تاکہ اپنے والد کی تفسیر طبع کرا سکیں۔ وہاں انہیں علامہ صدیق حسن خان کی تفسیر دیکھنے کا موقع ملا۔ علماء سلفیہ کی آراء پڑھ کر متعجب ہوئے۔ وہاں سے اسی سال حج کیا اور علماء کے بڑے مجمع سے ملاقاتیں کیں۔ ان میں سے علامہ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ نجدی سے مباحثہ ہوا۔ پھر وطن واپس آکر وعظ و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ 1300ء میں شام کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے کسب علم کر کے اجازت حاصل کی۔

پھر اناضول اس کے بعد استنبول کا سفر کیا۔ اس شہر کے علماء نے آپ کی قدر پہنچانی۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے آپ کو بڑے مراتب دئے اور عہدہ پر مقرر کیا۔ پھر 1302ء میں بغداد لوٹے اور مدرسہ مرجانیہ میں صدر مدرس کا عہدہ سنبھالا آپ صبح سے مغرب تک تدریس میں مشغول رہتے۔ یہاں آپ کے تلامذہ میں آپ کے بڑے بیٹے علی علاء الدین، بھتیجے محمود شکری آلوسی اور عباس شیخلی لقب ابی صاعقہ بھی تھے۔ ہر رمضان میں کسی بڑی مسجد میں مجلس کراتے کہ جگہ تنگ پڑ جاتی۔ آپ اپنے زمانہ کے ''ابن جوزی'' کہلائے۔ پھر 1311ء میں حج کیا۔ وہاں علماء آپ کے گرد جمع ہوئے جن میں سے ایک علامہ شمس الحق عظیم آبادی بھی تھے۔ آپ نے اپنی نادر کتب و مخطوطات اور 2000 کتب اپنی وفات سے 10 سال پہلے ہی مدرسہ مرجانیہ کو وقف کر دی تھیں اور اس کے لیے انہوں خاص مُہر اور نگران بھی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے ایک گھر زمین اور کئی دکانیں بھی وقف کیں۔

یہ سب بعد میں بغداد کے محکمہ مکتبہ اوقاف عامہ کی تحویل میں چلا گیا تھا۔ علامہ نعمان آلوسی نے اپنے ''ثبت'' جو 1301ء میں طبع ہوئی میں اپنے 8 شیوخ کا ذکر کیا ہے جن سے اجازت حاصل ہوئی ان میں سے ایک قادریہ کی اجازت بھی ہے۔ آپ کے شیوخ میں شامل ہیں: (۱) آپ کے والد علامہ محمود آلوسی (1217ء- 1270ء) (۲) صدیق حسن خان بخاری قِنّوجی بھوپالی ہند (1248ء- 1307ء) (۳) احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ حنبلی (1253ء- 1329ء) (۴) عیسیٰ بن موسیٰ البَندَنیجی بغدادی حنفی (1283ء) (۵) مفتی شام محمود بن نصیب حمزہ الحمزاوی دمشقی حنفی

(1234ء- 1305ء)(٦) حسین بن محسن انصاری یمانی بھوپال ہند (1245ء- 1327ء)، (٧) شیخ معمر احمد بن شیخ المعروف برزنجی سلیمانی علوی شافعی (1207ء- 1305ء) (٨) عبد الغنی الغُنیمی میدانی دمشقی حنفی (1222ء- 1298ء) (٩) حسین آفندی البشدری کُردی (1226ء- 1322ء) (١٠) سید عبدالرحمٰن آفندی المحض قادری گیلانی (1261ء- 1345ء)، یہ آپ سے کمسن تھے۔ اور آپ کو ان سے طریقہ قادریہ کی اجازت ہوئی (١١) مُلّا عبد الرزاق بن محمد امین بغدادی حنفی (١٢) ابو بکر بن محمد ہاشمی کردی سے آپ نے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا، (١٣) محمد امین الواعظ سلقی۔

آپ کی مشہور تصانیف میں ہیں: (١) جلاء العینین بمحاکمه الاحمدین (مطبوعہ 1298ء)، (٢) الطارف والتالد فی اکمال حاشیه الوالد (مطبوعہ 1320ء)، (٣) غالیة المواعظ (مطبوعہ 1301ء)، (٤) ثبته (تحقیق اور یاداشتیں)، (٥) الاجوبة العقلیة لاشرفیه المحمدیه، (٦) الجواب الفسیح لما لفقه عبد المسیح، (٧) الآیات البینات فی عدم سماع الاموات وغیرھم۔

مزید ان کے فتویٰ جات، مراسلے، مکاتیب وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کا انتقال بُدھ کی صبح ٧ محرم الحرم 1317ء کو ہوا۔ اور مدرسہ مرجانیہ میں تدفین ہوئی۔ ان کے چار بیٹے تھے جن میں محمد ثابت اور علی علاء الدین مشہور ہوئے۔ (الالوکة الثقافیه ڈاٹ نیٹ)

(53) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

ابو الثناء شہاب الدین سید محمود بن عبداللہ بن محمود الحسینی آلوسی بغدادی

14 شعبان ١٢١٧ھ (10 دسمبر 1802ء) بروز جمعۃ المبارک بغداد میں خلافت عثمانیہ کے دور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں: (١) تفسیر روح المعانی (٢) نشوة الشمول فی السفر إلی إسلامبول (٣) نشوة المدام فی العود إلی مدینة السلام (٤) الأجوبة العراقیة علی الأسئلة اللاهوریة (٥) الأجوبة العراقیة عن الأسئلة الایرانیة۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرزند تھا جن کا نام محمد نعمان آلوسی تھا۔ ان کی وفات 1854ء میں ہوئی۔ تفسیر روح المعانی کا مکمل نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے۔ احکامات سے متعلق آیات کی تفسیر میں آپ کا زیادہ تر جھکاؤ شوافع کی طرف رہتا ہے اور کبھی کبھی احناف کے موقف کی بھی تائید کرتے ہیں اور بہت کم مواقع پر اپ نے اپنا جداگانہ موقف بھی اختیار

کیا ہے۔اسرائیلیات سے آپ حتی الوسع پرہیز کرتے ہیں۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات کے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی حسن پر بھی بہت روشنی ڈالی ہے۔ان کے عالم ہونے کی بجائے صوفی ہونے کا گمان غالب آنے لگتا ہے۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(54) حسین بن محمد جِسر طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ

تیرھویں چودھویں صدی ہجری کے مشہور ادیب، عالم اور حنفی فقیہ ۱۲۶۱ھ میں طرابلس (لبنان) میں پیدا ہوئے۔آپ نے قرآن کریم شیخ عبدالجلیل سے پڑھا۔اور صرف ،نحو، فقہ کی تعلیم شیخ عبدالقادر، شیخ عبدالرزاق رافعی اور شیخ عرابی سے حاصل کی۔۱۲۷۹ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر کی جامعہ الازھر تشریف لے گئے۔وہاں آپ نے شیخ حسین مرصفی، حسین مِنقارہ اور عبدالرحمٰن بحراوی سے علومِ عقلیہ و دینیہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی ۱۲۸۴ھ میں اپنے چچا شیخ مصطفیٰ جِسر کی علالت کے باعث واپس طرابلس آگئے اور انکی وفات تک وہیں قیام کیا۔

آپ کا شمار عرب کے ان علماء اور اصلاح کنندگان میں ہوتا ہے جنہوں نے امت مسلمہ کو اپنے حقیقی اقدار کو پہچاننے اور جدید عصری و مغربی اثر سے بچانے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔علومِ جدیدہ کو علوم دینیہ کے ساتھ منفرد انداز میں پڑھانے کا کام کیا۔اس مقصد کے لئے آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جو اپنے دور کا ایک جدید علمی مرکز تھا۔دینی علوم کے ساتھ فرانسیسی اور ترکی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔اس دور کے علماء نے آپ کی مخالفت کی جس کے نتیجہ میں سلطنت عثمانیہ نے یہ مدرسہ بند کروا دیا۔اس کے بعد آپ بیروت چلے گئے اور مدرسہ سلطانیہ میں تدریس شروع کی۔کچھ عرصہ واپس طرابلس آگئے اور مدرسہ رجبیہ میں تدریس شروع کی۔پھر جامعہ طینال طرابلس میں چلے گئے، اور جدید عصری علوم (سائنس و فلسفہ) کو علومِ دینی کے جوڑ کے ساتھ پیش کرنے میں سرگرم رہے۔

آپ کے شاگردوں میں عبدلکریم عویضہ، رشید رضا، (صاحب المنار)، امین عزالدین (قاضی طرابلس)، اسماعیل حافظ، عبدالمجید و عبدالقادر مغربی، شیخ محیی الدین اور آپ کا فرزند محمد جِسر شامل ہیں۔آپ ہمیشہ سیاست اور فرقہ واریت سے دور رہے اور وحدتِ امت کے داعی رہے۔ آپ ماہر شاعر بھی تھے آپ ہفت روزہ ''طرابلس الشام'' کے بانی اور مدیر بھی تھے۔آپ نے ۱۳۲۷ھ کو وفات پائی۔

تصنیفات: (۱) الرسالة الحمیدیه فی حقیقة الدیانةالاسلایعة و حقیقة الشریعة المحمدیة (عقاید و احکام اسلامی اور اسلام کے بارے میں مغرب کے اعتراضات کا جواب ہے) (۲) الحصون الحمیدیة لمحافظة العقائد الاسلامیة،(۱۳۲۳ دمشق) (۳) الطاعة فی حکم صلاة الجماعة و تعدد الزوجات (۴) التربیة المصونة۔ (۵) ھدیة الالباب فی جوھر الاداب۔ (۶) البدر التمام فی مولد خیرالا نام (شامل قصایدی درمدح پیامبر اکرم ﷺ):

غیر مطبوعہ: (۱) العقیدہ الاسلامیة و العقیدة النصرانیة (۲)القرآن الکریم وعدم اقتباسه شیئاً من التوراۃ و الانجیل و عصمة الانبیاء (۳)الزخائر فی الفلسفة الاسلامیة (۴) رسالة فی آداب البحث و المناظرہ (۵)الکواکب الدریة فی العلوم الادبیة۔

اس کے علاوہ آپ کے خطباتِ جمعہ اور کلام وغیرہ بھی ہیں۔آپ کے بیٹوں نے لبنانی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔محمد جسر نے سینیٹ اور پارلیمنٹ میں اور دوسرے فرزند ندیم افندی نے اہم انتظامی وقانونی عہدہ حاصل کیا۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(55) حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ

محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی المعروف بہ ابن عابدین شامی، شام کے فقیہ اور فقہ حنفی کے امام تھے۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۱۹۸ھ بمطابق 1783ء دمشق میں ہوئی۔آپ کا نسب نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔

والد بچپن میں انتقال کر گئے۔شروع میں والد کے کاروبار میں مصروف رہے بعد میں علمی شغف میں مصروف ہو گئے۔محمد شاکر السالمی العمری العقاد سے علوم عقلیہ، حدیث اور تفسیر پڑھی۔ انہی کی ترغیب سے مسلک حنفی اختیار کیا اور اپنے دور کے بہت بڑے عالم و مرجع خلائق بن گئے۔

آپ کی تصانیف: (۱) ردالمختار علی در المختار شرح تنویر الابصار المعروف حاشیه ابن عابدین -یہ حاشیہ فقہ حنفی کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتا ہے، یہ نامور حنفی فقیہ علاؤ الدین الحصفکی کی الدر المختار شرح تنویر الابصار کا حاشیہ ہے- (۲) اجابة الغوث بیان حال النقیب والنجاء والابدال والا وتاد والغوث۔ (۳) الاقوال الواضحه الجلیه فی

مسالة نقض القسمة بغية الناسك فی ادعيه المناسك۔ (۴) تحبير التحرير۔ (۵) تحرير العباره فيمن هو اولىٰ بالاجاره (۶) تحرير النقول فی نفقة الفرع والاصول (۷) تنبيه الولاة والحكام على احكام شاتم خير الانام اواحد اصحابه الكرام (۸) الرحيق المختوم شرح قلائد المنظوم (۹) سل الحسام الهندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی (۱۰) شفاء العليل وبل الغليل فی حكم الوصية بالختمات والتهاليل۔

21 ربیع الثانی 1252ھ بمطابق 1836 کو دمشق میں وصال ہوا اور جامع سنان باشا میں مقبرہ باب صغیر میں مدفون ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(56) حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ

طحطاوی لقب ہے۔ احمد بن محمد بن اسماعیل کا جو مشہور ہیں علامہ سید احمد طحطاوی سے۔ طحطا یا طہطا اسیوط مصر میں ہے جہاں علامہ طحطاوی کی پیدائش ہوئی۔ فقیہ عصر، محدث جیّد علامہ محقق فاضل مدقق تھے۔ الازہر میں تعلیم حاصل کی۔ مدت تک مصر کے مفتی اور شیخ الحنفیہ رہے۔

آپ کی مشہور تصانیف میں شامل ہیں: (۱) حاشیہ در المختار۔ ایسی تحقیق و تدقیق کے ساتھ تصنیف کیا جو بڑا مقبول ہوا اور مصر میں باوجود بڑے حجم وضخامت کے چھپ کر مشتہر ہوا اس کتاب میں آپ نے امام ابوحنیفہ کے مناقب کو اقوال صحیحہ اور مستند روایات سے ثابت کیا یہاں تک کہ علامہ سید ابن عابدین نے بھی بروقت تالیف ردالمختار کے اس کو مدِ نظر رکھا اور اس سے بہت کچھ نقل کیا۔ (۲) حاشیہ علی مراقی الفلاح (۳) کشف الرین عن بیان المسح والجورین۔ اس کے علاوہ بہت سے رسائل و کتب تصنیف کئے۔

(57) مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عماد الدین نورالدین عبدالرحمٰن جامی عموماً مولانا عبدالرحمٰن نورالدین محمد دشتی کے نام سے مشہور و معروف صوفی شاعر اور مؤرخ ہیں۔ مولانا جامی کی ولادت بروز بدھ ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ مطابق 7 نومبر 1414ء کو بوقت عشاء جام کے موضع خرجرد میں ہوئی۔ جام ایک گاؤں ہے جو افغانستان کے صوبہ غور میں چشت کے شمال میں ہری رود کے بائیں کنارے کے معاون تگاؤ گنبد کے کنارے آباد ہے۔ یہاں سے اصل دریا اور اُس کے معاون کے مقام اِتصال سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک اسطوانی شکل کا متناسب منزلوں والا مینار واقع ہے جو مینار جام کہلاتا

ہے۔ بچپن میں باپ کے ساتھ ہرات اور سمرقند گئے جو اس زمانے میں اسلامی علوم اور فارسی ادب کا مرکز تھے تعلیم کے بعد سلوک و عرفان کی طرف رجوع کیا اور سعد الدین محمد کاشغری اور خواجہ علی سمر قندی کے حلقۂ طریقت میں ان کا شمار خلفاء میں ہونے لگا۔ 1472ء میں حج کیا۔ مختلف شہروں کی سیاحت کر کے ہرات واپس آئے اور وہیں انتقال کیا۔

سلطان ابوسعید گرگانی، سلطان حسین مرزا میر علی شیر نوائی، اوزون حسن، آق قیونلو، سلطان یعقوب سلطان محمد فاتح اور سلطان بایزید دوم مولانا جامی کی بڑی عزت کرتے تھے۔ گوشہ نشین اور درویش منش تھے۔ نظم و نثر کی تصانیف 49 ہیں۔ نظم میں سات مثنویاں ہفت اورنگ سلسلۃ الذہب، سلامان وابسال، تحفۃ الاحرار، صحبۃ الابرار، یوسف زلیخا، لیلی مجنوں، فردنامۂ سکندری اور غزلوں کے تین مجموعے آپ کی یادگار ہیں۔ نثر میں گیارہ کتابیں تصنیف کیں۔

مولانا جامی کے والد احمد بن محمد دشتی تھے۔ وہ اولاً اصفہان کے قریہ دشت میں رہا کرتے تھے، بعدازاں جام آ گئے۔ مولانا محمد (مولانا جامی کے جدامجد) کے عقد میں امام محمد بن حسن شیبانی کی اولاد سے ایک صاحبزادی تھیں۔ جن کے بطن سے مولانا جامی کے والد احمد بن محمد پیدا ہوئے۔

جب مولانا جامی چھوٹی عمر میں اپنے والد محترم کے ساتھ ہرات آئے تو مدرسہ نظامیہ میں ٹھہرے۔ وہاں علومِ عربی کے ماہر جنید اُصولی کے درس میں داخل ہو گئے۔ پھر مولانا خواجہ علی سمرقندی کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے جو مدقق روزگار اور حضرت سید شریف جرجانی کے نامور شاگرد تھے۔ لیکن جامی 40 دن میں ہی اُن سے مستغنی ہو گئے اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی کے حلقہ درس میں چلے گئے جو اپنے وقت کے بہترین باحث (مناظر) تھے اور اُن کا سلسلہ تلمذ حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی تک ملتا تھا۔ مولانا جامی اِس کے بعد سمرقند میں محقق قاضی زادہ روم کے مدرسہ میں چلے گئے۔ پہلی ہی ملاقات میں جامی کی اُن سے بحث چل نکلی، جو طول پکڑ گئی۔ آخر کار قاضی زادہ روم کو جامی کی بات سے اِتفاق کرنا پڑا۔

مولانا جامی کے اُساتذہ کرام: شہاب الدین محمد جاجرمی (یہ مولانا شمس الدین محمد جاجرمی سے الگ ایک شخصیت ہیں)، عثمان بن عبداللہ خطائی حنفی معروف بہ مولانا زادہ خطائی، نظام الدین (علم اُصول و بیان کے عالم تھے، انہوں نے علامہ سعد الدین تفتازانی کی کتب پر حواشی لکھے۔ ۸۶۵ھ/ 1460ء میں فوت ہوئے)۔ قاضی زادہ روم صلاح الدین موسیٰ بن احمد (قاضی محمودی کے

نواسے تھے اور سلطان مراد عثمانی کے عہد حکومت میں ۷۶۱ھ تا ۷۹۲ھ تک بروسہ کے قاضی بھی رہے۔ ۸۴۱ھ/ 1437ء سے قبل فوت ہو چکے تھے)، مولانا فتح اللہ تبریزی (علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ مدتوں سطان سعید کی ملازمت میں رہے۔ درس و تدریس سے بھی وابستہ رہے۔ ماہِ ربیع الثانی ۸۶۷ھ/ جنوری 1463ء میں فوت ہوئے)، مولانا علی قوشچی تیموری سطان مرزا الغ بیگ کے منظور نظر طالب علم تھے اور اُن کے ہمراہ علم فلکیات کے مشاہدے میں شریک عمل رہا کرتے تھے۔ اپنے زمانہ قیام ہرات میں ایک دن مولانا علی قوشچی ترکوں کی طرح ایک عجیب سا کمر بند لپیٹے، مولانا جامی کی مجلس میں آئے اور شبہے کی آڑ میں فن ہیئت کے چند بے حد مشکل سوالات سامنے رکھے۔ مولانا جامی نے ایسے جوابات دیے کہ مولانا علی قوشچی انگشت بدنداں رہ گئے۔

مولانا جامی نے اپنے عہد کی نامور روحانی شخصیات سے اکتسابِ فیض حاصل کیا جن میں قابل ذکر یہ شخصیات ہیں: (۱) حضرت مخدوم سعد الدین کاشغری (۲) خواجہ محمد پارسا (۳) مولانا فخر الدین لورستانی (۴) خواجہ محمد برہان الدین ابونصر پارسا (۵) حضرت شیخ بہاء الدین عمر قدس چغارگی (۶) خواجہ شمس الدین محمد کوسوئی (۷) مولانا جلال الدین ابو یزید پورانی (۸) مولانا شمس الدین محمد اسد (۹) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار: مولانا جامی اور اِن کے مابین قلبی و روحانی تعلق مولانا جامی کی نثری اور منظومی تصانیف میں نظر بھی آتا ہے۔ حضرت خواجہ سے ملاقات غالباً ۸۷۲ھ/ 1467ء میں بمقام ہرات میں ہوئی تب مولانا جامی کی عمر 55 سال ہو چکی تھی اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار تقریباً 67 / 66 سال کے تھے۔ اِس ملاقات کے بعد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار 23 سال تک بقیدِ حیات رہے۔ اِن کا سلسلہ نقشبندیہ سے 19 واسطوں سے ہوتا ہوا رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔ مولانا جامی اِن کے سال وفات تک عہد ضعیفی کو پہنچ چکے تھے اور کسی تاریخ مستند حوالے سے معلوم نہیں ہوتا کہ مولانا جامی اِن کے جنازہ پر سمرقند حاضر ہوئے ہوں۔

ماہِ ربیع الاول ۸۷۷ھ/ اگست 1472ء تا ۸۷۸ھ/ 1456ء میں خراسان سے حجاز تک کا سفر۔ اِس سفر میں مولانا جامی راستے میں ہمدان، کردستان، بغداد، کربلا، نجف، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، دمشق، حلب اور تبریز، سے گزرتے ہوئے واپس خراسان آئے۔

مولانا جامی کا عرصہ حیات میں سرزمین فارس دو حصوں میں منقسم تھی اور اِس پر دو مختلف شاہی خاندان برسرِ اقتدار تھے۔ دونوں خاندان ہائے سلطنتوں کا مرکز حکومت تبریز ہی تھا۔

مولانا جامی کی وفات بروز جمعہ ۱۸ محرم الحرم ۸۹۸ھ مطابق 14 نومبر 1492ء کو ہرات میں بوقت اذانِ جمعہ ہوئی۔ ہرات اب افغانستان کے صوبہ ہرات کا دار الحکومت ہے۔ مدت حیات قمری سال کے اعتبار سے 80 سال 4 ماہ 25 یوم اور شمسی سال کے اعتبار سے 78 سال 3 یوم تھی۔

آپ کی تصنیفات میں؛ بہارستان یا روضۃ الاخیار (فارسی نظم ونثر)، شرح دیباچہ مرقع (فارسی نثر)، منشآت جامی (فارسی نثر) شامل ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(58) حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی اسم گرامی احمد ہے، لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات ہے، امام ربانی اور مجدد الف ثانی عرفیت ہے۔ آپ مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ قادریہ کے جامع اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نسب مبارک ستائیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ شب جمعہ سرہند شریف میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے خواب دیکھا۔ آپ نے اس زمانے کے مرشد کامل قطب دوراں حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے تعبیر دریافت کی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد اور بدعت کی ظلمت دور ہوگی۔“

آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ حفظ قرآن مجید کی فراغت کے بعد اکثر کتب درسیہ والد ماجد سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں۔ عام درسیات اور کتبِ تصوف مثلاً تعرف، عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ والد بزرگوار سے، کتب حدیث حضرت شیخ یعقوب صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے، امام واحدی کی تفسیر ”بسیط“ نیز تفسیر ”وسیط“ اور اسباب النزول تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ، صحیح بخاری شریف، الادب المفرد، ثلاثیات، مشکوٰۃ شریف، شمائل ترمذی شریف، قصیدہ بردہ وغیرہ حضرت مولانا قاضی بہلول صاحب بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور معقولات کی کتابیں مولانا کمال صاحب کشمیری سے پڑھیں جو اس زمانہ میں ماہر فن سمجھے جاتے تھے۔ ابتداءً آپ نے طریقۂ چشتیہ میں والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک مکمل کیا پھر طریقۂ قادریہ پر راہ روی شروع کی۔ اس کے رہنما اور مرشد بھی والد بزرگوار ہی تھے مگر خرقۂ خلافت

حضرت شاہ سکندر نبیرہ حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوا۔

سترہ سال کی عمر میں کتبِ درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔ اُس زمانہ میں سلسلۂ کبرویہ کے مشہور ولی اللہ حضرت مولانا یعقوب صاحب صرفی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ سے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔ ۱۰۰۷ھ میں جب کہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دارفانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہوکر دہلی پہنچے تو ملا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضرت خواجہ باقی اللہ نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا۔ زیارت کا وہی اشتیاق قلب مبارک میں پیدا ہوا۔ آپ جلد سے جلد حضرات خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی عام عادت کے برخلاف مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ ملاطفت اور بشاشت سے پیش آئے اور دو چار ہفتہ دہلی میں قیام کی ترغیب فرمائی۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھائی ماہ دہلی میں قیام فرمایا۔ اور نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو مرتبہ اور دہلی تشریف لائے اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دوسری حاضری میں خلعت خلافت عطا فرمائی گئی۔ تیسری بار حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت ہونے لگے تو بہت سی بشارتیں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنا کر رخصت کیا۔ جہانگیر جیسا بادشاہ غلام بن گیا تھا مگر کبھی کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا نہ پیدا ہوا۔ نہ پیدا کرنے کا خیال فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تجدید و احیاء دین کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اکبر کے الحاد کا مقابلہ کیا، جہانگیر کی اصلاح و تربیت فرمائی اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی مصلحت کو روا نہیں رکھا اور کسی قسم کی مداہنت کو برداشت نہیں کیا۔ نتیجتاً آپ کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور قید و بند سے دوچار ہوئے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسبِ معمول پندرھویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا، اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور افکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوائے نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفل روزوں اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔ وسط ذوالحج میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی۔ تپ محرقہ شروع ہوا۔ جو یومًا فیومًا ترقی کرتا چلا گیا۔ انہیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ

کو میں نے دیکھا، بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے، حسبِ معمول تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمارداری میں بہت تکلیف اٹھائی۔ اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا۔ ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ حضرت کے فرزند ثانی خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات فرزند عطا فرمائے تھے جن میں سے تین صغرسنی میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں فوت ہو گئے۔ آپ کے خلفاء میں سے ایک نامور خلیفہ حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں قبرستان میانی صاحب میں مدفون ہیں اور آپ کا مزار پر انوار مرجع انام ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی، ج۱)۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۳۴)

(59) محمد بن خلیفہ الاِبّی رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبداللہ محمد بن عمر التونسي الوشتاني الابي المالكي اہل تیونس کے مشہور محدث و مفسر ابّی کی نسبت گاؤں آبہ کی طرف ہے۔ آپ کی شہرت صحیح مسلم کی شرح ہے جو آپ نے تصنیف کی جس میں آپ نے المازری، قاضی عیاض، قرطبی اور علامہ نووی کی شروح کو جمع کیا ہے ساتھ ہی شیخ ابن عرفہ کے اقوال بھی زیادہ کئے ہیں۔

تصانیف میں: (۱) اکمال اکمال المعلم فی شرح مسلم (۲) شرح المدونة فی فروع الفقه المالکی (۳) تفسیر القرآن 8 جلدوں میں شامل ہیں۔ ۸۲۷ھ میں تیونس میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(60) حضرت مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا عبدالعزیز سہالوی رحمۃ اللہ علیہ (محدث پنجاب) گوجرانوالہ کے بھتیجے اور داماد تھے۔ مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں درس نظامی کا پہلا باقاعدہ مدرسہ تھا جو 1926ء میں قائم

ہوا تھا۔ مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا 1944ء میں انتقال ہوا۔ حضرت مولانا عبدالعزیز کے بعد آپ کے جانشین، مہتمم مدرسہ اور خطیب جامع مسجد مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ بنے جو ڈابھیل سے فارغ التحصیل تھے۔ حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ، دونوں اس مدرسے کے طلباء میں سے تھے۔ دونوں بھائی 1937ء تا 1940ء تک یہاں پڑھتے رہے پھر یہیں سے وہ دیوبند گئے اور واپس آ کر حضرت صفدر اسی مدرسہ میں مدرس ہوئے تھے۔ مولانا صفدر، مولانا مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالقدیر کیمل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ مفتی صاحب کی کوششوں سے مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کتب زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ آنے والے کو دلائل کی ضرورت نہیں، مسئلے کی ضرورت ہے اس لیے صرف مسئلہ بتانا چاہیے، ہاں کوئی عالم آئے تو اس کو دلائل بتاؤ۔ عام آدمی کو کیا پتہ کہ صحیح حدیث کیا ہوتی ہے، ضعیف کیا ہوتی ہے، عام مخصوص منہ البعض کیا ہوتا ہے اور عام مطلق کیا ہوتا ہے۔ وہ تقسیم ملک سے پہلے جمعیت علماء ہند کے بڑے رہنماؤں میں سے تھے اور پنجاب کے بڑے قائدین میں سے تھے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعیۃ میں بھی تھے، کانگریس میں بھی اور احرار کے ساتھ بھی تھے۔ جمعیۃ اور کانگریس کے ضلعی صدر رہے۔ جب جمعیۃ علماء اسلام قائم ہوئی تو قیام پاکستان کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے مرکزی ناظم تھے۔ یعنی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیاسی و تحریکی دنیا کے سرگرم بزرگ تھے، پاکستان بننے سے پہلے بھی اور پاکستان بننے کے بعد بھی۔ مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کی مثالی دوستی تھی۔ مفتی صاحبؒ کی اپنی اولاد نہیں تھی۔ آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور 1982ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(علم دین ڈاٹ کام، رفتگان)، (ماخوذ از کالم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ ۲۰۱۷ء)

(61) حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابو السراج غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن سردار حاجی نور محمد خان رحمۃ اللہ علیہ بن سردار محمد چراغ خان ضلع جھنگ کے اکیانہ بلوچ قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۵۱ھ/ 1835ء میں موضع عالمے خان شرقی ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ سردار حاجی نور محمد خان ایک دیندار اور درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تمام کاروبار اپنے بڑے صاجزادے سردار محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا تھا اور خود اہل اللہ کی محفلوں میں وقت گزارتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دور دراز کے

سفر بھی کیے۔فریضہ حج کی بجا آوری کے بعد مستقل طور پر ارض حجاز میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۲۵۸ھ/ 1842۔43ء میں افراد کنبہ کو لے کر بارادۂ ہجرت چل پڑے۔راستے میں بستی ''ٹبی کورائیاں'' پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے اور چند دن بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

خاندان کے سربراہ سردار حاجی نور محمد خان کی اچانک وفات کے سبب یہ خاندان ''ٹبی کورائیاں'' میں رہ پڑا۔مولانا غلام محمد کی والدہ ماجدہ نے محنت مزدوری کر کے یتیم بچوں کی پرورش کی۔آپ نے بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔مولانا فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور شرح جامی تک کتب درسیہ پڑھیں۔اس کے بعد ذاتی مطالعے سے قرآن وسنت میں درک حاصل کی۔

آپ ''ٹبی کورائیاں'' میں مقیم تھے کہ انہوں نے اپنی بڑی بہن کا رشتہ بلوچ قبیلے سے باہر ایک کمہار سے کر دیا۔ٹبی کورائیاں کے بلوچوں نے اسے اپنی ہتک خیال کیا اور موقع پا کر کمہار مذکور کو قتل کر دیا۔اسی پر اکتفا نہیں کیا کمہار مذکرر کے شیر خوار بچے (مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے) کو بھی بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالا۔اس سانحہ کے بعد مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ٹبی کورائیاں کی سکونت ترک کر دی اور بستی گھوٹیہ (علاقہ خانپور) آ گئے۔آخر میں ۱۲۹۳ھ/ 1876ء کے لگ بھگ ''دین پور'' آ گئے۔آپ نے سلسلہ قادریہ میں مولانا محمد صدیق بھر چونڈوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی تھی۔تقریباً ۲۸ سال ان کی صحبت میں رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔خواجہ غلام فرید کو ان سے تعلق خاطر تھا۔

آپ کو علمائے دیوبند سے خصوصی لگاؤ تھا۔مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے دین پور میں ابتدائی تعلیم پائی تھی۔۱۳۲۹ھ/ 1911ء میں دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ) حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ) اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کا دورہ کیا۔یہ وفد دوران سفر میں دین پور میں ٹھہرا۔واپسی پر مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ وفد کے ساتھ کراچی تک گئے۔۱۳۳۰ھ/ اپریل 1912ء میں انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کی۔اس موقع پر انہوں نے اکابر دیوبند سے خصوصی ملاقاتیں کیں۔

آپ نے ''تحریک ریشمی رومال'' میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔مولانا عبد القادر دین

پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جالندھر میں چھ ماہ نظر بند رہے۔آپ نے ۱۴۔ ۱۳۴۰ھ/ 1922ء میں اپنے مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی اور سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی) کے نام پر دین پور میں ''مدرسہ صدیقیہ راشدیہ'' قائم کیا جو آج تک علمی و دینی خدمات میں سرگرم ہے۔ ۱۳۴۱ھ/ 1923ء میں فریضہ حج ادا کیا۔مولانا غلام محمد نے وجع المفاصل کے عارضے میں ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ/ 24 مارچ 1936ء کو وفات پائی۔مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور نے نماز جنازہ پڑھائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔ان کے بار خلافت کو حسب ذیل بزرگوں نے اٹھایا:

(۱) مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۲) مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (۳) مولانا عبدالہادی دین پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا غلام محمد نے دو شادیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد دی مگر سلسلہ نسل تین صاحبزادوں اور تین صاحبزدیوں سے چلا۔ان میں سے پہلی اہلیہ سے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اور میاں رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسری اہلیہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے میاں ظہیر الحق رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔(تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۲۹۰)

(62) حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

محمد علی بن عبدالعلی بن غوث علی حنفی نقشبندی کانپوری ہند کے مشہور فاضل علماء میں سے تھے۔ ۳ شعبان ۱۲۶۲ھ میں کانپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی سے حاصل کی، پھر سید حسین شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے رہے، بعد ازاں مفتی لطف اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے کانپور میں رہ کر تمام درسی کتابوں کی تکمیل کی، پھر مدرسہ ''فیض عام'' کانپور میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے، پھر سہارن پور پہنچے اور کامل ایک سال حضرت مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری المحدث سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ پھر عازم کانپور ہوئے۔ جوانی ہی میں حضرت کرامت علی قادری کالپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی پھر حضرت مولانا فضل رحمٰن بن اہل اللہ مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سے فیوض حاصل کر کے خلافت حاصل کی، عرصہ دراز تک ذکر واذکار میں لگے رہے۔حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ایک سال تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ ۱۳۰۲ھ میں ہندوستان واپس آئے، اور ''مونگیر'' چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، اور بہت ہی قبولیت حاصل کی، دوبارہ حجاز کا سفر کیا اور وہاں پورے دو سال تک رہے۔ واپس مونگیر آئے اور عبادت اور افادہ میں لگے رہے۔اور انہوں نے ہی ۱۳۱۱ھ میں ''ندوۃ العلماء'' کی عربی مدارس

کے احیاء اور نظام درس کی اصلاح کی خاطر بنیاد رکھی، ندوہ کے اراکین نے ۱۳۱۷ھ میں لکھنؤ کے اندر ایک بہت بڑے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور یہ وہی مدرسہ ہے جس نے دارالعلوم کے نام سے شہرت پائی ہے۔ عیسائی مشینریوں اور پادریوں کی ڈٹ کر تردید کی، اس کام کے لیے ایک رسالہ ''منشور محمدی'' جاری کیا جو پانچ سال تک جاری رہا، عیسائیت کے رد میں قابلِ قدر کتابیں لکھیں، ان میں مراۃ الیقین، آئینہ، دفع التلبیسات اور پیغام محمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۳۲۱ھ میں مونگیر صوبہ بہار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اسی اثناء میں مونگیر میں قادیانیت کا چرچا ہوا۔ مولانا اس کام کے خلاف اٹھے، اور مناظرے کئے اور قادیانیت کی تردید میں ہمہ تن لگ گئے اور سب کچھ لگا دیا، اس کے رد میں ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چالیس تو ان کے اپنے نام سے باقی دوسروں کے نام سے چھپیں، ۱۳۳۰ھ میں علماء اہلسنت اور قادیانیوں میں ایک مناظرہ ہوا۔ اس کا مولانا نے بہت ہی اہتمام کیا تھا، اس میں قادیانیت کو شکست فاش ہوئی اور فضا صاف ہو گئی۔ اہل بدعت کے رد میں بھی کتابیں لکھیں۔ ان سے بے شمار لوگ بیعت ہوئے اور روحانی تربیت حاصل کی۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان سے چار لاکھ حضرات بیعت ہوئے۔

ان کے پیرو مرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ان کی بہت ہی تعریف کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان کی روح متقدمین کی ارواح میں سے باقی رہ گئی۔ پیرا کی میں تاک تھے، قرآن مجید بڑے سوز سے پڑھتے تھے، بہت ہی نفاست پسند تھے، بڑے شرم وحیا والے تھے، شب بیدار تھے۔ ان کی تصانیف بہت ہیں، ان میں عیسائیت کے رد میں، پیغام محمدی، اور قادینیت کے رد میں، فیصلہ آسمانی، بہت ہی عمدہ کتابیں ہیں۔ اسی طرح اپنے شیخ فضل رحمٰن کے اقوال و تعلیمات میں، ارشاد رحمانی بھی ان کی عمدہ کتاب ہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/ 13 ستمبر 1927ء میں وصال ہوا، اور مونگیر کی خانقاہ میں دفن کئے گئے۔ مکہ مکرمہ کے عرصہ قیام میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے خوب خوب استفادہ کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ اولاد میں ایک عالم فرزند مولانا قاری منت اللہ ہیں۔ (تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۲۶۴)

(63) حضرت مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری رحمۃ اللہ علیہ (میاں چنوں)

مولانا محمد ابراہیم بن پیر محمد رحمۃ اللہ علیہ موضع بلندہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، ابتدائی درسیات موضع بلندہ میں پڑھیں، اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، دورۂ

حدیث شریف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر ۱۳۲۸ھ میں سند فضیلت حاصل کی، چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں فرائضِ تدریس انجام دیئے، وہاں سے بھاگل پور منتقل ہوئے قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے میاں چنوں ضلع ملتان چلے آئے اور آخری دم تک یہیں مقیم رہے، میاں چنوں میں آپ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، آپ نے کم وبیش ساٹھ سال تدریس کی اور سینکڑوں طالبان علم نے آپ سے استفادہ کیا۔

مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ میاں چنوں حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سالہا سال آتے رہے اور پھر ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت ہوئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی جاتے رہے، لیکن خود لکھتے ہیں کہ اجازت کسی کی طرف سے نہیں ہوئی۔ سنا ہے کہ بعد میں حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت فرمادی تھی۔ بزرگ ہیں، عالمِ بطل ہیں، اگر مولانا بیعت ارشاد بھی فرمائیں تو ہزاروں کو فیضان ہو، مخلصین میں سے ہیں۔ رائے کوٹ میں، مَیں نے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، میں نے دوڑ کر مصافحہ کیا تو حضرت مولانا ابراہیم صاحب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کار میں بیٹھے دیکھا، اگر میرا خواب صحیح ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہی ہے تو بڑی بشارت ہے۔ (مولانا محمد انوری، حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء، ص ۱۲)

آپ نے زمانۂ طالب علمی میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفۂ اجل حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدیدِ بیعت کی، آخر میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ مولانا تمام دینی اور سیاسی تحریکات میں پیش پیش رہے اور تحریکِ خلافت سے تحریک ختمِ نبوت تک برابر حصہ لیتے رہے حتیٰ کہ ان تحریکات کے سلسلہ میں دار ورَسن کی منزلیں بھی طے فرمائیں۔

صبح تہجد کے لئے اُٹھے، وضوء کیا چار پائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے کہ گر کر جان جاں آفریں کے سپرد کی، وفات سے اگلے سال باش سے قبر کھل گئی نعش کو کئی گھنٹے باہر نکال کر دوبارہ قبر ٹھیک کر کے دفن کئے گئے، عینی شاہدوں کا حلفیہ بیان ہے کہ جسم کے وزن اور لچک میں کوئی کمی نہ تھی حتیٰ کہ منہ پر گرنے سے چوٹ کا نشان ایسے تھا جیسے غسل دینے کے وقت تھا، ایک صاحب نے

پنجے کو ہلا جُلا کر دیکھا تو اس میں پوری لچک تھی۔

۷ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ/ 9 ستمبر 1970ء میں آپ کی وفات ہوئی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میاں چنوں کے احاطہ میں تدفین ہوئی۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۷۴)

(64) حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1901ء کو ''بدایوں'' ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام حاجی تہور علی تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کے بعد ابھی اسکول کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ انہی ایام میں آلہ آباد میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ سن کر دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ ۱۳۳۰ھ/ 1912ء کو ''مظاہر العلوم'' سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۶ھ/ 1918ء کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ (مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الخلیل، کراچی 1971ء ص ۲۳۴)

فراغت کے بعد ''مظاہر العلوم'' میں تدریس پہ مامور ہوئے اور دو سال درس دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دوبارہ امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر دوسری سند حاصل کی۔ (مولانا محمد شاہد سہارنپوری، تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۵ھ ج ۲)

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں:

> ''فیض الباری شرح صحیح البخاری آپ کی تالیفات کا شاہکار ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ آپ کا سلسلۂ بیعت و ارشاد خصوصیت سے افریقہ میں بہت پھیلا۔ آپ کی تصنیف و تالیف میں ''ترجمان السنۃ'' علم حدیث میں ایک شاہکار تصنیف ہے۔''

''مظاہر العلوم'' سہارنپور اور ''دارالعلوم دیوبند'' میں تدریس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ جہاں سترہ سال تک تدریسِ حدیث میں مشغول رہے۔ زاں بعد مدرسہ ''جامع العلوم'' بہاولنگر میں ایک سال کی تدریس کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں ندوۃ المصنفین کے ''رفیق خصوصی'' بن کر ''ترجمان السنۃ'' کی تالیف کا کام شروع کیا۔ دوسری جلد زیر تالیف تھی کہ ملک تقسیم ہوگیا اور آپ کراچی آ گئے۔ پھر جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں تدریسِ حدیث کرتے

رہے۔ایک عرصہ تک اس جامعہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔ٹنڈوالہ یار سے ۱۳۷۷ھ مدینہ منورہ ہجرت کی اور پاک زمین کو اپنی اماجگاہ بنایا۔ ۵ رجب ۱۳۸۵ھ/ 29 اکتوبر 1965ء کو جمعہ کی شب میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ (مولوی محمد شاہد سہارنپوری، تاریخ مظاہر، سہارنپور، ۱۳۹۵ھ ج ۲)

تصنیفی خدمات: (۱) فیض الباری شرح بخاری (عربی) مطبوعہ مصر (۲) ترجمان السنۃ چار جلدوں میں (۳) جواہر الحکم تین جلدوں میں (۴) مستزاد الحقیر (۵) زبدۃ المناسک (۶) ترجمہ الحزب الاعظم (۷) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۸) آوازِ حق (۹) شان حضور اکرم ﷺ (۱۰) قسمت کا ستارہ (۱۱) فریاد مظہر (۱۲) عزیزوں کے نام ایک مکتوب (۱۳) مجوب الارث۔

درس وتدریس کے ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر علماء کی جدوجہد اور تحریک میں ان کے شانہ بشانہ حصہ لیا اور 1951ء میں اسلامی آئین کی ترتیب وتدوین میں ہر مکتب فکر کے جیّد علماء کی میٹنگ میں شرکت کی۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۱۱)

(65)۔مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امینیہ دہلی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(66)۔مولانا محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(67) حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

میرٹھ سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ''شیخ پور'' ہے۔ یہ آپ کا آبائی وطن تھا۔ آپ کے والد شیخ نصیب علی کے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے گہرے تعلقات تھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانے (۱۲۹۰ھ) میں مطبع ہاشمی میرٹھ میں کتابوں کی تصحیح کیا کرتے تھے، جمعہ کا دِن ان کا شیخ نصیب علی کے ہاں ''شیخ پور'' میں گزرتا تھا۔ شیخ نصیب علی جمعرات کی شام کو بہلی میں بٹھا کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاں شیخ پور لاتے اور شب وروز حضرت کے فیوضات ظاہری اور باطنی سے کسبِ فیض کرتے رہتے ان ہی ایام میں میرٹھ میں مولانا عبدالعلی صاحب نے موصوف سے علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی تھی۔

مولانا عبدالحلیم چشتی لکھتے ہیں کہ ''موصوف حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا

احمد علی محدثِ سہارنپوری اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے تلمیذ جید عالم اور دارالعلوم دیوبند کے صف اول کے مدرسین میں سے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی کا نام سرفہرست ہے۔ ۱۲۹۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس پہ مامور ہوئے اور ۱۲۹۷ھ تک پڑھاتے رہتے۔ ۱۳۱۲ھ آپ مدرسہ حسین بخش دہلی سے وابستہ ہو گئے اور تادمِ مرگ اسی مدرسہ میں قال اللہ اور قال الرسول کی مجلس گرم کرتے رہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”میں نے مولانا سے مقاماتِ حریری، سبعہ معلقہ اور کچھ نسائی پڑھی ہے، مگر برتاؤ سے مولانا کے پتہ نہیں چل سکتا کہ استاد ہیں چنانچہ جب میں دہلی سے چلتا ہوں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں بے لوث اور بے تعلق ہیں کسی سے کچھ مطلب نہیں، خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں، مقدار چندہ کی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۵۰ روپیہ یا زیادہ تک، مولانا سے جو کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں چائے، شربت پلاتے ہیں ......مولانا کے پاس بیٹھنے سے ایک خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

مولانا کا انتقال دہلی میں، ۱۳ جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ/ 29 اکتوبر 1928ء کو ہوا اور دہلی میں مہندیوں کے قبرستان میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے پائیں میں سپرد خاک کئے گئے۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۳۰۵)

(68) مولانا عبدالجبار ابوہروی رحمۃ اللہ علیہ (بہاولنگری)

آپ کے بارے میں حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ فاضل دارالعلوم دیوبند اور حضرت اقدس مولانا مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد تھے گذشتہ سال حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہم کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے جامعہ (مدنیہ) میں تشریف لائے تو میں بھی زیارت سے مشرف ہوا حضرت مولانا نے چشتیاں میں ایک بے نظیر مدرسہ قائم کیا اس میں لڑکیوں کو مکمل درسِ نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور بیرونی طالبات کے بحفاظت تمام رہائش کا انتظام ہے۔

آپ نے اب ملتان میں بھی تعلیمی ادارہ شروع کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا بعض موتیں عجیب ہوتی ہیں مولانا کی وفات بھی اسی طرح ایک عجیب انداز سے ہوئی کہ سبق کے دوران پڑھاتے پڑھاتے رُکے دل پر ہاتھ رکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور وفات پا گئے۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۲ ص ۲۵۹)

(69) حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۳ھ/ 1895ء میں عمر وال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، اپنے وطن اور مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں تحصیل علم کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی تشریف لائے اور مولانا یٰسین رحمۃ اللہ علیہ سے تین سال تک پڑھتے رہے، ۱۳۳۵ھ/ 1917ء کے آخر میں سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں سندِ فراغت حاصل کی، ابتداءً چند مدارس میں تدریس کی پھر ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ/ 9مارچ 1931ء میں جالندھر شہر میں مدرسہ ''خیر المدارس'' کی بنیاد رکھی اور قیام پاکستان تک یہیں پر دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے، قیام پاکستان کے بعد ۱۵ ذی قعد ۱۳۶۶ھ/ 8۔ اکتوبر 1947ء میں ملتان میں خیر المدارس کی نشأۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا، وفات تک اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات جاری رہیں، آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اَجل خلفاء میں سے تھے۔آپ اپنے وقت کے بے نظیر مناظر بھی تھے، زیادہ تر توجہ ردغیر مقلدیت کی طرف رہی۔

دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے ایک مدت تک رکن رہے۔مولانا کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے مدارس دینیہ کا وفاق بنام وفاق المدارس قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک لڑی میں منسلک کردیا۔مولانا ہی اس کے صدر تسلیم کئے گئے۔آپ نے ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو ملتان میں وفات پائی۔(مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۷۸)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تصنیف و تالیف کا بھی خاص ذوق حاصل تھا، بہت سی کتب و رسائل آپ کی یادگار ہین، جن میں ''خیر الاصول فی حدیث الرسول'' اور ''نمازِ حنفی'' بہت مشہور ہیں ان کے علاوہ خیر التنقید فی سیر التقلید، خیر المصابیح فی عدد التراویح، خیر البراہین فی ردغیر المقدلین، خیر الجواب فی ایصال الثواب، خیر الارشاد الی التقلید والاجتہاد، خیر الافادات وغیرہ بھی آپ کی تصانیف میں سے ہیں۔ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی تمام تالیفات کو ''آثارِ خیر'' کے نام سے ایک جلد میں شائع کردیا ہے۔

۲۰ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ/ 20۔ اکتوبر 1970ء بروز جمعرات آپ کا انتقال ہوا اور مدرسہ کے احاطہ ہی میں تدفین ہوئی۔(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۳۳)

(70)۔مولانا محمد صدیق حصاروی رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(71)۔مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ مصنف شہباز

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(72) حضرت مولانا فتح الدین رشیدی لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے آباؤ اجداد مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر تحصیل نکودر کے گاؤں موضع ''اُگی بہادر کے'' سے تعلق رکھتے تھے جہاں آپ کی زرعی اراضی تھی اور رئیس لوگوں میں سے تھے۔ 1901ء کے آغاز میں آپ کو لائل پور چک اُگی (موجودہ ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں زمین ملی، پھر وہیں آ گئے۔اس کے علاوہ چشتیاں میں بھی زرعی اراضی تھی۔ جالندھر اور ٹوبہ ٹیک سنگھ دونوں جگہ کی نمبر داری بھی آپ کے پاس تھی۔ابتدائی کتب کا درس مولانا بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے لیا اور تکمیل حضرت مولانا محمد فاروقی کوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔آپ مذاہب آئمہ اربعہ پر ناقدانہ وسیع نظر رکھتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتب فقہ، فتاوی شامی عالمگیری، بحر الرائق وغیرہ کا متعدد بار مطالعہ فرمایا۔مبسوط، کتب تفسیر مثلاً تفسیر کبیر وغیرہ ازبر تھیں۔ مسائل علم کلام اور جزئیات فقیہہ مع ان کے ادلّہ کے محفوظ تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی، ان مدارس کی مدت العمر مالی خدمت فرماتے رہتے۔تمام عمر احیا سنّت اور اہانت شرک و بدعت میں گزار دی۔ ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کرتے رہے۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ مراسلت جاری رہتا تھا۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ جلسہ دستار بندی کے موقع پر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔ جاتے ہوئے بوریوں میں بند کر کے مسواکیں لے گئے تھے۔حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بہت پسند فرمایا۔کہ آپ یہ بہت کام کی چیز لائے ہیں۔ غالباً چار بوریاں تھیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک ایک مسواک مہمانوں میں تقسیم فرمائیں۔حضرت حافظ محمد صالح رائے پوری کے خاص دوست تھے۔

آخر میں تمام اوقات ذکرِ الٰہی میں گزارتے تھے اور اپنے بیٹے مولانا محمد انوریؒ کے پاس قیام فرما لیا تھا۔کبھی اپنے آپ کو مولوی نہیں کہلایا، فرماتے: ''بھئی میں علمائے حقانی کا خادم ہوں

مولوی نہیں ہوں۔"

آپ کی تصانیف میں:(۱) الظھر فی القریٰ، الجمعة فِی القریٰ کاردّ (۲)تنبیہ الغافلین۔ بدعات ورسوم کاردّ (۳) گاؤں اور نماز جمعہ اور نمازِ عید (۴)ختم مرسومتہ الھند (۵) حقیقی حنفیت (۶)ایک کتاب سجدہ تعظیمی کے ردّ میں (۷) عشرہ محرم اور تعزیہ (غیر مطبوعہ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔آپ اپنی چھوٹی بیٹی (زوجہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ برادر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ) سے ملنے ٹنڈ والہ یار گئے ہوئے تھے، وہاں ایک ہفتہ ٹھہرے، اسی دوران بخار اور پیٹ درد کی شکایت ہوگئی اور پھر تین دن کے بعد ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ/24 ستمبر 1951ء بروز پیر 95 سال کی عمر میں واصلِ بحق ہوئے۔اور ٹنڈ والہ یار ہی میں دفن ہیں۔

آپ نے دو نکاح فرمائے۔پہلی اہلیہ میں تین سے بیٹے: (۱) مولانا اللہ بخش (۲) مولانا محمد انوری (۳) مولانا محمد عبداللہ اور دو بیٹیاں۔دوسری اہلیہ سے اولاد نہیں تھی۔مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم خیرالمدارس ملتان، مولانا اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔مرتب کتاب محمد راشد انوری، مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔

(ماہنامہ دارالعلوم ج ۲ شمارہ ۲ نومبر 1951ء صفحہ ۴۰)،(مشاہیر علما ج ۱ ص ۳۸۹)

(73)۔مولانا احمد اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(74) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ دارالعلوم دیوبند" کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔آپ ۱۳۱۵ھ/ 1898ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔۱۳۲۲ھ/1905ء بعمر سات سال "دارالعلوم" میں داخل کئے گئے پہلے دو سالوں میں با تجوید قرآن مجید حفظ کیا، پانچ سال میں فارسی، ریاضی اور حساب کا کورس مکمل کیا پھر آٹھ سال میں درِ نظامی کی تکمیل کر کے ۱۳۳۷ھ/ 1919ء میں امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی آپ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا میاں اصغر حسین، مولانا محمد رسول خان، مولانا احمد شیر وغیرہم حضرات بھی شامل ہیں۔

فراغت کے بعد ''دارالعلوم'' میں حسبۃً للہ تدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۸ھ دارالعلوم کے نائب مہتمم اور ۱۳۴۹ھ تا ۱۴۰۲ھ تک مہتمم رہے۔ ۶۰ سال مسلسل دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ اسے دلچسپ اتفاق ہی کہہ لیں کہ مولانا محمد قاسم نے ۴۳ سال کی عمر میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی، ۴۳ سال کی عمر میں ان کے صاحبزادے مولانا محمد احمد مہتمم ہوئے اور آپ کی عمر بھی ۴۳ سال ہی کی تھی جب آپ نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے فرائض سنبھالے۔

ان کے تین صاحبزادے مولانا محمد سالم قاسمی مولانا محمد اسلم قاسمی اور پروفیسر محمد اعظم قاسمی ہیں۔ شعروسخن میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح ثقہ انداز میں دخل رکھتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہیں اور عرصۂ دراز تک سنی سنٹرل وقف بورڈ کے ممبر رہے۔ بیرونی ممالک کے متعدد سفر کئے۔

ممدوح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ۱۳۵۰ھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ آپ کا بیعت وارشاد کا سلسلہ ہند و بیرون ہند میں پھیلا ہوا ہے۔ درس وتدریس کا مشغلہ آپ کا کبھی ترک نہیں ہوا، حدیث وتفسیر اورفن واسرار کی کتابیں جیسے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ اکثر زیر درس رہتی تھیں۔ دیوبند میں آپ کی ایک مستقل مجلس مذاکرہ قائم ہے جس میں طلبہ اور شہر کے لوگ جمع ہو کر علمی استفادہ کرتے تھے۔

مولانا محمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> ''حضرت قاری مولانا محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بہت بابرکت ہستی ہیں اکثر رائپور تشریف لاتے تھے، حضرت کی خدمت میں تجدید بیعت کے لئے عرض کیا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تجدید بیعت کی ضرورت نہیں آنجناب تشریف لایا کریں، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہیں اور مشاہیر میں سے ہیں۔''

۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے مگر پانچ ماہ بعد آپ کے شیخ وصال ہو گیا۔ پھر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ اور ۱۳۵۰ھ میں ان سے منازل سلوک طے کرنے کے بعد ''خلافت'' سے نوازے گئے۔ پھر مرشدی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قائم کیا۔

علمی سلسلوں میں درس وتدریس کے علاوہ فن خطابت میں آپ کو خدا داد ملکہ اور قوت گویائی حاصل ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں جب آپ دوسری مرتبہ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ہندوستان کے مؤقر وفد کی حیثیت سے سلطان ابن سعود سے ملاقات کی۔ وہاں آپ کی تقریر عربی میں ہوئی۔ سلطان نے جواباً شکریہ کی تقریر کی اور بوقت رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتبِ دینیات سے اعزاز بخشا۔ اسی سفر میں مدینہ منورہ کے المدرسۃ الشرعیہ کے سالانہ اجلاس میں بھی آپ کی عربی تقریر قابلِ ذکر ہے جو مختلف عربی ممالک کے مجمع میں ہوئی اور پسند کی گئی۔

۱۳۵۸ھ میں آپ کا سفرِ افغانستان علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ ۱۳۵۹ھ میں والئی ریاست قلات بلوچستان، ریاست بہاولپور کے وزیر تعلیم نے آپ کو نصابِ تعلیم مرتب کرنے کے لئے فرمایا۔

تصنیفی خدمات: آپ کی تصانیف کا عدد ایک سو پچیس ۱۲۵ سے متجاوز ہے ان میں سے چند ایک کا نام درج ذیل ہے:

(۱) تشبہ اور اسلام: دو جلدوں میں (۲) سائنس اور اسلام (۳) تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام (۴) مسئلہ زمان اور ہندوستان (۵) دین دسیاست (۶) اسبابِ عروج و زوالِ اقوام (۷) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (۸) الاجتہاد والتقلید (۹) اصول دعوتِ اسلام (۱۰) کلمات طیبات۔ بزرگان دیوبند کے احوال وسیر (۱۱) اسلامی مساوات (۱۲) تفسیر سورۂ فیل (۱۳) الطیب الثمر فی مسئلۃ القضاء والقدر (۱۴) سفر نامہ افغانستان (۱۵) عرفان عارف (مجموعہ کلام)، (۱۶) مقالات طیبات (۱۷) فطری حکومت (۱۸) تاریخ دارالعلوم دیوبند (۱۹) مقالات اکابرِ دیوبند۔ (میں بھر شریک ہیں)، (۲۰) اصول دعوت اسلام (۲۱) ڈاڑھی کی شرعی حیثیت (۲۲) شرعی پردہ (۲۳) شان رسالت (۲۴) فلسفۂ نماز (۲۵) اسلام اور فرقہ واریت (۲۶) مشاہیرِ امت (۲۷) روایات الطیب (۲۸) کلمۂ طیّبہ (۲۹) آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳۰) خطبۂ طیبہ، مطبوعہ شاہ آباد صفحات ۱۳۰۔

۶ شوال ۱۴۰۳ھ 17 جولائی 1983ء میں رحلت فرمائی۔ جنازہ آپ کے بیٹے مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا اور مقبرہ قاسمی میں تدفین ہوئے۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ا ص ۵۲۸)

(75) مولانا محمد طاہر قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ اور حضرت قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہیں 1901ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں۔ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے پھر مدتوں دارالعلوم میں تدریس کے علاوہ دارالعلوم کے کتب خانہ اور دارالصنائع کی نظامت کے منصب پر فائز رہے آخر عمر میں قرآن شریف کی تفسیر سے بڑا شغف ہو گیا تھا ان کے تفسیری مسودات میں سے صرف ''معوذتین'' کی تفسیر شائع ہوئی ہے۔ علمِ عقائد میں انہوں نے ایک کتاب ''عقائد قاسمی'' کے نام سے بڑے عام فہم انداز میں لکھی ہے۔ جادو، جنات، اور سفلی عملیات کے موضوع پر ''حقیقتِ جادو قرآن وسنت کی روشنی میں لکھی جو دیوبند سے شائع ہوئی۔

بیعت کا تعلق حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اور ان کی طرف سے ''مجازِ صحبت'' تھے۔ آپ کی تصانیف میں حقیقت سحر، النحرفی الاسلام، اور تجلیات کعبہ کامیاب تصانیف شمار کی جاتی ہیں عقائد اسلام قاسمی کا پہلا ایڈیشن 5 اکتوبر 1952ء کی صبح اس وقت پہنچا جب مولانا سفرِ آخرت فرما چکے تھے اور ان کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ''مکالمۃ الصدرین'' کی ترتیب اور تقدیم آپ کے قلم سے ہے۔

آپ نے ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم کے نائب مہتمم کے فرائض بھی انجام دیئے نیز ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۷۴ھ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کا وصال ۱۳ محرم ۱۳۷۲ھ / 5 اکتوبر 1952ء کو ہوا۔ آپ نے سات بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ ان کے فرزندوں میں قاری محمد زاہر قاسمی رحمۃ اللہ علیہ پہلے آل انڈیا ریڈیو پر تلاوت کرتے تھے پھر پاکستان چلے آئے ان کے چھوٹے بھائی قاری شاکر قاسمی ریڈیو پاکستان سے قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں خوش الحان قاری ہیں۔

مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے فرزند مولانا آصف قاسمی ہیں یہ دارالعلوم کے فاضل ہیں کراچی میں انہوں نے ایک دینی مدرسہ فاروق اعظم قائم کیا ہوا ہے جو وہاں کے دینی مدارس میں ایک امتیازی درسگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی ترجمہ قرآن سکھانے کے لئے ایک عمدہ تصنیف بھی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا فاخر قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، محمد عامر قاسمی، سعید قمر قاسمی، اور قاری وحید ظفر قاسمی (مشہور نعت خواں) شامل ہیں۔ (حضرت تھانوی اور اُن کے خلفاء ص ۸۲)

(76) حضرت مولانا غلام رسول رانجھا رحمۃ اللہ علیہ (المعروف انہی والے)

آپ کے والد بزرگوار کا نام ''محرم'' تھا، جو علاقہ بار کے مشہور کاشتکار قبیلہ ''رانجھا'' سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ''انہی'' گاؤں کے اکثر لوگ حضرت محرم رانجھا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات سے محرم رہے۔ آپ حضرت محرم رانجھا رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ''انہی''، تحصیل پھالیہ، ضلع منڈی بہاؤالدین میں ۱۲۶۸ھ/ 1852ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والدین کی سب سے پہلی اولاد تھے۔ بعدازاں آپ کے دو چھوٹے بھائی غلام حسن اور غلام حسین پیدا ہوئے جو جوان ہوئے اور دونوں بے اولاد رہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد بزرگوار حضرت محرم رانجھا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور بعدازاں ان کے ہمراہ ''انہی'' سے ستائیس میل دور گاؤں ڈھنڈالہ (نزد ڈنگہ ریلوے سٹیشن) کے ایک مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہوئے۔ یہاں قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم حاصل کی۔ مروی ہے کہ ابتدائی درسی کتب بھی یہیں سے پڑھیں۔ آپ چکوال کے ایک مضافاتی گاؤں ''پل بجھاریاں'' چلے گئے اور وہاں پڑھنے لگے۔

بعدازاں شیخ المعقولات مولانا غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ بمقام میکی ڈھوک، تحصیل فتح جنگ، ضلع اٹک میں داخل ہوئے جو آپ کے خاص استاد تھے۔ یہاں مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منطق ومعقول کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ موضع نوتھ، ضلع اٹک میں داخل ہوئے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ کچھ عرصہ غور غشتی، ضلع اٹک میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ کتب معانی اور مطول عبد الغفور وغیرہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۸ھ/ 1969ء) کے والد بزرگوار حضرت مولانا بہاء الدین المعروف ''میاں صاحب'' غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۹ھ/ 1891ء) کے پاس پڑھیں۔ پھر تھٹہ میں وارد ہوئے اور یہاں حضرت مولانا قاضی عالم دین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کتب فقہ یا صرف ہدایہ پڑھا۔ وہ مولانا علام جیلانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے، حدیث کی کچھ کتب بھیرہ، تحصیل بھلوال، ضلع سرگودھا کے ایک اہلِ حدیث ماہرِ فن سے پڑھیں اور کچھ کتابیں شیخ التفسیر حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۳ھ/ 1944ء) ساکن واں بھچراں، ضلع میانوالی سے بھی سبقاً پڑھی تھیں۔ آپ تقریباً پچیس برس کی عمر میں تمام علوم نقلیہ وعقلیہ سے فارغ التحصیل ہوگئے تھے۔

آپ فراغت کے بعد تھٹہ مذکور سے چھ میل کے فاصلے پر واقع معروف گاؤں نوتھ، ضلع اٹک کے مدرسہ کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے اور مسلسل چودہ برس تک وہاں تشنگانِ علوم و فنون کو سیراب کرتے رہے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ نے اپنے کتب معانی کے استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت مولانا بہاء الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کرلی تھی۔ ان کی وفات ے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور بعدازاں ان سے خلافت و اجازت پائی۔ چودہ برس تک تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد اپنے آبائی گاؤں انہی، تحصیل پھالیہ، ضلع منڈی بہاء الدین میں اپنی مملوکہ زمین میں مدرسہ حسینیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی۔

آپ نے ۱۳۵۲ھ/ 1933ء میں رحلت فرمائی اور اپنے گاؤں انہی، تحصیل پھالیہ، ضلع منڈی بہاؤ الدین ہی میں مدفون ہوئے۔ (تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت پنجاب ج ۱ ص ۴۷۰)

(77) حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد ابراہیم میر، سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، ماہ صفر المظفر ۱۲۹۱ھ / اپریل 1874ء میں پیدا ہوئے، مولانا عبدالمنان وزیر آبادی وغیرہ سے علوم مروجہ کی تحصیل کی، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے بھی آپ کو سندِ حدیث حاصل تھی، مولانا ابراہیم میر صاحب پنجاب کے اہلِ حدیث علماء کے سرخیل اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے رفقاء میں سے تھے، انہی کی طرح مناظرانہ ذوق رکھتے تھے، سیاسی طور پر جمعیت علماء ہند سے وابستہ رہے مگر متحدہ قومیت کے مسئلہ پر جمعیت سے الگ ہو گئے اور مسلم لیگ سے تعلق قائم کرلیا، آپ نے ساٹھ سال کی عمر میں ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ/ یکم جولائی 1956ء میں وفات پائی اور سیالکوٹ میں سپرد خاک کئے گئے، بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں آپ کی یادگار ہیں جن میں سے ایک ''تاریخ اہلحدیث'' ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تعریف بھی کی ہے اور آپ پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ (بیاںہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۱۳)

(78) شیخ علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد زاہد بن الحسین العلمی بن علی الرضا بن نجم الدین خضوع ہے، ۲۷ یا ۲۸ شوال ۱۲۹۶ھ بروز سہ شنبہ (منگل) بوقت اذان فجر ''قریۃ الحاج حسن آفندی'' میں پیدا ہوئے

داغستان قفقاز میں ظالم روس کے مظالم اور اسلام دشمنی کی بنا پر آپ کے والدین نے ترکی ہجرت کی اور یہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی' جائے پیدائش قریۃ الحاج حسن دوزجہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور دوزجہ استنبول سے تین مرحلے دور ہے۔

ابتدائی تعلیم دوزجہ کے علماء اور مدرسین سے حاصل کی۔ ۱۳۱۱ھ میں استنبول آ گئے' شیخ ابراہیم حقی (متوفی ۱۳۱۸ھ) اور شیخ زین العابدین الالصوانی (متوفی ۱۳۳۶ھ) سے جامع الفاتح میں علوم متداولہ کی تکمیل کی' انتظامیہ نے آپ کو جامع الفاتح میں تدریسی فرائض انجام دینے کیلئے مدرس مقرر کر لیا۔ یہ ۱۳۲۵ھ کا سال تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ وہیں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے' یہاں تک کہ ۱۳۳۲ھ میں جنگ عظیم کا فتنہ شروع ہوا اور اتحادیوں کے قبضہ کر لینے کے بعد اصلاح کے نام سے علوم دینیہ کو ختم کرنے اور جدید علوم کے ادخال کی کوششیں ہونے لگیں۔ شیخ کوثری کو بھی تدریس سے علیحدہ کرنے کی بارہا کوشش کی گئی، لیکن چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ علوم و فنون میں وقت کے امام اور طلبہ اور شائقین فنون کی نظر میں غیر معمولی حیثیت و مقام رکھتے تھے، جسکی وجہ سے اتحادیوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی، البتہ شیخ کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا، تین سال کے بعد شیخ وہاں سے استعفیٰ دیکر استنبول آ گئے۔ استنبول یونیورسٹی میں شیخ کوثری کو درجہ تخصص میں استاد مقرر کر دیا گیا، کچھ عرصہ بعد شیخ کوثری وکیل اور نائب شیخ الاسلام مقرر ہو گئے لیکن چونکہ ترکی کے حالات اسلام، مسلمانوں اور علوم شرعیہ کے لئے دن بدن بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے جسکی بنا پر ترکی کو چھوڑنا آپ کے لئے ناگریز تھا، چنانچہ آپ نے ترکی کو چھوڑ کر مصر میں اقامت اختیار کر لی۔

آپ کو بیک وقت کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا، ترکی، فارسی، جرمنی اور عربی زبان۔ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ حافظہ کی اعتبار سے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ نہیں تو ان سے کم بھی نہیں تھے۔ بعض کتب جن میں اکثر غیر مقلدین کی ہیں، علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ آپ شدید متعصب تھے اور احناف کے سواء دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کرتے تھے، حالانکہ یہ سراسر جھوٹا الزام اور حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مسلک احناف سے آپ کو بے انتہاء قلبی لگاؤ اور شغف تھا، کوئی بے جا اعتراض امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ احناف پر برداشت نہیں کرتے تھے۔

آپ کی تصانیف میں بعض کتب مخطوطہ کی شکل میں ہیں:

(۱)۔نظم عوامل الاعراب (فارسی) یہ کتاب آپکی تصانیف میں سب سے پہلی مخطوط کتاب ہے۔ (۲)الاشفاق علی احکام الطلاق (۳)تانیب الخطیب علی ما ساقه فی ترجمة ابی حنیفه من الاکاذیب (۴) تذهیب التاج اللجینی فی ترجمة البدر العینی (۵) الحاوی فی سیرة الامام ابی جعفر الطحاوی (۶) الترحیب بتقد التانیب (۷) محق التقول فی مسئلة التوسل (۸) الاستبصار فی التحدث عن الجبر والاختیار۔

اس کے علاوہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتب پر مقدمات بھی لکھے ہیں اور بعض پر تعلیقات وحواشی بھی تحریر کئے ہیں۔ مقالات کوثری کے نام سے ایک کتاب مکتبۃ المثنی بغداد سے شائع ہوئی ہے اور یہاں پاکستان میں ایچ ایم سعید کمپنی نے بھی شائع کی ہے، اگر کوئی اللہ کا نیک اور صالح بندہ ہمت کرے ان مقالات کا اردو ترجمہ کردے تو بہت مفید ہوگا، مقالات کوثری میں کل ۵۶۵ مقالات ہیں اور ہر مقالہ خزینہ علم وحقائق ہے۔

آپ کے اساتذہ میں چند ایک کے اسمائے گرامی تحریر کئے دیتے ہیں:

(۱) آپ کے والد الشیخ حسن بن علی الکوثری۔ (۲) شیخ ابراہیم حقی۔ (۳) شیخ علی زین العابدین الاصونی۔ (۴) الشیخ حسن استنبولی۔ (۵) الشیخ یوسف ضیاء الدین التکوشی وغیرہ۔

آپ سے فیض حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے، چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں: (۱) جمال الاصونی (۲) سید حسام الدین القدسی (۳) الشیخ حسین بن اسماعیل (۴) البرنس حسین خیر الدین (۵) الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ (۶) الشیخ عبداللہ بن عثمان الحمصی (۷) السید عزت العطار الحسینی (۸) الشیخ محمد ابراہیم الختنی (۹) الاستاذ محمد امین سراج بن مصطفیٰ (۱۰) الشیخ مصطفیٰ عام مصری (۱۱) الشیخ یوسف الحسینی البنوری الباکستانی رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ کی زندگی آلام ومصائب میں گزری جس کی داستان بہت طویل ہے اور اس کے پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ہے، آخر کار یہ علم وفنون کا معدن ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۷۱ھ بروز اتوار بوقت ظہر جہان فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گیا۔ (بیّنات، جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ ص 33)

(79) کمال اتاترک

مصطفیٰ کمال پاشا (ترکی: Mustafa Kemal Ataturk) (پیدائش: 19 مئی 1881ء) جنگ عظیم اوّل میں عثمانی دور کا فوجی سالار، جدید ترکی کا بانی اور پہلا صدر۔ 1934ء میں

قوم کی طرف سے انھیں اتاترک (بابائے ترک/ترکوں کا باپ) کا لقب دیا گیا۔ اتاترک سالونیکا کے متوسط الحال خاندان میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سالونیکا اور مناستیر کے کیڈٹ سکولوں میں تعلیم پائی اور 1905ء میں وہاں سے سٹاف کیپٹن بن کر نکلے۔

استنبول کے دوران قیام میں خلیفہ عبدالحمید کی حکومت کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے پر کچھ عرصہ قید رہے۔ جیل سے رہا ہوئے تو فوجی ملازمت اختیار کی۔ 1908ء کے انقلاب ترکیہ کے بعد کچھ عرصے کے لیے سیاسیات سے علیحدگی اختیار کرلی۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو صوفیہ میں ملٹری اتاشی کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے 1915ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے خلاف آبنائے فاسفورس کی کامیاب مدافعت کی۔ اس پر انھیں جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ 1916ء میں روسی فوج کو شکست دے کر ترکی کا مقبوضہ علاقہ آزاد کرالیا۔ 5 جولائی 1917ء کو ساتویں فوج کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ 30 اکتوبر 1918ء کو معاہدہ امن پر دستخط ہو گئے جس کے بعد ساتویں فوج توڑ دی گئی اور مصطفےٰ کمال پاشا واپس استنبول بلا لیے گئے۔

اس وقت خلیفہ وحید الدین کو ان کے عزائم کا علم نہ تھا۔ انہوں نے اتاترک کو نویں فوج کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ اتاترک نے اس تحریک کے دوسرے رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور مادر وطن کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ اسی دوران ان کی قیادت میں سلطنت عثمانیہ کے متوازی عارضی حکومت قائم ہوگئی۔

جون 1919ء میں، احکامات پر، انہوں نے دار الحکومت، استنبول چھوڑ دیا اور سامونیم میں ایک ترک قوم پرست تحریک کی بنیاد رکھی، لیکن یہ تحریک جلد ہی انقرہ میں قائم ہوگی۔ کمال پاشا نے روس (سوویت یونین)، کے ساتھ 23 اکتوبر، 1921ء، معاہدے پر دستخط کیے۔

3 مارچ 1924ء کو خلافت کو سرکاری طور پر ختم کر دیا گیا تھا اور ترکی کے اندر اس کی طاقتیں جی این اے کو منتقل کر دی گئی تھیں۔ دیگر مسلم ممالک نے خلافت کی ترکیب کے یکطرف خاتمے کی توثیق کے بارے میں بحث کی، کیونکہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں ترک کاروائی کی تصدیق کی جائے یا نیا خلیفہ مقرر کرے۔ ایک ''خلافت کانفرنس'' مئی 1926ء میں منعقد کی گئی۔ اور خلافت کو ''اسلام میں ایک ضرورت'' قرار دیا گیا، لیکن اس فیصلے کو نافذ کرنے میں ناکامی رہی۔

مکا (1926ء) اور یروشلیم (1931ء) میں دو دیگر اسلامی کانفرنس منعقد کی گئیں تھیں،

لیکن اتفاق رائے تک پہنچنے میں ناکام رہے، ترکی میں خلافت کے دوبارہ قیام نہیں کیا گیا اور اسے اس کے بنیادی وجود پر حملے کے طور پر سمجھا جبکہ کمال اور اصلاح پسندوں نے اپنی جدوجہد اور تحریک جاری رکھی۔ اتاترک نے جماعت ریپبلکن پیپلز پارٹی بنائی۔ اتاترک کی زوجہ لطیفی اشا کی (29 جنوری 1923۔5 اگست 1925) تھی جبکہ اولاد صبیحہ گوکچن تھی۔ اتاترک کی وفات 10 نومبر 1938ء ترکی میں ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

اس کے مزار پر اس کی وصیت لکھی ہوئی ہے کہ یہاں فاتحہ پڑھنا منع ہے۔

(ضرب مؤمن ج ۷ شمارہ ۲۷)

(80) حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضرت فاروقی النسب اور حنفی المذہب، طریقت و معرفت کے امام تھے۔ حضرت کی ولادت ۲۲ / صفر ۱۲۳۳ھ/ 1817ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ حضرت کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں دے دئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ آپ کی عمر ابھی ۷ سال تھی کہ حضرت کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا۔ ابتداء ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا۔ چنانچہ کلام مجید حفظ فرمایا۔ ۱۲۴۹ھ میں جب کہ حضرت کی عمر ۱۶ سال کی تھی مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا سید نصیر الدین نواسہ حضرت مولانا رفیع الدین محدث اور شاگرد و داماد حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور ان سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ ان کی شہادت کے بعد واپس ''تھانہ بھون'' آئے۔ پھر وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ پھر ''لوہاری'' پہنچے وہاں شیخ نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور خلافت حاصل ہوئی۔

۱۲۷۴ھ مسلمان انگریز حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے آپ کو اپنا امیر بنالیا۔ ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں شاملی کے میدان میں یہ جماعت انگریز حکومت کے مقابل ہوئی، حضرت حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت پائی۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کو ترجیح دی۔ ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پھر ''صفا'' میں اقامت پذیر ہوئے،

پھر ''حارۃ الباب'' میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک رہے۔ بہت عرصہ تک دیگر اولیاء کی طرح فقر و فاقہ اور عُسرت میں رہے، مگر اس حال میں بھی صابر و شاکر رہے۔آپ نے طریقہ چشتیہ صابریہ کی تجدید کی، اس میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء داخل ہوئے۔ان میں سب سے بڑے مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا یعقوب نانوتوی، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا اشرف علی تھانوی اپنی اپنی جگہ شیوخ ہو گئے۔

مثنوی مولانا روم سے بے حد لگاؤ تھا۔اس کا درس بھی دیتے تھے اور اپنے احباب کو اس کی تلقین بھی کرتے تھے کہ اسے پڑھا جائے اور اس میں غور و فکر کی جائے۔ان کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں، جو سب کی سب محبت الٰہی، معرفت اور تصوف میں ہیں۔ ان میں ''ضیاء القلوب'' (فارسی میں) ''ارشاد مرشد''۔ ''گلزار معرفت''۔ ''تحفۃ العشاق''۔ ''جہاد اکبر''۔ ''غذاء روح'' اور ''دردنامہ غمناک'' سب کی سب اردو میں ہیں اور ان میں اکثر نظم میں ہیں۔

۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ بروز چہار شنبہ مکہ مکرمہ میں وصال ہوا اور ''جنت معلیٰ'' میں مولانا رحمت اللہ کے قریب دفن کیے گئے۔(تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۷۴)

(81) امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مشیر خاص تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ جید شاگرد تھے۔ استاد کے نظریات کو تدوین کرنے میں ان کی محنت بھی شامل تھی۔ فقہ حنفی کے اولین مرتب، جو امام محمد کے نام سے مشہور ہیں۔نسبت شیبان کے متعلق مختلف آراء ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور بعض محققین کے نزدیک نسبت ولائی ہے کیونکہ آپ کے والد بن شیبان کے غلام تھے۔

اصل میں ان کا قریہ حرستا ہے یہ غوطہ دمشق کے قریب ہے جبکہ ان کی پیدائش واسط (عراق) 750ء میں ہوئی اور زیادہ زندگی کوفہ میں گزاری۔ ان کا سنہ ولادت ۱۳۲ھ یا 135ھ ہے۔

یہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے شاگرد تھے ان کی وفات کے بعد امام ابو یوسف سے تربیت حاصل کی جبکہ امام مالک کے درس میں بھی حاضری دیتے تھے دیگر اساتذہ میں مسعر بن کدام، سفیان ثوری، عمر بن فدا اور مالک بن مغول بھی اساتذہ میں شامل ہیں۔

آپ کی بہت سی تصنیفات فقہ اور اصول فقہ پر ہیں: (۱) المبسوط (جو فروع فقہ میں

ہے)۔ (۲) الجامع الکبیر۔ (۳) الجامع الصغیر۔ (۴) کتاب الاثار (امام ابو حنیفہ سے مروی روایات)۔ (۵) الموطا امام محمد۔ (۶) الآمالی۔ (۷) الحجۃ علی اہل المدینہ۔

۱۸۹ھ 805ء میں جب عمر 58 سال کی ہوگئی ''رے'' کے مقام نبویہ نامی بستی میں انتقال ہوا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(82) مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ظفر علی خان 19 جنوری، 1873ء میں کوٹ میرٹھ شہر وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے مکمل کی اور گریجویشن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے کی۔ کچھ عرصہ وہ نواب محسن الملک کے معتمد (سیکرٹری) کے طور پر بمبئی میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مترجم کی حیثیت سے حیدر آباد دکن میں کام کیا اور محکمہ داخلہ کے معتمد کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اخبار ''دکن رِیوِیُو'' جاری کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اپنی حیثیت بطور ادیب وصحافی خاصی مستحکم کی۔

1908ء میں لاہور آئے، روز نامہ زمیندار کی ادارت سنبھالی جسے ان کے والد مولوی سراج الدین احمد نے 1930ء میں شروع کیا تھا۔ مولانا کو ''اردو صحافت کا امام'' کہا جاتا ہے۔ اس اخبار نے مسلمانوں کی بیداری اور ان کے سیاسی شعور کی تربیت کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

1934ء میں جب پنجاب حکومت نے اخبار پر پابندی عائد کی تو مولانا ظفر علی خان جو اپنی جرات اور شاندار عزم کے مالک تھے انہوں نے حکومت پر مقدمہ کر دیا اور عدلیہ کے ذریعے حکومت کو اپنے احکامات واپس لینے پر مجبور کر دیا۔ اگلے دن انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک طویل نظم لکھی۔

صحافت کی شاندار قابلیت کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر علی خان شاعری کے بے مثال تحفہ سے بھی مالا مال تھے۔ ان کی نظمیں مذہبی اور سیاسی نکتہ نظر سے بہترین کاوشیں کہلاتی ہیں۔ وہ اسلام کے سچے شیدائی، محب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنی نعت گوئی کے لئے مشہور و معروف ہیں۔ ان کی شاعرانہ کاوشیں بہارستان، نگارستان اور چمنستان کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ آپ کی مشہور کتابیں درج ذیل ہیں: (۱) معرکہ مذہب وسائنس (۲) غلبہ روم (۳) سیر ظلمت (۴) جنگ روس وجاپان

مولانا ظفر علی خان نے 27 نومبر، 1956ء کو وزیر آباد کے قریب اپنے آبائی شہر کرم آباد

میں وفات پائی۔ ان کی نمازِ جنازہ محمد عبدالغفور ہزاروی نے ادا کی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(83) علامہ زَمَخشَری رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر محمد خوارَزمی زَمَخشَری معتزلی ممتاز عالم، مفسر جو تفسیر کشاف کے مولف ہیں۔ علامہ زمخشری کی ولادت بروز بدھ ۲۷ رجب المرجب ۴۶۷ھ مطابق 18 مارچ 1075ء کو زمخشر میں ازبکستان میں ہوئی۔ علامہ زمخشری وفات شبِ پیر ۸ ذوالحجہ ۵۳۸ھ مطابق 12 جون 1144ء کو کہنہ غرغانج ترکمانستان میں ہوئی۔

آپ اصول (عقیدہ) میں معتزلی اور فقہ میں حنفی تھے۔ آپ حدیث، تفسیر، نحو اور بلاغت میں امام مانے جاتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں اساس البلاغۃ (لغت) اور تفسیر کشاف بہت مشہور ہوئی۔ آپ نے قرآنی آیات کی تفسیر میں معتزلی مذہب اور اسکے پانچ اصولوں (توحید، عدل، الوعدوالوعید، المنزلۃ بین المنزلین، امر بالمعروف والنہی عن المنکر) کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(84) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک یعقوب، اور کنیت ابو یوسف ہے۔ آپ حضرت سعد بن بحیر انصاری رضی اللہ عنہ جنہیں سعد بن حَبتہ بھی کہا جاتا ہے اُن کے پڑپوتے ہیں سلسلۂ نسب اس طرح ہے یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بجیر بن معاویہ بن قحافہ بن نفیل الانصاری البجلی۔ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق اور دیگر غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، سن شعور کو پہنچے تو خود کو تحصیل علم کے لیے وقف کر دیا ابتداء میں تقریباً آٹھ نو برس قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں حاضر ہوتے رہے اس کے بعد جب امام عالی مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضری کا موقع ملا تو پھر اُنہی کے ہو کر رہ گئے۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ آپ ہی کو ملا۔ آپ تین عباس خلفاء کے دور میں قاضی رہے۔ مہدی، ہادی اور ہارون۔ خلیفہ مہدی نے آپ کو صرف بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ہادی کے زمانہ میں پورے بغداد کے قاضی بنائے گئے۔ ہارون رشید نے آپ کو تمام ممالکِ محروسہ کا قاضی بنا دیا تھا، سترہ برس تک

آپ نے قضاء کی خدمت کی۔

اُنہوں نے نہ صرف بحیثیت فقیہ اپنے شیخ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو اُمت کی طرف منتقل کیا۔ بلکہ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے اس فقہ کو محض نظریاتی حیثیت سے نکال کر جیتی جاگتی زندگی میں عملاً نافذ فرمایا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے والد ابراہیم اُن کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ اُن کی والدہ نے فکر معاش کی وجہ سے اُنہیں ایک دھوبی کے حوالہ کر دیا۔ لیکن اِنہیں پڑھنے کا شوق تھا۔ یہ جا کر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بیٹھنے لگے۔ والدہ کو علم ہوا تو اُنہوں نے منع کیا، اور اس بنا پر وہ کئی روز امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں نہ جا سکے۔ جب کئی دن کے بعد وہ درس میں پہنچے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ اُنہوں نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے درس کے بعد انہیں بلایا، ایک تھیلی حوالہ کی جس میں سو درہم تھے۔ اور فرمایا کہ: ''اس سے کام چلاؤ، اور جب ختم ہو جائیں تو مجھے بتانا۔'' حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ ''اس کے بعد کبھی مجھے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بتانے کی نوبت نہیں آئی کہ تھیلی ختم ہو چکی ہے، ہمیشہ جب پیسے ختم ہو جاتے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود ہی مزید پیسے عطا فرما دیتے، جیسے انہیں ختم ہونے کا الہام ہو جاتا ہو۔''

جن حضرات نے غلط فہمیوں کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر علم حدیث میں جرح کی ہے، وہ بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں ثِقہ مانتے ہیں۔ (دیکھیے کتاب الثقات، لابن حبان رحمۃ اللہ علیہ) بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے علم حدیث حاصل کرنا چاہا تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، اس کے بعد دوسرے مشائخ سے علم حاصل کیا۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۴ ص ۲۵۵)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے، ایک دن انہوں نے اپنے متوسلین میں سے کسی سے کہا کہ: ''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آج کل بیمار ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے ضرور بتانا۔'' (مقصد یہ تھا کہ ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کریں)۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی حالت معلوم کرنے کے لیے ان کے گھر پہنچا تو وہاں سے جنازہ باہر نکل رہا تھا، میں نے سوچا کہ اب اتنا وقت نہیں ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی جائے۔

اور وہ جنازے میں شریک ہوسکیں، اس لیے میں خود ان کی نمازِ جنازہ میں شامل ہو گیا۔ اور بعد میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو سارا واقعہ بتایا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے رہے، اور جنازے میں شرکت نہ کر سکنے پر بہت افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

۱۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا، خلیفہ ہارون رشید جنازہ کے ساتھ گئے خود نمازِ جنازہ پڑھائی، اور اپنے خاندانی مقبرہ میں تدفین کی۔ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے احاطہ میں جنوبی جانب ایک مسجد ''جامع ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے بنی ہوئی ہے اسی مسجد کے ایک حصہ میں حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ (بیابہ مجلس نفیس ص ۶۹۲)

(85) حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

اسماعیل نام، ابوالفداء کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع القیسی البصروی ثم الدمشقی۔ آپ کے والد شیخ ابوحفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

آپ کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک قریہ ہے اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے، ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی تو بڑے بھائی نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا، والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشوونما ہوئی، ابتداء میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فزاری معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی، اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا، چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ، مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ مین علامہ ابن حاجب مالکی المتوفی ۶۴۶ھ کی مختصر کو زبانی یاد کیا، اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب المتوفی ۷۴۹ھ سے پڑھی تھیں۔ فنِ حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔

حجاز کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا۔ وہ حسب ذیل (۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر المتوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی المتوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بن سویدی المتوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیر ازی المتوفی ۷۴۹ھ۔

سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن مزی شافعی مصنف تہذیب الکمال متوفی ۷۴۲ھ ہیں، حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا۔ ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی، حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی، وانی اور ختنی وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔ شعر وسخن کا ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے، بڑے ذاکر شاغل تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے منفرد ہیں۔

آخیر عمر میں بینائی جاتی رہی، جمعرات کے دن شعبان کی ۲۶ تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی (رحمہ اللہ) اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ پسماندگان میں دو صاحبزادے بڑے نامور ہوئے ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی ہے اور دوسرے بدر الدین ابوالبقاء محمد بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں، انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ہے۔ آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) تفسیر القرآن الکریم: (المعروف تفسیر ابن کثیر)۔ (۲) البدایہ والنہایہ: یہ فن تاریخ میں ان کی

بیش بہا تصنیف ہے۔(۳) التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل: فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے۔(۴) الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن: ''جامع المسانید'' کے نام سے مشہور ہے مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبل، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ، مسند ابن ابی شیبہ، اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔
۵۔طبقات الشافعیہ: اس میں فقہاء شافعیہ کا تذکرہ ہے۔(۵) مسند الشیخین: اس میں شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے۔(۶) السیرۃ النبویہ: یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے۔(۷) کتاب المقدمات: اس کا ذکر مصنف نے اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے۔(۸) الاجتہاد فی طلب الجہاد: جب فرنگیوں نے قلعہ ایاس کا محاصرہ کیا ہے اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا ہے۔(۹) رسالۃ فی فضائل القرآن۔(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل: حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابو یعلیٰ کی مسند سے زوائد بھی درج کئے تھے۔(تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۵)

(86) حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث تھے جنہوں نے بخاری کی شرح لکھی۔آپ نامور مورخ اور شافعی مذہب کے فقیہ تھے۔طلب علم کے سلسلے میں متعدد بار مصر، شام، حجاز، اور یمن کا سفر کیا اور اس شوق کے باعث حافظ عصر کے لقب سے مشہور ہوئے۔آپ کو شیخ الاسلام کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ابن حجر کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ مشہور علمی خاندان آل حجر میں سے تھے اس عظیم خاندان میں محدثین وفقہا کثیر تعداد میں پیدا ہوئے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت قاہرہ میں بدھ 12 شعبان 773ھ بمطابق 18 فروری 1372ء کو ہوئی آپ مصر کے قصبہ عتیقہ میں پیدا ہوئے۔آپ کے عمر چار سال تھی کہ آپ کے والد شیخ نورالدین علی کی وفات ہوگئی آپ کی کفالت شیخ زکی خرنوبی نے فرمائی۔آپ کے والد کی اولاد بچپن میں ہی فوت ہو جاتی تھی، چنانچہ آپ کے والد شیخ صناقبری کی خدمت میں گئے۔انہوں نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیری پشت سے ایسا بچہ پیدا کرے گا جو پوری دنیا کو علم ومعرفت سے مالا مال کرے گا۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ابن حجر کی تصانیف کی اتنی شہرت ومقبولیت شیخ صناقبری کی دعا کا نتیجہ ہے۔

778ھ میں 5 سال کی عمر میں آپ کو زکی الدین الخاروبی نے قرآنی علوم کے واسطے مدرسہ میں داخل کروایا۔ کم عمری میں ہی آپ کا حافظہ اِس قدر قوی تھا کہ ایک ہی روز میں تمام سورہ مریم حفظ کرلی تھی اس دوران میں اپ نے ابن حاجب کی فقہ بھی پڑھی۔ 785ھ میں 12 سال کی عمر میں زکی الدین الخاروبی کے ساتھ عزم مکہ ہوئے اور رمضان 785ھ میں حرمِ کعبہ میں نمازِ تراویح پڑھائی۔ 788ھ یعنی 1386ء میں سرپرست زکی الدین الخاروبی کی وفات کے بعد آپ دوبارہ مصر لوٹ آئے۔ حدیث کے واسطے مصری محدث شمس الدین ابن القطان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا جہاں اپ نے علامہ بلقینی (متوفی 806ھ) ابن الملاقین (متوفی 804ھ) کی فقہ پڑھی اور حدیث میں علامہ حافظ العراقی عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن العراقی المصری (متوفی 805ھ) سے استفادہ حاصل کیا۔ بعدازں آپ نے مکہ المکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، دمشق اور یروشلم کا سفر اختیار کیا۔

799ھ یعنی 1397ء میں آپ نے 26 سال کی عمر میں انس خاتون سے نکاح کرلیا۔

انس خاتون بھی حدیث کی عالمہ تھیں اور اُنہیں علامہ حافظ العراقی عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن العراقی المصری سے حدیث روایت کرنے کی اجازت تھی۔ انس خاتون عوامی طور پر بھی حدیث کا درس دیا کرتی تھیں جن میں کئی علما شریک ہوا کرتے تھے امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (متوفی 902ھ) بھی انس خاتون سے حدیث کا درس لینے والوں میں سے ایک تھے۔ آپ کا زمانہ برجی مملوک سلاطین کا زمانہ تھا۔ علامہ ابن حجر العسقلانی کو کئی بار سلاطین مصر کی جانب سے قاضی مصر کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ آپ کے قابل ذکر شاگردوں میں علامہ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ نے 79 سال 3 ماہ 26 یوم کی عمر میں اتوار 8 ذوالحجہ 852ھ بمطابق 2 فروری 1449ء کو بعد نمازِ عشاء انتقال کیا۔ نمازِ جنازہ قاہرہ میں ادا کی گئی جس میں پچاس ہزار افراد شریک ہوئے۔ نماز جنازہ علامہ بلقینی نے پڑھائی۔

تدفین مصر کے مشہور قبرستان الصغری میں علامہ ویلی کی قبر کے سامنے اور امام شافعی و شیخ مسلم کی قبروں کے درمیان میں عمل میں آئی۔

آپ کی کتابوں کی تعداد 150 سے اوپر بتائی جاتی ہے۔ مشہور کتابیں درج ذیل ہیں۔

(۱) الاصابہ فی تمییزالصحابہ (۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری (۳) تہذیب

التہذیب (۴) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام (۵) مقدمہ فتح الباری
(آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا)

(87) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی کے والد علی بن محمد صنعاء میں شوکانی کے انتساب سے مشہور تھے، شوکانی کی وجہ انتساب کے متعلق خود امام شوکانی لکھتے ہیں کہ شوکان یمن کے قبائل خولان کی بستی کا نام ہے جو صنعاء بحرین میں ہے جو تقریباً ایک روز کی مسافت پر واقع ہے۔ شوکان سے امام شوکانی کی نسبت حقیقی نہیں۔ کیونکہ وہ خود صنعاء سے تعلق رکھتے تھے، البتہ ان کے آباؤ و اجداد شوکان سے تعلق رکھتے تھے۔

ان کے والد علی بن محمد ۱۱۷۳ھ 1760ء کے موسم خزاں میں اپنے آبائی شہر شوکان گئے ہوئے تھے تو وہیں ۲۸ ذوالقعدہ بروز پیر امام شوکانی پیدا ہوئے۔ ان کا نام محمد رکھا گیا۔ امام شوکانی نے ''البدر الطالع'' میں اپنے والد ماجد کا پورا نسب نامہ تحریر کیا ہے۔ امام شوکانی کی نشوونما اور تعلیم و تربیت صنعاء میں ہوئی۔ انہوں نے بہت سے اساتذہ سے قرآن مجید پڑھا۔ باقاعدہ طلب علم سے قبل انہوں نے زیدی فقہ کی مشہور کتاب ''الازہار'' عصیفری کی مختصر الفرائض'' حریری کی الملحہ، ابن حاجب کی ''الکافیہ''، الشافیہ، اور مختصر المنتہی اور علم عروض، قرأت اور علم بحث پر چھوٹے چھوٹے رسائل حفظ کر لئے تھے۔ کتبِ تاریخ و ادب کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ''الازہار'' کی شرح اور مختصر عُصیفیری کی شرح ''الناظری'' اپنے والد ماجد سے پڑھی۔ پھر طلبِ علم کے لئے دیگر اساتذہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یوں تو انہوں نے بیسیوں اساتذہ سے مختلف علوم کی بہت سے کتابیں پڑھیں۔ آپ مندرجہ ذیل اساتذہ سے بہت متاثر ہوئے۔ علامہ عبدالرحمٰن قاسم۔ (المتوفی ۱۲۱۱ھ) علامہ احمد بن عامر (المتوفی ۱۱۹۷ھ)۔ علامہ احمد بن محمد الحرازی (المتوفی ۱۲۲۷ھ)۔ امام شوکانی تیرہ سال تک علامہ احمد کی خدمت میں رہے۔ علامہ علی بن ابراہیم (المتوفی ۱۲۰۷ھ) سے امام شوکانی نے صحیح بخاری اول تا آخر بحث و تحیص کے ساتھ پڑھی۔ علامہ حسن بن اسماعیل بن الحسین المغربی (التوفی: ۱۲۰۸ھ) سے امام شوکانی سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ حسن بن اسماعیل اور عبدالقادر بن احمد وہ بزرگ ہیں جن کے مشورے پر امام شوکانی نے ابن تیمیہ کی ''المنتقی کی شرح'' نیل الاوطار'' لکھی اور اہل علم سے اپنی علمیت کا لوہا منوا لیا۔

امام شوکانی نے ابتدائی طور پر زیدیہ فقہ کی تعلیم حاصل کی، مگر وسعتِ مطالعہ اور حدیث میں رسوخِ علم کی وجہ سے اپنے آپ کو امام زید کی فقہ میں محصور نہ رکھ سکے۔ انہوں نے زیدیہ فقہ پر ناقدانہ نظر ڈالی اور ان تمام مقامات پر گرفت کی جہاں قرآن وسنت سے ذرا بھی انحراف پایا جاتا تھا۔ انہوں نے مذہب سلف کی تائید میں کتابیں بھی لکھیں۔ بلکہ قرآن وسنت کے مطابق جو مسلک حق ہوتا تھا اسے اختیار کرتے تھے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کی تمام تصنیفات آزادی فکر اور قرآن و سنت کی دعوت دیتی ہیں۔

امام شوکانی نے مختلف موضوعات پر مبسوط اور مختصر کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسائل تحریر کیے جن کی تعداد ۱۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ ان کی تصنیفات میں (۱) نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار (۲) ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (۳) اصول فقہ پر ہے۔(۴) فتح القدیر (۵) الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ (۶) تحفہ الذاکرین (۷) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع۔

شیخ محمد بن علی الشوکانی نے ۱۲۵۰ھ / 1834ء 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ جامع الکبیر صنعاء میں ادا کی گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمہ واسعہ۔ (حقیقت تقلید واجتھاد)

(88) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز ذھبی دمشقی ترکمانی شافعی ایک مشہور عرب محدث اور مؤرخ تھے۔ ذہبی کی پیدائش ربیع الثانی 673ھ بمطابق 1274ء دمشق میں ہوئی۔ شام میں تعلیم حاصل کی اور ساری عمر تصنیف وتالیف میں گذاری بلند پایہ مؤرخین اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ دمشق اور قاہرہ میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ 3 ذوالقعدۃ 748ھ 1348ء میں انتقال کر گئے دمشق میں دفن ہیں۔

تصانیف میں: (۱) تاریخ الاسلام و الطبقات المشاھیر و الاعلام: عرب کی ضخیم تاریخ (۲) تذکرۃ الحفاظ: علم اسماء الرجال پر تصنیف (۳) میزان الاعتدال فی نقد الرجال: علم اسماء الرجال پر تصنیف (۴) سیر اعلام النبلاء (۵) طبقات القراء (۶) طبقات الحفاظ (۷) تہذیب التھذیب (۸) اختصار المستدرك للحاکم (۹) توقیف اھل التوفیق: مناقب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۱۰) نعم السمر: سیرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۱۱) التبیان:

مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۱۲) فتح الطالب: اخبار علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۱۳) اختصار کتاب الجہاد ابن عساکر (آزاد دائرۃ المعارف)

(89) علامہ ابن مَرْدُوَیہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوبکر اور نام احمد بن موسیٰ بن مردویہ ہے آپ اصبہان کے رہنے والے بہت بڑے عالم اور پختہ کار حافظِ حدیث ہیں۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے بہت شہرت رکھتے ہیں۔ آپ ابوسہل بن زیاد قطان، سیمون بن اسحاق، عبداللہ بن اسحاق خراسانی، محمد بن عبداللہ بن علم صفار، اسماعیل خبطی، محمد بن علی بن رحیم شیبانی، احمد بن عبداللہ بن دلیل، اسحاق بن محمد بن علی کوفی، محمد بن احمد بن علی اسواری، احمد بن عیسےٰ خفاف، احمد بن محمد بن عاصم کرانی اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ابوالقاسم عبدالرحمان بن مندہ، ان کے بھائی عبدالوہاب ابوالخیر محمد بن احمد بن ررا، ابومنصور محمد بن شکرویہ، ابوبکر محمد بن حسن محمد بن سلیم، ابوعبداللہ ثقفی الرئیس، ابومطیع محمد بن عبدالواحد مصری اور دوسرے بہت سے لوگوں نے کسبِ فیض کیا۔ آپ نے صحیح بخاری پر مستمزج لکھا ۳۲۳ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۲۴ رمضان المبارک ۴۱۰ھ میں انتقال فرمایا ان کی عالی احادیث "ثقفیات" اور دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ طبقہ ۱۳ ص ۷۰۷)

(90) امام ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسی خسروجردی، بیہقی، خراسانی ہے۔ انہیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ شعبان ۳۸۴ھ بمطابق یکم ستمبر 994ء میں خسروجرد نامی بستی میں پیدا ہوئے جو بیہق (نیشاپور) کے نواح میں واقع ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے سلسلے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں وہ نیشاپور گئے تھے اور وہاں اپنی کتب کے درس میں مشغول ہو گئے۔ لیکن جلد ہی وقت رحلت آن پہنچا اور ۱۰ جمادی الاولی ۴۵۸ھ/ 9 اپریل 1066ء میں نیشاپور میں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور بیہق میں لا کر آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ یہ مقام قریب قریب اسی جگہ واقع تھا جہاں آج کل شہر تہران واقع ہے۔

اساتذہ کرام میں انتہائی شہرت کے حامل یہ حضرات ہیں ابوالحسن محمد بن حسین العلوی امام ابوعبداللہ الحاکم، ابواسحاق اسفرائینی، عبداللہ بن یوسف اصبہانی، ابوعلی الروزباری، امام بزاز، ابوبکر

ابن فورک وغیرہ۔ مشہور تلامذہ میں ابوعبداللہ محمد بن الفضل الفرادی، ابوعبداللہ محمد عبدالجبار بن محمد بن احمد البیہقی الخواری، ابونصر علی بن مسعود بن محمد الشجاعی، ابوعبداللہ بن ابومسعود الصاعدی، فرزند حضرت امام اسماعیل بن احمد البیہقی اور آپ کے پوتے ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن احمد شامل ہیں۔

آپ کی مشہور تصنیفات: (۱) السنن الکبریٰ۔ (10 جلدوں میں ہے)، (۲) السنن الصغری، (۳) دلائل النبوۃ (۴) الآداب۔ (حدیث میں ہے)، (۴) المبسوط، (۵) معرفۃ السنن والآثار، (۶) فضائل الصحابہ (10 جلدوں میں ہے)۔

(91) ابن حزم اندلسی

ابن حزم کا پورا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم، کنیت ابومحمد ہے اور ابن حزم کے نام سے شہرت پائی۔ آپ اندلس کے شہر قرطبہ 7 نومبر 994ء میں پیدا ہوئے اور عمر کی 72 بہاریں دیکھ کر سنہ ۵۲ھ 15 اگست 1064ء میں ویلبا میں فوت ہوئے۔ آپ داؤد الظاہری سے متاثر تھے۔ ابن خلدون اور محمد اسد نے ان سے اکتساب کیا۔ ابن حزم تقریباً چارصد کتب کے مولف کہلاتے ہیں۔ آپ کی کتابیں جنہوں نے فقہ ظاہری کی اشاعت میں شہرت پائی وہ المحلی اور "الاحکام" فی اصول الاحکام ہیں۔ المحلی فقہ ظاہری اور دیگر فقہ میں تقابل کا ایک موسوعہ ہے۔ یہ کئی اجزاء پر مشتمل ایک ضخیم فقہی کتاب ہے جس میں فقہ اور اصول فقہ کے ابواب شامل ہیں۔ المحلی کا اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ دوسری کتاب کا موضوع فقہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ دونوں کتابیں نہ ہوتیں تو اس مسلک کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ ظاہری مسلک کے متبعین نہ ہونے کے باوجود یہ مسلک ہم تک جس ذریعہ سے پہنچا ہے، وہ ذریعہ یہ دونوں کتابیں ہی ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(92) مرزا غلام احمد قادیانی

غلام احمد بن غلام مرتضیٰ بن عطاء محمد بن گل محمد برلاس قادیانی۔ اس کی پیدائش سنہ ۱۲۵۶ھ میں ہوئی۔ صرف ونحو اور منطق وحکمت کچھ رسالے مولوی گل علی شاہ سے پڑھے۔ یہ مہدی ہونے کا مدعی تھا۔ ابتداء میں اپنے آپ کو زاہد، صوفی کہتا اور اپنے کرامات کو ظاہر کرتا تھا، آریہ اور نصاریٰ کے علماء سے بحثیں کرتا، اور ان بحثوں میں ان کو خاموش بھی کرتا تھا، دن ورات اسلام کی طرف سے اس کی صفائی میں لگا رہتا۔ اس کام کے لئے اپنی پوری کوشش اور اس کی بابت کتابیں بھی تصنیف کرتا۔

یہاں تک کہ اس نے اپنے بارے میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا، پھر اس نے اپنا نام ''مثیل المسیح'' رکھ لیا، پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ''بروز احمد'' ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ میں ''بروز کرشن'' ہوں جو ہنود کا سب سے بڑا شخص ہے۔ اور ہونے والی باتوں کو وہ پیشگی ہی بتانے کی خبر دیتا جس سے بہت سے لوگ اس کے فتنہ میں پھنس گئے۔ اس کے رد میں بہت سارے رسالے ہیں جس سے اس کو اہل السنۃ والجماعۃ سے بالکل نکال دیا ہے۔

بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں مشہور ترین ''براہین احمدیہ'' ہے، پے در پے اس پر وحی اور الہام ہونے لگے، جب تیرہویں صدی پوری ہوگئی تو اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے۔ اس کے کچھ بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں ہی مہدی موعود ہیں۔ پھر کہا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ عیسیٰ ابن مریم تو وفات پا چکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر نہیں اٹھایا ہے۔

۱۳۰۸ھ میں اس نے یہ دعویٰ کیا ہ میں ''مثیل مسیح'' ہوں۔ اور یہ بھی کہا کہ میں اسی طرح رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس کی تصریح مختلف طریقوں سے اپنی کتابوں ''فتح الاسلام''، ''توضیح فراہم'' اور ''ازالۃ الاوہام'' میں کی ہے اور اس کی مطابقت پر ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق بیان کی گئی ہیں۔

۱۳۱۸ھ میں صراحت کے ساتھ یعنی کھل کر اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا۔ میں اللہ کے دوسرے نبیوں کی طرح نبی ظلی اور بروزی ہوں، اور دینی معاملات میں ہر مسلمان پر میری اطاعت ضروری ہے۔ اور فتویٰ دیا ہے کہ جہاد اب منسوخ ہو چکا ہے اس لئے اب جہاد کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹے کو ہیضہ اور طاعون کی بیماری میں جبکہ وہ خود ''لاہور شہر'' میں تھا مبتلا کر کے ۱۳۲۶ھ کے ماہ ربیع الآخر کے آخری چار دن باقی رہتے ہوئے موت دیدی اور وہاں سے قادیان منتقل کیا گیا جہاں اسے اس قبرستان میں دفن کیا گیا جس کا اس نے خود مقبرۃ الجنۃ یعنی ''بہشتی مقبرہ'' نام رکھا تھا۔

اس کی تصنیفات کی تعداد چوراسی تک پہونچتی تھی۔ ان میں سے بعض ہزار صفحہ سے زائد کی تھی۔ ان میں سب سے بڑی اور مشہور ''براہین احمدیہ'' تھی۔ ان میں سے بعض کتاب تو تین سو حصے کی تھی جن میں ہر حصہ سولہ سو صفحوں کا تھا۔ ''الاربعین''، ''سرمۂ چشم آریہ''، ''فتح اسلام''، ''ازالہ

اوہام''، ''توضیح مرام''، ''آئینہ کلمات اسلام''، ''تبلیغ رسالت''، ''الدر الثمین'' اور دوسری کتابیں بھی تھیں۔(نزہۃ الخواطر مترجم ج ۸ ص ۴۳۵)

(93) حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حافظ الحدیث امام علامہ قاضی ابو الفضل عیاض، المعروف قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اندلس کا رہنے والا ہے لیکن بعد میں وہ فارس کی طرف منتقل ہو گئے اور سبتہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم سبتہ میں حاصل کی اور بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اندلس تشریف لے گئے اور اپنے زمانے کے نامور علمائے کرام سے زانوئے تلمذتہ کیا۔ آپ فن تفسیر فقہ ادب ونحو اور اُس وقت کے دیگر ایسے علوم جو معاشرے میں رائج تھے اُن میں خوب مہارت حاصل کر سکے۔ آپ کی ایک نمایاں خصوصیت آپ کا خطیب ہونا اور شاعری سے شغف رکھنا بھی تھا۔

قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے جن اساتذہ وقت سے تحصیلِ علم کیا ان میں (۱) قاضی ابو عبداللہ محمد بن علی بن حمد بن ابو الحسین بن سراج (۲) ابو محمد بن عتاب قرطبہ میں تھے۔ ان کے علاوہ قاضی ابو علی حسین بن محمد صدفی (۲) ابو عبداللہ مازنی (۳) شیخ ابو بکر طرطوش (۴) قاضی ابو الولید بن رشدؔ وغیرہ سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور تلامذہ کے نام درج کر رہے ہیں جو اپنے زمانے کے ائمہ میں شمار کئے گئے: (۱) عبداللہ بن احمد العصیر ی (۲) ابو جعفر بن القصیر الغرناطی (۳) ابو القاسم خلف بن بشکول (۴) حافظ الحدیث (۵) فقہ ابو محمد الاشیری (۶) عبداللہ بن محمد المغربی (۷) ابو بکر عبداللہ بن طلحہ بن عطیہ المحاربی الغرناطی۔

جب قاضی رحمۃ اللہ علیہ سے سبتہ علم کی تحصیل کے بعد واپس تشریف لائے تو کچھ عرصہ تعلیم وتعلم میں مصروف رہنے کے بعد مناظرے کی طرف رجحان ہوا۔ جیسا کہ اس دور میں عام چلن تھا۔ ۳۵ سال کی عمر میں موحدین کی حکومت قائم ہوتے ہی عہدۂ قضاء پیش کیا گیا جو آپ نے قبول کیا (موحدین کی حکومت کا بانی محمد بن عبداللہ تومرؔت تھا جو ''ابن تومرت'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا دور حکومت ۵۲۷ھ تا ۶۶۸ھ ہے) لیکن جب کچھ ہی عرصہ بعد یعنی ۵۴۳ھ میں موحدین کے ہاتھ سے حکومت چھنی تو قاضی صاحب بھی مشکلات میں گھر گئے اور زیادہ عرصہ سبتہ میں نہ رہ سکے۔

حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ سبتہ کو چھوڑ کر مراکش تشریف لے گئے اور تقریباً ایک تا دو سال وہاں گزارے اور ۵۴۴ھ اور 1149ء میں وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ باب ایلان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصانیف: (۱) الشفاء(بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ)(۲) الغنیة (و ھو فی ذکر مشیخته)۔ (۳) ترتیب المدارك و تقریب المسالك (فی معرفة أعلام مذھب الإمام مالك)۔ (۴) مشارق الأنوار (وھو فی الحدیث)۔ (۵) العقیدة (۶) مطامع الأفھام (فی شرح الأحکام)۔ (۷) شرح صحیح مسلم۔ (کتاب الشفاء مترجم ج۱ ص۱۶)

(94) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ امام علی بن سلطان محمد ہراوی معروف بہ ملا علی قاری حنفی (وفات سنہ ۱۰۱۴ھ بمطابق 1606ء) جن کا پورا نام ابو الحسن علی بن سلطان محمد نور الدین الملا الھراوی القاری تھا مشہور و معروف محدث و فقیہ، جامع معقول و منقول تھے۔ سنہ ہزار کے سرے پر پہنچ کر درجہ مجددیت پر فائز ہوئے۔ ہرات میں پیدا ہوئے اور مکہ معظّمہ میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ امام احمد بن حجر ہیثمی مکی علامہ ابو الحسن بکری، شیخ عبداللہ سندی، شیخ قطب الدین مکی وغیرہ اعلام سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) تفسیر القرآن، (۲) الفصول المھمۃ، (۳) فیض الفائض بشرح روض الرائض فی مسائل، (۴) شرح مشکوۃ المصابیح، (۵) جمع الوسائل فی شرح الشمائل، (۶) شرح نخبۃ الفکر للقاری، (۶) المصنوع فی معرفتہ الحدیث الموضوع، (۷) مرقاتہ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، (۸) شرح مسند ابی حنیفتہ، (۹) شرح الشفا، (۱۰) فیض المعین، (۱۱) شم العوارض فیی نم الروافض، (۱۲) الحزب الاعظم۔

انہوں نے امام مالک کے مسئلہ ارسال کے خلاف اور امام شافعی و اصحاب امام شافعی کے بھی بہت سے مسائل کے خلاف حدیثی فقہی دلائل جمع کر کے نہایت انصاف و دیانت سے کلام کیا ہے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(95) حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ نمیری، حرانی، دمشقی، حنبلی، عہد مملوکی کے نابغہ روزگار علماء میں سے تھے۔ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ 22 جنوری 1263ء میں حران ترکی میں ہوئی۔ ان کے بچپن میں جب 7 سال کے تھے کہ آپ کا خاندان تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے

ہجرت کر کے شام آ گیا تھا۔

آپ نے عقائد، فقہ، ردفرق باطلہ، تصوف اور سیاست سمیت تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور اہل علم میں منفرد مقام پایا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد دمشق کے دار الحدیث السکریۃ کی مسندِ حدیث پر جب آپ نے پہلا درس دیا، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی ان میں قاضی القضاۃ اور دیگر مشائخ زمانہ موجود تھے۔ آپ نے صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بارے میں اتنے نکات بیان کیے کہ سامعین دنگ رہ گئے۔

آپ کے اساتذہ شیوخ کی تعداد 200 سے متجاوز ہے۔ اپنے دور کے کئی علماء کے ساتھ علمی مناظرے بھی کیے اور ۶۹۹ ؁ھ میں حکومتِ وقت کے ساتھ مل کر تاتاریوں اور باغیوں کے خلاف عملی جہاد میں بھی حصہ لیا۔ آپ کا انداز محققانہ اور محتاط تھا۔ ۶۹۰ ؁ھ بعمر 30 سال آپ کو قاضی کا عہدہ بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے حکومتی شرائط سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا۔ ۶۹۸ ؁ھ میں ان کے خلاف پہلی شورش ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے چار مشہور یہ ہیں ابن قیم، ابن عبد الہادی، ابن کثیر، شمس الدین ذہبی۔

اپنے بعض علمی مباحثوں اور فتووں کی وجہ سے آپ کو مصر میں ایک مدت تک قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ توہین رسالت کے مسئلہ پر حکومت سے اختلاف کی بنا پر انہیں قید کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ جب داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آیا تو قلعہ دمشق میں آپ زندگی کی آخری قید برداشت کر رہے تھے اور آپ کا جنازہ جیل ہی سے نکلا۔ آپ کی کل مدت قید سوا چھ سال بنتی ہے۔ سعودیہ کے مشہور عالم محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بہت زیادہ اثر ہے۔

خیر الدین زرکلی نے دُرر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف چار ہزار اجزاء سے متجاوز ہیں۔ فوات الوفیات میں ان کی تعداد تین سو مجلد منقول ہے ان میں سے آپ کا ایک مبسوط فتاوی، الجوامع، السیاسة الشریعة، الجمع بین العقل والنقل، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، رفع الملاء عن الأئمة الأعلام، مجموعة الرسائل والمسائل بھی ہیں۔ (منہاج السنہ النبویہ فی نقض الکلام شیعہ وقدریہ، فتاویٰ ابن تیمیہ 34 جلد)

آپ کے حالات زندگی پر ابن قدامہ نے العقود الدریۃ فی مناقب شیخ الاسلام احمد بن

تیمیة ، شیخ مرعی حنبلی نے الکوکب الدریة ، سراج الدین عمر البزار نے علام العلیة فی مناقب ابن تیمیة وغیرہ کئی اہل علم نے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں۔ اردو میں مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم بہت مفید ہیں۔

آپ کی وفات ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ 26 ستمبر 1328ء بعمر 65 سال قلعہ دمشق شام بحالت قید و بند پہلی نماز جنازہ قلعہ کے اندر شیخ محمد بن قاسم نے پڑھائی اپنے بھائی شریف الدین عبداللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (محدث فورم)

آپ صوفیاء کے مخالف نہیں تھے بلکہ صوفی ازم کو اسلام کا اہم حصہ سمجھتے تھے تاہم وہ تصوف میں شامل ہونے والی خرابیوں و بدعات کو ختم کرکے اصلاحات کے حامی تھے آپ خواجہ جنید بغدادی ، خواجہ بایزید بسطامی اور دیگر صوفیاء کا احترام کرتے تھے۔آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت معتقد تھے۔آپ نے ان کی کتاب فتوح الغیب کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔آپ کے فتاویٰ کی جلد نمبر ۱۰ کتاب علم السلوک آپ کے صوفی المشرب ہونے کی کھلی دلیل ہے۔(آثار الاحسان ص ۱۰۸)

(96) حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادہ تھے۔ ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ/ 1745ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ زمانۂ شیرخوارگی سے ہی آپ کی کشادہ پیشانی سے آپ کے مستقبل کی جلالت وعظمت اور شان وشوکت نمایاں ہوتی تھی۔علم کی طرف قلبی رغبت کے باعث قلیل مدت ہی میں آپ نے قرآن پاک حفظ اور اسلام کے ابتدائی مسائل واَحکام کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ حفظِ قرآن پاک کے بعد زیادہ تر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم عالیہ وآلیہ سے فراغت پاکر بڑے بڑے علماء وفضلاء میں شمار ہونے لگے تھے۔آپ خود فرماتے تھے ”جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے ایک سو پچاس علوم ہیں نصف سابقین اولین کے ہیں اور نصف علم اِس اُمت کے ہیں“ آپ اپنے زمانہ کے انتہائی مرتاض اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے۔مشہور تصانیف میں شامل ہیں؛ فتح العزیز، تفسیر عزیزی (فارسی)، تحفہ اثناء عشری (فارسی)، تقریر دلپذیر (فارسی)، حواشی شرح عقائد (عربی)، بُستان المحدثین، فضائل صحابہ واہل بیت۔ ۷ شوال

المکرّم ۱۲۳۹ھ/ 17 جولائی 1823ء بروز اتوار آپ کا انتقال ہوا اور قبرستان مہندیاں میں اپنے والد صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (بیابہ مجلس نفیس ص ۶۵۳)

(97) علامہ شہاب الدین قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ قسطلانی کی پیدائش ۱۲ ذیقعد ۸۵۱ھ مطابق 20 جنوری 1447ء کو قاہرہ میں ہوئی۔ آپ کا پورا نام شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابو بکر القسطلانی المصری ہے۔ امام قسطلانی کے نام سے مشہور ہیں۔ کنیت ابو العباس، لقب شہاب الدین ہے۔ خاندانی نسبت سے قتیبی۔ مصر ہی میں قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید و قرأت اور صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی۔ تجوید میں آپ نے شاطبیہ اور جزریہ پڑھیں اور نحو میں الوردیہ یاد کی۔ علامہ قسطلانی اپنے دور کے بڑے امام، قرأت کے ماہر، چودہ روایتوں کے مشاق جید قاری، علم میں حجت باخبر اور روشن دماغ فقیہ اور سند المحدثین، صاحب تصانیف کثیرہ اور بڑے باکمال آدمی تھے۔ شیخ ابو بکر بن احمد بن حمیرہ نخاس رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک حضرت حلیمہ آپ کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ نے علامہ ابن حجر عقسلانی سے کسب فیض کے علاوہ جن بعض شیوخ سے علم حاصل کیا اُن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

1- امام عمر بن قاسم انصاری نشار 2- علامہ عبد الغنی ہیثمی 3- علامہ شہاب الدین بن اسد 4- علامہ خالد الازہری نحوی 5- علامہ فخر مقسمی 6- امامہ علامہ سخاوی 7- شیخ برہان عجلونی 8- شیخ الاسلام شیخ زکریا انصاری، 9- صحیح البخاری آپ نے شیخ علوی ثاوی کے پاس پڑھی جو پانچ مجالس میں مکمل ہوئی۔ نیز آپ نے مکہ معظّمہ میں بھی متعدد علماء سے تحصیل علم کیا۔ مکہ مکرمہ میں سے شیخ النجم ابن فہد اور جلیل القدر محدثہ اور شیخۃ الحدیث بنت امام شوبکی کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

تصانیف میں: (۱) المواهب اللدنیه بالمنح المحمدیه (یہ کتاب سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ہے)۔ (۲) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری 10 جلدوں میں ہے۔ (۳) الانوار المضیة فی شرح البردة۔ (۴) لوامع الانوار فی الادعیة والاذکار۔ (۵) منهاج الابتهاج فی شرح الجامع الصحیح لمسلم بن الحجاج (یہ صحیح مسلم شریف کے نصف تک کی شرح ہے اور آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ (۶) مشارق الانوار المضیئة فی شرح الکواکب الدریة قصیدہ بردہ کی شرح ہے۔ (۷) الروض الزهر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔

امام قسطلانی کی وفات ۸ محرم الحرام ۹۲۳ھ بمطابق 1517ء قاہرہ میں ہوئی۔ جمعہ کی نماز کے بعد جامع الازہر میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی الازہر کے قریب قاضی القضاۃ بدر الدین عینی کے مدرسہ میں ''قبہ'' میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(98) ابو البقاء الرندی رحمۃ اللہ علیہ

ابو البقاء صالح بن یزید بن صالح بن موسیٰ بن بی القاسم بن علی بن شریف الرندی الاندلسی (موجودہ سپین) اندلس کے مضافات میں شہر رندہ کی وجہ سے رندی کہلائے۔ آپ کی پیدائش ۶۰۱ھ 1204ء اشبیلیہ (سپین) میں ہوئی۔ آپ کا دور اندلس میں مسلم حکومت کے فتن و اضطراب کا دور تھا۔ جس کا اندازہ اس دور کے اشعار سے ہوتا ہے۔ آپ کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہیں۔ آپ اس دور کے محدثین وفقہاء میں شامل تھے۔ آپ نظم ونثر میں بھی مقام رکھتے تھے۔ سقوط اندلس پر آپ کا مشہور کلام بنام ''رثاء الاندلس'' ہے۔ آپ کی وفات ۶۸۴ھ 1285ء میں سبتہ (سپین) میں ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(99) علامہ ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ

فقہاء مالکیہ کے مشہور عالم جو اصول، نحو اور قرأت میں امام مانے جاتے ہیں۔ عثمان بن عمر بن ابوبکر بن یونس ابو عمرو ابن الحاجب الکُردی الدُّوینی کم جولائی ۵۷۰ھ یا ۵۷۱ھ بمطابق 1174ء یا 1175ء کو مصر کے شہر اِسنا میں پیدا ہوتے۔ آپ کے والد کُرد فوج کے سپاہی تھے۔ وہ امیر عزّ الدین موسک صلاحی کے دربان تھے جو کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا ماموں زاد تھا۔

جب آپ کے والد قاہرہ آئے تو آپ نے حفظ قرآن کی سعادت پائی۔ اور مزید علم حاصل کرنے میں مصروف ہوگئے۔ آپ نے جن مشہور اساتذہ سے کتب علم کیا ان میں:

الامام الشاطبی ابو محمد قاسم بن فِیرہ بن ابی القاسم خلف الرّعینی (۵۳۸ھ۔۵۹۰ھ) سے علوم قرآن۔ ابو الفضل محمد بن یوسف بن علی الغزنوی الحنفی (۵۲۲ھ۔۵۹۹ھ) سے تمام قرأت۔ ابو القاسم ہبۃ اللہ بن علی بن مسعود البوصیدی (۵۰۶ھ۔۵۹۸ھ) سے حدیث۔ ابو منصور شمس الدین الحسن علی بن اسماعیل بن علی اصنہاجی الابیاری (۵۵۷ھ۔۶۱۸ھ) سے فقہ کی تعلیم پائی۔ ابو حامد محمد بن علی بن محمود کمال الدین بن الصابونی (ت: ۶۱۸ھ) سے بھی پڑھا۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حامد الارتاحی (ت: ۶۰۱ھ) سے سماعت حدیث شام میں اور الحافظ بہاء الدین ابو محمد القاسم بن عساکر

(۵۲۷ھ۔۶۰۰ھ) سے سماعت حدیث دمشق میں کی۔ الامام ابوالحسن الاشاذلی (۵۷۱ھ۔ ۶۵۶ھ) امام الطریقہ الشاذلیہ سے قاضی عیاض کی الشفاء پڑھی۔ فاطمہ بنت سعد الخیر سے سماعت حدیث اور ابوالحسن بن جبیر سے فقہ واصول کی تعلیم پائی۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں: الحافظ زکی الدین ابومحمد عبدالعظیم بن عبد القوی ابن عبداللہ بن سلامہ بن سعد المنذری (توفی ۶۵۶ھ)۔ الامام الحافظ شرف الدین عبدالمومن بن خلف بن ابی الحسین بن شرف الدمیاطی (۶۱۳ھ۔۷۰۵ھ)۔ شرف الدین عبداللہ بن محمد بن علی الفہری المعروف بابن التلمسانی (توفی ۶۴۴ھ)۔ عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم عثمان ابوشامہ المقدسی (توفی ۶۶۵ھ) الامام ناصر الدین احمد بن محمد بن منصور المعروف بابن المنیّر (توفی ۶۸۳ھ)۔ الشیخہ ام محمد وجیہۃ بنت علی بن یحیی بن سلطان السکندریہ۔ ابن حاجب اور ابن مالک میں مسلکی و علاقائی اختلاف تھا۔ ابن مالک مغربی (مراکش) شافعی تھے اور ابن حاجب کردی مالکی ہیں۔ شارحین سے مقدمہ میں غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے انہیں مغربی ذکر کیا ہے جبکہ وہ مالکی ہیں۔

آپ کی جوفقہ کی مشہور کتاب تصنیفات و تالیفات ہیں: (۱) کتاب الجامع بین الامہات (۲) کافیہ ذوی الارب فی معرفہ کلام العرب (۳) الشافیہ (۴) الامالی (۵) شرح الوافیہ نظم الکافیہ (۶) کتاب فی علم الکلام۔

آپ کی وفات ۲۶ شوال ۶۴۶ھ 18 فروری 1249ء کو سکندریہ میں ہوئی اور باب البحر مقبرہ شیخ صالح بن اَبی شامہ میں تدفین ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(100) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ طیبیؒ کا لقب ''شرف الدین'' کنیت ''ابوعبداللہ'' نام ''حسین'' والد کا نام ''عبداللہ'' دادا کا نام ''محمد'' اور ''طیبی'' نسبت ہے، اس طرح آپ کا پورا نام شرف الدین، ابوعبداللہ، حسین بن عبداللہ بن محمد طیبیؒ ہے۔ ''ابوعبداللہ'' کے علاوہ آپ کی کنیت ''ابومحمد'' بھی نقل کی گئی ہے۔

''طیبی''، ''طاء'' کے کسرہ کے ساتھ مقام ''طِیب'' ہے، جو ''واسط اور سوس'' یا ''واسط اور کور الاہواز'' کے درمیان خوزستان کے علاقے میں واقع ایک قصبہ ہے اور یہ علاقہ ایران کا حصہ ہے۔ اس شہر کو حضرت شیث بن آدم علیہ السلام نے آباد کیا تھا اور اس کے باشندے ملتِ شیث پر تھے یہاں تک کہ اسلام آیا تو وہ مسلمان ہو گئے اس شہر کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس میں

سانپ، بچھو، غراب ابقع (چتکبرا کوا) اور عقعق (کالا کوا) داخل نہیں ہوسکتا اور بھڑ داخل ہوتو مرجاتی ہے۔اس دور میں اگرچہ ان علاقوں پر تاتاریوں کا تسلط تھا اور ان کے معاون ومددگار رافضی اور بددین لوگ ہوا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اہلِ بدعت اور فلاسفہ کے رد میں آپ سخت گیر تھے۔ان کے تعارف کے لیے مزید درج ذیل کتابوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔(شذرات الذہب: ۱۳۷ / ۶، ۱۳۸، مفتاح السعادۃ: ۹۰ / ۲، ۹۱، بغیۃ الوعاۃ: ۵۲۲ / ۱، ۵۲۳، معجم المؤلفین: ۵۳ / ۴، الاعلام للزرکلی: ۲۵۶ / ۲، کشف الظنون: ۱۳۴۱ / ۲، ۲۰، ۷۲۰، ۱۴۷۸، ۱۷۰۰)۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ مشکوٰۃ علامہ ولی الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول انھوں نے ایک خاص نہج مقرر کرکے ''مصابیح السنہ'' کی ترتیب وتہذیب کے لیے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا اور اس کا نام ''مشکوٰۃ'' رکھا، پھر خود اس کی ایک ضخیم شرح تصنیف فرمائی۔ علامہ تبریزیؒ نے ''مشکوٰۃ شریف'' کے تراجم کے سلسلے میں لکھی گئی اپنی تصنیف ''الاکمال فی اسماء الرجال'' کے آخر میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ انداز سے تذکرہ کیا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر سے نماز ظہر تک درس تفسیر دیا کرتے تھے ظہر سے عصر تک بخاری شریف کا درس حدیث دیا کرتے تھے، چنانچہ جس دن آپ کی وفات ہوئی تو آپ تفسیر سے فارغ ہوکر مجلسِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور اپنے گھر کے پاس مسجد میں داخل ہوئے اور قبلہ رو ہوکر جماعت کے انتظار میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ یہ پیر، ۱۳ شعبان، سنہ ۷۴۳ ہجری کا دن تھا۔

(دیکھیے، البدر الطالع: ۲۲۹ / ۱، تذکرۃ المفسرین، ص: ۲۲۵)

عبدالستار حسین زموط نے کہا ہے کہ ''قاہرہ'' میں ایک مسجد کے اندر قبر ہے جسے ''مسجد شیخ محمد طیبیؒ'' کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد شارع السد البرانی پر واقع ہے اور یہ شارع مسجد سیدہ زینب کی غربی جانب میں ہے۔جس علاقے میں یہ مسجد واقع ہے اسے ''میدانِ طیبی'' کہا جاتا ہے۔علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں سے مقبول ترین تصنیف ہے۔جس کا اصل نام ''الکاشف عن حقائق السنن'' ہے اور یہ ''شرح طیبی'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مقبول ومعتمد شرح ہے۔(ماہنامہ دارالعلوم شمارہ ۴ جلد ۱۰۰)

(101) ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ

ناصر الدین علامہ ابن المنیّر کا لقب ہے۔ شخصیت نمبر 200 کے ذیل میں حالات مطالعہ فرمائیں۔

(102) علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ

عبد الملک بن ہشام الحمیر ی ایک مشہور مسلم مؤرخ اور محدث تھا جو بصرہ میں پیدا ہوا اور 833ء فسطاط (قاہرہ) میں وفات پائی۔ نامور مؤرخ ونحوی تھا۔ اس کی ایک کتاب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اس نے ابن اسحاق کی کتاب المغازی والسیر کی مدد سے ترتیب دی ہے۔ سیرت ابن ہشام جس کا اصلی نام السیرۃ النبویۃ ہے۔ اسے اولین سیرت وتاریخ کی کتاب مانا جاتا ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن جرمنی اور مصر سے شائع ہو چکے ہیں۔ سیرت ابن ہشام کی مقبولیت کی وجہ سے اس کی کئی شروحات بھی لکھی گئیں:

الروض الانف۔ شرح السہیلی (عبد الرحمٰن عبد اللہ احمد السہیلی) ۵۷۱ھ/1175ء نیز عبد الرحمن الوکیلی نے الروض الانف کی مبسوط شرح لکھی جو 7 جلدوں میں شائع ہوئی۔ سیرت ابن ہشام کی کئی تلخیصات بھی لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض منظوم ہیں۔ سیرت ابن ہشام کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں بالخصوص فارسی، اردو، جرمنی اور انگریزی میں ہو چکے ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(103) مولانا مشیت اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

بجنور کے ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ، سینکڑوں بیگھہ زمین کے مالک بعض گاؤں بھی ان کی ملکیت میں، لیکن معمولی کرتا شرعی پاجامہ دھوڑی کا جوتا سر پر دو پلی ٹوپی۔ حضرت انور شاہ شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق درس اور ایسے رفیق کہ اپنی امارت کے باوجود مرحوم کی غربت کے شریک کار، شاہ صاحب پٹھان پورہ کی مسجد میں امامت کرتے تو بجنور کا یہ رئیس زادہ حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے سقایہ بھرتا بعد مغرب دونوں ہمراہ دار العلوم آتے تو راہ چلتے شاہ صاحب مولانا مشیت اللہ صاحب کو آسمان پر موجود ستاروں کی تشخیص و تعیین ان کی بروج و گردش، فلکیات کا سبق پڑھاتے مولانا مشیت اللہ صاحب کو بھی اپنے اس نامور ساتھی سے عجیب وغریب تعلق تھا۔ زمانہ طالب علمی میں گھر پہونچے اور اپنے ماموں مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب جنکی حذاقت پر اعتماد کرتے ہوئے حکیم

اجمل خاں صاحب دہلور، ٹی بی کے مریض کو بجنور علاج کے لئے ان کی خدمت میں بھیج دیتے۔

حکیم صاحب طبی مشغولیت کے باوجود بڑے علم دوست وعلماء پرور تھے۔ اپنی تصنیف پر شاہ صاحب سے تقریظ بھی لکھوائی جو حکیم صاحب کی مطبوعہ تصنیف میں موجود ہے غرض یہ کہ اس خاندان سے شاہ صاحب کا تعلق اس درجہ مستحکم تھا کہ دارالعلوم کی تعطیلات سالانہ بجنور ہی گذراتے بیمار ہوتے تو مولانا مشیت اللہ چونکہ یہ جانتے تھے کہ شاہ صاحب پرہیز کے عادی نہیں جبراً مرحوم کو بجنور لیجاتے اور اور یہاں ملکوکی ترکاری خرفہ کا ساگ کاسنی کی بھجیا پیہم کھلاتے۔ تعلقات کے استحکام کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب کو تنبیہ آمیز لہجہ میں بھی مخاطب کرلیتے۔ مولانا مشیت اللہ مرحوم ہر ماہ دیوبند آتے اور شاہ صاحب ہی کے پاس ہی قیام کرتے۔ شاہ صاحب بھی اپنے خانگی معاملات میں انھیں اپنا مخلص گردانتے جس دن شاہ صاحب کا سانحۂ وفات پیش آیا، اتفاق کہ مولانا مشیت اللہ صاحب کو بروقت ٹیلی گرام نہیں کیا گیا جاسکا وہ اس کوتاہی پر مولوی سلطان الحق صاحب سے مدتوں کبیدہ خاطر رہے۔ پھر ہم پسماندگان سے بزرگانہ شفقتوں کا یہ عالم تھا کہ دیوبند آتے تو ہمیں گھیر گھار کر بجنور لیجاتے۔

راقم الحروف (حضرت مولانا انظر شاہ رحمۃ اللہ علیہ) دارالعلوم سے فارغ ہوا تو اسکی مدرسی کے لیے انکی سعی و کوشش خود ایک تاریخی واقعہ ہے۔ تقریباً ۱۳۷۶ھ 1954ء میں بجنور کی خاک میں ہمیشہ کے لئے مستور ہوگیا۔ پسماندگان میں مولانا حکیم محبوب الرحمٰن القاسمی جو حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں ہیں۔ جناب مطلوب الرحمٰن صاحب بجنور میونسپلٹی کے ممبر رہے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے۔ (نقش دوام حاشیہ ص ۳۰)

(104) مولانا حکیم سیّد محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم سیّد محفوظ علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضلِ گرامی تھے ۱۳۲۵ھ میں امام العصر مولانا سیّد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھا، اور فراغت دورۂ حدیث کے بعد کچھ عرصے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ہی معین المدرس کی حیثیت سے درس وتدریس کی خدمت انجام دی پھر مدرسہ تقویۃ الاسلام ویرادل کاٹھیاوار میں صدر مدرس اور مہتمم کے فرائض انجام دیئے ...... ملک کے نامور ممتاز اور حاذق اطباء میں آپ کا شمار ہوتا تھا حکیم صاحب نے کئی ایک اہم کُتب

پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں اور اپنے طویل طبی تجربات کے سلسلہ میں چند کُتب مُرتّب فرمائیں۔فن طبابت میں حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص تھے۔حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے۔

آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ تین صاحبزادے ہیں۔حکیم سیّد محمود علی صاحب، سیّد سرور علی صاحب سیّد موجود علی صاحب اور کئی صاحبزادیاں ہیں۔آپ کے اساتذہ میں مولانا غلام رسول بفوی ہزاروی اور مولانا محمد رسول خاں ہزاروی کے بھی نام آتے ہیں۔فخر المحدثین حضرت علّامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے برادرِ نسبتی تھے۔یکم نومبر 1963ء کی صبح کو انتقال فرما گئے۔(مشاہیر علماء دیوبند ج ۳ ص ۱۰۶)

(105) مُسنِدُ الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب اپنے ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر پانچ سال ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے۔ساتویں سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی اور فارسی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے اور کافیہ ختم کی، دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا ۱۵ سال کی عمر میں فراغت حاصل کرلی، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اشغالِ صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا اور خرقہ پہنایا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سترہ سال تھی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ نے مرضِ موت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت وارشاد کی اجازت دی۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، حج سے فراغت پر شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے

مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علماء حرمین شریفین سے مجالس رہیں، شیخ ابو طاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ پہنایا جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے۔ ۱۰ رجب ۱۱۴۵ھ میں آپ دہلی واپس تشریف لائے۔ حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمیہ میں درس شروع کر دیا یہ مدرسہ اُس وقت پرانی دِلّی میں اُس محلہ میں واقع تھا جو اب مہندیاں کہلاتا ہے، آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور حجۃ اللہ البالغہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ بروز ہفتہ باسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، اور قبرستان مہندیاں میں آپ کے والد ماجد کے پہلو میں تدفین ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

نسبی اولاد میں چار صاحبزادے چھوڑے جو ہندوستان میں دین کی نشأۃ ثانیہ کے ارکانِ اربعہ ہیں یعنی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمہم اللہ۔ (مجلس نفیس صفحہ ۴۰۹)

(106)۔ مولانا محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(107) حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ/ 1963ء) تھے، جو اپنے وقت کے جیّد اور مجاہد عالمِ دین اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۹ھ/ 1920ء) کے شاگرد رشید تھے۔ انہوں نے مفسر قران حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۹ھ/ 1949) کے ساتھ دورہ حدیث کیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ/ 1928ء) سے افتاء کی تربیت پائی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی رومال کے گمنام رضا کار فقیر وہی تھے۔ آپکی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں، جنہوں نے مدرسہ رائے پور (ہندوستان) سے ساہیوال تک بیشمار بچیوں اور خواتین کو ناظرہ قرآن مجید اور دیگر دینی کتب کی تعلیم وتربیت سے مالا مال فرمایا۔

آپ نے ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ/ 21۔ اگست 1912ء کو مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر (ہندستان) میں ولادت پائی۔ والد بزرگوار نے اپنے احباب حضرت مولانا محمد

انوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۹ھ/ 1970ء) کے والدِ محترم حضرت مولانا فتح الدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۰ھ/ 1951ء)، نمبردار موضع اوگی، ضلع جالندھر اور حضرت مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ/ 1970ء) کو خوشخبری کا خط لکھا۔

آپ کے نانا بزرگوار حضرت میاں اللہ راسی رحمۃ اللہ علیہ رائے پور ضلع جالندھر (ہندوستان) کے قریب موضع ''شاہلے'' کی مسجد میں امام تھے۔ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، لہٰذا انہوں نے محبت و شفقت سے مغلوب ہو کر آپ کو اپنی زیرِ تربیت رکھا۔ اول میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ نے رسمِ بسم اللہ ادا کرائی اور قاعدہ نورانی کا آغاز کرایا۔ حافظ برکت اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کا آغاز کیا اور پھر حافظ حق جالندھر سے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

پھر مدرسہ رشیدیہ، رائے پور، ضلع جالندھر ہے میں فارسی و عربی کتب پڑھانی شروع کر دی۔ مدرسہ رشیدیہ، رائے پور کے مہتمم حضرت مولانا فضل احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۴ھ/ 1964ء) سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، متبحر عالم اور ولی کامل حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری المعروف حضرت گیارانوالے رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۵ھ/ 1984ء) سے مختصر المعانی، شرح وقایہ، قطبی، مقامات حریری، کافیہ شرح جامی اور فنون کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں فقہ، اصول و ادب کی سب کتابیں والد بزرگوار سے پڑھیں۔ حکیم حافظ ولی محمد تلونی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا حیات رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا۔

مشکوٰۃ شریف اور آثار سنن کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ/ 1970ء) کے مدرسہ فیض محمدی، واقع محلہ پرانی کچہری، جالندھر میں وارد ہوئے۔ حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جلالین شریف اور کچھ حصہ سنن ابوداؤد شریف کی تعلیم پائی۔ حضرت مولانا احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایہ اربعین، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے موقوف علیہ پڑھی اور پھر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور (ہندوستان) میں بھی جانا ہوا، لیکن طبعی رجحان یہ تھا کہ دورہ حدیث اور دیگر علوم و فنون ریاضی کی تکمیل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ہی سے کروں، لہٰذا واپس آ کر اُن سے دورہ حدیث اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم مکمل کی۔

جن دنوں آپ مدرسہ فیض محمدی، جالندھر (ہندوستان) میں دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، استاذ محترم نے کئی اسباق آپ کے سپرد کر دیئے تھے۔ بعدازاں جب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ خیر المدارس ریلوے روڈ جالندھر کی بنیاد رکھی تو آپ کو اُس مدرسہ میں استاذ مقرر فرمایا اور تمام اسباق کی تدریس آپ کے ذمے فرما دی۔ آپ نے مدرسہ فیض محمدی اور مدرسہ خیر المدارس میں متواتر بیس برس اپنے استاد گرامی کی نگرانی میں تمام متداول کتابیں پڑھائیں۔ خیر المدارس جالندھر (ہندوستان) قائم ہوا تو آپ نے دو برس کی رخصت لے کر مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور ایک سال تک یہاں پڑھاتے رہے۔

۱۳۶۶ھ/ 1947ء میں ہجرت کر آئے اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ/ 1963ء) کے ساتھ دو برس مدرسہ قاسم العلوم، فقیروالی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ بعدازاں والدین گرامی کے ہمراہ ساہیوال میں منتقل ہو گئے۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ/ 1970ء) کو آپ کی حسن تدبیر اور فہم و فراست پر کامل بھروسہ تھا۔ ایک مرتبہ وہ سفرِ حج پر جانے لگے تو آپ کو ملتان طلب فرمایا۔ روانگی سے پہلے تمام اساتذہ کو جمع فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

> ”میں اپنی جگہ مولانا عبداللہ صاحب کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، انہیں میری جگہ سمجھنا ہوگا، ان کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو معمولی سے معمولی کام کی اجازت نہ ہوگی۔“

۱۳۶۸ھ/ 1949ء میں جامعہ رشیدیہ، ساہیوال میں تعلیم کا آغاز ہوا تو آپ بحیثیت شیخ الجامعہ یہاں آ گئے اور پھر تادمِ آخر اسی منصب عالی پر فائز المرام رہے۔ صرف ایک برس کے لئے اپنے استاد محترم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر خیر المدارس ملتان تشریف لے گئے اور پھر واپس آ گئے۔ آپ نے تقریباً بتیس برس تک جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تشنگانِ علوم نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب فرمایا۔ آپ نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ/ 1963ء) اور بھائیوں حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۶ھ/ 1985ء) اور حضرت مولانا قاری لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۶ھ/ 1956ء) کے ساتھ

مل کر جامعہ رشیدیہ کے قیام وترقی میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔آپ کا مشکوٰۃ شریف کا سبق بہت مشہور تھا۔

بچپن میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۳ھ/ 1905ء) کے خلیفہ حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں جانے کا موقع میسر آیا۔ بعد ازاں قطب عالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ/ 1962ء) کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔اپنے استاد محترم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۰ھ/ 1970ء) کے ہمراہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ/ 1943ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ قطب عالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ/ 1962ء) کی خدمت میں سہارنپور (ہندوستان) حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک وظیفہ تلقین فرمایا کہ اسے پڑھا کریں۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے تہجد کے وقت آپ کو طلب فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: ''میں (تمہارا) انتظار کر رہا ہوں۔'' پھر انہوں نے اسی وقت آپ کو بیعت فرما لیا۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی قلبی کیفیات کو ملاحظہ فرما کر اجازت وخلافت سے سرفراز فرما دیا، لیکن آپ کی تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ بیعت کے لئے درخواست کرنے والوں سے معذرت فرما لیتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۲ھ/ 1982ء) فیصل آباد تشریف فرما ہوئے تو آپ بھی زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سند حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے آپ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا، نیز ارشاد فرمایا: ''سلسلہ بیعت بھی جاری رکھیں۔''

اخبار کے مطالعہ سے بوجہ فوٹو، کنی کتراتے تھے۔ تنخواہ ہمیشہ قلیل رہی مگر بڑے وقار اور صبر وقناعت کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔ ہمیشہ آخرِ ماہ تنخواہ کی وصولی پر تقریباً آدھی یہ کہہ کر کٹوا دیتے کہ بیماری کی وجہ سے اتنے روز اسباق نہیں پڑھا سکا اور مہمانوں کی وجہ سے بجلی زیادہ استعمال کر چکا ہوں۔لہٰذا حساب سے کاٹ کر بقایا وصول فرماتے۔ زندگی بھر مدرسہ کے لیٹر پیڈ اور قلم کی سیاہی سے ذاتی خط نہیں لکھا۔ جب کوئی تعلق والا مدرسہ کے اوقاتِ تعلیم میں ملنے آجاتا تو ملاقات کے آغاز واختتام کو نوٹ کر کے مہینے کے آخر میں منٹوں سیکنڈوں کا شمار کر کے تنخواہ کٹوا دیتے۔ اگر مدرسہ کے

کسی مہمان کے ساتھ کھانا کھاتے تو اس کے پیسے اپنی جیب سے مدرسہ میں جمع کروا دیتے تھے۔

اساتذہ کی سالانہ ترقیوں کا موقع ہوتا تو اُن کی ترقی کے لئے بھرپور سفارش فرماتے اور اپنی ترقی یہ کہہ کر کٹوا دیتے کہ میرا گزر پہلی تنخواہ سے ہو رہا ہے۔کبھی ترقی وصول نہیں فرمائی۔اپنی زوجہ محترم اور حضرت مولانا مطیع اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۲ھ/ 1992ء) کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد مکمل طور پر تنخواہ بند کرادی اور فرمایا: ''میں اکیلا ہوں، بسر اوقات ہوتی رہے گی کون حساب رکھتا پھرے، قصہ ختم کردیں۔''

آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے رکن رکین تھے۔متواتر بیس برس مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر کی عہدے پر فائز رہے۔ ۱۳۷۲ھ/ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں دوسرے علماء کے ساتھ شامل ہوکر بے پناہ خدمات سرانجام دیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور آپ کا مدرسہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال اس تحریک کا اہم مرکز بنا رہا۔آپ باجماعت نماز کا از حد اہتمام کرتے تھے۔نہ کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ سنتے تھے۔مدرسہ کے خرچ سے پُر تکلف کھانوں کی تیاری پر ناگواری کا اظہار فرماتے۔صحت و جوانی کے زمانے میں تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کا معمول بھی رہا۔ایک طویل عرصے سے یہ سلسلہ تو متروک تھا، تاہم مرکز دعوت وتبلیغ رائے ونڈ اور اکابر تبلیغ سے گہرا ربط و تعلق تھا۔رائے ونڈ کے عربی مدرسہ کے امتحانات میں بڑے التزام سے شریک ہوتے تھے۔

۱۴۰۳ھ/ 1983ء مین فالج کا حملہ ہوا۔علاج معالجہ ہوتا رہا لیکن آپ نے تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔رحلت سے کچھ عرصہ پہلے کمزوری و نقاہت کی بنا پر بولنے کی سکت نہ رہی۔۲۶ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ 16 جون 1985ء کو غروبِ آفتاب کے وقت خود بخود آنکھیں کھولین، اپنے آس پاس ماحول پر نگاہ ڈالی، زبان سے نکلا، اللہ اللہ......خود بخود قبلہ رو ہوئے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آپ کے بہنوئی حضرت مولانا ولی محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۴ھ/ 1994ء) فاضل دارالعلوم دیوبند نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔پہلی زوجہ محترمہ سے اولاد تھی۔صاحبزدوں میں حضرت مولانا حافظ قاری عبیداللہ صاحب، خطیب جامع مسجد بیت المکرم لاہور اور حضرت مولانا حافظ قاری مطیع اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۲ھ/ 1992ء) نائب ناظم جامعہ رشیدیہ و استاد مدرسہ و خطیب جامع مسجد نور ساہیوال شامل ہیں۔علاوہ ازیں دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ایک صاحبزادی جوانی میں مرحوم و مغفور ہوئیں اور دوسری

کی شادی ہوئی اور صاحب اولاد ہیں۔

تلامذہ میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ استاذ حدیث خیر المدارس ملتان۔(۲) حضرت مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۵ھ/ 2004ء)، شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔ (۳) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ/ 2000ء)۔(۴) حضرت مفتی عبدالستار رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۷ھ/2006ء)۔ (۵) حضرت مولانا ابوذر بخاری (سید عطاء المنعم) رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۶ھ/ 1995ء)۔ (۶) حضرت مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۵ھ/ 2004ء)۔ (۷) حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ/ 2001ء)۔(۸) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری۔(۹) حضرت مولانا مجاہد الحسینی۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، پنجاب ج ۲ ص ۳۱۱)

(108) ابن قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن قدامہ کی کنیت ابو محمد ہے جبکہ نام عبداللہ بن احمد بن محمد ہے۔ فقہ حنبلیہ سے نسبت کی وجہ سے الحنبلی کہلاتے ہیں۔ امام ابن قدامہ کا نسب یوں ہے: موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ بن مقدام بن ذریہ سالم بن عمر بن الخطاب العدری القرشی الحنبلی القدسی الصالحی ہے۔

ابن قدامہ کی ولادت شعبان ۵۴۱ھ/ جنوری 1147ء میں بمقام جماعیل میں ہوئی۔ جماعیل فلسطین کے شہر نابلس میں واقع ہے۔ ابن قدامہ کی ولادت خلیفہ عباسی المکتفی باللہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ ۵۵۱ھ/ 1156ء میں 10 سال کی عمر میں وہ دمشق چلے گئے، جب فلسطین میں فرنگیوں کا زرو بڑھا تو ابن قدامہ کے والد اور دیگر اقرباء نے دمشق کو ہجرت کی، جہاں وہ پہلے باب شرقی کے باہر مسجد ابی صالح یعنی صالحیہ، دمشق آ کر ٹھہرے، لیکن کچھ مدت کے بعد انہوں نے جبل قاسیون میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

۵۶۰ھ/ 1165ء میں ابن قدامہ اپنے خالہ زاد بھائی محدث عبدالواحد بن علی ابن سرور القدسی (متوفی ۶۰۰ھ/ 1203ء) کے ساتھ بغداد چلے گئے جہاں وہ 4 سال تک مقیم رہے۔ بغداد میں ابن قدامہ جن علمائے کرام سے استفادہ کرتے رہے وہ یہ ہیں:

شیخ عبدالقادر جیلانی (رمضان ۴۷۰ھ/ مارچ 1078ء- ربیع الثانی ۵۶۱ھ/فروری 1156ء)۔ ہبۃ اللہ الحسن بن ھلال الدقاق (۵۶۲ھ/ 1167ء)۔ الباجسراوی (متوفی

۵۶۳ھ/1168ء)۔ بغداد میں قیام کے دوران ابن قدامہ محدثہ خواتین سے بھی حدیث کی تحصیل کرتے رہے جن میں مشہور محدثہ خواتین یہ ہیں: خدیجہ نہروازی (متوفی ۵۷۰ھ/1175ء)۔ نفیسہ البزاری (متوفی ۵۶۲ھ/1167ء)۔ شہداء الکاتبہ (۵۷۰ھ/1175ء)۔

۵۶۷ھ/1172ء میں ابن قدامہ واپس بغداد لوٹ آئے اور ابو الفتح نصر بن فتیان بن مُطرف بن المنّی (متوفی ۵۸۱ھ/1186ء) سے فقہ میں درس لیتے رہے۔ ۵۷۳ھ/1177ء میں مکہ المکرمہ چلے گئے۔ ۵۷۴ھ/1179ء میں حج ادا کیا اور مبارک بن علی بن الطباخ الحنبلی وفات شوال المکرم ۵۷۵ھ (مارچ 1179ء) سے فقہ پڑھا۔ اس کے بعد ابن قدامہ نے مکہ المکرمہ سے بغداد کا دوبارہ سفر اختیار کیا۔ جہاں ابو الفتح نصر بن فتیان بن مُطرف بن المنّی کے درس میں پھر شامل ہو گئے۔ ایک سال بعد جب دمشق جانے کا عزم کیا تو ابن المنّی نے کہا کہ یہیں رہو، کیونکہ بغداد کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے، لیکن ابن قدامہ نہ رکے اور دمشق چلے گئے جہاں اپنی تصنیف المغنی کی تالیف میں مصروف ہو گئے۔ ۶۰۷ھ/1210ء میں ابن قدامہ کے بھائی ابو عمر محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ کا اِنتقال ہو گیا تو ابن قدامہ جامع مظفری کے خطیب مقرر کر دیئے گئے۔ تفسیر، حدیث فقہ کے علوم میں امام زمانہ تھے اور نحو، حساب اور علم نجوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔

عین روزِ عید الفطر ہفتہ یکم شوال المکرم ۶۲۰ھ/28 اکتوبر 1223ء کو 79 سال 2 ماہ قمری کی عمر میں دمشق، شام میں انتقال کیا۔ نمازِ جنازہ جبل قاسیون میں پڑھائی گئی اور قبرستانِ جبل قاسیون میں تدفین کی گئی۔ ابن قدامہ کے تین بیٹے تھے: محمد، یحییٰ اور عیسیٰ۔ یہ تینوں بیٹے اِن کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

ابن قدامہ کی تالیفات کی تعداد 25 سے زائد ہے: (۱) عمدہ الفقہ (۲) المقنع (۳) الکافی فی مقہ الامام احمد بن حنبل (۴) کتاب المغنی (۵) فضائل الصحابہ (۶) مسئلہ فی تحریم النظر فی علم الکلام (۷) الشرح الکبیر علی المقنع (۸) الرقہ و البکاء (۹) فضائل عاشوراء۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(109) علامہ اُشمونی رحمۃ اللہ علیہ

ابو الحسن نور الدین علی بن محمد بن عیسیٰ بن یوسف اُشمونی شعبان ۸۳۸ھ بمطابق مارچ 1435ء کو پیدا ہوئے۔ مصر کے مشہور شہر اُشمون کی نسبت اُشمونی کہلائے۔ شافعی المذہب، فقیہ، نحوی

اور قاری تھے۔اس دور کے دستور کے مطابق تعلیم قرآن اور چند منظوم فقہی اور عربی کتابوں کو زبانی یاد کرلیا تھا۔ اور ۱۴ سال کی عمر میں اپنی زمانہ کے شیوخ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ اصول فقہ، ادب، کلام، تقسیم میراث، قرأت اور ذکر و تصوف کو حاصل کیا۔مشہور شیوخ میں ابو بکر ابن محمد حصنی، نور الدین عجمی اور شمس الدین جزری شامل ہیں۔سنہ ۸۴۶ھ میں درس و تدریس شروع کی۔ سنہ ۸۸۴ھ/ 1481ء میں ۳ سال تک دمیاط شہر کے عہدہ قضا پر فائز رہے۔اشمونی پر بہت زیادہ تنقید ہوئی ہے۔پہلی تنقید ان کے ہم عصر شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تھی جو انہوں نے ان کے خلاف اور ان کے استاد جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف محاذ قائم کیا۔بالخصوص اشمونی کی کتاب ''نظم جمع الجوامع فی الاصول'' پر تنقید کی۔آپ کی تاریخ وفات میں مختلف قول ہیں۔آپ کی تصنیفات میں مشہور شرح اُشمونی مفصل شرح ہے، حاشیہ، نثر و نظم دو طرح پر ہیں۔

جن میں سے چند یہ ہیں: (۱)۔ منهج السالك الى الفيّه ابن مالك (مفصل شرح ہے)، (۲)۔شرح بر الانوار لعمل الابرار، (۳)۔ نظم و شرح ایساغوجی (علم منطق)، (۴)۔شرح بخشی از تسهيل الفوائد و تكميل المقاصد ابن مالك (علم نحو)، (۵)۔نظم و شرح جمع الجوامع (اصول فقہ)، (۶) نظم و شرح منهاج الدین فی شعب الایمان (مباحث عقائد و احکام فقہ)۔

آپ نے ۹۱۸ھ/ 1512ء میں وفات پائی۔(آزاد دائرۃ المعارف ویکی فقہ)

(110) مُلّا عصام

عبد المالک بن جمال الدین العصامی الاسفرائینی و اعلام زرکلی جو کہ مُلّا عصام کے نام سے معروف ہیں۔مشہور تصنیف بشرح الألغاز ہے۔سنہ ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔(انٹرنیٹ)

(111) بوعلی سینا

بوعلی سینا کا مکمل نام علی الحسین بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن سینا ہے۔جو دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب اور فلسفی ہیں۔ابن سینا یا ابی سینا فارس کے رہنے والے تھے۔صفر سنہ ۳۷۰ھ/ 22 اگست 980ء افشنہ، نزد بخارا دولت سامانیہ، موجودہ بخارا صوبہ، ازبکستان میں ہوئی۔فقہی مذہب شیعہ اثنا عشری تھا۔

بوعلی سینا کو مغرب میں ایوی سینا (Avicenna) کے نام سے جانا جاتا ہے ان کا لقب

''الشیخ الرئیس'' ہے۔انہوں نے 450 کتابیں لکھیں جن میں سے قریباً 240ہی بچی ہیں ، ان میں سے فلسفہ پر 150اور ادویات پر 40 تصنیفات تھیں۔ ان کی سب سے مشہور کتابوں میں '' کتاب شفایابی، جوایک فلسفیانہ اور سائنسی انسائیکلو پیڈیا اور 'طبی قوانین جوایک طبی انسائیکلو پیڈیا تھا، شامل تھے۔ ان میں بہت چیزیں 1650ءتک قرون وسطی کی یونیورسٹیوں میں ایک معیاری طبی کتب کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ 1973ء میں ، ابن سینا کی کتاب '' طبی قوانین'' نیو یارک میں دوبارہ شائع کی گئی۔فلسفہ اور طب کے علاوہ ابن سینا نے فلکیات ، کیمیا، جغرافیہ اور ارضیات ،نفسیات ، اسلامی الٰہیات ،منطق ، ریاضی ،طبیعیات اور شاعری پر بھی لکھا ہے۔

منگل 4 رمضان ۴۲۸ھ/ 21جون 1037ء (عمر : 57سال شمسی ، 58سال قمری) ہمدان ،آل کاکویہ،موجودہ صوبہ ہمدان ، ایران میں وفات ہوئی۔

(112)شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ھ/ 1750ءآپ کا پورا نام رفیع الدین عبدالوہاب تھا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیٹے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ سے بیس کتابیں منسوب کی جاتی ہیں۔ برصغیر میں آپ کی شہرت پہلے لفظی اردو ترجمہ قرآن کی وجہ سے ہے، جوآپ نے ۱۲۰۰ھ میں مکمل کیا،ترجمہ قرآن کے علاوہ آپ کی ایک مختصر تفسیر قران بھی ہے، جوتفسیر رفیع کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۲۳۳ھ بمطابق 1818ء میں وفات پائی۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

(113) حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (ابن جریر طبری) عہد عباسی کے مشہور مفسر اور مورخ تھے۔طبری کا تعلق طبرستان موجودہ ایران کے علاقہ ماژندران سے ہے۔

محمد بن جریر بن یزید الطبری الآملی ابوجعفر کی پیدائش طبرستان کے علاقہ آمل میں خلیفہ عباسی المعتصم باللہ کے عہد خلافت میں 224ھ/838ء میں ہوئی۔آمل دریائے ھراز کے ساحل پر واقع ہے، بحیرہ خزر سے 20 کلومیٹر جنوب میں، کوہِ البرز سے 10 کلومیٹر شمال میں اور 180 کلومیٹر مشرق میں تہران سے دور ہے۔

مکمل نام محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب اور کنیت ابوجعفر تھی۔آمل طبرستان

سے تعلق تھا اس لئے آملی اور طبری سے مشہور ہوئے۔

آپ کے والد نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ابن جریر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان کھڑے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں ہیں جنہیں ابن جریر ایک ایک اٹھا کر پھینکتے جاتے ہیں۔ جب خواب کی تعبیر اس وقت کے علماء کرام سے معلوم کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ابن جریر بڑے ہوکر دین کی خدمت سرانجام دیں گے۔ اور یہ خواب گویا آپ کے تحصیل علم کا ایک سبب بن گیا۔

آپ نے قرآن مجید سات سال کی عمر میں حفظ کرلیا۔ آٹھ سال کے ہوئے تو امامت جیسا اہم فریضہ انجام دینے لگے۔ نو سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کی اور جب سولہ سال کی عمر کو پہنچے تو امام احمد بن حنبل کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بغداد کا سفر کیا۔ اس دوران آپ کے اخراجات آپ کے والد ادا کرتے تھے۔ والد محترم نے انتقال کے وقت آپ کے لئے ایک زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا جس آپ گزر بسر کیا کرتے تھے۔

ابتدا میں طبری نے ''رے'' میں علم حاصل کیا پھر کوفہ کا رخ کیا وہاں محمد بن بشار، اسماعیل بن محمد السدی، ہناد بن السری، محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی، احمد بن منیع، یعقوب بن ابراہیم الدوقی اور محمد بن العلاء الھمدانی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس کے بعد شام اور بیروت گئے۔ وہاں عباس بن ولید البیرونی کی صحبت میں قرآن مجید کی مختلف روایات قرأت کی مشق کی پھر مصر روانہ ہوئے اور درمیان میں ایک بار پھر شام جانا ہوا اور پھر مصر واپسی ہوئی وہاں فقہ شافعی کی تحصیل کی، آپ کے شیوخ میں اسماعیل بن ربیع بن سلیمان المرادی، اسماعیل بن ابراہیم المزنی اور محمد بن عبدالحکم مشہور ہیں۔ مصر سے پھر آپ بغداد لوٹے اور تا وفات آپ پھر بغداد میں ہی رہے۔

بہت سے اکابرین علماء نے ان کی مدح کی ہے جن میں ابن کثیر نے ''البدایہ والنھایہ'' میں خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' میں امام سیوطی نے ''طبقات المفسرین'' میں اور امام سبکی نے ''طبقات الشافعیہ'' میں، ان کے علاوہ ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان'' میں امام ذہبی نے ''سیر الاعلام النبلاء'' اور ''میزان الاعتدال'' میں امام ابن جوزی نے ''المنتظم'' میں اور بہت سے اکابرین نے آپ کی سوانح اور مدح بیان کئے ہیں۔

آپ کے چند مشہور شاگردوں میں (۱) ابوشعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی۔ یہ اپ سے عمر

میں بڑے تھے۔ (۲) الامام الحافظ ابوقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی۔ (۳) الشیخ القاضی ابوبکر بن کامل (350)۔ (۴) الامام ابواحمد عبداللہ بن عدی (۵) القاضی ابوالفرج المعانی بن زکریا النهروانی المعروف ''ابن طرار'' شامل ہیں۔

ابن جریر طبری کی چند تصانیف: (۱) جامع البیان فی تفسیر القرآن - یہ اہل سنت کے ہاں سب سے قدیم تفسیر اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔(۲) تاریخ الطبری (تاریخ الرسل و الملوك)۔تاریخ کے لحاظ سے یہ کتاب بھی اولین ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔(۳) تهذیب الآثار و تفصیل معانی ثابت عن رسول اللہ ﷺ (۴) اختلاف الفقهاء۔ (۵) التبصیر فی معالم التنزیل (۶) بسیط القول فی احکام الاسلام۔ (۷) الذیل المذیل۔

کہا جاتا ہے کہ ابن جریر طبری کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا۔ ابن کثیر، امام ذہبی، ابن حجر عسقلانی، ابن جوزی، ابن خزیمہ، ابن خلکان، ابواسحاق شیرازی، امام سیوطی، ابن عساکر، خطیب بغدادی اور دیگر بہت سے افراد نے اس کا رد کیا ہے۔

آپ نے عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں اتوار 26 سوال 310ھ/ 16 فروری 923ء کو 86 سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی۔ جنازے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کئی دنوں تک نماز جنازہ ادا کی جاتی رہی۔ (آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا)

(114) مولانا حضرت سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تاریخی نام مختار احمد اور اصل نام اصغر حسین ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۹۴ھ ہے آپ کے والد ماجد کا نام محمد حسن شاہ ہے خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی رسم بسم اللہ آپ کے نانا میاں جی شاہ صاحب یعنی منّا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی اور فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے والد سے حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبند رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی کی تکمیل کی اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں فارسی سے فارغ ہو کر دارالعلوم کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے اور تکمیل درس نظامی کی۔ آپ کے ممتاز اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اہم ہیں۔

۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر آپ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال چند ماہ تک دفتری کام کرتے رہے اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپ کو جونپور مدرسہ مسجد اٹالہ کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا اور وہاں ۱۳۲۷ھ تک بدستور دینی خدمات انجام دیتے رہے پھر ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طلبی پر دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے اور درس وتدریس کے ساتھ ماہنامہ ''القاسم'' کی ایڈیٹری بھی فرماتے رہے۔

آپ کی بیعت حضرت شاہ عبداللہ عرف میانجی مناشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، مناشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے والد محمد حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور اپنے زمانہ کے کاملین میں سے ہیں چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت دارالعلوم دیوبند کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھنے کا موقع آیا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی اینٹ وہ رکھے گا جس کے دل میں کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہ ہوا ہو اور فوراً ہی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کر دیا جس کو سب نے پسند کیا۔

اجازت بیعت حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بھی ہے جس کو حضرت مناشاہ صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے کہہ کر حاصل کیا تھا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں حضرت منے شاہ صاحب نے بھی اپنے وصال سے ایک دن قبل آپ کو اجازت و بیعت اور خلافت عنایت فرمائی۔ آپ نے اپنے حیات میں تین حج کیے ہیں پہلا حج ۱۳۲۰ھ میں دوسرا ۱۳۴۵ھ میں اور تیسرا حج ۱۳۵۰ھ میں ادا فرمایا۔ کچھ تالیفات بھی اپنے قلم فیض سے تالیف فرمائیں جن میں فتاویٰ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وسعت غیب، اذان و اقامت، حیات خضر، فقہ الحدیث، نیک بیبیاں اور حیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علمی شاہکار ہیں۔ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور عارف کامل تھے ۲۲/محرم ۱۳۶۴ھ کو وفات پائی۔ (تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۲۹۷)

(115) مولانا سید محمد طلحہ حسنی ایم، اے رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا نام سید محمد تھا۔ جو ریاست ٹونک میں معتمد الملک ظفر جنگ کے لقب سے ممتاز اور ناظم پرگنات (کلکٹر) کے عہدہ پر فائز تھے۔ سید محمد صاحب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھانجے مولوی سید محمد علی صاحب مصنف ''مخزن احمدی'' کے حقیقی پوتے تھے۔ ان کے

خاندان کو ریاست میں بڑی دنیوی و دینی وجاہت حاصل تھی۔ ان کی پیدائش ۱۳۰۸ھ/ 1890ء میں وہیں محلہ قافلہ ٹونک میں ہوئی۔ اور وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ دس سال کے تھے کہ ۱۳۱۸ھ/ 1900ء میں ان کے عزیز و بزرگ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مددگار ناظم ندوۃ العلماء اپنے اعزاء و بزرگوں سے ملنے کیلئے ٹونک آئے جب کچھ دن قیام کرنے کے بعد واپس جانے لگے تو بزرگوں نے دینی تعلیم کے لئے آپ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اور وہ لکھنؤ آکر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہو گئے۔ اور وہیں کئی سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس وقت مولانا سید محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء علامہ شبلی نعمانی معتمد اور ان کے قابل فخر استاد مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی صدر مدرس مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ طالب علم تھے پھر ٹونک میں جو ان کا دوسرا آبائی وطن اور اپنے وقت میں ایک بڑا علمی و دینی مرکز تھا۔ مدرسہ ناصریہ میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہاجر کابل اور مولانا حیدر حسن خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے علوم کی تکمیل کی۔ ذریعہ معاش کے لئے طب کا انتخاب کیا۔ اور دہلی جا کر خاندان شریفی کے حکیم غلام رضا خاں صاحب سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی۔ اور کچھ عرصہ بمبئی میں مطب بھی کیا۔

آپ نے بھی مولوی فاضل و منشی فاضل کا امتحان دیا۔ وہ مولوی فاضل کے امتحان میں ساری یونیورسٹی میں اول آئے۔ یہی ان کے اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت استاد کے تقرری کی تقریب بن گئی۔ وہ ۱۳۳۵ھ 1916ء میں کالج کے استاد مقرر ہوئے اور پورے چالیس سال اس عہدہ پر قائم رہے۔

لاہور میں ان کا حلقۂ احباب میں جہاں بڑی مقدس دینی شخصیتیں تھیں وہاں ادیب و شاعر، مصور و رندلاابالی بھی تھے، حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب امیر جماعت خدام الدین۔ مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی امیر جماعت اہل حدیث اور علماء میں سے مولانا داؤد غزنوی، مولانا کریم بخش صاحب (صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج) اور مولانا اصغر علی صاحب روحی (صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج) سے تعلقات تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری دعوت قبول کرنے اور ہر ایک کے یہاں کھانے پینے میں بہت محتاط تھے۔ نہایت صحیح الادراک اور قوی الکشف تھے۔ رمضان مبارک میں یہ احتیاط اور بڑھ جاتی اور عشرۂ اخیرہ میں تو کسی کی دعوت قبول کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس کلیہ میں اگر کسی کا استثنا تھا۔ تو صرف مولانا سید طلحہ صاحب کا۔ اکثر عشرۂ اخیرہ میں ان کے مکان پر

تشریف لائے۔ اور کھانا تناول فرمایا۔ نماز میں بھی خلاف معمول ان کو آگے بڑھا دیتے اور ان کی اقتدا فرماتے۔ ہمیشہ شاہ صاحب اور سید صاحب کے لفظ سے خطاب فرماتے۔

22 نومبر 1937ء میں انھیں کی معیت میں علامہ اقبال کی خدمت میں آخری بار حاضری ہوئی اور مسلسل ان سے کئی گھنٹے گفتگو اور استفادہ کا موقع ملا۔ وہ سختی سے اہل سنت کے عقائد اور اپنے خاندانی مسلک پر قائم تھے۔ نماز باجماعت کا ہمیشہ اہتمام رہا۔ دوسرے ٹخنے سے نیچے پائجامہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بعض کبار علماء و مشائخ تک کو اس پر ٹوک دیا کرتے۔ جس محفل یا دعوت میں ساز یا باجہ ہوتا اس میں شرکت نہ کرتے یا اٹھ کر چلے آتے۔ جدید خلاف دین رجحانات اور مسلکوں میں ان کے اہل قرآن اور منکرین حدیث سے نیز سرسید مرحوم کے طرز پر منصوصات وقطعیات کی پُراز تکلف تاویلات اور عقل پرستی سے بڑا بُعد اور وحشت تھی۔ اور اسماء وصفات کے بارے میں وہ سلف کے مسلک پر قائم تھے۔ قرآن شریف بہت پختہ اور رواں تھا۔ اور اس کے پڑھنے کا بہت ذوق رکھتے تھے۔ جب تک قوت رہی تراویح میں قرآن شریف ختم کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

۱۳۴۴ھ 1926ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔ شکسپیر کے ڈراموں کے بند کے بند اور گولڈ اسمتھ وغیرہ کی عبارتیں ان کو یاد تھیں۔ انگریزی ادب و تاریخ کی کتاب ''جولیس سیزر'' انھوں نے بڑے انہماک وشغف سے پڑھی تھی۔ مگر انگریزی میں انھوں نے جو محنت کی تھی اور جوان کے علم و مشاغل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ ان کے کچھ زیادہ کام نہ آئی۔ اور معاشی مسئلہ اور عہدہ کی ترقی میں تو اس نے کچھ بھی مدد نہ کی۔ ان کا رزق آخر تک عربی علوم دینیہ ہی سے وابستہ رہا اور بقول ان کے وہ اسی علم کی روٹی کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۶۱ھ/ 1942ء میں وہ اپنی خواہش سے اورینٹل کالج سے سبکدوش ہو گئے۔ اور ان ڈگریوں سے جو کچھ فائدہ کی توقع تھی وہ بھی جاتی رہی۔

مولانا کو صرف ونحو کی تعلیم میں ملکۂ راسخ حاصل تھا۔ صحیح بخاری سے محبت وعقیدت نہیں بلکہ عشق تھا۔ ہدایہ کے بھی وہ بڑے قائل تھے۔ اپنے ادبی ذوق اور فن بلاغت سے مناسبت کی وجہ سے کشاف کے بڑے دلدادہ تھے۔ اساتذہ میں مولانا کے حیدر حسن خاں صاحب سے ان کی خاص صحبت ومجلس رہتی۔ اور جب کبھی (لکھنؤ کے قیام میں) وہ مولانا کے پاس ندوہ آجاتے تو آدھی آدھی رات تک دونوں کی باتیں ہوتی رہتیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وسعت مطالعہ اور وسعت

معلومات کے قائل تھے۔ دیوبند و لاہور میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور جب کبھی شاہ صاحب کا کشمیر جاتے ہوئے لاہور اسٹیشن پر گزر ہوتا تو وہ پابندی سے ملاقات کے لئے جاتے۔

وہ نظری طور پر تقلید کے پابند نہ تھے۔ لیکن تمام معاملات و عبادات میں فقہ حنفی پر عامل تھے۔ اس کے ساتھ بزرگان دیوبند کے اخلاص وللّٰہیت کے بڑے قائل و معترف تھے جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ چند روز مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رائے پور بھی قیام کیا اور حضرت نے بڑا احترام فرمایا۔ 44۔1945ء میں انھوں نے لکھنؤ میں طویل قیام کیا۔ وہ 1948ء میں پاکستان منتقل ہو گئے۔ اور کراچی میں انھوں نے مستقل قیام کر لیا۔ پاکستان سے وہ صرف دو مرتبہ ہندوستان آئے۔ ایک 50ء میں اور دوسری مرتبہ 55ء کے آخر میں آئے غالباً چھ مہینہ کے قریب رہے۔ قیام کا اکثر و بیشتر حصہ لکھنؤ گذارا۔ ''عہد صحابہ کا تمدن''، ام المومنین حضرت ام سلمہ کی سیرت لکھی۔ لیکن ان کی اصل علمی یادگار ان کی فاضلانہ عربی کتاب کا وہ نامکمل مسودہ ہے جو انھوں نے عہد صحابہ کے تمدن و معاشرت اور علمی زندگی پر سالہا سال سے لکھنی شروع کی تھی۔

۲۳، رجب ۱۳۹۰ھ/ 25 ستمبر 1970ء جمعہ کے دن دس بجے کراچی کے ایک اسپتال میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ (پرانے چراغ حصہ اول ص۲۳۶)

(116) حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

اورنگزیب عالمگیر یا محی الدین محمد (پیدائش: 3 نومبر 1618ء۔ وفات: 3 مارچ 1707ء) مغلیہ سلطنت کا چھٹا شہنشاہ تھا جس نے 1658ء سے 1707ء تک حکومت کی۔ وہ مغلیہ سلطنت کا آخری عظیم الشان شہنشاہ تھا۔ اُس کی وفات سے مغل سلطنت زوال کا شکار ہو گئی۔

ان کے والد شاہجہان نے انہیں عالمگیر کا خطاب دیا۔ 3 نومبر 1618ء کو مالوہ کی سرحد پر پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ارجمند بانو بیگم تھیں۔ جو ممتاز محل کے نام سے مشہور تھیں۔ اورنگ زیب کی عمر دو سال کی تھی کہ شاہجان نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور بیوی بچوں کو لے کر چار سال تک بنگال اور تلنگانہ میں پھرتا رہا۔ آخر جہانگیر کے کہنے پر اپنے بیٹوں داراشکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کو دربار میں بھیج کر معافی مانگ لی۔ جہانگیر نے دونوں بچوں کو ملکہ نور جہاں کی

نگرانی میں بھیج دیا۔

اورنگزیب کو سید محمد، میر ہاشم اور ملا صالح جیسے علام کی شاگردی کا موقع ملا۔ مغل بادشاہوں میں اورنگزیب عالم گیر پہلے بادشاہ ہیں جنہوں نے قران شریف حفظ کیا اور فارسی مضمون نویسی میں نام پیدا کیا۔ اس کے علاوہ گھڑسواری، تیراندازی اور فنون سپہ گری میں بھی کمال حاصل کیا۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی فضول رسمیں ختم کیں اور فحاشی کا انسداد کیا اور خوبصورت مقبروں کی تعمیر و آرائش ممنوع قرار دی۔ قوال، نجومی، شاعر موقوف کر دیئے گئے۔ شراب، افیون اور بھنگ بند کر دی۔ درشن جھروکا کی رسم ختم کی اور بادشاہ کو سلام کرنے کا اسلامی طریقہ رائج کیا۔ سجدہ کرنا اور ہاتھ اٹھانا موقوف ہوا۔ سکّوں پر کلمہ لکھنے کا دستور بھی ختم ہوا۔ کھانے کی جنسوں پر ہر قسم کے محصول ہٹا دیئے۔

عالمگیر احمد نگر میں بیمار ہوا اور 3 مارچ 1707ء کو نوے برس کی عمر میں فوت ہوا۔ وصیت کے مطابق اسے خلد آباد میں دفن کیا گیا۔ خلد آباد سے قریب ایک مقام ہے جس کا نام اورنگ آباد میں اورنگ زیب کی مختلف یادگاریں آج بھی محفوظ ہیں۔ خزانے سے ذاتی خرچ کے لئے ایک پائی بھی نہ لی۔ قران مجید لکھ کر ٹوپیاں سی کر گزارا کرتا تھا۔ سلجھا ہوا ادیب تھا۔ اس کے حکم پر نظام سلطنت چلانے کے لئے ایک مجموعہ فتاوی تصنیف کیا گیا جسے تاریخ میں فتاوی عالمگیری کہا گیا۔ فتاویٰ عالمگیری فقہ اسلامی میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ بعض علماء نے سلطان اورنگزیب کو اپنے دور کا مجدد بھی قرار دیا۔ پانچ بیٹے (بہادر شاہ، سلطان محمد اکبر، محمد اعظم شاہ، کام بخش، محمد سلطان) اور پانچ بیٹیاں (زیب النساء زینت النساء، مہر النساء، بدر النساء زبدۃ النساء) چھوڑیں۔ مشہور شاعر زیب النساء مخفی ان کی دختر تھیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا)

(117) ظہیر الدین فاریابی

ظہیر الدین ابوالفضل طاہر بن محمد فاریابی چھٹی صدی کے مشہور فارسی شاعری جو ۵۱۸ھ میں فاریاب میں پیدا ہوئے تھے۔ فاریاب میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے نیشاپور کا سفر کیا جو اس وقت علم کا مرکز تھا، وہاں چھ سال قیام کیا۔ وہاں انہوں نے شاعری اور ادب میں نام پیدا کیا۔ ۵۹۸ھ میں تبریز میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(118) حاجی متین احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص مرید وخادم تھے۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی متین احمد فرزند اکبر جناب حاجی رشید احمد میرٹھی (تاجر ڈھاکہ) کی درخواست پر ان کی کوٹھی واقع ایمپریس روڈ بالقابل ریڈیو پاکستان لاہور میں بھی قیام کیا اور 1958ء کے بعد لاہور کے قیام کے دوران زیادہ تر اسی کوٹھی میں قیام رہا اور اسی کوٹھی میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دن اور آخری ساعت گزری۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، ص:194)

آپ کی تاریخ پیدائش 18 جنوری 1911ء میرٹھ (اُتر پردیش، ہندوستان) اور تاریخ وفات 6 اکتوبر 2000ء مشی گن (امریکہ) ہے، وہیں تدفین ہوئی۔ (خاندانی روایت)

(119) امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ / 23 ستمبر 1892ء بروز جمعہ ہندوستان کے صوبہ بہار کے ایک ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام ضیاء الدین اور دادا کا نام نور الدین ہے، آپ کا سلسلۂ نسب چھتیسویں پشت میں حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے نانا حکیم سید احمد اندرابی فاضل طبیہ کالج لکھنؤ سے حاصل کی، قرآن کریم بھی انہی سے حفظ کیا۔ قرأت قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی، سنِ بلوغ کو پہنچے تو پنجاب کا سفر اختیار کیا، ابتداءً راجووال میں قاضی عطا محمد صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے رہے، 1914ء میں امرتسر تشریف لے گئے وہاں مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۳۴۸ھ) سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۳۵۲ھ) سے اور حدیث کی تعلیم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۳۸۰ھ) سے حاصل کی۔

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کے فرائض کی انجام دہی سے کیا۔ آپ برصغیر پاک و ہند کے شعلہ بیان مقرر، عظیم مجاہد اور تحریکِ آزادی کے نامور کارکن تھے۔ آپ نے تحریک خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور قید و بند زندگی کے معمولات میں شامل ہوگئیں، تقریباً گیارہ بار جیل جانا ہوا اور ساڑھے نو برس جیل کاٹی۔ انگریز دشمنی آپ کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔

۸ شعبان ۱۳۴۹ھ / 1929ء میں ''مجلس اَحرارِ اسلام'' کی بنیاد رکھی گئی تو آپ اس کے پہلے صدر چُنے گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، اُن کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مارچ 1947ء میں امرتسر سے لاہور آ گئے، تقسیم ہند کے بعد آپ نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور مجلس اَحرار اسلام کو تبلیغ اسلام کے لئے وقف کردیا۔ آخری ایام میں آپ ملتان منتقل ہوگئے وہیں ۹ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ / 21 اگست 1961ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں چار صاحبزادے چھوڑے، مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری (۲) مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری (۳) مولانا سید عطاء المؤمن شاہ صاحب بخاری (۴) مولانا سید عطاء المہیمن شاہ صاحب بخاری۔ سب سے بڑے صاحبزادہ مولانا عطاء المنعم شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں شامل ہیں، آپ کے صاحبزادہ مولانا سید معاویہ اور بھائی مولانا سید عطاء المومن شاہ صاحب مدظلہم دونوں حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۱۸)

(120) حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ۲ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ / 15 دسمبر 1913ء میں رائے بریلی کے معروف قصبہ دائرہ شاہ علَم اللہ میں پیدا ہوئے، سیّدنا علی مرتضیٰ کے نام پر ابوالحسن علی نام رکھا گیا آپ کے والد ماجد مولانا حکیم سیّد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، محدث اور مؤرخ تھے۔ مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے قصبہ ہی میں ہوا، سات سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کرلیا۔ اُردو کی باقاعدہ تعلیم کی آپ کے چچا مولانا عزیز الرحمٰن کے یہاں شروع ہوئی۔

دس سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے انتقال کے بعد بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری لی اور آپ کو شیخ خلیل بن محمد عرب یمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا۔ شیخ عرب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے عربی ادب کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھ کر عربی ادب کے اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھیں۔ انگریزی تعلیم کا سلسلہ بھی چلتا رہا، اخیر میں آپ

نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور وہاں کے کبار اساتذہ سے فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی، آپ نے لاہور میں حضرت مولانا احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ تفسیر پڑھا اور حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اُن کے شیخ خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اُن کی وفات کے بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ تقسیم کے بعد آپ کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا اور اُن سے بھی خلافت عطاء ہوئی۔ آپ عربی اور اردو زبان و ادب کے بہترین مقرر اور مصنف تھے، بہت سی قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں جنہوں نے عرب و عجم میں پذیرائی حاصل کی۔ آپ کی شخصیت بین الاقوامی تھی بہت سے اداروں کے سرپرست اور بہت سی تنظیموں کے رکن تھے اس لیے آپ کا اکثر وقت اَسفار میں گزرتا تھا۔ اٹھاسی برس کی عمر میں ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/ 31 دسمبر 1999ء بروز جمعہ سورۂ یٰسین شریف پڑھتے ہوئے انتقال ہوا۔ اور روضہ شاہ علم اللہ میں تدفین ہوئی۔

(بیا بہ مجلس نفیس ص ۵۰۱)

(121)۔گارڈن کوپر

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

(122) آئن سٹائن

البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein)، بیسویں صدی کا سب سے بڑا طبیعیات دان سمجھا جاتا ہے۔ جرمنی کے شہر اولم میں 14 مارچ 1879ء کو پیدا ہوا۔ آئن سٹائن کا خاندان جرمنی کے خوشحال یہودی النسل خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔

1901ء میں آئن سٹائن سویٹزرلینڈ کا شہری بھی بن گیا۔ 1905ء اس کے کارناموں کا سال ہے، اس سال اس نے چار مشہور مقالے شائع کئے۔ چوتھا مقالہ جو ستمبر 1905ء میں شائع ہوا طبیعیات کی مشہور ترین مساوات $E=mc2$ پر مشتمل تھا، جس میں مادہ اور توانائی کا آپس میں تبدیلی ممکن ہونے کا بتایا گیا تھا، حال میں ایک محقق نے رائے دی ہے کہ یہ مساوات ایک اطالوی نے آئن سٹائن سے کچھ سال پہلے شائع کی تھی۔ 18 اپریل 1955ء کو 76 سال کی عمر میں پرنسٹن، نیو جرسی (امریکہ) میں فوت ہوا۔ قومی عجائب گھر برائے صحت و طب میں تدفین ہوئی۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

(123) علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن قیم کا پورا نام حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی الدمشقی تھا اور ابن قیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ چھ سو اکیانوے (691) ھ میں دمشق کے قریب زرع نامی گاؤں میں ولادت ہوئی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ چھبیس سالوں تک مستقل ساتھ رہے اور آپ کا تعلق امام احمد بن حنبل کے فقہ سے تھا۔

علامہ ابن القیم کی ولادت 7 صفر 691ھ مطابق 28 جنوری 1292ء کو دمشق میں ہوئی۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں ابن رجب، ابن کثیر اور مجد الدین فیروز آبادی ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے جن میں سے چند ایک کتب درج ذیل ہیں:

(۱) زاد المعاد: (یہ آپ کی سب سے مشہور کتاب ہے جو اسلامی شریعی مسائل کے حل کرنے میں خاص اہمیت رکھتی ہے)۔ (۲) اعلام المعوقین (۳) اغاثۃ الھفان (۴) تھذیب سنن ابی داؤد (۵) الصواعق المرسلۃ (۶) الطب النبوی (۷) بدایع الفواید (۸) الفواید (۹) اجتماع الجیوش الاسلامیۃ (۱۰) تلبیس ابلیس

علامہ ابن القیم کی وفات 13 رجب 751 ھ مطابق 15 ستمبر 1350 ء کو دمشق میں ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا)

(124) شیخ اکبر ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الحاتمی الطائی الاندلسی (1240ء ۔ 1165ء) دنیائے اسلام کے ممتاز صوفی، عارف، محقق، قدوہ علما اور علوم کا بحر بیکنار ہیں۔ اسلامی تصوف میں آپ کو شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے عام خیال یہ ہے کہ تصوف اسلامی میں ''وحدت الوجود'' کا تصور سب سے پہلے انہوں نے ہی پیش کیا ان کا قول تھا کہ باطنی نور خود رہبری کرتا ہے بعض علماء نے ان کے اس عقیدے کو الحاد زندقہ سے تعبیر کیا ہے۔ مگر صوفیا انہیں شیخ الاکبر کہتے ہیں۔

ابوبکر محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن حاتم طائی ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ 28 جولائی 1165ء کو اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ اعلیٰ حاتم طائی سارے عرب میں اپنی سخاوت اور بزرگی کی وجہ سے نمایاں اور محترم رہے۔

آپ کے دادا، محمد اندلس کے قضاۃ اور علماء میں سے تھے جن کی دولت وثروت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ والد علی بن محمد فقہ اور حدیث کے آئمہ اور زہد وتصوف کے بزرگوں یا ابن عربی کے الفاظ میں منزل انفاس کے محققین میں سے تھے۔ اس کے علاوہ وہ عظیم فلسفی ابن رشد کے دوست اور سلطان اشبیلیہ کے وزیر بھی رہے۔ والدہ انصار سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ شیخ کی چھوٹی بیٹی زینب تو کم عمری ہی میں مقام الہام سے سرفراز ہوگئی تھیں۔ ابن عربی نے اپنے سوانح میں اپنے خاندان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور والد چچا دونوں ماموں، زوجہ اور کم سن بیٹی کے دل کھینچ لینے والے واقعات بیان کئے ہیں۔

ابو مسلم خولانی آپ کے ماموں ہیں۔ 8 سال کی عمر میں ابن عربی اپنے خاندان کے ساتھ مرسیہ سے اندلس کے دارالحکومت اشبیلیہ آ گئے۔ ۵۹۸ھ تک وہیں رہے اور دینی وادبی کامل درجے کی تربیت پائی۔

پہلے ابوبکر محمد بن خلف لخمی اور ابو القاسم عبد الرحمن الشرائط القرطبی سے قرأت سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانہ میں ابھی تصوف میں داخل نہیں ہوئے تھے اپنا بیشتر وقت یا تو نغمہ وشعر میں گزارتے یا پھر جانوروں کے شکار میں مصروف رہتے وہ اس دور کو زمانہ جاہلیت کا نام دیتے تھے۔ آپ نے ڈیڑھ دو سال کا عرصہ بطور فوجی سرکاری ملازمت کی لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ملازمت چھوڑ دی۔ پھر جوانی میں ہی جبکہ ابن عربی کے والد بھی حیات تھے ان میں ایک عظیم روحانی اور باطنی تبدیلی پیدا ہوئی اور یہ کشف وشہود کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے۔ اشبیلیہ ہی میں ابن عربی نے باقاعدہ قصد کر کے مروج طریقے سے 21 سال کی عمر میں ۵۸۰ھ کے دوران جادہ سلوک میں قدم رکھا اس کے بعد وہ مجاہدہ وریاضت اور عرفا کے معارف کی تحصیل اور صوفیا کے احوال وآثار کے مطالعے میں مشغول رہے۔

ابن عربی نے مصر، قاہرہ، ایران، بغداد اور دمشق کے سفر کیے اور بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی۔ پہلا سفر ۵۹۰ھ میں تیونس کی طرف کیا۔ مکہ میں آپ کا پہلا قیام دو برس رہا۔ محرم ۶۲۷ھ کے آخری عشرے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں کتاب ''فصوص الحکم'' تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عربی کو اسے لکھنے کا حکم دیا تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

۶۲۰ھ کے دوران جب وہ دمشق میں مقیم تھے انہوں نے اپنا دیوان مرتب کرنا شروع کیا اور یہ کام ۶۳۱ھ تک جاری رہا انہوں نے برسوں کی محنت سے اپنی بڑی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کی تکمیل کی وہ اس کتاب کی تحریر میں 35 سال مصروف رہے انہوں نے ۵۹۹ھ میں فتوحات کی تالیف شروع کی اور ۲۴ ربیع الاول ۶۳۶ھ یعنی اپنی وفات سے دو سال پہلے چہار شنبے (بدھ) کے دن صبح کے وقت مکمل کی۔ ابن عربی نے لکھا ہے کہ میرے بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ میری چار ہزار تحریروں کو معرض ضبط میں لائے۔

ان کی کتب اور رسائل کی تعداد 848 بھی لکھی ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف:

(۱) فصوص الحکم وخصوص القلم۔ (۲) روح القدس فی مناصحۃ النفس۔ (۳) الاسفار عن نشائج الافسار۔ (۴) فتوحات مکیہ۔ (۵) ترجمان الاشواق (عارفانہ کلام)۔ (۶) رسائل۔

اہم اُستادوں میں: (۱) محمد بن قاسم تمیمی۔ (۲) ابو محمد عبدالعزیز بن ابو بکر قریش مہدوی۔ (۳) محمد عبداللہ بن خمیس کنانی۔

آپ کے اور قابل ذکر شاگرد عبدالکریم البعلبی ہیں۔

۲۸ ربیع الآخر ۶۳۸ھ بمطابق 1240ء دمشق میں وفات ہوئی اور جبل قاسیون کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(125) علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلال الدین دوانی (پیدائش: 1426ء -- وفات: 12 اکتوبر 1502ء) عالم دین، فقیہ اور مصنف تھے۔ علما نے اُنہیں محقق دوانی کے نام بھی یاد کیا ہے۔ مسلم فلاسفہ میں گنتی کے چند افراد ''محقق'' کے خطاب سے علمی دنیا میں معروف ہیں، اُن میں محقق جلال الدین دوانی بھی شامل ہیں۔

نام محمد، لقب جلال الدین اور آبائی علاقہ دوان کی نسبت سے دوانی کہلاتے ہیں۔ والد کا نام سعد الدین اسعد، دوان کے منصبِ قضا پر فائز تھے۔ اُن کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ جلال الدین دوانی ایران کے صوبہ شیراز کے ضلع گازرون میں دوان نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں گازرون کے شمال میں تقریباً 9 فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔

محقق دوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سعد سے حاصل کی جو اپنے دور کے نامور علما میں

شمار ہوتے تھے۔ اِس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے شیراز چلے گئے۔ اُس وقت شیراز میں سید شریف جرجانی (متوفی 6 جولائی 1413ء) کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ حسن بقال اور مولانا محی الدین انصاری کوشنکاری سے اِکتساب فیض کیا۔ محقق دوانی نے اِن دونوں علماء کی مجالس سے خوشہ چینی کی۔ بعض فارسی کتابیں مولانا ہمام الدین گلباری سے پڑھیں، جنہوں نے طوالع الانور کی ایک مفید شرح لکھی تھی۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے شیخ صفی الدین ایجی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت عنفوان شباب ہی میں علومِ مروجہ کی تحصیل کر لی اور وقت کے چیدہ علماء میں شمار ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ جن دنوں میں وہ شیراز میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، نہایت تنگدست تھے۔ عُسرت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ شب کو مطالعہ کی خاطر چراغ کا تیل تک خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ مگر مالی مشکلات کا مقابلہ کمال صبر وضبط سے کیا اور شیراز کی جامع مسجد کے صدر دروازے میں روشن چراغ کے پاس کھڑے ہو کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خوشحالی کے دروازے کھل گئے۔ اُنہوں نے دولت وثروت کے حصول میں پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں اُن کا نقطہ نگاہ عام علمائے دین سے مختلف تھا کہ وہ علم کی اشاعت اور اس کی قدر و قیمت کے لیے مال کو بہت ضروری خیال کرتے تھے۔ محقق دوانی کی علمی شہرت کو سنتے ہوئے امیرزادہ یوسف بن مرزا جہاں شاہ نے علمی مجلس کی صدارت پر معین کیا۔ کچھ عرصے کی بعد اِس منصب سے مستعفی ہو کر شیراز کے مدرسہ بیگم یعنی مدرسہ ''دارالاتیام'' میں فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ اُس وقت عراق، فارس اور آذربائیجان کے حاکم سلطان یعقوب بائندری نے محقق دوانی کے علمی تبحر اور خداداد ذہانت کو دیکھتے ہوئے اُن کو فارس کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔ فرائض منصبی کے دوران وہ تصنیف وتالیف کا کام برابر کرتے رہے۔ محقق دوانی کی عمر کا معقول حصہ سلاطین بائندری کی سرپرستی میں گزار۔ 902ھ میں جب سلطان احمد شاہ بائندری عثمان سلطان بایزید یلدرم کی مدد سے اقتدار پر قابض ہو گیا تو اس نے دوانی کی قدر ومنزلت میں کوئی فرق نہ آنے دیا بلکہ سلطان احمد شاہ بائندری کی مہربانی ولطف وکرم کو دیکھتے ہوئے اُس کے مخالف قاسم بیگ نے محقق دوانی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ دولت وثروت کا ایک حصہ بھی چھین لیا۔ محقق دوانی نے قاسم بیگ کا لقمہ تر بننے کی بجائے یہی بہتر سمجھا کہ وہ شیراز چھوڑ دیں۔ چنانچہ وہ شیراز سے سکونت ترک کر کے جرون چلے گئے۔

آخری ایام میں جب بائندری خاندان کے سلطان ابوالفتح بیگ نے دوبارہ اِقتدار حاصل

کرلیا تو محقق دوانی واپس شیراز چلے آئے۔ ابوالفتح بیگ نے پر جوش اِستقبال کیا لیکن چند دن کے بعد ہی 9 ربیع الاول 908ھ مطابق 12 اکتوبر 1502ء کو 75 سال کی عمر میں مرضِ اِسہال میں محقق دوانی انتقال کر گئے اور دوان میں ہی دفن ہوئے۔

آپ کی تصانیف: (۱) حاشیہ قدیم بر شرح تجدید (۲) حاشیہ جدید بر شرح تجدید (۳)حاشیہ اجدبر شرح تجدید (۴) حاشیہ قدیم بر شرح مطالع (۵)حاشیہ جدید بر شرح مطالع (۶) حاشیہ شرح عضدی (۷)حاشیہ حکمت العین (۸)حاشیہ تھذیب المنطق و الکلام (۹) شرح بیا کل النور۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(126) حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳۰۷ھ/ 1889ء میں اجمیر شریف میں ہوئی، چار سال کی عمر میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد انتہائی تعلیم کے لئے دیو بند تشریف لے گئے، اُس زمانہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ صدارتِ تدریس پر فائز تھے، آپ نے مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لے کر امتیازی نمبروں میں پاس کیا اور مشورہ دیا کہ آپ دورۂ حدیث دو سال میں پڑھیں، آپ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ پر دورۂ حدیث دو سال میں پڑھا، فراغت کے بعد دارالعلوم دیو بند ہی میں تدریس کا آغاز کیا، چند سال بعد مدرسہ شاہی مراد آباد تشریف لے گئے اور ۳۸ برس صدارتِ تدریس کے منصب پر فائز رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث بنائے گئے، آپ نے پندرہ برس دارالعلوم دیو بند میں بخاری شریف کا درس دیا۔ ۱۳۹۱ھ / 1971ء میں آخری مرتبہ بخاری شریف پڑھائی، شعبان میں مراد آباد تشریف لے گئے۔ رمضان سارا بیماری میں گزرا شوال میں پھر دیو بند تشریف لائے۔ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ میں دارالعلوم دیو بند سے مراد آباد تشریف لے گئے۔ ۲۱ صفر ۱۳۹۲ھ/ 2-1 ۔ اپریل 1972ء جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب میں آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور محلہ لال باغ مرد آباد کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ بے نظیر تھا۔ صرف ۲۵ دن میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا تھا اور وہ آپ کو بالکل صحیح یاد بھی تھا۔ (بیایہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۷۹)

تصانیف: (۱) القول الفصیح فیما یتعلق بنفد ابواب الصحیح (عربی) مطبوعہ، اس میں بخاری شریف کے ابواب کا آپس میں ربط بیان کیا گیا ہے۔ (۲) کتاب التراجم (۳) اربعین (۴) ایضاحُ البخاری (مطبوعہ)۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۳۹۳)

(127) حضرت علامہ ابو عبد اللہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

محدث، فقیہ، فلسفی۔ پورا نام علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسینی رازی تھا۔ 1149ء ''رے'' ایران میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد ضیاء الدین عمر خطیب تھے۔ اس لئے آپ ''ابن الخطیب'' بھی کہلاتے ہیں۔ شافعی اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ خوارزم میں معتزلہ عقائد کے خلاف تبلیغ کے لئے گئے لیکن وہاں سے بخارا اور سمرقند جانے پر مجبور ہوئے۔ 1190ء میں غزنی اور پنجاب کا دورہ کیا۔ پھر ہرات میں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک مدرسے میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے تدریس میں مصروف ہو گئے سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ آپ کا سرپرست تھا۔ حاسدوں نے آپ کو زہر دے دیا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آپ نے علوم دین فلسفیانہ پیرائے میں پیش کیے۔ ابن سینا اور فارابی کے معترف اور امام غزالی کے خلاف تھے۔ علم الکلام میں مشہور تصنیف اساس التقدیس ہے۔ دوسری متداول تصنیف کا نام مفاتیح الغیب ہے جو'' تفسیر کبیر'' کے نام سے مشہور ہے۔ 1209ء 59-60 سال کی عمر میں ہرات میں وفات پائی۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

(128) حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین الی اخرہ، آپ کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۶۶ھ، مطابق 1753ء کو'' دہلی'' میں ہوئی۔

آپ کی تعلیم و تربیت برادر اکبر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی ہوئی۔ تمام علوم کی تحصیل و تکمیل حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے فرمائی۔

شاہ عبد القادر نے شاہ عبد العدل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقت کی تعلیم پائی۔ درس و افادہ میں مشغول اور دہلی کی اکبر آبادی مسجد میں مقیم رہتے تھے۔ ان سے عبد الحیی بڈھانوی، شاہ اسماعیل

دہلوی، فضل حق خیر آبادی، شاہ اسحاق دہلوی اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ شاہ عبدالقادر کی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی اور اس کی شادی شاہ صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ سے کی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔

آپ نے موضح القرآن کے نام سے قرآن مجید اردو ترجمہ وتشریح کے ساتھ تحریر کیا۔ شاہ عبدالقادر نے 63 سال کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ بمطابق 1814ء کو دہلی میں وفات ہوئی۔ اپنے جد امجد شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی دفن ہوئے۔ (ضیاء طیبہ)، (آزاد دائرۃ المعارف)

(129) ابن رُشد اندلسی

ابن رُشد (پیدائش: 14 اپریل 1126ء۔ وفات: 10 دسمبر (1198ء) مسلم فلسفی، طبیب، ماہر فلکیات اور مقنن تھے۔ بارہویں صدی میں ابن رشد مشہور ترین شخصیت ہیں۔

ابن طفیل اور ابن اظہر جیسے مشہور عالموں سے دینیات، فلسفہ قانون علم الحساب اور علم فلکیات کی تعلیم حاصل کی۔ خلیفہ یعقوب یوسف کے عہد میں اشبیلیہ اور قرطبہ کے قاضی رہے۔ ہسپانیہ خلیفہ المنصور نے کفر کا فتویٰ عائد کر کے ان کی تمام کتابیں جلا دیں اور انہیں نظر بند کر دیا۔ چند ماہ کی نظر بندی کے بعد مراکش چلے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ ارسطو کے فلسفے پر نہایت سیر حاصل شرحیں لکھیں جن کے لاطینی اور عربی کے علاوہ یورپ کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ابن رشد کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ انسان کا ذہن محض ایک طرح کی صلاحیت یا طبع ہے جو خارجی کائنات سے ذہانت حاصل کر کے اُسے عملی شکل دیتا ہے انسان از خود یا پیدائشی طور پر ذہین نہیں ہوتا۔ تمام انسانوں میں ذہانت مشترک ہے اور شخصی دوام کا نظریہ بے بنیاد ہے۔ نیز مذہب اور فلسفیانہ حقیقت میں تضاد ممکن ہے۔ یوں تو ابن رشد نے قانون، منطق، قواعد عربی زبان۔ علم فلکیات اور طب پر متعدد کتب لکھی ہیں۔ مگر ان کی وہ تصانیف زیادہ مقبول ہوئی ہیں جو ارسطو کے مابعد الطبیعات کی وضاحت اور تشریح کے سلسلے میں ہیں۔

ان کا پورا نام "ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی" ہے، 520 ہجری کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ان سے پہلے ان کے والد اور دادا قرطبہ کے قاضی رہ چکے تھے، انہیں قرطبہ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سوائے دو راتوں کے پڑھنا نہیں چھوڑا۔ پہلی رات وہ تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا اور دوسری رات جب ان کی شادی ہوئی۔

طب کی تعلیم انہوں نے ابی جعفر ہارون اور ابی مروان بن جربول الاندلسی سے حاصل کی۔سیاست اور نئے خلیفہ ابو یوسف یعقوب المنصور (1184۔1198) کی فلسفیوں سے نفرت اور حاسدین کی سازشوں نے خلیفہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے قاضی القضاۃ اور طبیبِ خاص پر کفر کا الزام لگا کر اسے الیسانہ (قرطبہ کے پاس ایک چھوٹا سا شہر جس میں زیادہ تر یہودی رہتے ہیں) ملک بدر کر دے، خلیفہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تمام فلسفیانہ تصانیف کو آگ لگا دی اور طب، فلک اور حساب کے علاوہ فلسفہ سمیت تمام جملہ علوم پر پابندی عائد کر دی۔

آگ نے ایک عظیم دماغ کے نچوڑ اور برسا برس کی محنت کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ بعد میں خلیفہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ابی الولید سے راضی ہو گئے اور انہیں اپنے دربار میں پھر سے شامل کر لیا مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی اور زندگی کے چار دن دونوں ہی کے پورے ہو چکے تھے۔ابن رشد اور خلیفہ المنصور دونوں ہی اسی سال یعنی 1198ء عیسوی کو مراکش میں انتقال کر گئے۔ابن رشد کی تصانیف کو چار زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے: فلسفی اور عملی تصانیف، طبی تصانیف، فقہی وکلامی تصانیف ادبی اور لغوی تصانیف۔جمال الدین العلوی نے ابن رشد کی 108 تصانیف شمار کی ہیں جن میں سے ہم تک عربی متن میں 58 تصانیف پہنچی ہیں۔(آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا)

(130) حضرت مولانا مفتی فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ بہاولپوری

آپ ۱۳۰۱ھ کو امبیٹھ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا محمد صدیق احمد دارالعلوم دیوبند اور متحدہ ہندوستان کے مشہور علماء ومشائخ میں سے تھے۔آپ کا نسب حضرت ابوایوبؓ انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔آپ نے شروع سے لے کر آخر تک تمام درسی کُتب اپنے والد سے پڑھیں۔علمِ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا احمد حسن امروہی سے کی۔

پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۵ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم جماعت تھے علمِ طب کی تحصیل حکیم حافظ اجمل خان کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید خان سے کی۔کچھ عرصہ کامیاب مطب بھی کیا مگر جب یہ تدریس میں حائل ہوا تو اسے چھوڑ کر آپ تدریس میں مشغول ہو گئے۔

15 فروری 1915ء کو بہاولپور آئے اور تدریس کا آغاز کیا، آپ اس کے ساتھ انسپکٹر مدارسِ دینیات کے منصب پر بھی کام کرتے رہے۔

1925ء میں جب جامعہ عباسیہ کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ اور آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور 1943ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

1943ء میں دارالعلوم دیو بند میں بطور صدر مفتی آپ کا تقرر ہوا اور 1947ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد پھر بہاولپور آ گئے اور تعلیمی خدمات میں لگ گئے اس دوران مدرسہ فقیر والی اور اشرف العلوم رحیم یار خان میں پڑھاتے رہے۔ 1959ء میں مکان کی چھت گرنے سے جب آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے مستقل طور پر بہاولپور میں قیام کا فیصلہ کیا۔

تدریس میں مشغولیت اس قدر تھی کہ جامعہ کے بعد گھر پہ بھی بیسیوں طلبہ کو مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اس کے باوجود آپ کی تصنیفی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی اسناد کو ایک نقشے کی صورت میں مرتب کیا جسے اہلِ علم نے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور بڑی بڑی درس گاہوں نے اپنے یہاں کے فارغ التحصیل علماء کو بطورِ انعام تقسیم کیا۔

قُوت المغتذی علٰی جامع الترمذی (العسقلانی و العینی) یہ بخاری شریف پر تحقیقی کام ہے ان کے علاوہ اپ کی بہت سی کتابیں غیر مطبوع آپ کے اولاد کے ہاں محفوظ ہیں۔

آخری وقت زبان'' تلاوت اور ذکر اللہ سے تر رہتی تھی۔ ۲۷ رمضان ۱۳۹۵ھ بوقت ۱۱ بجے دن آپ کا وصال ہوا، اور اسی دِن بعد از نمازِ عشاء نماز جنازہ میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور اللہ کے سپرد کر دیا۔ اولاد میں دو فرزند مولانا عثمان احمد اور مولانا محمد احمد (بہاولپوری تبلیغی جماعت والے) اور چار دختران ہیں۔ (مشاہیر علماء دیو بند ج ۱ ص ۳۸۷)

(131) حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ عباسی دور کے مشہور مسلمان عالم دین اور علم کلام کے بانی تھے۔ 873ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس برس تک معتزلی عقائد کے حامی رہے۔ پھر مسئلہ قدر کے بارے میں معتزلہ سے اختلاف ہو گیا۔ اور اس کے خلاف کئی کتب لکھیں۔ اسلام کے علمی عروج کے زمانے میں فلسفے کے دو مکاتب فکر کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک مکتب فکر معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا اشاعرہ یا اشعرئیین کے نام سے۔ آخر الذکر مکتب فکر اپنے بانی ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے۔ اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں معتزلہ کا جواب دیا ہے اور ان کے

دلائل کو بے بنیاد ثابت کیا ہے۔ ان کی تصانیف بے شمار تھیں مگر بیشتر ضائع ہو گئیں۔

آپ نے پہلی مرتبہ دلائل سے اور عقلی بنیاد پر اسلامی عقائد اور نظریات کی صداقت ثابت کی اور ایک نئے علم کی بنیاد ڈالی جو علم کلام کہلاتا ہے۔ جس کا مقصد عقلی دلائل سے اسلام کی سچائی ثابت کرنا ہے۔ آپ تقریباً ڈھائی سو کتب کے مصنف تھے جن میں: (۱) اَلاِبَانہ عن اصول الدیانۃ (۲) مقالات الاسلامیین (۳) کتاب اللمع فی الرد علی الزیع و البدع مشہور ہیں۔

آخری کتاب کا ترجمہ 1953ء میں انگریزی میں شائع ہوا۔ اشعری مکتب فکر کے مبلغین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے 935ء میں بغداد میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(132) امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ابوبکر محمد بن محمد طیب بن محمد جعفر باقلانی بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے علم الکلام اور علم نحو کے امام ہیں۔ آپ ''قاضی ابوبکر'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات موجود نہیں۔ بصرہ سے بغداد منتقل ہوئے، آپ اشعری المذہب تھے۔

آپ نے امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن احمد مجاہد طائی اور دیگر اشعری علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ آپ نے ۶۵ سال کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(133) حضرت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم اضبی طہمانی نیشاپوری کی ولادت ماہِ ربیع الاوّل ۳۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا وطن ایران کا مشہور مردم خیز شہر نیشاپور ہے۔ انہیں امام مسلم کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ ذوق علم اتنا بڑھا کہ نیشاپور سے نکل کر عراق، خراسان، ماوراء النہر کے بیشتر شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں سے کسب فیض کیلئے سفر کئے۔ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، قرأت، تصوف وسلوک اور تاریخ میں بھی مہارت پیدا کی۔ ان کے اساتذہ کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے۔

آپ کے چند اہم شیوخ واساتذہ یہ ہیں: محمد بن علی عمر ابوجعفر، ابوالعباس، محمد بن صالح ابوہانی، محمد بن عبداللہ صفار، ابوعبداللہ بن اخرم، ابوالعباس بن محبوب، ابوحامد بن حفویہ، حسن بن یعقوب بخاری، ابونصر محمد بن یوسف، ابوالولید، حسان بن محمد، ابوعمر بن سماک، ابوبکر نجاد، ابن

درستویہ، ابوسہل بن زیاد، عبدالرحمٰن بن حمدان جلاب، علی بن محمد بن عقبہ شیبانی، ابوعلی حافظ، ابن ابی ہریرۃ، ابومحمود ملیح بن احمد سنجری، ابوجعفر محمد علی، ابوحامد بن حسنویہ مقری، ابوسہل محمد بن سلیمان صعلوکی، محمد بن ابی منصور، صرام بن امام، علی بن علی نقار کوفی، ابوعیسیٰ بکار بغدادی، ابوعمر بن نجید، ابوالحسن بوشنجی، ابوسعید احمد بن یعقوب ثقفی، ابوالقاسم۔

آپ کے چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں دارقطنی، ابوالفتح بن ابوالوارس، ابوالعلاء واسطی، محمد بن یعقوب، ابوذر ہروی، ابویعلی خلیلی، ابوبکر بیہقی، ابوالقاسم قشیری، ابوصالح موذن، زکی عبدالحمید بجیری، عثمان بن محمد، ابوبکر احمد بن علی بن خلف شیرازی، علی بن امام، محمد بن منصور صرام، ابوعلی بن نقار (تذکرہ ج ۳ ص ۲۲۸) ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمان صابونی، ابوالقاسم بن عبداللہ بن احمد ازہری، ابوبکر بن علی بن اسماعیل قفال۔

آپ کی اہم تصنیفات میں (۱) الاربعین الامالی (۲) تراجم المسند علی شرط الصحیحین (۳) فضائل امام شافعی (۴) فضائل العشرۃ المبشرۃ (۵) فضائل فاطمہ (۶) فوائد الخراسانیین (۷) فوائد الشیوخ (۸) فوائد العراقیین (۹) مناقب الصدیق (۱۰) کتاب العلل (۱۱) تفسیر القران (۱۲) تاریخ نیشاپور (۱۳) معرفتہ علوم الحدیث المستدرك علی الصحیحین (۱۴) المدخل الی علم الحدیث۔

امام ابوعبداللہ حاکم اپنے وطن نیشاپور میں ۳ صفر ۴۰۵ھ کو وفعتہً دارفانی سے کوچ کر گئے۔ حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور صرف تہبند باندھے ہوئے تھے کہ ایک آہ کی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی عصر کے بعد تجہیز و تکفین کی گئی۔ قاضی ابوبکر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (ضیاء طیبہ ڈاٹ کام)

(134) حضرت امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام علی بن عمر اور کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ ۳۰۶ھ 918ء بغداد میں پیدا ہوئے۔ حسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار عبداللہ البغدادی ہے ان کا تعلق بغداد کے محلہ دارقطن سے تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں الدارقطنی کہا جاتا ہے۔ بچپن سے ہی بڑے بڑے ائمہ کرام سے تعلیم حاصل کی جن میں ابی القاسم البغوی، یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابی بکر بن ابی داؤد، ابی بکر النیشابوری، الحسین بن اسماعیل المحاملی، ابی العباس ابن عقدہ، اسماعیل الصفار اور دیگر

شامل ہیں۔

جوانی میں شام اور مصر گئے اور ابن حیویہ النیشا بوری اور ابی الطاہر الذہلی اور دیگر سے درس لیا، وہ علم حدیث اور رجال حدیث کے عارف تھے، قرأتیں اور ان کے انداز کے متقدمین میں سے تھے، فقہ اختلاف اور مغازی اور ایام الناس پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف 80 سے زائد ہیں جن میں العلل و السنن ان کی مایہ ناز کتاب ہے کچھ دیگر تصانیف یہ ہیں: (۱) سنن دارقطنی، (۲) الافراد و الغرائب، (۳) المو تلف و المختلف فی اسماء الرجال، (۴) الضعفاء والمتروکون، (۵) الالزامات علی صحیحی البخاری و مسلم۔

آپ ۳۸۵ھ بمطابق 995ء کو انتقال کر گئے اور بغداد کے قبرستان باب الدیر میں معروف الکرخی کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(135) حضرت امام مردینی رحمۃ اللہ علیہ

علی بن عثمان بن ابراہیم ماردینی: علاء الدین لقب تھا لیکن ابن ترکمانی سے مشہور تھے۔ فقہ و اصول میں امامِ عالم، شیخ کامل، بارع، محقق، مدقق اور فنون عقلیہ و نقلیہ میں ماہر متبحر اور حدیث و تفسیر میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ فرائض، حساب شعر، تواریخ میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ مدت تک ولایت مصر کے قاضی رہے۔ تصانیف کثرت سے کی چنانچہ آپ کی تصانیف سے بہجۃ الاعاریب بمافی القرآن من الغریب ، المنتخب فی الحدیث ، المؤتلف و المنختلف ، کتاب الضعفاء و المتروکین، جواهر النقی فی الرد علی البیہقی ، المتصل فی الکلام ، معدن فی اصول الفقه ، مختصر رسالة القشیری ، مختصر علوم الحدیث لابن الصلاح وغیرہ ذلک مشہور و معروف ہیں۔ علاوہ ان کی کتاب ہدایہ کو بھی مختصر کر کے اس کا نام کفاریہ رکھا اور پھر اس کی شرح کرنی شروع کی تھی مگر اس کو تمام نہ کر سکے کہ عاشورہ کے روز ۷۵۰ھ میں موت کا پیادہ آ گیا۔ ”ہادیٔ خلق“ تاریخ وفات ہے۔

آپ کے بعد آپ کے بیٹے قاضی القضاۃ عبداللہ بن علی نے شیخ مذکور کو پورا کیا۔ صاحبِ جواہر مضیہ لکھتے ہیں کہ میں نے علی بن ترکمانی سے ایک پارہ ہدایہ کا پڑھا اور حدیث میں آپ کی ملازمت کی، سیوطی نے آپ کی ولادت ۶۸۳ھ اور وفات ۷۴۶ھ میں قرار دی ہے۔

(حدائق الحنفیہ ، ضیاء طیبہ)

(136) حضرت مولانا ابو السعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابو السعد احمد خان بن مستی خان بن ملک غلام محمد ''راجپوت تلوکر'' قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۹۷ھ/ 1879-80ء میں بکھڑا ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام محمد بکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور موضع سیوان میں مولانا عطا محمد قریشی سے اور موضع بندیال (میانوالی) میں مولانا نامی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ بندیال میں متوسطات تک کتابیں پڑھ کر مدرسہ شاہی مراد آباد چلے گئے، وہاں سے کانپور گئے۔ مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبید اللہ بکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل تعلیم کی۔ ماہ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ میں وطن مالوف واپس آئے۔

جس زمانے میں بندیال میں پڑھتے تھے۔ پیر سید لعل شاہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ پیر سید لعل شاہ کی رحلت پر خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے پہلے تکمیل تعلیم کا مشورہ دیا۔ جب فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ انتقال کر چکے تھے۔ تجدید بیعت حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ (موسیٰ زئی شریف) سے کی۔ بعد میں ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ خانقاہ سراجیہ مجددیہ کی تعمیر ۱۳۳۸ھ میں شروع کی گئی، بیس سال یہیں بیٹھ کر علمی و دینی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ آخر عمر میں متعدد جسمانی عوارض لاحق ہو گئے تھے جن میں ''ضیق النفس'' سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ آخر اپریل 1940ء میں حکیم عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نابینا سے علاج کے لئے دہلی گئے۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر 2 مارچ 1941ء کو بغرض علاج وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبد الصمد کانپوری کے علاج سے افاقہ ہوا۔ کافی صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا مگر روانگی سے ایک دن پہلے ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ/ 14 مارچ 1941ء کو سحری کے وقت بیدار ہوئے۔ بحالت مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور اسی حالت میں رفیق علیٰ سے جا ملے۔ میت خانقاہ کندیاں لائی گئی اور ۱۴ صفر ۱۳۶۰ھ کو تدفین عمل میں آئی۔

مولانا احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، تاریخ و سیر اور تصوف پر بیش بہا ذخیرہ کتب جمع کیا۔ ایک بار مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے تو نادر کتابوں کا یہ ذخیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے جو وقت کتب خانے میں گزارا اور اسے مغتنمات زندگی میں شمار کیا۔ ان کے خلفاء

میں حسب ذیل ہیں: (۱) مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند (جانشین اعلیٰ)، (۲) مولانا مفتی عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ (مجاز) ساکن ریاست مالیر کوٹلہ، (۳) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (مجاز) بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا۔

ان کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے: (۱) مولانا محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ، (۲) مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ، بزمانہ طالب علمی وفات پاگئے تھے، (۳) مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ۔ (تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۳۴۹)

(137) حضرت مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میلسیاں (زرعی فارم ساہیوال) کی تحریک وتحریض پر سکول چھوڑ کر دینی تعلیم حاصل کی تھی اور تعلیم کا آغاز حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میاں چنوں) سے کیا تھا اُن دنوں حضرت مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ دھرم کوٹ میں درس وتدریس میں مشغول تھے، چنانچہ آپ پہلے حصول تعلیم کے لئے دھرم کوٹ گئے اور حضرت مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور چار سال تعلیم حاصل کرتے رہے، ۱۳۳۹ھ/ 1920ء میں فراغت حاصل کی، 1926ء میں آپ سلسلہ نقشبندیہ کے ممتاز شیخ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب نوراللہ مرقدہ بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف سے بیعت ہوئے، بیس برس شیخ کی خدمت میں رہ کر سلوک حاصل کیا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نہایت گہرا تعلق تھا۔ ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ/ 7 جون 1956ء میں انتقال ہوا اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے احاطہ میں تدفین ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین بنے۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۹۸)

(138) حضرت مفتی عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ساکن ریاست مالیر کوٹلہ۔ آپ اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفائے میں سے تھے۔ درسِ نظامیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ فقہ وحدیث میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب مفتی ریاست مالیر کوٹلہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شروع میں مسجد محلّہ کھٹیکاں میں امام وخطیب مقرر ہوئے۔ بعدازاں انٹر کالج مالیر کوٹلہ میں عربی کے پروفیسر متعین ہوئے۔ مفتی خلیل احمد صاحب کے انتقال پر منصبِ افتاء بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اسی دوران

آپ کسی چشتی بزرگ سے بیعت ہوئے اور سلوکِ چشتیہ کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد اجازت حاصل کر چکے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

مستری ظہور الدین صاحب، مفتی صاحب کے قریب ہی رہائش پذیر تھے۔ حضرت اعلیٰ محلّہ معماراں میں مستری صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لائے تو مفتی صاحب نے وہاں آپ کی زیارت کی، حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور پہلی توجہ ہی میں مغلوب الحال ہو گئے۔ پھر خانقاہ سراجیہ حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات کے باعث ایک ہفتہ میں ولایتِ علیا تک مدارجِ سلوک طے فرمائے۔ مجازِ طریقت ہو کر مالیر کوٹلہ واپس تشریف لے گئے۔ وہاں حسبِ ارشادِ شیخ ذکر وفکر کے ساتھ درسِ حدیث کا شغل بھی جاری رکھا۔

اعلائے کلمۃ الحق کے باعث پروفیسری اور اِفتاء ہر دو عہدوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ مسلمانانِ پٹیالہ کے ایک وفد کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ خطابت و افتاء کا منصب سنبھالا اور درس و تدریسِ حدیث کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر مسجد توکلی میں ایک مدرسہ عربیہ جاری کیا، امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ مسجد و مدرسہ کی توسیع فرمائی۔ 1941ء میں موسمِ گرما کے آغاز میں بیمار ہو کر پٹیالہ سے مالیر کوٹلہ چلے آئے اور یہاں چند روزہ علالت کے بعد مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ابداً سرمداً۔ (تحفۂ سعدیہ: ص172)

(139) حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ ۱۹ ذی قعد ۱۲۸۳ھ/ 25 مارچ 1867ء میں میانوالی کے ایک قصبے واں بچھراں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میاں محمد اور دادا کا نام عبداللہ ہے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ بعد ازاں آپ موضع سِلواں میں پڑھنے کے لئے گئے وہاں فارسی کی باقی ماندہ کتب اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ کچھ کتابیں شادیہ نزد بندیال میں پڑھیں۔ کچھ کتابیں بندیال میں مولانا محمود صاحب سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لئے ۱۳۰۲ھ/ 1885ء میں گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر حضرت کے حکم سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر پڑھی۔ اس کے بعد کانپور تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے باقی ماندہ کتابیں پڑھ کر علوم کی

تکمیل کی۔ فراغت کے بعد آپ اپنے وطن واں بچھراں تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔

آپ علاقہ موسیٰ زئی شریف کے بہت بڑے بزرگ حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کے صاحبزادۂ گرامی حضرت مولانا سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ کا دورۂ تفسیر بہت معروف و مقبول تھا جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوا کرتے تھے، آپ نے اپنے علاقہ میں توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کے خلاف کام کیا جس کی وجہ سے آپ کو بہت سی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ رجب ۱۳۶۲ھ/ 1943ء میں آپ کا انتقال ہوا اور واں بچھراں کے قریب بستی میں اپنے مدرسہ و مسجد کے قریب احاطہ میں تدفین ہوئی۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر، مولانا غلام اللہ خان صاحب معروف ہیں بہت سی کتابیں آپ کی یادگار ہیں جن میں ''تحریراتِ حدیث'' اپنے موضوع پر اہم کتاب ہے۔

(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۰۰)

(140) حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور صوفی ہیں جو حکیم ترمذی کے نام سے مشہور ہیں آپ کی وفات (لگ بھگ ۳۲۰ھ میں ہوئی، آپ کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن ہے۔ آپ کا شمار ترمذ کے اکابر صوفیا میں ہوتا ہے، مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے فن حدیث کی تحصیل کے لئے مختلف ممالک کے سفر کئے۔ آپ نیشا پور ۲۸۵ھ میں آئے تھے۔ آپ کے شیوخ حدیث میں آپ کے والد علی بن حسن، قتیبہ بن سعید، حسن بن عمر بن شفیق، صالح بن عبداللہ ترمذی، یحیٰ بن موسیٰ، عتبہ بن عبداللہ مروزی، عباد بن یعقوب رواجنی شامل ہیں۔ آپ کے مشہور تلامذہ: یحیٰ بن منصور قاضی، حسن بن علی اور علماء نیشا پور۔ ''ختم الولایة''، ''العلل الشریعه''، ''نوادر الاصول من احادیث الرسول'' اور ''الریاضة و ادب النفس'' آپ کی تصانیف ہیں۔ اہل ترمذ نے انہیں کتاب ختم الولایۃ اور علل الشریعہ کی وجہ سے شہر سے نکال دیا تھا کہ حکیم ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے تھے۔ آپ ترمذ سے نکل کر بلخ آ گئے، یہاں کے لوگوں نے مذہب کی موافقت کی وجہ سے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی۔

بعض لوگ امام ترمذی اور حکیم ترمذی کو بھی ایک ہی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ یہ دو الگ شخصیات ہیں، امام ترمذی مشہور امام حدیث ابوعیسی محمد بن عیسی السلمی الترمذی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۲۰۹ھ وفات 279ھ) ہیں جو جامع الترمذی اور الشمائل النبویہ کے جامع اور مرتب ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ طبقہ ۱۰)، (انٹرنیٹ)

(141) حضرت مولانا نذیر احمد عرشی دھنولوی رحمۃ اللہ علیہ

نذیر بیگ نام، عرشی تخلص، ولدیت مولانا عبدالکریم، پیدائش 1884ء وفات ستمبر 1947ء، عمر ۶۳ سال، وطن قصبہ دھنولہ، ریاست نابھہ۔ آپ مستند عالم، ماہر طبیب، نامور ادیب، فاضل مصنف اور پختہ کلام شاعر تھے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے اور پنجاب یونیورسٹی سے علومِ شرقیہ میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی سندات حاصل کیں۔ علمِ دین اور فنِ طب میں کمال حاصل کیا۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے وطن قصبہ دھنولہ ہی میں قیام فرمایا۔ مطب کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شغلِ خاص بھی جاری رکھا اور مدرسہ کریمیہ دھنولہ میں تدریس و تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی مولانا عبدالکریم تھا۔ اس مناسبت سے درس گاہ کا نام ''مدرسہ کریمیہ'' رکھا۔ آپ خطابت میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ تقریباً ۲۷ کتابیں، رسالے اور تراجم مرتب کئے۔

تعلیم البنات، مواعظ عرشی، خطباتِ عرشی اور مثنوی مولانا روم کی شرح مفتاح العلوم عام فہم اور سلیس اردو میں اکیس جلدوں میں مرتب فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور آ کر پرائیویٹ ادارۂ تعلیم جامعہ شرقیہ کے نام سے گوالمنڈی، لاہور میں قائم کیا۔ اس ادارہ میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات منشی فاضل، ادیب عالم اور ادیب فاضل کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ ''درِ مختوم'' کے نام سے مثنوی مولانا روم علیہ الرحمہ کا ایک حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ فنِ حدیث میں ''کنز الآثار'' تالیف فرمائی۔ فنِ طب کے سلسلہ میں ''کلیدِ مطب''، ''بیاضِ کریمی''، ''مفرداتِ عرشی''، ''انمول علاج'' اور ''کلید عطاری'' ایسی متعدد کتابیں ترتیب دیں جن میں معمولاتِ مطب، نسخہ جات اور ادویہ مفردہ کے خواص و امزجہ اور دوا سازی کے اصول و طریق مفصل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

تصوف کے سلسلہ میں آپ کی گرانقدر تالیف ''تحفۂ سعدیہ'' ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے تعارف و حالات پر مشتمل ہے جن سے مؤلف موصوف نے خود بھی کسبِ فیض کیا اور پھر اُن کی

وساطت سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے عرفان کی منازل کو طے کیا۔ ''تحفہ سعدیہ'' ایک حد تک آپ بیتی کا بیان ہے۔ اہلِ تقویٰ کے شعار کو ملحوظ رکھتے ہوئے لباس اور وضع قطع میں اس قدر سادگی پسند تھے کہ ان کے بعض ملاقاتی انہیں پہچاننے میں دھوکہ کھا جاتے تھے۔ ذکر و شغل اور مراقبہ کی پابندی ہر حال میں پیشِ نظر رہتی تھی۔ بینک کے سود سے بھی منع کیا کرتے تھے۔

خانقاہ سراجیہ میں آپ کی حاضری پہلی مرتبہ ۲۳ شوال ۱۳۵۰ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔ بیعت کا شرف اس تاریخ سے پیشتر مالیر کوٹلہ میں مستری ظہور الدین رحمہ اللہ کے مکان پر حاصل ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ کی حیات ہی میں منازلِ سلوک معتدبہ درجات و مقامات تک طے فرما کر طریقہ نقشبندیہ کی تبلیغ و ترویج کے مجاز قرار دیئے جا چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفاتِ حسرت آیات ۱۳۶۰ھ میں ہوئی۔ اسی طرح شیخِ کامل سے تکمیلِ سلوک کے لئے دس سال کا عرصہ نصیب ہوا۔ تقسیم کے بعد جب نقلِ مکانی کا مرحلہ آیا اور کفار نے بے دریغ مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کو تہِ تیغ کرنا شروع کر دیا تو اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ غرض آپ اپنے ساتھیوں سمیت کفار سے دست بدست لڑتے رہے تا آنکہ مقام تلونڈی ہڈانوالی علاقہ ریاست نابھہ میں جام شہادت نوش کیا۔ (تحفہ سعدیہ ج ۱ ص ۳۱)

(142) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سیوطی کی ولادت ہفتہ یکم رجب ۸۴۹ھ بمطابق 2 اکتوبر 1445ء کو مصر کے قدیم قصبے اَسْیُوط میں ہوئی اسی نسبت سے آپ کو سُیُوطی کہا جاتا ہے ان کا اصلی نام عبدالرحمٰن۔ کنیت ابو الفضل، لقب جلال الدین اور عرف ابن الکتب ہے۔ آپ کے والد کمال الدین ابی بکر نے عباسی خلیفہ المستکفی باللہ کے انتقال کے صرف چالیس روز بعد محرم ۸۵۵ھ میں خلیفہ قائم بامر اللہ کے عہد میں وفات پائی۔

8 سال کی عمر میں شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفی کی خدمت میں رہ کر قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد شیخ شمس سیرامی اور شمس فرومانی حنفی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور ان دونوں حضرات سے بہت سی کتب پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ شہاب الدین الشارمسامی اور شیخ الاسلام عالم الدین بلقینی، علامہ شرف الدین النادی اور علامہ محی الدین کافیجی قابل ذکر ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اشتغال علمی ۸۶۴ھ سے شروع ہوتا ہے، فقہ اور نحو کی کتب ایک جماعت شیوخ سے پڑھیں۔ علم

فرائض شیخ شہاب الدین الشار مسامی سے پڑھا ۸۶۶ھ کے آغاز میں ہی آپ کو عربی تدریس کی اجازت مل گئی اور اسی سال آپ نے سب سے پہلے شرح استعاذ اور شرح بسم اللہ تصنیف کی اور ان دونوں کتب پر آپ کے استاد خاص شیخ عالم الدین بلقینی نے تقریظ لکھی تھی۔ مختلف شیوخ سے علوم و فنون کی تکمیل کے بعد ۸۷۱ھ میں افتاء کا کام شروع کیا۔ ۸۷۲ھ میں آپ کو دورہ حدیث کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

آپ نے کہا ہے کہ حج کے موقع پر میں نے آبِ زمزم پیا اور اُس وقت یہ دعا مانگی کہ علم فقہ میں مجھے علامہ بلقینی اور حدیث میں علامہ ابن حجر عسقلانی کا رتبہ مل جائے آپ کی یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگئی۔ دو لاکھ احادیث یاد تھیں۔ آپ سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے ستر بار سے زائد مشرف ہوئے۔ علامہ سیوطی کثیر التالیف علماء میں سے تھے، مولانا عبدالحلیم چشتی نے فائد جامعہ بر عجالا نافعۃ، میں 506 کتب کی فہرست ترتیب دی۔

آپ کی معروف کتب یہ ہیں: (۱) تفسیر جلالین (تفسیرِ قرآن)، (۲) الاتقان فی علوم القرآن، (۳) الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر، (۴) الجامع الکبیر، (۵) الحاوی للفتاوی، (۶) احیاء المیت بفضائل اہل البیت، (۷) الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، (۸) تاریخ الخلفاء، (۹) شرح السیوطی علی سنن النسائی، (۱۰) عین الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، (۱۱) شمائل کبریٰ۔

آپ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مورخ بھی تھے، خلفائے ملت اسلامیہ پر آپ کی تصنیف تاریخ الخلفاء ہے۔ ہر خلیفہ کے عہد میں وفات پانے والے علماء کا بھی ذکر اور اُس خلیفہ سے روایت کی گئیں احادیث کو بھی بیان کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ 892 قمری سالوں (۱۱ھ سے ۹۰۳ھ تک) خلفاء کے عہد خلافت پر ایک نایاب تصنیف ہے۔

علامہ سیوطی نے 61 سال 10 مہینے 18 دن اس عالم ناپائیدار میں گزار کر ایک معمولی سے مرض، ہاتھ کے ورم میں شبِ جمعہ ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ بمطابق 17 اکتوبر 1505ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔ اس وقت مصر میں عباسی خلیفہ المستمسک باللہ کا عہد خلافت تھا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(143) حضرت مولانا حافظ غلام محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (جہانیاں منڈی)

الحاج مولانا حافظ غلام محمد لدھیانوی ولد الحاج نبی بخش لدھیانوی خطیب اعلیٰ مرکزی جامع مسجد مدرسہ رحمانیہ جہانیاں منڈی تاریخ پیدائش 1892ء تاریخ وفات 1974ء جنوری۔ قبر

چک نمبر R-10/112 قبرستان میں ہے۔ (خاندانی روایت)

(144) رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے ہیں۔ آپ کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے، حبیب الرحمٰن بن زکریا بن محمد بن عبدالقادر بن محمد وارث بن خلیفہ جان محمد رحمہم اللہ، مولانا عبدالقادر لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دہلی میں ہم درس وہم سبق رہے ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے 1857ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دیا۔ 29 دسمبر 1929ء کو مجلس احرار اسلام ہند قائم ہوئی اور آپ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اکثر اسباق حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے۔ آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ ان کے حکم پر آپ کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمایا۔ 3 جولائی 1892ء/ ۱۱ صفر ۱۳۱۰ھ بروز اتوار آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۱ صفر ۱۳۷۶ھ / 2 ستمبر 1956ء بروز اتوار صبح آٹھ بجے دہلی میں آپ کا انتقال ہوا۔ بعد ظہر حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تین بجے جامع مسجد دہلی کے ملحقہ قبرستان میں جہاں آپ کی اہلیہ کی قبر ہے وہیں آپ کی تدفین ہوئی۔ اسے قدرت کا کرشمہ کہیے یا مولانا کی کرامت کہ آپ کی ولادت بھی ۱۱ صفر بروز اتوار کو ہوئی اور وفات بھی ۱۱ صفر بروز اتوار کو ہوئی۔ وفات کے وقت آپ نے باآواز بلند تین دفعہ کلمہ پڑھا اور جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

آپ کی سات بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں، صرف ایک فرزند حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے فیصل آباد آئے جو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔ آپ مدرسہ مظاہر العلوم کے فاضل تھے۔ (بیاد مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۶۱)

(145) حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1890ء کے عشرہ میں لدھیانہ شہر میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد پشت ہا پشت کی رہائش لدھیانہ کے "گوجروں والے محلہ" میں تھی۔ بچپن میں ہی آپ کی والدہ اللہ کو پیاری ہوگئیں

اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی۔ غالباً ان کی تعلیم میٹرک تک تھی۔ بعدازاں انہوں نے شہر میں ہوزری کا کارخانہ لگالیا۔ پہلی شادی ان کے خاندان میں ہی ہوئی۔ اس شادی سے ان کے ہاں ایک بیٹی خدیجہ پیدا ہوئی۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد انہوں نے جالندھر شہر کی ایک ارائیں فیملی میں دوسری شادی کی۔ دوسری شادی سے تین بیٹے صلاح الدین، نظیر اکبر اور نظیر اصغر جبکہ دو بیٹیاں سلمٰی اور شرف سلطانہ پیدا ہوئیں۔

آپ کے سسر اسماعیل آرائیں زمیندار تھے۔ ان کی رہائش جالندھر شہر کی ساتھ ''شیخاں کی بستی'' میں تھی۔ 1919ء میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے قبل لدھیانہ میں کاروبار اتنی وسعت اختیار کر چکا تھا کہ ان کی ہوزری کا تیار کردہ سامان لندن تک جاتا تھا۔

اتنے امیر تھے کہ لوگ انہیں لدھیانہ کا ''رئیس اعظم'' کہا کرتے تھے۔ 1919ء میں امرتسر شہر کے جلیانوالہ باغ میں انگریز جرنیل ڈائر کے حکم پر نہتے شہریوں پر فوجیوں نے فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں سینکڑوں ہندوستانی مارے گئے۔ اس حادثے نے آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔ انہوں نے اپنی باقی زندگی انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے وقف کردی۔ آپ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی سیاست کی ابتداء کانگریس کے ساتھ کی اور پھر مجلس احرار اسلام ہند کے قیام کے بعد احرار میں شامل ہو گئے۔ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے کاروبار پر ان کی توجہ کم ہوتی گئی جس کا نتیجہ کاروبار کے زوال کی صورت میں برآمد ہوا۔ انگریز نے انہیں ایک سے زیادہ مرتبہ شہر بدری کی سزا بھی دی۔ یہ وقت ''سہارن پور'' شہر میں نواب مقصود علی خان اور نواب محمود علی خان کی کوٹھی میں ان کے پاس گزارتے۔

آپ نے تقسیم ہند کے وقت جب لدھیانہ میں فسادات کی ابتداء ہوگئی اور مسلمانوں کو ہجرت کرنے کیلئے ڈپٹی کمشنر نے قلعہ محلّہ کے باہر بنائے گئے عارضی کیمپ میں منتقل ہونے کا حکم دیا تو آپ نے اس دوران بہت ہی بہادری کے ساتھ محلّہ گھوم کر لوگوں کو بحفاظت پہنچانے کی خدمت انجام دی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان میں مجلس احرار اسلام کے صدر بھی رہے۔ ماسٹر جی کا ایک بیٹا نوجوانی میں ہی انتقال فرما گیا تھا۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کی تحریک آزادی کے سلسلے میں پانچ یا چھ مرتبہ جیل میں رہے۔ (قافلہ علم وحریت ص ۵۳۰)

ہجرت کے بعد آپ کے خاندان نے سیالکوٹ میں رہائش کا فیصلہ کیا قیام پاکستان کے بعد دو کتابیں ''آپ بیتی'' اور ''سرخ لکیر'' لکھیں۔ آپ بیتی میں انہوں نے اپنی ذاتی سیاسی وسماجی زندگی پر خامہ فرسائی کی جبکہ سرخ لکیر میں تقسیم ہندوستان اور 1947 میں ہونے والے فسادات کو موضوع بنایا۔ یکم مئی 1970ء کو اپنی وفات سے دو منٹ پہلے آپ نے کہا کہ راستہ چھوڑ دو شاہ جی آگئے ہیں گلوکوز اتار دو یہ کہہ کر وہ دوبارہ لیٹ گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے جسد خاکی کو مجلس احرار کے پرچم میں لپیٹ کر لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔ ماسٹر صاحب کی اولاد سیالکوٹ میں مقیم ہے۔ (1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری ص ۱۵۹۹)

(146) حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

آپ فروری 1896ء کو قصبہ ''رائے پور آرائیاں'' تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں جناب حاجی محمد ابراہیم صاحب آرائیں کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ''جامعہ رشیدیہ'' رائے پور گوجراں'' ایک قریبی قصبہ کے مدرسہ میں پائی، اسی دوران آپ کو مولانا مفتی فقیر اللہ تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کا موقع ملا، مگر ابتدائی تعلیم زیادہ تر حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور بیس سال کی عمر میں امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد قصبہ سلطان پور لودھی ریاست کپورتھلہ میں تین سال تدریس کی پھر حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر ''مدرسہ خیر المدارس'' جالندھر کی بنیاد ڈالی، تدریس کی ساتھ وعظ وتبلیغ اور بحث ومناظرہ میں بھی حصہ لیتے رہے اور فرق باطلہ کو شکست دیتے رہے۔ اسی دوران ''تحریک شہید گنج'' میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر آپ نے ''مجلس احرار اسلام'' میں شرکت فرمائی۔ 1939ء میں انگریزی فوج میں مسلمانوں کے بھرتی ہونے کو جب علماء نے حرام قرار دیا تو آپ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کی پاداش میں فرنگی حکومت نے آپ کو تین سال قید کی سزا دی جو آپ نے جالندھر، گجرات اور امرتسر کی جیلوں میں کاٹی۔ اسی دوران آپ کے والد محترم اور دو بھائیوں کا انتقال ہوا۔

1943ء میں آپ نے ''جالندھر'' سے تحصیل صادق آباد ہجرت کی، خاندان تو ''فیروزہ'' میں مقیم ہوا مگر آپ کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز ملتان رہا۔ اس دوران مسجد سراجاں والی

حسین آگاہی ملتان میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قیام ملتان کے دوران آپ نے مولانا خیر محمد صاحب کے ساتھ ''خیر المدارس'' کے قیام کے سلسلہ میں بھرپور تعاون فرمایا اور اسی مدرسہ میں شعبہ تجوید وقرأت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی مگر دینی کام کرنے کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے صدر اور آپ ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ صدر مقرر ہوئے اور آپ بدستور ناظم اعلیٰ رہے۔ 1953ء میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دلانے کے لئے تحریک ختم نبوت چلائی گئی دیگر علماء کی ساتھ آپ کو بھی قید و بند کا تحفہ ملا۔

1967ء میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ اس مجلس کے امیر منتخب ہوئے۔ اس دوران آپ نے دفتر مرکزیہ ملتان کی سہ منزل عمارت بنوائی، اندرونِ ملک ہر شہر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں، آپ ہی کی کوششوں سے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں مجلس کا کام شروع ہوا۔ لٹریچر شائع کروا کر ملک اور بیرون ملک بجھواتے رہے۔ بیرونی ممالک میں آپ کے ایماء پر مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ نے انگلینڈ، جزائر، فجی وغیرہ کا دورہ کیا، عرب ممالک کے تمام شیوخ کو بذریعہ لٹریچر اور خط و کتابت قادیانیوں کے غلط عقائد و عزائم سے آگاہ کرتے رہے۔ جولائی 1970ء میں افریقہ میں ختم نبوت کا مستقل مشن قائم کرنے کی خاطر نائجیریہ کا انتخاب کیا۔

بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ 5، 6 اپریل 1971ء کی درمیانی شب کو جب آپ سلانوالی ضلع سرگودھا میں تقریر کر رہے تھے، دل کی تکلیف محسوس ہوئی۔ رات کے گیارہ بجے دل کا دورہ پڑا، بعد میں آپ کو ملتان لے جایا گیا اور علاج شروع ہوا پہلے کچھ طبیعت سنبھل گئی مگر دوسرے اور پھر تیسرے دورہ نے کام تمام کردیا۔ آخری دورہ ۲۶ صفر ۱۳۹۱ھ 21۔ اپریل 1971ء کو پڑا تھا۔ اس وقت اللہ اور ختم نبوت کے لفظ کہنے پائے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

دفتر ختم نبوت ملتان سے آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ نمازِ جنازہ کی امامت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے قلعہ کہنہ کے مقام پر کرائی۔ جامعہ خیر المدارس میں مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو

میں لحد میں اتارا۔ (خدام الدین لاہور، 19 مئی 1972ء ص ۱۲)

اولاد میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ حبیب الرحمٰن (م 1993ء)، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری (ناظم اعلیٰ مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت) اور حفظ الرحمٰن شامل ہیں۔
(مشاہیر علماء دیوبند ج ا ص ۵۴۴)

(147) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ/ 1833ء میں ہوئی، آپ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور سرسیّد احمد خاں کے ہم جماعت اور استاد بھائی بھی تھے۔ آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مروجہ درسی کتابیں پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کر کے اسلام کی برتری قائم کر دی، شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ تحذیر الناس، آب حیات، تقریر دلپذیر، انتباہ المومنین، مباحثہ شاہجہان پور، ہدیۃ الشیعہ اور قبلہ نما آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

''مولوی محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤ الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا تاریخی نام خوشید حسین ہے۔ ابتداء میں شیخ نہال احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی محمد نواز سہارن پوری سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ/ 1844ء میں دہلی پہنچے، مروجہ درسی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتوی مدرس اوّل مدرسہ دہلی سے پڑھیں اور حدیث کی سند شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی اور تحصیل علوم سے فراغت حاصل کر کے کچھ دنوں مدرسہ انگریزی واقع دہلی سے متعلق رہے، پھر اس تعلق کو ترک کر کے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ ۱۲۷۷ھ/ 1861ء میں بیت اللہ کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر نزیل مکہ معظمہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مرید ہو کر واپس ہوئے اور مدرسہ اسلامیہ (دیوبند) کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی۔ اس کے بعد ۱۲۸۵ھ/ 1869ء میں دوبارہ حج بیت اللہ کی زیارت کے لئے گئے۔ پھر وطن واپس آئے اور دہلی میں علوم کی تدریس و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

1857ء کے ہنگامہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیّ رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں شاملی کے میدان میں علم جہاد بلند کرنے والوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی پیش پیش تھے۔ بلکہ امیر

لشکر بھی منتخب ہوئے تھے۔ سب سے عظیم الشان کارنامہ وہ ہے جس نے رہتی دنیا تک ان کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ ہماری مراد قیام دارالعلوم دیوبند سے ہے۔

آپ اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، زیادہ تر کلام حمد ونعت پر مشتمل ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد چاروں سلسلوں میں ان کے مجاز ہوئے۔ بروز پنجشنبہ (جمعرات) وقت ظہر چہارم جمادی الاول ۱۲۹۷ھ/ 1880ء میں تپ اور عرض ذات الجنب کے مرض میں انتقال فرمایا۔ ان کے شاگردوں میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا فخر الحسن گنگوہی اور مولانا احمد حسن امروہوی مشہور ہیں۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج۱ ص۱۵۵)

(148) سید میر حسن

مولوی سید میر حسن کی پیدائش بروز جمعرات ۲۹ ربیع الاول ۱۲۶۰ھ/ 18 اپریل 1844ء کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ سیالکوٹ اُس وقت سِکھ سلطنت کا حصہ تھا۔ میر حسن مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، اُن کی ابتدائی تعلیم دِینی اعتبار سے ہوئی۔ عہد جوانی میں وہ کسی عطیہ پر زندگی بسر کرنے کو مخالف تھے۔ 1863ء میں 19 سال کی عمر میں وہ دہلی پہنچے اور وہاں مرزا غالب سے ملاقات کی۔ اس کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں بطور استاد عربی اور فارسی زبان تدریس کرنے لگے۔

میر حسن سر سید احمد خان کے پرستار تھے۔ وہ محمڈن ایجوکیشن کانفرنس کے باقاعدہ دورہ کرنے والے اشخاص میں شامل تھے۔ میر حسن اپنے علاقہ میں علی گڑھ تحریک کے نمایاں کارکن تھے۔ مولوی سید میر حسن کی وجہ شہرت اُن کے نامور شاگرد علامہ محمد اقبال ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے آپ سے عربی اور فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ محمد اقبال میں جذبہ شاعری کو بیدار کرنے والے میر حسن ہی تھے۔

بروز بدھ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ/ 25 ستمبر 1929ء کو 85 سال 5 ماہ 7 دن کی عمر میں سیالکوٹ میں وفات پائی۔ جمعرات 26 ستمبر 1929ء کو سیالکوٹ میں کثرت اژدھام میں آپ کی نمازِ جنازہ اداء کی گئی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خود جنازے کو کندھا دیا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(149) حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام سلیمان بن مہران کاہلی اسدی ہے۔کنیت ابو محمد اور اعمش لقب ہے۔ یہ بنو کاہل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بنی کاہل بنی اسد خزیمہ کی شاخ ہے۔ ۶۰ھ سنہ میں مُلک ''رے'' میں پیدا ہوئے۔لوگ اٹھا کر کوفہ لائے۔ بنی کاہل کے ایک آدمی نے خریدا اور آزاد کر دیا۔ان علماء میں سے تھے جو فن حدیث اور قرأت میں مشہور ہیں۔خلق کثیر نے ان سے روایت کی۔ سنہ ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ (فتح الکمال فی اسماء الرجال ص ۷ ۳)

آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے حدیث کا سماع کیا۔آپ کے اساتذہ میں عبداللہ بن اوفی، عکرمہ، ابو وائل، ابوعمرو، شیبانی، ابراہیم نخعی وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں۔آپ کے شاگردوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، وکیع، عبیداللہ بن موسیٰ، یعلی بن عبید، ابو نعیم وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔آپ سے تقریباً ۱۳۰۰ ۱۱، احادیث مروی ہیں۔تقریباً ۷۰ سال تک آپ سے تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ ۸۷ سال عمر ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۷ ۱۳)

(150) حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش سنہ ۲۰۰ھ 816ء ''رے'' میں ہوئی۔محدث، عالم، مدونِ حدیث تھے۔ ابوزرعہ الرازی مشہور حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں۔ایک قول ہے کہ ابوزرعہ کو سات لاکھ احادیث حفظ تھیں۔ابوزرعہ نے اپنی جوانی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ بسر کی ہے اور صرف پنجگانہ فرض نماز کی ادائیگی پر اکتفاء کرتے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی گفتگو کو غنیمت جانتے ہوئے نوافل ادا نہ کرتے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علم زیادہ کر سکیں۔آپ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر سمجھے جاتے ہیں، امام مسلم، ترمذی، نسائی و ابن ماجہ آپ کے شاگرد ہیں۔ابوزرعہ کی وفات بروز پیر ۲۹ ذوالحجہ سنہ ۲۶۴ھ/ یکم ستمبر 878ء کو ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(151) ابوالأسوَدْ الدوٗلی رحمۃ اللہ علیہ

ابو الاسود ظالم عمرو بن سفیان الدولی الکنانی کی پیدائش 16 قبل ہجرت/ 603ء الحجاز میں ہوئی۔کبار تابعین میں سے ہیں۔آپ اس زمانہ کے بڑے شعراء محدثین اور فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حکم پر آپ نے پہلی بار علم نحو و لغت عربی

میں وضع کیا۔ آپ کو ''ملک النحو'' (نحو کا بادشاہ) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے حروف کے اعراب بھی لگائے ہیں۔ حروف عربیہ پر نقاط بھی لگائے۔ آپ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے16 سال قبل پیدا ہوئے اور ایمان بھی لائے لیکن آپ ﷺ کو دیکھا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قریبی اور معتمد رفقاء میں سے تھے۔ اپنی خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کی امارت پر والی بنایا تھا۔ جنگ صفین، جنگ جُمل اور خوارج کے خلاف معرکوں میں شامل رہے۔

ان کی کنیت ابو الاسود ان کے نام پر غالب آگئی اسی سے مشہور ہوئے۔ نہ تو سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے انکی یہ کنیت ہے نہ ہی ان کا کوئی بیٹا اسود تھا۔ ان کا نام ظالم ان کے مقام و مرتبہ کے منافی تھا کیونکہ یہ قاضی اور فقیہہ تھے والدہ کا نام طویلہ تھا جن کا شجرہ نسب آپ ﷺ کے اجداد سے جا ملتا ہے۔ آپ کی قوم بنو الدئل بن بکر جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے قریش کے حلیف تھے اور صلح حدیبیہ میں ضمانت دی اور بنو خزاعہ پر حملہ کیا جو فتح مکہ کا سبب بنا تھا۔

آپ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے اور صحابہ سے کسبِ علم کیا جن میں امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ وابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ وابی بن کعب رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والذبیر بن العوام رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عمر بن حصین رضی اللہ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا۔ یحییٰ بن معین اور العجلی نے انہیں ثِقہ قرار دیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بصرہ ہجرت کر گئے وہاں ان کے نام کی مسجد بھی تھی بصرہ میں ہوازن کے قبیلہ بن قُشیر کی طرف سے تکالیف بھی پہنچیں۔ یہ خلافتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں بصرہ میں مختلف بڑے مناصب پر فائز رہے پھر فتنوں کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں شامل رہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں انہیں اپنا نائب مقرر کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اسی منصب پر برقرار رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ،حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذاکرات کے لئے مقرر کیا تھا۔

آپ کے چند مشہور تلامذہ: (۱) نصر بن عاصم الليثي الكناني (۲) رامیی الا سدیی (۳) یحیی بن یعمر العدوانیی (۴) ابنه ابو حرب بن ابیی الأسود الدئولیی الکنانی (۵) سعد بن شداد الکوفیی المعروف باسم سعد الرابیة (۶) میمون بن الاقرن (۷) عنبسة بن

معدان الفلیل المهدی (۸) عمر بن عبداللہ مولی عفیرۃ۔

آپ کا شمار ماہر شعراء میں کیا جاتا ہے۔ آپ کے مختلف قصائد کو مختلف مؤلفین نے جمع کیا ہے۔ آخری عمر میں آپ کو فالج ہو گیا تھا ۶۹ھ 688ء میں عبداللہ بن زیاد کے دورِ حکومت میں طاعون کی وبا میں بصرہ (عراق) میں 85 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اولاد میں ایک بیٹا اور بیٹی چھوڑے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(152) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ماہِ ربیع الاول ۱۶۴ھ بمطابق یکم نومبر 780ء میں بغداد میں ہوئی۔ آپ کے والد تیس سال کی عمر میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ آپ امام شافعی کے شاگرد ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشہور علمائے حدیث میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے ''مُسند'' کے نام سے حدیث کی کتاب تالیف کی جس میں تقریباً چالیس ہزار احادیث ہیں۔

آپ ابتدائی مکتب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۷۹ھ میں علم حدیث کے حصول کے مشغول ہوئے جبکہ اُن کی عمر محض 15 سال تھی۔ ۱۸۳ھ میں کوفہ کا سفر اِختیار کیا اور اپنے استاد ہشیم کی وفات تک وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد دیگر شہروں اور ملکوں میں علم حدیث کے حصول کی خاطر سفر کرتے رہے۔ آپ کے مشہور اساتذہ: محمد بن ادریس شافعی، سفیان بن عینیہ، عبد الرزاق بن ہمام، ابو یوسف، یحییٰ بن معین۔ آپ کے قابلِ ذکر شاگرد: عبداللہ بن احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل بخاری، ابوزرعہ الرازی، مسلم بن حجاج، ابوداؤد۔

خلیفہ معتصم باللہ کی رائے سے اختلاف کی پاداش میں آپ نے کوڑے کھائے لیکن غلط بات کی طرف رجوع نہ کیا۔ آپ کوڑے کھا کھا کر بے ہوش ہو جاتے لیکن غلط بات کی تصدیق سے انکار کر دیتے۔ ان کے انتقال کے وقت آٹھ لاکھ سے زیادہ اشخاص بغداد میں جمع ہوئے اور نمازِ جنازہ پڑھی۔ عباسی خلافت کے آخری دور میں فقہ حنبلی کا بڑا زور تھا۔ پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی حنبلی تھے۔ آج کل ان کے پیروکاروں کی تعداد گھٹ کر عرب کے علاقے نجد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ حنبلی علماء میں علامہ ابن تیمیہ کا شمار صف اول کے لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

آپ کی عمر ایک طویل حصہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بسر ہوا۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑی رہتیں، طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں تاکہ آپ کسی طرح خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔

لیکن وہ عزم و ایمان کا کوہ ہمالہ ایک انچ اپنے مقام سے نہ سرکا۔ حق پہ جیا اور حق پہ وفات پائی۔

جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ / 2 اگست 855ء بعمر 77 سال میں وفات پائی۔ اولاد: (۱) عبداللہ بن احمد بن حنبل، (۲) صالح بن احمد بن حنبل۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(153) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی ہاشی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ یوں ہی ان کے تلمیذ رشید ربیع بن سلمان مراری نے امام صاحب سے نقل کیا ہے۔ سائب بن عبید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہونے کے بعد اسلام لائے، بنی ہاشم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا، فدیہ ادا کر کے مسلمان ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق وہ ظاہری شکل و صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے۔ امام صاحب کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب ہے۔ مگر خطیب بغدادی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انکی والدہ قبیلہ بنواز د سے تھیں۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ازد عرب کے عنصر ہیں۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ میں ۱۵۰ھ میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے۔ امام صاحب یتیم تھے، ان کے والد کا انتقال ان کی پیدائش سے پہلے یا بعد میں جلد ہی ہوا اور انکی والدہ دو سال کی عمر میں ان کو مکہ لائیں۔ بچپن میں ساری توجہ دو باتوں کی طرف تھی۔ تیر اندازی اور تحصیل علم۔ تیر اندازی و شہ سواری کے موضوع پر کتاب السبق والرمی لکھی، جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔

آپ نے مکہ مکرمہ میں مکتب سے تعلیم کی ابتداء کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں علم حاصل کیا۔ اپنے چچا محمد بن شافع اور مسلم بن خالد زنجی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔ جن دنوں میں وہ قبیلہ بنی ہذیل کے شعراء کے اشعار سُنایا کرتے تھے، ایک بزرگ کی توجہ اور نصیحت سے مدینہ منورہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ ۹ راتوں میں امام مالک کی کتاب موطّا کو یاد کرلیا اور امیر مکہ سے ایک خط امام مالک کے نام اور ایک خط امیر مدینہ کے نام لیا اور مدینہ پہنچا۔ امام صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر موطا زبانی پڑھتا اور کتاب میرے ہاتھ میں ہوتی تھی اور امام صاحب کی وفات تک مدینہ میں مقیم رہا۔

وہاں سے لوٹ کر مکہ آئے۔ یمن کا امیر جب مکہ مکرمہ آیا تو آپ کو اپنے ساتھ یمن لے گیا اور وہاں ایک مقام پر مقرر کر دیا۔ اس نے خوش اور مطمئن ہو کر ترقی دی۔ یمن سے واپسی پر سفیان بن عیینہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بغداد جا کر امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تکمیل کی جو امام محمد، امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ اور انکے علم و تفقہ کے ترجمان و ناشر تھے۔

امام صاحب کا آخری تعلیمی سفر بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کی درسگاہ پر ختم ہوا اور یہیں امام صاحب نے اپنی فقہی آراء و اقوال مرتب کئے جنکو قول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے جن کے راوی اور امین چار تلامذہ ہیں۔ امام صاحب دوبار بغداد آئے گئے پہلی بار ۱۹۵ھ میں گئے تھے۔ دو سال تک مقیم رہے پھر مکہ چلے گئے اور دوبارہ ۱۹۸ھ میں آئے اور چند مہینے ٹھہر کر واپس ہو گئے۔ امام صاحب کے قیام بغداد کے زمانہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بڑے ادب و احترام کی ساتھ ان سے تحصیل علم کرتے تھے۔

مشاھیر اساتذہ میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں: آپ کے چچا محمد بن علی بن شافع، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عمر بن محمد بن علی بن شافع، مروان بن معاویہ، فضیل بن عیاض، محمد بن حسن شیبانی۔

۱۹۹ھ یا ۲۰۰ھ میں مصر تشریف لے گئے اور تاحیات وہیں رہ کر وہیں وفات پائی، اس درمیان میں غزہ جانا بھی ثابت ہے۔ مصر میں چھ یا پانچ چار سال تک قیام رہا۔ مصر میں جو اقوال و آراء بیان کئے انکو اقوال جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انکے راوی و ترجمان چھ تلامذہ ہیں۔

امام شافعی نے تفقہ میں فقہائے حجاز اور فقہائے عراق کے اصول و فروغ کو سامنے رکھ کر درمیانی راہ اختیار کی۔ وہ قرآن کے ظواہر کو حجت مانتے ہیں جب تک کہ یہ دلیل نہ ملے کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ اس کے بعد سنت رسول سے استدلال کرتے ہیں حتی کہ خبر واحد کو قابل عمل قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کے راوی ثقہ نہ ہوں۔ اور امام مالک کی طرح تائید میں تعامل اہل مدینہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ بایں طور کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو۔ ان کی نزدیک اجماع کلی کا علم محال ہے۔ آخر میں قیاس پر عمل کرتے ہیں جس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے خلاف قیاس مسائل یا مسائل مرسلہ کے خلاف ہیں مگر ان ہی کے مانند مسائل پر بعض اوقات عمل کرتے ہیں اور اس کو استدلال کہتے ہیں۔

ربیع کا بیان ہے کہ امام صاحب ہر رات ایک ختم قرآن پڑھتے تھے اور رمضان میں رات دن میں دو ختم پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رمضان میں ساٹھ ختم نماز میں پڑھتے تھے۔ امام شافعی کے دور میں بھی تشاجرات صحابہ میں علوی الفکر اور عثمانی الفکر دونوں طبقے موجود تھے۔ آپ حضرت علی اور آلِ رسول سے محبت اور تعلق ظاہر کرتے تھے۔ امام صاحب ہاشمی مطلبی ہیں، رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم یعنی چچا زاد بھائی ہوتے ہیں۔ خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مصافحہ و معانقہ کا شرف پایا اور انکی انگشتری پہنی، ان وجوہ سے آپ حضرت علی، آل ابو طالب اور آل رسول کا احترام کرتے تھے۔ یہ بات بعض لوگوں کو کھٹکی اور انھوں نے اس وقت کی عام روش کے مطابق امام صاحب پر شیعت کا گمان کیا۔

اِن کان رفضاً حُبّ آل محمد

فیشهد الثقلان انی رافضی

''اگر آل رسول کی محبت رفض ہے تو دو جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔''

امام صاحب کی ایک مبسوط کتاب ہے، تقریباً ایک سو چار کتابوں کے مجموعہ کا نام کتاب اُلامّ ہے۔ اس کے علاوہ مسند شافعی وغیرہ ہیں۔ رجب ۲۰۴ھ پنجشنبہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مصر میں فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر چوّن سال کی تھی۔ ان کے لڑکوں نے تجہیز و تکفین کی سعادت پائی اور امیر مصر نے جنازہ کی نماز پڑھائی، جبل مقطّم کے قریب قرافہ صغریٰ میں دفن کئے گئے۔

سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے دو صاحبزادے تھے ایک قاضی ابو عثمان محمد اور ابو الحسن محمد۔ امام صاحب کی ایک صاحبزادی زینب تھیں جن کے بطن سے ابو محمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن عباس بن عثمان بن شافع پیدا ہوئے، اپنے والد کے ذریعہ اپنے نانا امام شافعی سے روایت کی تھی۔ (سیرت آئمہ اربعہ ص ۱۴۱)

(154) امام قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے قریش کے مشہور قبیلہ بنو تیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے ممتاز فقیہ ہیں، اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، معاویہ، فاطمہ بنت قیس، ابن عمر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے آپ کے صاحبزادے

عبدالرحمان، زہری، ابن المنکدر، ابن عون، ربیعۃ الرای، افلح بن حمید، حنظلہ بن ابوسفیان، ایوب اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ والد کے قتل ہونے کے بعد اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور انہی سے فقہ حدیث سیکھا۔

علم باطن میں آپ کی نسبت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے آپ نے اپنے جد بزرگوار کی نعمت بصورت مریدی اور ہدایت آپ ہی سے حاصل فرمائی۔ حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو صحبت رہی ہے۔ اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بھی آپ نے حاصل فرمائی۔ آپ کبار تابعین میں سے تھے اور مکہ کے مشہور فقہا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حضرت قاسم، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ امام موصوف کی والدہ یزدجرد شہریار کی لڑکی تھیں جو ایران کا آخری بادشاہ تھا۔ آپ کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک معتبر روایت یہ ہے کہ ۱۰۱ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کی عمر ستر یا اسی سال تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(حضراتِ کرام نقشبندیہ، صفحہ 149 / تذکرۃ الحفاظ، صفحہ 95)

(155) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبداللہ محمد اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی رحمۃ اللہ علیہ۔ بردزبہ فارسی کلمہ ہے، کاشت کار کو کہتے ہیں، بردزبہ مجوسی تھے۔ ان کے بیٹے مغیرہ، یمان جعفی والیٔ بخارا کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اسی نسبت سے وہ جعفی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہوئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو 19 جولائی 810ء بخارا میں بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی صغرسنی ہی میں ہوگیا تھا لہٰذا اپنی والدہ محترمہ کی تربیت ونگرانی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہی کہ جب میں ۱۶ سال کی عمر میں داخل ہوا تو میں نے ابن مبارک اور وکیع کی کتابیں یاد کرلی تھیں اور ان لوگوں کے (یعنی علماء عراق کے) علم سے واقف ہوگیا تھا۔ پھر میں اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے لئے گیا اور مکہ معظّمہ میں قیام کرکے تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ مشہور ہے کہ امام بخاری کی بینائی چھوٹی عمر میں زائل ہوگئی تھی۔ آپ کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا: ''خدا نے تمہارے دعاؤں کی وجہ سے بیٹے کی بینائی واپس کردی ہے'' امام بخاری صبح کو اٹھے تو بینا تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری نے سب سے پہلا سفر ۲۱۰ھ میں کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کہا ہے کہ اٹھارہویں سال میں، میں نے ''قضایا الصحابۃ

والتابعین'' تصنیف کی پھر ''تاریخ کبیر'' اسی ماہ میں مدینہ منورہ میں روضۂ مطہرہ کے قریب بیٹھ کر تصنیف کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں شام، مصر اور جزیرہ دو بار گیا ہوں بصرہ چار مرتبہ، حجاز میں چھ سال اقامت کی اور اس کو شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی بار کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی بغداد جاتے، امام احمد سے ملاقاتیں کرتے اور مستفید ہوتے تھے۔ اور وہ ان کو ہر مرتبہ خراسان چھوڑ کر بغداد کی سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ لیکن باوجود اتنی ملاقاتوں کے امام احمد سے روایت حدیث بہت کم ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بصرہ میں پانچ سال رہا۔ میرے ساتھ کتابیں ہوتی تھیں۔ تصنیف کرتا تھا اور حج کے موسم میں حج کرتا تھا اور پھر بصرہ کو لوٹ آتا تھا اور ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تصنیف میں مصروف رہا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے گیا تو حمیدی سے ملا۔ بلخ گئے اور مکی بن ابراہیم کے شاگرد ہوئے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص تھے۔ ان سے گیارہ (۱۱) احادیث ثلاثی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں۔ بغداد میں مصلی بن منصور کے شاگرد ہوئے جو بقول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب و تلامیذ سے تھے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان (تلمیذ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کے تلمیذ خاص امام احمد اور علی بن المدینی کے شاگرد ہوئے اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ بخاری میں علی بن المدینی سے بہ کثرت روایات ہیں۔

بصرہ پہنچ کر ابو عاصم النبیل الضحاک کے شاگرد ہوئے۔ جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ روایات اعلیٰ درجہ کی روایت کی ہیں۔ جو ''ثلاثیات'' کہلاتی ہیں۔ یہ ابو عاصم بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص بلکہ شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ تین ثلاثیات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہیں جو بتصریح خطیب بغدادی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد کے تلمیذ اور حنفی تھے۔

''ثلاثیات'' وہ احادیث کہلاتی ہیں جن میں راوی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں اور یہ اعلیٰ درجہ کی احادیث ہیں بخاری شریف میں صرف ۲۲ ہیں۔ جو امام بخاری کا مابہ الافتخار ہیں اور ان میں ۲۰ حدیثیں بہ تفصیل مذکورہ بالا انہوں نے اپنے حنفی شیوخ سے روایت کی ہیں۔ علامہ ابن امیر الحاج نے شرح التحریر میں لکھا کہ ''یہ امر خاص طور سے قابل تنبیہ ہے کہ اگر

بطور تنزل صحیح بخاری و مسلم کی اصحیت کو دوسری تمام کتب حدیث پر مان بھی لیں تو یہ بہ نسبت بعد کی کتابوں کے ہوگی۔ نہ بہ نسبت ان آئمہ مجتہدین متبوعین کی مرویات کے بھی جو ان دونوں سے پہلے ہو چکے ہیں۔

جامع صحیح (بخاری) کی تصنیف کا سبب امیر المومنین فی الحدیث اسحٰق بن راہویہ ہوئے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر اساتذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک بار تمنا ظاہر فرمائی کہ کوئی صحیح احادیث کا مختصر مجموعہ مرتب ہو جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کیا۔ یہ اسحٰق بن راہویہ بواسطۂ ابن مبارک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے زیادہ رواج مسانید کا تھا۔ جامع صحیح کی تالیف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور کی نہیں بلکہ آخری دور کی تصنیف ہے۔ جس میں سولہ سال کی مدت صرف ہوئی جو تقریباً چھ لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔ آپ کی وفات جمعہ یکم شوال ۲۵۶ھ یکم ستمبر 870ء بعد نماز عشاء خرتنگ میں وفات پائی جو سمرقند شہر سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

آپ کی مشہور تالیفات: (۱) قضایا الصحابة والتابعین، سب سے پہلی تصنیف جو ۲۱۲ھ میں "تاریخ کبیر" سے پہلے لکھی ہے۔ (۲) التاریخ الکبیر، مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیات) میں چاند کی روشنی میں لکھی، ترتیب حروف تہجی سے ہے۔ (۶) کتاب الوحدان، اس میں ان صحابۂ کرام کا ذکر ہے جن سے صرف ایک ایک حدیث مروی ہے۔ (۷) الادب المفرد، اخلاق نبوی پر امام بخاری کی مشہور و مقبول تالیف ہے "جامع صحیح" کے بعد سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔ (۹) جز القراءۃ خلف الامام، (۱۰) الجامع الکبیر، (۱۱) جامع صحیح: یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے زیادہ مشہور، مقبول، عظیم الشان اور رفیع المنزلت تالیف ہے۔

(انوار الباری ج ۲ ص ۲۱۸)

(156) مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن کے خلف الرشید مسیں ۱۳۱۹ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "ظفر الحق ہے" 9 سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ شروع سے آخر تک دار العلوم کے اساتذہ سے پڑھا۔ ۱۳۴۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۴۶ھ تک دار العلوم میں معین المدرس رہے۔ اسی کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ میں جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک مفتی اور مدرس رہے۔ اور 1930ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانے میں سیاسی دلچسپی کے باعث اپنے رفیق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مستعفی ہوگئے۔ اور پانچ سال تک کلکتہ میں تفسیر افتاء اور تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ وہاں مفتی صاحب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے ندوۃ المصنفین کا خاکہ تیار کیا۔ ۱۳۵۷ھ/ 1938ء میں ان کی جد و جہد سے یہ ادارہ قرول باغ دہلی میں قائم ہوگیا۔

1947ء کی قیامت خیز تباہی کے باوجود نہ صرف اس ادارہ کو زندہ رکھا بلکہ اپنی ہمّتِ مردانہ سے اس میں از سرِ نو جان ڈالی۔ بہت سے علمی اور دینی اداروں کے ممبر رہے عرصے تک مُسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ کے ممبر بھی رہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے کاموں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ہمیشہ دست راست رہے۔ ۱۳۶۸ھ سے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند ص146)

پھر حضرت شاہ صاحب اور دوسرے اکابر کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں منتقل ہوئے تو وہاں طبقۂ علیا کے استاد اور مفتی کی حیثیت سے یہ دونوں خدمات بہ حسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ڈابھیل میں چند برس قیام کے بعد کلکتہ پہنچے، وہاں کولوٹولہ اسٹریٹ کی مسجد میں برسوں خطیب رہے اور ساتھ ہی درس قرآن کا مشغلہ جاری رہا۔

1962ء میں صدارت کے معاملہ میں ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی تو وہ جمعیت سے کنارہ کش ہوگئے اور اب آل انڈیا مجلس مشاورت ان کی عملی سرگرمیوں کی جولانگاہ گئی۔ آپ 12 مئی 1984ء کو ساڑھے تین بجے بعد ظہر رحلت فرما گئے، 13 مئی کو دلی کی جامع مسجد میں 8 بجے صبح کو نمازِ جنازہ ہوئی۔ مہندیوں کے قبرستان میں جسے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادۂ گرامی نے برصغیر کا جنت البقیع بنا دیا ہے، تدفین ہوئی۔ پس ماندگان میں ایک اہلیہ چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ (وفیات برہان ص ۲۰۲)

(157) حبیب الرحمٰن خان شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مولد بھیکم پور، ضلع علی گڑھ، تاریخ ولادت ۲۸ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق 1866ء۔ ابتدائی تعلیم قرآن مجید سے شروع ہوئی۔ علوم متداولہ کے ساتھ تجوید وقراءت قاری

عبدالرحمٰن مکی سے (جو اس وقت مدرس احیاء العلوم تھے) سیکھی۔ قصیدہ جزریہ ان ہی سے پڑھا۔ پھر قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے استفادہ کیا۔ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت تھے۔ معیاری ادیب و مصنف ہونے کے علاوہ علی گڑھ اور ندوے کے تعلیمی وانتظامی معاملات میں عملی حصہ لیتے تھے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مجلس انتظامی کے رکن رہ چکے تھے۔

۱۳۳۶ھ مطابق 1918ء میں ریاست حیدر آباد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ حضور نظام سے صدر یار جنگ کا خطاب پایا۔ 1926ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں قاری عبدالرحیم کو پورا کلام پاک سنایا اور مدینہ منورہ میں قاری حسن شاعر سے رسالۂ قراءت پڑھا۔ آخری سبق مسجد نبوی میں لے کر قراءت کی سند حاصل کی۔

1930ء میں وظیفہ خدمت پر علیحدہ ہوئے۔ 86 سال کی عمر میں ۱۳۷۰ھ مطابق 11 اگست 1950ء کو وفات ہوئی۔ کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ حبیب گنج میں ایک بڑا کتب خانہ ہے جو ابھی اچھی حالت میں ہے۔ بہت سی قلمی نایاب کتابیں اس میں موجود ہیں۔

(تذکرہ قاریانِ ہند (حصہ دوم) صفحہ ۳۵۴)

(158) مولانا سراج احمد رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سراج احمد میرٹھ میں پیدا ہوئے، مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں داخلہ لیا اور وہاں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا ناظر حسن سے تکمیل کی، دوبارہ حدیث شریف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھی۔

مدرسہ عربیہ عبدالرب دہلی اور میرٹھ میں تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۳۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر ہوا، ۱۳۴۶ھ تک اعلیٰ تدریس خدمات انجام دین، ساتھ ہی رسالہ ''القاسم'' اور ''الرشید'' کے مدیر بھی رہے۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سُورت تشریف لے گئے اور وہاں آخری وقت تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

آپ اُردو اور فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے، آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ کے جلسہ تقسیم اسناد میں ایک ''مسدس'' پڑھ کر سنایا تھا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مریدوں سے تھے۔

عیدالاضحیٰ بروز جمعہ عصر کے وقت ۱۳۵۶ھ میں وصال ہوا۔ (تذکرہ اسلاف ج8 ص27)

(159) منشی محمد قاسم لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن جو مولانا مجید حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بار بجنور سے شائع کیا تھا۔ اس کی کتابت منشی محمد قاسم لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔

(160) حضرت مولانا مجید حسن رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے پچھلے دنوں مولوی مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ بجنور کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم نے اپنے اخبار کے ذریعہ ملک وملّت کی جو عظیم اور طویل خدمات انجام دی ہیں اُن کو ہندوستانی صحافت کی تاریخ کا کوئی طالب علم نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اُن کی پوری زندگی جدوجہد اور محنت ومشقت کی تفسیر تھی اور اس اعتبار سے وہ آج کل کے نوجوانوں کے لئے ایک لائقِ تقلید نمونہ تھے۔ علمائے دیوبند کے بڑے گرویدہ اور نہایت مخیّر وسیر چشم انسان تھے اللہ تعالیٰ اُن کی قبر ٹھنڈی رکھے۔ (جنوری ۱۹۶۷ء)۔ (وفیات بُرہان ص ۱۱۱)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کا ترجمہ قرآن سب سے پہلے آپ نے بجنور سے شائع کیا۔ آپ ہی کی تحریک پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر لکھی جو ''تفسیر عثمانی'' کے نام سے مشہور ہے۔

(161) قاری محمد عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ

قاری محمد عبدالرشید بن حافظ احمد حسن بن مولانا نور محمد صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ 1922ء شہر لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، اور مکتبہ نورانی (نورانی کتب خانہ) کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور اہتمام کے ساتھ ہندوستان میں طبع شدہ درس نظامی کے متعلق کتب منگوا کر شائع فرماتے تھے۔ حقانی پرنٹنگ پریس قائم فرمایا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عثمانی سب سے پہلے پاکستان میں بہت محنت و کوشش سے شائع فرمائی۔

1970ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، پھر مدینہ منورہ میں ہی ہجرت

کی نیت سے مستقل قیام فرمالیا، اور خدمت کلام اللہ میں تاحیات مصروف رہے۔ اور جب ۱۳۹۸ھ میں آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا عبدالحمید صاحب کا انتقال ہوگیا تو اسکے بعد مدرسہ ام المدارس فیصل آباد کے اہتمام کے فرائض بھی تاحیات سرنجام دیتے رہے۔

عمر کے آخری حصہ میں شوگر کے علاوہ دل کا عارضہ اور دیگر بیماریوں میں مبتلا رہے اور ۲۱ شوال ۱۴۱۳ھ بمطابق 13 اپریل 1993ء کو انتقال فرما گئے اور مسجد نبوی شریف میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب تدفین ہوئی۔ اولاد میں ایک لڑکا قاری محمد عبدالمالک اور دو لڑکیاں بڑے ہونے تک چھوڑیں۔ (خاندانی روایت)

(162) ابراہیم بن عمر بقاعی

ابوالحسن ابراہیم بن عمر لقب برہان الدین، ادیب، شاعر، مورخ و مفسّر شافعی۔ آپ ۸۰۹ھ میں خربۃ روحا میں پیدا ہوئے جو بقاع کے نواح میں واقع ہے۔ آپ 12 سال کی عمر تک وہاں رہے۔ پھر ۸۲۱ھ میں قبائلی جنگ کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ وادی التیم کی طرف ہجرت کی۔ پھر حصولِ علم کے لیے دمشق روانہ ہوگئے۔ وہاں علی بن شمس جزری، تاج بن بہادر غرابیلی، ابن قاضی شُھبہ وغیرھم سے علم حاصل کیا۔ مزید علم کے لئے بیت المقدس اور پھر مصر کا سفر کیا۔ قاہرہ میں علاء قلقشندی و قایانی وغیرہ سے حصول علم کیا۔ وہ بھی ابن حجر کے اکابر تلامذہ میں سے تھے۔ ابن حجر نے آپ کو قاری صحیح بخاری کے عنوان سے ملک ظاہر جُقمُق کے محل میں متعین کیا تھا۔ پھر مصر میں سکونت اختیار کی اور تحریر و تقریر میں مصروف ہوگئے۔

آپ نے اپنی تحریر و تقریر میں صوفیاء پر تنقید کی ہے۔ جس پر انہیں مشکل و مخالف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مصر چھوڑ کر دمشق آ گئے۔ یہاں بھی آپ نے صوفیاء کے سماع کی ردّ میں کتاب ''انارۃ الفکر بماھو الحق فی کیفیۃ الذکر'' لکھی۔

کثیر التالیف تھے 40 کے قریب تصنیفات ہیں مشہور یہ ہیں: (۱) نظم الدّرر فی تناسب الایات والسور (۲) رسالہ الاقوال القویمہ فی حکم النقل من الکتب القدیمہ (۳) تحذیر العباد ببدعہ الاتحاد (۴) فصوص الحکم ابن عربی و تائیۃ ابن فارض و دیگر معتقدان وحدت وجود کے رد میں ہے (۵) تھدیم الارکان من لیس فی الامکان ابدع ممّا کان (٦) جواھر البحار فی نظم سیرہ النبی المختار (۷) النکت الوفیۃ بما فی شرح الالفیّہ (۷)

علم حدیث پر ہے۔الفیہ عراقی، پر حاشیہ ہے۔

آپ نے ۸۸۵ھ میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف ویکی فقہ)

(163) محمد علی لاہوری

مولوی محمد علی لاہوری مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد اس کا مرید خاص حکیم نور الدین اس کا نائب بنا۔ 1914ء میں یہ مر گیا تو مرزائیوں میں اختلاف ہوا۔کچھ کی رائے تھی کہ مرزا کے مرید مولوی محمد علی کو دوسرا جانشین بنایا جائے جبکہ بعض کی رائے تھی کہ مرزا کے بیٹے بشیر الدین محمود کو دوسرا جانشین بنایا جائے۔مرزے کی دوسری بیوی نصرت کی چاہت تھی کہ اس کا بیٹا بنے۔ چنانچہ مرزے کے بیٹے کو دوسرا جانشین بنایا گیا۔ویسے مولوی محمد علی زیادہ پڑھا لکھا تھا اس نے قرآن پاک کا انگریزی اور اردو میں ترجمہ کیا بخاری شریف کا ترجمہ بھی کیا۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا نام بیان القرآن ہے اور محمد علی لاہور نے بھی اردو زبان میں بیان القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے۔مولوی محمد علی اور اس کے ساتھیوں نے باوجودیکہ وہ بھی قادیانی کے خاص مرید تھے مرزا قادیانی کے بیٹے کی بیعت نہ کی۔ان کو ''غیر مبایعین'' کہا جاتا تھا ان کا ایک رسالہ نکلتا تھا جس کا نام تھا ''پیغام صلح'' اس لئے ان کو ''پیغامی'' بھی کہا جاتا تھا۔مولوی محمد علی نے لاہور میں اپنا مرکز بنایا اس لئے ان کو ''لاہوری مرزائی'' کہا جانے لگا۔

لاہور کو مرکز بنانے کے بعد اس گروپ نے اپنے نظریات میں تبدیلی کی تاکہ تقدس کی الگ دکان سجائیں اور کہنے لگے کہ مرزا قادیانی نبی نہ تھا بلکہ مجدد تھا[عجیب بات ہے کہ اقتدار نہ ملا تو قادیانی کا مرتبہ گرا دیا اور اس کی نبوت کے منکر ہو گئے اگر ان کو اقتدار مل جاتا تو کھل کر مرزے کو نبی کہتے] بہر حال مرزے کے یہ دنوں بیٹے (مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد) ڈٹ گئے کہ نہ نہ، مرزا نبی تھا جو اُس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔اس موضوع پر انہوں نے کتابیں لکھیں تقریریں کیں۔اپنی عبادت گاہوں میں اپنے اجتماعات میں اس موضوع پر لوگوں کی ذہن سازی کی لاہوریوں سے مناظرے کئے۔مگر یاد رہے کہ دونوں گروپ اندر سے ایک ہیں اور لاہوری زیادہ خطرناک ہیں لاہوریوں کا مکر یہ ہے کہ وہ مجدد کہہ کر قادیانی کو پیش کرتے ہیں جبکہ دل سے وہ قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ لاہوریوں و

قادیانیوں میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ بردو لعنت، خنزیر، خنزیر ہوتا ہے، چاہے گورے رنگ کا ہو یا کالے رنگ کا کفر کفر ہے چاہے لاہوری ہو یا قادیانی، لاہوریوں کا مرکز لاہور میں ہے قادیانیوں کا مرکز پاکستان بننے کے بعد چناب نگر اور اب ان کا مرکز بہشتی مقبرہ سمیت لندن کو سدھار گیا ہے تمام علمائے اسلام نے دونوں گروپوں کے کفر کا فتویٰ دیا۔ قومی اسمبلی اور سپریم کورٹ تک سب نے دونوں کو غیر مسلم گردانا ہے۔ (انٹرنیٹ)

(164) حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''سحبان الہند'' مولانا احمد سعید کے نام سے مشہور ہوئے، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر مختلف علماء سے تحصیل علم میں مصروف رہے۔ تکمیل غالباً مولانا مفتی کفایت اللہ سے کی۔ تحصیل علم کے دوران ہی میں آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کے بعد جب خلافت کی تحریک شروع ہوئی تو دیگر علماء کے ساتھ آپ بھی میدان سیاست میں نکل آئے۔ اس زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی اور آپ اس کے ناظم قرار پائے اور طویل مدت تک اس کے ناظم رہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس کے صدر منتخب ہوئے، پہلی تحریک خلافت کے سلسلہ میں اور اس کے بعد جنگِ آزادی کے سلسلہ میں بار بار جیل گئے۔ آپ مشاہیر علماء ہند کی صفِ اوّل میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں کہ

> ''اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تقریر و بیان کا بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ دلّی کی ٹکسالی زبان بولتے تھے۔ تقریر میں دریا کی سی روانی ہوتی تھی۔ ان کا خاص علمی اور تصنیفی کارنامہ قرآنی مضامین کو آسان اردو زبان میں سمجھانے والی ان کی تفسیر ''تسہیل القرآن'' ہے یہ تفسیر دو جلدوں میں چھپی تھی۔''

مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> ''کسی کتاب کی مقبولیت اور افادیت کے لئے سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا نام سند اور ضمانت ہے اور موصوف کا نام کسی تصنیف پر آجانے کے بعد کسی تقریظ یا اظہار رائے کی ضرورت نہیں رہتی۔''

کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن، یہ عام فہم ترجمہ و تفسیر آپ کی ۱۸، ۲۰

سال کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔آپ کی دیگر تصانیف میں ''پردہ کی باتیں''، ''رسول ﷺ کی باتیں''، ''جنت کی کنجی''، ''دوزخ کا کھٹکا''، ''پہلی تقریر سیرت''، ''دوسری تقریر سیرت''، ماہ رمضان، صلوٰۃ وسلام، عرش الٰہی کا سایہ، دین کی باتیں، تقاریر رسول اللہ ﷺ، مواعظہ حسن، معجزاتِ رسول، مضامین احمد سعید وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔آپ آخری دور میں تلاوتِ قرآن اور ذکر و تسبیح سے زیادہ شغف رکھتے تھے۔ 4 دسمبر 1960ء کا دن تھا، بعد نماز مغرب روزانہ کے معمول کے مطابق اوراد و وظائف میں مشغول تھے، اسی حال میں قلب پر دورا پڑا اور جاں بحق ہو گئے۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۵۲)

(165) حضرت مولانا غلام نبی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

''سنگاہو'' مردان سے کچھ ۲۰ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق کی جانب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ضلع مردان میں جناب مولانا عبدالرحمان فاروقی (م ۱۳، محرم ۱۳۶۳ھ، 5 مئی 1944ء) کے گھر 1895ء میں پیدا ہوئے۔سلسلۂ نسب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے تخلص ''ابوتراب'' ہے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر علاقہ کے مختلف علماء سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ان میں مولانا فضل الرحمان فاضل مینڈو (انڈیا) ساکن گارتحصیل صوابی ضلع مردان خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔پھر دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے صدر مدرس مولانا غلام مرشد صاحب (سابق خطیب شاہی مسجد لاہور) اور نائب صدر مدرس مولانا شاہ رسول صاحب ہزاروی سے تحصیلِ علم کرتے رہے اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۵ھ، 1962ء میں مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور پھر دارالعلوم سہارن پور کے مولانا نثار احمد بہاروی سے استفادہ کیا۔

پھر ۱۳۴۶ھ، 1927ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا مولانا محمد رسول خان ہزاروی، مولانا اعزاز علی اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے کتب حدیث پڑھیں۔اور امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔پھر واپس وطن آئے اور دینی کام شروع کیا۔

ستمبر 1942ء میں جامع مسجد محلہ گوجراں، شرق پور ضلع شیخوپور میں خطیب مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک وہاں خطابت کے ساتھ درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔

پھر شیخ الحدیث مولانا امین گل صاحب کے ایماء پر آپ کو 10 مارچ 1962ء میں بلالیا

گیا، اس دوران دیگر کتب فنون کے علاوہ تفسیر بیضاوی اور مسلم شریف بھی زیر درس رہیں، 1969ء میں نقاہت کی وجہ سے تدریسی سلسلہ ختم ہوا۔

تصانیف: (۱) سیرت خیرالبشر، (پشتو) دوضخیم جلدوں میں ہے (۲) القصائد العربیۃ فی تذکار خیرالبریۃ سیرت الرسول پر آپ کے طویل عربی قصائد کا غیر مطبوعہ مجموعہ ہے۔(۳) دیوان، مختلف عربی وفارسی اور پشتو کے قصائد ومراثی کا مجموعہ۔

72 سال کی عمر ۱۴ محرم ۱۳۹۷ھ/ 4 جنوری 1977ء کو وصال ہوا، اور اپنے وطن میں تدفین ہوئی۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج ۲ ص ۵۶۲)(ج ۳ ص ۹۶)

(166)۔میاں قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ

میاں قمرالدین بن میاں محمد اسماعیل (پیدائش 1862ء، وفات 1952ء) آپ اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اچھرہ لاہور کی بہت پرانی مضافاتی بستی تھی۔ جب ابتداً اس بستی کی بنیاد رکھی جارہی تھی تو شہر لاہور بھاٹی دروازہ کے رہنے والے ایک دین دار رئیس آرائیں خاندان کے بڑے نیک دل اور مُخیر بزرگ میاں قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ نقل مکانی کر کے اچھرہ میں آکر آباد ہوئے۔ میاں صاحب کی تعلیم مڈل تھی۔ دارالعلوم فتحیہ پانچ افراد کی اعانت سے چلتا تھا جن میں سرِ فہرست میاں صاحب خود تھے۔ 1906ء تا 1952ء تک جامعہ فتحیہ آپ کی زیر سرپرستی رہا۔ آپ (1927ء تا 1932ء) رسالہ تائیدالاسلام کے سرپرست رہے۔ امیر شریعت مولانا سید عطاالله شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ راست تھے۔ آپ مجلس احرارِ اسلام ہند کے خازن، شعبہ تبلیغ تحفظ ختمِ نبوت ہند اور ختم نبوت وقف قادیان کے صدر رہے۔ جب مسجد احرار اسلام نے قادیان میں مسجد ختم نبوت اور مدرسہ قائم کیا تو میاں صاحب نے اس کارِخیر میں بہت سرمایہ خرچ کیا۔ حضرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ کو احرار کا بینک کہا کرتے تھے۔ 1946ء میں مجلس احرار اسلام ہند کا آخری اجلاس آپ کی ہی رہائش گاہ اچھرہ میں ہوا تھا۔ انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ میں آپ کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا جاتا تھا۔ (سیدی وابی ص ۱۲۵، صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور ص ۲۵۳، رسالہ تائیدالاسلام ص ۴)

(167) حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی ۱۲۷۳ھ/ 1852ء بروز پیر محلہ نواب پورہ، الور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے عم مکرم، باخدا بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دی تھی کہ ''تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دین مصطفوی کو روشن کریگا اس کا نام دیدار علی رکھنا''۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے صرف نحو کی ابتدائی کتابیں، الور میں مولانا، قمر الدین سے پڑھیں، مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی، فقہ و منطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی، سند حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید اور خلیفہ تھے، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی اور سلسلہ قادریہ میں احمد رضا بریلوی نے خلافت دی۔

۱۳۲۵ھ/ 1907ء میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا پھر لاہور تشریف لاکر جامعہ نعیمیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۵ھ/ 1922ء دوبارہ لاہور تشریف لائے اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۳ھ/ 1925ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی۔ مولانا سید ابو الحسنات قادری صدر جمعیت علماء پاکستان (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور۔ دونوں بیٹے آپ ہی کے فضل و کمال کے عکس جمیل ہیں۔ آپ عربی، اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ/ ، 20 اکتوبر 1935ء کو وفات پائی اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے۔

(ضیاء طیبہ ڈاٹ کام)

(168) پروفیسر مولانا نجم الدین جہلمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولانا احمد دین کے فرزند تھے۔ ۱۲۸۶ھ/ 1870ء کے قریب ڈھریالہ جالپ ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر موضع بھرت ضلع سرگودھا میں پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور دیگر

اساتذہ سے دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بھی پاس کئے۔ اپریل 1919ء تا 1935ء اورینٹل کالج لاہور میں بطور ہیڈ مولوی تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ نے اپنے آبائی وطن میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے اسلامیہ ہائی سکول بنیاد رکھی۔ قابل اور ذہین طلبہ کے تعلیمی اخراجات برداشت کئے اور انہیں اعلیٰ تعلیم کے مواقع مہیا کئے۔ قادیانیت کی تردید میں بہت سرگرم تھے۔ اسی سلسے میں مشہور مقدمہ بہاولپور (1932ء م) میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور اپنے استاذ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کے ساتھ علمی سطح پر قادیانیت پر ضرب لگائی۔ اپنے گاؤں کی مسجد کے خطیب بھی رہے۔ کویت میں بھی ایک درسگاہ کے صدر مدرس رہے تھے۔ مولانا کے آخری بیس سال اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت پروفیسر گذرے۔ بڑے مہمان نواز، خوش اخلاق، متبحر عالم و فاضل تھے۔

۱۳ رجب ۱۳۶۲ھ/ 16 جولائی 1943ء کو جالندھر میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ تصانیف میں ''امثال القرآن'' یادگار ہے۔ (پروفیسر قاضی محمد احمد ہزاروی ص ۱۴۹)

(169) مولانا غلام مُصطفیٰ مسعُودی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل اور منشی فاضل تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا اور دیوبند وڈابھیل میں کئی سال تک آپ کی صحبت میں رہے تھے اس دوران آپ نے تفسیر و حدیث میں خاص خداقت پیدا کی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کشمیر چلے آئے علمی سیاست میں حصہ لیا۔ 1934ء میں سال بھر کے لئے ریاست سے جلائے وطن کئے گئے۔ 1939ء میں مظفر آباد سے کشمیر اسمبلی کے ممبر چُنے گئے۔ 1948ء میں قبائلوں نے آپ کو اپنی برادری کے چار دیگر افراد (مولوی محمد یوسف شاہ ابن پیر امیر شاہ، مولوی عزیز الرحمٰن ابن پیر عبداللہ شاہ پیر موسیٰ شاہ فرزند قاضی عبدالکبیر فیروز شاہ ابن پیر احمد شاہ) سمیت گرفتار کر کے صوبۂ سرحد میں اَٹک کے مشہور قِلعہ میں سال بھر قید رکھا۔ جنوری 1949ء میں وہاں سے رہا ہو کر جموں پہنچے اور جمّوں سے ہوائی جہاز میں سرینگر آرہے تھے کہ بانہال کے پہاڑ کی ایک اونچی چوٹی سے یہ جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اس حادثۂ جانکاہ کا شکا ہونے والے ۲۵ مسافروں میں تین مسعودی علماء (مولٰینا غلام مصطفیٰ مولوی عزیز الرحمٰن اور مولوی محمد یوسف) بھی تھے تینوں فضلائے پنجاب

یونیورسٹی اور تینوں ہی تحریکِ حُریت کشمیر کے سرگرم مجاہد تھے۔

مولانا غلام مصطفیٰ صاحب ایک آتش بیان مقرّر تھے۔عوامی جلسوں کے علاوہ ان کی ہنگامہ خیز تقریروں سے قانون ساز اسمبلی کے ایوان میں سناٹا چھا جایا کرتا تھا اور سر آئینگر جیسا مغرور وزیر اعظم بھی آپکی جُرأت دلیری اور صداقتِ بیان کا لوہا مانتا تھا۔آپ کا اِکلوتا فرزند عبداللہ شاہ کشمیر کے محکمہ بجلی میں ملازم ہے۔

(170) حضرت مولانا محمد عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوٹ بادل خان کے صاحبزادے تھے۔اپنے والد بزرگوار سے عشقی طبیعت وراثت میں پائی تھی۔حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے اور حضرت ہی سے بیعت تھے۔طالب علمی کے زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا کہ آپ کے خلیفہ کا لڑکا ہے اس کو بیعت فرمالیں۔اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو محبت تو مولوی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہے میں بیعت کر کے کیا کروں گا؟

چنانچہ اصرار کر کے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہی سے بیعت ہوئے۔شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا۔حضرت سے غایت درجہ کا تعلق تھا۔ بھاٹی دروازہ کے مسلم ہائی سکول لاہور میں فارسی ٹیچر تھے۔اپنے والد صاحب کی طرح گریہ بہت غالب تھا۔روتے روتے رخساروں پر نالیاں سی بن گئی تھیں۔اکثر حافظ کے اشعار پڑھتے تھے اور کبھی کبھی وجد میں آ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سناتے تھے۔

1951ء تک لاہور میں آپ کا قیام مولانا عبداللہ فاروقی مرحوم کے مکان (چنگڑ محلہ) میں رہا۔مولانا اپنی قلیل تنخواہ کے باوجود اولوالعزمی اور بڑے ذوق وشوق سے میزبانی کے فرائض انجام دیتے اور اس کو اپنے لئے ایسی سعادت اور خوش بختی خیال فرماتے کہ کسی طرح اس میزبانی کی حق اور شرف سے دستبردار اور دوسروں کے حق میں ایثار کے لئے تیار نہ ہوئے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت نہایت حساس واقع ہوئی تھی۔اور شفقت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔مولانا کے دل کی فراخی کے ساتھ انکے مکان کی تنگی اور آمدنی کی قلت کے ساتھ مہمانوں کی کثرت کا شدت سے احساس تھا۔مگر یہ موضوع ان کے لئے بڑے حزن وملال کا باعث بن جاتا تھا بعض اوقات

پاؤں پکڑ کر اور رو رو کر عرض کرتے کہ ان کو اس دولت سے محروم نہ کیا جائے۔''

ایک مرتبہ فرمایا:

''مولانا عبداللہ صاحب کے والد مولانا محمد صاحب (کوٹ بادل خان ضلع جالندھر) بڑے عاشق تھے، بڑے خوش الحان تھے۔ ایک بستی سنگیاں میں تشریف لے گئے۔ لوگ باہر درختوں کے نیچے اکٹھے تھے۔ وارث شاہ کی ہیر رانجھا ہو رہی تھی۔ خادم سے کہا آؤ وہاں چلیں اور اُن سے کہا لاؤ ہم ہیر سنائیں۔ ایسا پڑھا کہ دل کو کھینچ لیا۔ لوگوں نے کہا واہ مولوی صاحب۔ پھر ہیر کو چھوڑ کر قرآن شریف پڑھ کر وعظ شروع کر دیا۔ سب بستی کی بستی مرید ہو گئی۔''

اخیر میں بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے۔ 1956ء میں میو ہسپتال میں انتقال ہوا۔ جنازہ صوفی عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کی کوٹھی پر بعد تراویح لایا گیا۔ نماز جنازہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا عبدالعزیز گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

مولوی عبدالوحید صاحب کہتے ہیں کہ میں نماز جنازہ کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھڑا ہوا حضرت فرما رہے تھے ''بہت ہی مبارک آدمی تھے، ایسی طبیعتیں اور نسبتیں بہت ہی خال خال ہوا کرتی ہیں اور اس زمانہ میں تو بالکل ہی کم ہیں، میں ہی حضرت مولانا کو جانتا ہوں کہ حضرت مولانا کیا چیز تھے۔'' میانی شریف قبرستان میں احاطہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب دفن ہوئے۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج ۱ ص ۵۳۶)

(171) مولانا میجر شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا علمی مشاغل میں دلچسپی تھی حصول علم اور ترویج علم میں ہی مشغول رہے کثیر المطالعہ تھے۔ اسلامی تاریخ انکا پسندیدہ موضوع تھا برصغیر میں مسلمانوں کی علمی تحریکات اور انکی تہذیبی و تمدنی سرگرمیوں پر گہری نظر تھی۔ میجر شمس الدین جو ریاست کے وزیر معارف تھے۔ نہ صرف سرکاری حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ عوام کے ہر طبقہ کے لوگوں میں ان کا بے حد احترام و وقار تھا۔

ان کے دور وزارت میں ریاست کی تعلیمی سرگرمیوں میں بہت اضافہ ہوا مکتب اسکیم جس کا مقصد ریاست میں عوامی سطح پر علم کا فروغ تھا انہیں کے دور میں جاری ہوئی۔ اسلامی ممالک کے

جو دنوں آتے انہیں بطور خاص بہاولپور میں مدعو کر کے ان سے طریق تعلیم اور فروغِ تعلیم کے منصوبوں پر تبادلہ خیالات کرتے۔

وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے رکن تھے تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ میں جب جناب سید الطاف علی بریلوی نے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے کراچی میں اس کا احیاء کیا تو میجر صاحب اس کے خاص سر پرستوں میں شامل تھے انکی ایک کوٹھی کراچی میں پارسی کالونی کے پاس ہے جہاں ملازمت سے فراغت کے بعد انہوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی تھی یہیں الطاف علی صاحب بریلوی اور دوسرے اہل علم سے ان کی علمی صحبتیں رہتی تھیں۔

میجر صاحب کے کتب خانہ میں بہترین نایاب کتب کا ذخیرہ تھا۔ وہ مطالعہ کتب کے دوران کتاب کے حاشیوں پر ضروری نوٹ لکھنے کے عادی تھے تاکہ تحقیقی کاموں میں ان سے مدد لینے میں آسانی ہو۔ میجر صاحب بعض علمی موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے تھے افسوس ہے آخری عمر میں جب دوسری مصروفیات سے انہیں خاصی فراغت حاصل تھی ان کی صحت جواب دے گئی ذیابیطس کا مرض جو اپنے جلو میں نوع بہ نوع امراض لیکر آتا ہے ان کا جان لیوا ثابت ہوا اس موذی مرض نے ان کی بینائی کو بھی متاثر کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کا لکھنا پڑھنا موقوف ہو گیا تھا تاہم اگر کبھی ضرورتاً لکھنا پڑے تو وہ خود لکھنے کے بجائے کسی کو املا کرا دیا کرتے تھے۔

میجر صاحب نے اپنے خاندانی حالات پر مشتمل ایک کتاب ''ذکر الاصفیا'' اور ایک کتاب انگریزی میں جس کا نام The Concept of Education In Islam ہے اپنی علمی یادگار چھوڑی ہے ان کے علاوہ دو کتابیں اور بھی تصنیف کی تھیں۔

جو مفتی انتظام اللہ شہابی کو طباعت کی غرض سے دی تھیں لیکن ان کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی اور میجر صاحب 13 مارچ 1968ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ میجر صاحب بڑے باپ کے بیٹے تھے۔ خود بھی وزارت جیسے منصب پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ نواب بہاولپور سے قرابت کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ اس کے باوجود ان کی طبیعت میں ذرہ بھر غرور نہ تھا۔ آپ نے یکے بعد دیگر تین شادیاں کیں ان سب سے ماشاءاللہ کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ بڑے فرزند میاں سلطان احمد چیف انجینئر محکمہ انہار، دوسرے فرزند میاں نورالزماں احمد اوج سپرنٹنڈنٹ جیل خانہ جات اور مشہور ادبی شخصیت، تیسرے فرزند فریدالدین مسعود، اور چوتھے ڈاکٹر محمود ہیں جو کینیڈا میں پریکٹس

کرتے ہیں۔(مشاہیر بہاولپور ص ۳۱)

(172)علامہ شیخ طنطاوی الجوہری

علامہ طنطاوی جوہری مصر کی سرزمین کے مایۂ ناز عالم تھے۔انہوں نے دیگر بڑے عالموں کی طرح یہ محسوس کیا کہ قرآن کریم میں بے شمار سائنسی نوعیت کے بیانات ہیں، اس لیے ان سائنسی موضوعات پر الگ سے تحقیق کی ضرورت ہے۔شیخ طنطاوی اس جماعت کے روح رواں ہیں جو سائنسی تفسیر کو نہ صرف جائز بلکہ اس کے وجوب وفرضیت کا فتویٰ دیتی ہے۔قرآن اور سائنس کے موضوع پر آپ نے ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے علاوہ ۲۵ جلدوں میں قرآن کریم کی مکمل تفسیر بھی تصنیف فرمائی ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک یہ واحد سائنسی تفسیر ہے جو سورۂ فاتحہ سے لے کر سورہ ناس تک پورے قرآن کو محیط ہے۔کتاب کا نام ''الجواہر فی القرآن الکریم'' ہے۔اس تفسیر میں علامہ موصوف نے بڑی محنت کی ہے اور قرآن کی ہر آیت سے (چاہے وہ کسی بھی موضوع پر ہو) زولوجی (علم حیاتیات)، باٹنی (علم نباتات)، اسٹرانومی (علم فلکیات)، میڈیکل سائنس (علم طب)، میتھ میٹکس (ریاضی)، جیوگرافی (جغرافیہ) اور ایگریکلچر سائنس (علم زراعت) جیسے صدہا علوم وفنون کا استخراج کر کے قرآن کا اعجاز ثابت کر دکھایا ہے۔(انٹرنیٹ)

(173)حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوجعفر طحاوی تیسری صدی کے عظیم محدث وفقیہہ ہیں محدثین کے ہاں انہیں حافظ اور امام کا درجہ حاصل ہے جبکہ فقہا انہیں مجتہد منتسب قرار دیتے ہیں۔عموماً امام طحاوی کے نام سے بھی معروف ہیں۔نام احمد، کنیت، ابوجعفر، والد کا نام محمد ہے۔سلسلہ نسب یوں ہے، الامام الحافظ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبدالملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن خباب ازدی حجری طحاوی مصری حنفی۔

مصر میں نیل کے کنارے ''طحا'' نامی ایک بستی ۲۳۹ھ 853ء میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے آپ طحاوی کہلاتے ہیں۔ازد یمن کا ایک قبیلہ ہے جو ازد بن عمران کی طرف منسوب ہے اور حجری قبیلہ حجر اس کی ایک شاخ سے منسوب ہے۔آپ کے آباواجداد فتح اسلام کے بعد مصر میں فروکش ہو گئے تھے لہذا آپ مصری کہلائے۔

امام طحاوی کے والد ادب وشاعری میں ممتاز مقام رکھتے اور ان کی والدہ جو ابو ابراہیم

مزنی کی ہمشیرہ تھیں وہ خود بھی بڑی فقیہہ اور عالمہ تھیں۔ امام سیوطی نے ان کا ذکر مصر کے شافعی فقہا میں کیا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کرنے کے علاوہ امام طحاوی نے ابوجعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ اور امام ابوزکریا یحیی بن محمد بن عمروس سے مزید تعلیم حاصل کی انہی کے پاس قرآن حفظ کیا۔ امام مزنی کا فقہا شافعیہ میں بڑا مقام ومرتبہ ہے امام طحاوی نے فقہ اور حدیث کی تحصیل امام مزنی سے کی۔ امام طحاوی جب شام، بیت المقدس، عسقلان وغیرہ گئے تو انہوں نے اس سفر کے ذریعہ وہاں کے علما سے استفادہ کیا اور بطور خاص شام میں انہوں نے قاضی القضاتہ ابوحازم سے استفادہ کیا اور ان سے فقہ وحدیث دونوں حاصل کیا۔

امام زاہد الکوثری نے ایک کتاب الحاوی فی سترۃ الطحاوی میں لکھا امام مزنی خود بھی امام ابوحنیفہ اور ان کے اجلہ تلامذہ امام ابویوسف وامام محمد کی کتابیں زیر مطالعہ رکھتے تھے اور استفادہ کرتے تھے اور یہی ان کے شافعی سے حنفی ہونے کی وجہ بنی۔ خود امام طحاوی سے منقول ہے کہ میں نے اولاً امام مزنی سے حدیثیں لکھی اور امام شافعی کے قول کو اختیار کیا چند سالوں کے بعد جب احمد بن ابی عمران قاضی بن کر مصر آئے تو میں ان کی شاگردی اختیار کی اور ان کے قول کو اختیار کیا۔ امام طحاوی کے شیوخ واساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے ان میں چند ایک یہ ہیں۔ ابراہیم بن ابی داؤد سلیمان بن داؤد الاسدی، احمد بن شعیب بن علی النسائی صاحب السنن، احمد بن ابی عمران القاضی، اسحاق بن ابراہیم بن یونس البغدادی، اسماعیل بن یحیٰ المزنی، بحر بن نصر بن سابق الخولانی، بکار بن قتیبہ بن البصری القاضی، یونس بن عبدالاعلی الصدفی، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبداللہ بن الحکم، عیسیٰ بن مشرور اور عبدالغنی بن رفاعہ۔

امام طحاوی کے شاگردوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے چند اسماء ذکر کیے جاتے ہیں۔

احمد بن ابراہیم بن حماد، احمد بن محمد بن منصور الانصاری الدامغانی، عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس المورخ سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، ابوالقاسم صاحب المعاجم، عبداللہ بن عدی بن عبداللہ الجرجانی ،ابواحمد صاحب کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل، علی بن احمد الطحاوی، ابوالقاسم عبیداللہ بن علی الداؤدی شیخ اہل الظاہر فی عصرہ، عبداللہ بن احمد بن زبر ابوسلیمان، الحافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن الحسین البغدادی المعروف بغندر الحافظ المفید۔

امام طحاوی کی وفات یکم ذیقعدہ ۳۲۱ھ بمطابق 21 نومبر 933ء میں قاہرہ میں 82

سال کی عمر میں ہوئی۔آپ کی تصنیفات میں کچھ ایسی ہیں جو مطبوعہ ہیں یا مخطوطہ کی شکل میں ہیں اور بعض ضائع ہو گئیں۔

(۱) اختلاف العلماء (یہ کتاب تقریباً 130 جلدوں میں ہے اس کتاب کا جو اختصار حافظ ابوبکر الجصاص الرازی نے کیا ہے وہی دستیاب ہے۔)

(۲) السنن الماثورہ (وہ روایتیں ہیں جو انہوں نے اپنے ماموں امام مزنی سے امام شافعی کے واسطے سے سنی ہیں اس کو سنن شافعی بھی کہا جاتا ہے۔)

(۳) شرح معانی الآثار (یہ سب سے مایہ ناز کتاب ہے جس میں انہوں نے احادیث احکام پر بحث کی ہے۔)

(۴) العقیدۃ الطحاویہ (اس میں وہ عقائد ہیں جو امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد سے منقول و ماثور ہیں۔)

(۵) مختصر الطحاوی (الاوسط) یہ کتاب فقہ میں ہے۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(174) حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ کا نام محمد لقب شمس الدین اور تخلص حافظ تھا۔حافظ نے خود اپنا نام یوں تحریر کیا ہے محمد بن المقلب بہ شمس الحافظ الشیر ازی۔حافظ کے سال ولادت کے بارے میں محققین کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔حافظ کا سال ولادت ۷۲۶ ہجری 1325ء ہے۔اس طرح حافظ کا سال وفات ۷۹۲ھ تحریر کیا گیا ہے۔اس طرح وفات کے وقت حافظ کی عمر 65 سال تھی۔حافظ کے دادا کا لقب غیاث الدین اور باپ کا لقب بعض تذکرہ نگاروں نے بہاء الدین اور بعض نے کمال الدین تحریر کیا ہے۔

یہ ایران میں جنگ وجدال اور ناآرامی کا زمانہ تھا۔تیموری حملوں کے نتیجے میں ایران کی بستیاں تباہ برباد ہو گئیں۔اس کے باوجود علماء اور شعراعلمی اور عرفانی محفلیں برقرار رکھتے تھے۔حافظ نے شیخ مجدالدین، شیخ بہاؤالدین، سید شریف جرجانی اور شمس الدین عبداللہ شیرازی سے استفادہ کیا۔انہیں شیراز سے بے حد محبت تھی اسی لئے انہوں نے مصلی اور رکن آباد سے دوری اختیار نہ کی۔ اپنی پوری زندگی میں یزد اور ہرمز کی جانب دو مختصر سفر کیے جو ان کے لئے خوشگوار نہ تھے۔دیوان حافظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے اہل وعیال بھی تھے جن کی رفاقت میں وہ اپنے دکھ

بھول جایا کرتے تھے۔ان کا ایک بیٹا ان کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا مگر اس کے باوجود ان کے دل سے اپنے گھر اور اہل خانہ کی محبت کم نہ ہوئی۔

حافظ دربار سے بھی وابستہ رہے۔ ابو اسحاق نے ۷۴۳ھ ہجری میں شیراز پر حکومت قائم کر لی۔ وہ حافظ سے ہمیشہ مربیانہ سلوک کرتا تھا اور بہت مہربانی سے پیش آتا تھا۔ ایران کے بادشاہوں کے علاوہ برصغیر کے سلاطین بھی حافظ کے کلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محمود شاہ دکنی نے حافظ شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی حتیٰ محمود شاہ نے اس کے لئے زادِ راہ بھی ارسال کیا مگر شیراز کی محبت آڑے آئی اور سفر کی صعوبتوں سے فرار کے لئے حافظ نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور محمود شاہ کی خدمت میں ایک غزل لکھ کر ارسال کر دی۔

حافظ نے ۷۹۱ھ ہجری 1389ء میں شیراز کے مقام پر وفات پائی اور مصلی کے مقام پر دفن ہوئے۔ حافظ کی زندہ جاوید تصنیف اس کا دیوان ہے جو غزلیات، قصائد، قطعات اور رباعیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ حافظ نے تفسیر قرآن بھی تحریر کی۔ محمد گل اندام کے بقول حافظ شیرازی نے کشاف اور مصباح کے حواشی بھی تحریر کیے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(175) حضرت مولانا عبدالحنّان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1899ء کو ’’جرید‘‘ علاقہ کاغان، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی محمد امین سے گھر پر حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۰ھ/ 1922ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور فنون کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۵ھ 1927ء کو علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ محمد رسول خان ہزاروی، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا اعزاز علی اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی وغیرہم سے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ فراغت دیوبند کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر پڑھ کر سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد آسٹریلیا مسجد لاہور میں دس سال کے قریب خطابت کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ تحریر و تقریر میں مہارت رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ بھی رہے، پھر احرار میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دست و بازو بنے۔ تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران قید و بند کی تکالیف بھی برداشت کیں۔ آخر میں ’’بھوسہ منڈی‘‘ راولپنڈی کے خطیب اور مدرسہ حنفیہ ورکشاپی محلّہ کے مہتمم تھے۔ اس دوران درس اور خطابت کے فرائض سرانجام

دیتے رہے۔ ماہ اگست 1966ء کو ''بالاکوٹ'' میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔ اولاد میں آپ کے ایک فرزند مفتی مسعود احمد ہیں۔ (پروفیسر قاضی محمد احمد ہزاروی ص ۲۲۲)

(176) حضرت مولانا مفتی حافظ محمد زکریا لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی حافظ محمد زکریا صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 1870ء میں لدھیانہ کے موچپورہ بازار میں واقع محلّہ مولویان میں مجاہد اسلام مولانا شاہ محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے اور لدھیانہ کے مدرسہ ''مدرسہ اللہ والا'' میں حاصل کی۔ اس دوران جب آپ کے والد کے شاگرد مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن میں مدرسہ کھولا تو آپ کو آپ کے والد مولانا شاہ محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ کانپور میں درسِ نظامیہ کی مکمل کتابیں پڑھیں۔ آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں سے مجاہد آزادی مولانا حسرت موہانی اور قاری عبدالرحمٰن الہ ابادی سے آپ کے گہرے مراسم ہو گئے تھے۔

آپ کے والد نے رمضان المبارک کی آمد سے قبل ایک مرتبہ دورانِ گفتگو فرمایا کہ کاش تو حافظ بھی ہوتا۔ اور اس روز سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا۔ صرف تین ماہ میں مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا اور رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو تاریخی مسجد دومنزلی موچپورہ بازار میں متقدین میں حفظاء اور علماء کی بڑی تعداد کی موجودگی میں صرف ایک جماعت میں بغیر کسی غلطی اور متشابہ کے سنا دیا۔ آپ کا نکاح نور بی بی کے ساتھ ہوا جو کہ پنجاب کے مشہور عالم دین حضرت مولانا امام الدین صاحب نقشبندی آدرمان نکودر، ضلع جالندھر کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ یاد رہے کہ نور بی بی ہی جنگ آزادی کے مشہور مجاہد رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی والدہ ہیں۔

1903ء کے رمضان المبارک میں جب یکے بعد دیگرے تیرہ روز کے فرق سے آپ کے والد مولانا شاہ محمد لدھیانوی اور آپ کے چچا قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز لدھیانوی انتقال فرما گئے تو آپ نے بخوبی تمام ذمہ داریاں سنبھالیں۔ آپ کا خطاب نہایت ہی فصیح و بلیغ ہوا کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تحفظ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں۔

قادیانیوں کے خلاف دائر مقدمہ بہاولپور میں شرکت کیلئے آپ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہاولپور تشریف لے گئے۔ آپ کو اردو فارسی اور عربی کے بے شمار اشعار

یاد تھے۔ جالندھر کے ایک جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں آپ کی ملاقات مولانا ابوالکلام آزاد سے ہوئی۔ آپ نے مولانا آزاد کی تقریر سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد آپ امر تسر گئے اور وہاں مولانا آزاد اخبار ''وکیل'' میں بطور سب ایڈیٹر ۵۰ روپے تنخواہ پر کام کر رہے تھے۔ آپ نے مولانا آزاد سے ملتے ہی فرمایا۔ اے عزیز نوجوانوں! تمہاری یہ جگہ نہیں تم خود کچھ کام کرو ملک میں سب سے بڑے آدمی بن جاؤ گے۔ اخبار وکیل سے استعفیٰ دے کر واپس کلکتہ تشریف لے گئے اور پھر مولانا آزاد کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

آپ کے تین بیٹے تھے جن میں بڑے بیٹے ہندوستان کی تحریک آزادی کی صف اول کے رہنما اور مجلس احرار اسلام کے بانی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اول ہیں اور دوسرے بیٹے جید عالم دین مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی اور تیسرے بیٹے مولانا محمد حسن لدھیانوی تھے۔
(قافلہ علم وحریت ص ۱۰۳)

(177) علامہ محمد بخیت المطیعی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بخیت بن حسین المطیعی الحنفی اصعیدی ثم القاھری

آپ کی پیدائش بالائی مصر کے علاقہ قطعیہ ''بالقاف'' میں (جو اب مطعیہ کہلاتا ہے) ۱۲۷۱ھ 1854ء میں ہوئی۔ اسی وجہ سی مطیعی مشہور ہیں۔ آپ کا خاندان فقہ مالکی مذہب کا پیرو تھا۔ آپ نے حنفی مذہب کو اختیار کیا۔ آپ جیدّ فقیہ، مفسر اور محقق تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں جامع الازہر میں طلب علم کے لیے داخلہ لیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت حاصل کی۔ بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی۔ مصر اور سکندریہ میں عدالتی فرائض منصبی ادا کیے۔ اسکندریہ میں آپ کو شریعت کورٹ (محکمہ شریعہ) اور اپیل کورٹ (محکمہ استئناف) کا ممبر نامزد کیا گیا۔ پھر آپ کو مفتی مصر کا منصب عطا کیا گیا۔ فرائض منصبی کے دوران بھی السکندریہ اور قاہرہ میں تدریس جاری رکھی۔ حتیٰ کہ ایک روز السکندریہ سے قاہرہ اور پھر السکندریہ ایک عرصہ تک یہ معمول رہا۔

آپ نے مندرجہ ذیل سے اکتساب علم کیا: الشیخ محمد علیش، عبدالرحمن الشربینی، الشیخ احمد الرفاعی المالکی (المتوفی عام 1325ء)، احمد منۃ اللہ، السقا، محمد الخضری المصری، حسن الطویل، محمد البھوتی، عبدالرحمٰن البحراوی، محمد الفضالی الجرواتی، السید جمال الدین الافغانی، وغیرھم۔ آپ نے بدیع الزمان سعید النورسی سے بھی ملاقات کیں۔

آپ کا ذاتی کتب خانہ (لائبریری) بہت وسیع تھی جس میں دیگر زبانوں اور معاصرین کی کتب شامل تھیں۔ آپ پچاسویں دستور ساز کمیٹی 1923ء کے ممبر بنائے گئے جس میں پہلی بار آپ نے اسلامی قوانین کو دستور وآئین کا بنیادی ماخذ قرار دینے کی قرارداد پیش کی۔ مصر کے کسی مال دار نے ایک جگہ اللہ کے لیے وقف کردی اور مسجد تعمیر کروائی۔ حکومت کو اس جگہ کی ضرورت پڑی تو آپ سے فتویٰ طلب کیا گیا جس پر آپ نے مسجد کی جگہ نہ لینے کا فتویٰ دیا۔ یہی واقعہ آپ کے مفتی کے عہدہ سے معزول ہونے کی وجہ بنی۔

آپ کی تصنیفات میں مشہور ہیں: (۱) شرح جمع الجوامع فی اصول الفقه (۲) القول الجامع فی الطلاق البدعی (۳) الكلمات الحسان فی الاحرف السبعة وجمع القرآن (۴) الدرر البهية فی الصلاة الكمالية (۵) رسالة فی الايات الكونية والعمر النيه (۶) البدر الساطع علی جمع الجوامع، فی اصول الفقه (۷) احسن الكلام فيما يتعلق بالسنة والبدعه من الاحكام (۸) الفتاوی الفقهيه 4 جلد (۹) القول المفيد علی وسيله العبيد فی علم التوحيد (۱۰) الجواب الشافی فی اباحة التصويرو الفو تو غرافی (۱۱) تطهير الفواد من دنس الاعتقاد وهو كا لمقدمه علی كتاب شفاء السقام لتقی الدين السبكی (۱۲) الكلمات الطيبات فی الماثور عن الاسراء والمعراج (۱۳) ارشاد القاری والسامع الی ان الطلاق اذالم يضف الی المراة غير واقع (۱۴) حسن البيان فی دفع ما ورد من الشبه علی القرآن۔

آپ نے ۱۳۵۴ھ 1935ء کو انتقال فرمایا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(178) مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

نور احمد بن شہاب الدین بن عمر بخش، حنفی پسروری، سیالکوٹی پھر امرتسری، ایک دیہات پسرور یا عجمیہ یعنی پاسے جو سیالکوٹ کے علاقہ میں ہے اسی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے، علم کے حصول کے لئے سفر کیا۔ درسی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوری، شیخ محمد مظہر بن لطف علی نانوتوی، قاری عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی، شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری اور دوسرے علماء سے پڑھیں۔

۱۲۹۸ھ میں حج وزیارت کا فریضہ ادا کیا۔ شیخ رحمت اللہ بن خلیل عثمانی کرانوی مہاجر، شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی، شیخ عبدالحمید داغستانی، شیخ حسب اللہ مکی، شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ

سراج حنفی مکی، شیخ عبدالجلیل برادہ آفندی مدنی، شیخ محمد مظہر بن احمد سعید دہلوی، شیخ حاجی امداد اللہ بن محمد امین تھانوی، شیخ صالح حبیب الرحمٰن ردولوی سے علوم حاصل کئے اور ان سے استفادہ بھی کیا۔

۱۳۰۱ھ میں ہندوستان لوٹ آئے، یہاں امرتسر میں اقامت کر کے پڑھانے لگے۔

آپ کے ہم عصروں میں سے کسی نے امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی باریک بینی کے ساتھ تصحیح کی اور احادیث کی تخریج یعنی ان کے حوالہ جات اور مفید حاشیے لکھے۔ اور واضح اور مفید جملے لکھے۔ آپ مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے مہتمم تھے۔ چوک فرید امرتسر میں مدرسہ تجوید القرآن جاری کیا۔ مسجد نور بنوائی۔ انجمن حفظ المسلمین کی بنیاد رکھی۔ قادیان میں بھی ایک تبلیغی انجمن کا قیام عمل میں لائے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں بھی معلم رہے۔

۱۳ شعبان ۱۳۴۸ھ آپ نے امرتسر میں انتقال فرمایا اور ''مسجد نور'' کے قریب دفن کئے گئے۔ (نزہۃ الخواطر مترجم ج ۸ ص ۶۲۹)

(179) سید امیر علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

امیر علی بن معظم الحسینی اولاً ملیح آباد ثانیاً لکھنوء میں آباد تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۷۴ھ میں ہوئی، ابتداً فارسی کی مختلف کتابیں پڑھنے کے بعد فنون ریاضیہ کے علم حساب واقلیدس وجبر و مقابلہ اور علم المثلث والمساحۃ وغیرہ کی بھی تعلیم حاصل کی لیکن جب آپ پندرہ برس کی عمر کو پہنچے تو علوم جدیدہ سے شغف ختم کر کے علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ابتدائی کتابیں سید عبداللہ آروی اور ان کے شیخ مولانا حیدر علی مہاجر سے پڑھیں قاضی بشیر الدین عثمانی القینوجی کی خدمت میں رہ کر اصول وکلام ومنطق وحکمت وغیرہ کی تعلیم حاصل کر کے دہلی تشریف لے گئے اور علم حدیث کے حصول کے لئے شیخ محدث نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں رہ کر آپ سے صحاح اور سنن کی کتابیں بہت تدبر وتفکر کے ساتھ پڑھیں، حکیم عبدالمجید بن محمود دہلوی سے فن طب کی کتابیں پڑھیں تعلیم کے بعد اپنے شہر ملیح آباد واپس تشریف لے آئے، لکھنوء شہر میں شادی کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

مطبع نولکشور (نون کے زیر واو کو زبر پھر کاف کے زیر کے ساتھ) سے متعلق ہو کر آپ نے وہاں مختلف کتابوں کی تصحیح اور ان پر حاشیہ لکھنے کی خدمت کرنے میں اپنی زندگی کا کافی وقت لگایا، زندگی کے آخری دنوں میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل نے آپ کو اپنے مدرسہ کی خدمت کے

لئے پیش کش کی اور اس میں تعلیمی خدمت آپ کے حوالہ کردی، سال دو سال کے بعد ندوۃ العلماء لکھنوء کے اراکین نے اپنے ادارہ کی ذمہ داری آپ کے حوالہ کردی، تقریباً تیس برس تک آپ نے وہاں کی تدریسی خدمات کی انجام وہی کرتے ہوئے بالآخر وہیں وفات پائی۔ حج و زیارت مقامات مقدسہ کی سعادت حاصل کی پھر جدہ میں بھی تدریسی خدمات آپ کے حوالہ کی گئیں اور آپ نے بطریق احسن ان کا حق ادا کیا پھر آپ ہندوستان واپس تشریف لے آئے، آپ حنفی ہونے کے باوجود مذہب حنفی میں متشدد (کٹر) نہ تھے۔

آپ نے مختلف تصنیفات فرمائی ان میں سے (۱) مواھب الرحمٰن ہے جوکہ مکمل قرآن کریم کی پوری تیس جلدوں میں اردو تفسیر ہے (۲) عین الھدایہ ہے جوکہ ہدایۃ الفقہ کی مکمل اردو شرح ہے (۳) فتاویٰ عالمگیری کا اردو ترجمہ (۴) صحیح البخاری کی کئی موٹی موٹی جلدوں میں اردو شرح (۵) التوضیح و التلویح پر ایک مفصل حاشیہ ہے (۶) حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب التہذیب پر بھی عمدہ حاشیہ ہے (۷) التقریب کا تکملہ جس کا نام التعقیب ہے (۸) رجال الحدیث میں ایک کتاب المستدرک ہے جس میں صحاح وسنن حدیث کے تمام راویوں کو جمع کر دیا ہے (۹) السمعانی اور دوسروں کے انساب کو بھی جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اسے مکمل نہ کرسکے۔ ۱۳۳۷ھ کے ماہ رجب لکھنوء شہر میں انتقال فرمایا ہے۔ (نزہۃ الخواطر مترجم ج ۸ ص ۱۳۸)

(180) حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ شبلی نعمانی برصغیر پاک و ہند کے ممتاز محقق، مورخ، شاعر اور انشاء پرداز تھے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع اور مستقل سیرت دو جلدوں میں ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے نام سے لکھی۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن اعظم گڑھ میں ایک عظیم اشاعتی اور علمی ادارہ ''دارالمصنفین'' کے نام سے قائم کیا۔

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اعظم گڑھ (یو پی) کے ایک گاوں بندول میں ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ مکتب میں انہوں نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اعظم گڑھ، غازی پور، رامپور اور لاہور میں قرآن و حدیث، فقہ، عربی ادب، منطق اور فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ جب وہ تمام علوم سے فارغ التحصیل ہوئے تو اس وقت ان کی عمر صرف انیس سال تھی۔ اس کے بعد کعبہ شریف کی حج سے مشرف ہوئے اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کو نکل گئے۔

علی گڑھ کالج میں رہ کر علامہ شبلی کو تصنیف و تالیف کا شوق دامن گیر ہوا۔ یہیں ان کی ملاقات پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی۔ مولانا نے آرنلڈ کو عربی پڑھائی اور اس سے فرانسیسی زبان سیکھی۔ مولانا ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ مولانا کے شاگردوں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی مشہور ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ 18 نومبر 1914ء کو فات پا گئے لیکن ان کی بلند پایہ تصانیف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الفاروق، شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر۔

ندوۃ العلماء سے وابستگی کے دوران علامہ شبلی نے نصاب تعلیم کے علاوہ یہ کوشش بھی کی کہ دینی مدارس کے طلباء میں انشاء پردازی اور خطابت (تقریر) کی صلاحیتیں پیدا ہوں۔ وہ ایسے علماء پیدا کرنا چاہتے تھے جو عصر جدید کی ضروریات نظریات سے واقف ہوں اور کسی مغربی زبان سے بھی واقفیت رکھتے ہوں، نیز جو بے لوث اور ایثار پسند ہوں۔ آپ کی قابلیت اور علمی خدمات کے اعتراف میں سلطان ترکی نے 1892ء میں تمغۂ مجیدی عطا کیا اور 1894ء میں حکومت برطانیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ (علمائے دیوبند، عہد ساز شخصیات ص ۲۲۵)

(181) حضرت مولانا نور محمد حقانی لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد محترم آرائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا گاؤں ''مانگٹ'' لدھیانہ شہر سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر دریائے ستلج بہتا تھا۔ 1850ء سے قبل حافظ قادری علی محمد یا ان کے والد ''مانگٹ'' گاؤں چھوڑ کر لدھیانہ شہر چلے گئے۔

حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۲ھ میں شہر لدھیانہ میں مولانا حافظ قاری علی محمد لدھیانوی کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم لدھیانہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی، کانپور اور لکھنؤ کے ماہر اساتذہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ علم حدیث کی سند مولانا احمد علی محدث سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مظہر نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم جماعت ساتھی تھے۔ آپ نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اشاعت دین اور اعلان حق کو اپنا مقصد حیات بنایا اور اپنے لئے حقانی لقب پسند فرمایا۔ آپ نے انگریزی عیسائی مشنری کے اثرات کو ختم کرنے کیلئے اہم خدمات انجام دیں۔

آپ نے لدھیانہ میں ایک پریس ''مطبع حقانی'' کے نام سے قائم فرمایا اور عیائیوں کے

مقامی اخبار نورِ افشاں کے جواب میں اپنا اخبار نور علی نور جاری کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لدھیانہ میں لڑکیوں کی تعلیم کیلئے اپنے والد کے قائم کردہ مدرسۃ البنات کے ساتھ مدرسۃ الحقانیہ قائم فرمایا۔ یہ ہندوستان کا اول مدرسہ تھا جس میں طلباء کو قرآن مجید کی تعلیم احکامات شریعہ کے علم کے ساتھ ساتھ پرائمری تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید پڑھنے کے ابتدائی قاعدے کو نہایت ہی آسان طریقہ پر مرتب فرمایا اس قاعدے کا نام آپ کے نام پر نورانی قاعدہ رکھا گیا۔

مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس وقت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست تھے، نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی کہ ان کی بستی رائے پور میں بھی ایسا ہی مدرسہ قائم کریں تو وہاں بھی مدرسہ کی شاخ قائم کی گئی۔

مدرسہ ام المدارس لدھیانہ کے مشہور سبحانی بلڈنگ چوک کے قریب شاہ پور روڈ پر واقع تھا۔ مدرسہ میں اُس وقت مختلف شعبوں کیلئے عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ مولانا نور محمد لدھیانوی نے مدرسہ کی وسیع وعریض عمارتوں کے درمیان ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کروائی۔

مولانا نور محمد حقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمی خدمات کا اعتراف عوام الناس کے ساتھ ساتھ حکومت وقت نے بھی 1885ء کے لگ بھگ لائل پور کو آباد کرتے وقت حکومت برطانیہ نے مولانا نور محمد حقانی کو سمندری کی گاؤں 448 گ ب ''نوشارن'' میں اڑھائی مربع اراضی الاٹ کی جس میں سے ڈیڑھ مربع زمین مولانا حقانی ''ام المدارس'' کے نام وقف کردی۔ نوشارن گاؤں ''کنجوانی'' کے نزدیک ہے۔ اس گاؤں کی نمبرداری بھی مولانا نور محمد کو ملی۔

(۱۹۴۷ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری ص ۱۰۲۹)

آپ نے اسلامیہ ہائی اسکول لدھیانہ کی بنیاد رکھی اور مشنری ہائی اسکولز کے مقابلہ میں اسلامیہ ہائی اسکول کو ہر لحاظ سے بہتر بنایا۔ معلومات کے مطابق ہندوستان میں یہ پہلا ہائی اسکول تھا جسے اسلامیہ ہائی اسکول کہا گیا۔ آپ اسی طرز پر ایک اسلامیہ کالج قائم کرنے کے فکر میں تھے جس میں قدیم تہذیب غالب ہو۔ لیکن مولانا کو اس کام کیلئے مہلت نہ مل سکی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنجاب کے وزیر تعلیم سر عبدالقادر شیخ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا نور محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہی درسگاہ کے پروردہ تھے۔ سر عبدالقادر لدھیانوی بعد میں اردو ادب، انجمن حمایت اسلام لاہور اور ڈاکٹر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مربی اور محسن ہوئے۔

آپ نے چند تصانیف بھی فرمائیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

(۱) نورانی قاعدہ۔ (۲) رسالہ طریقہ تعلیم۔ (۳) قاعدہ اردو۔ (۴) مشق رنگین۔ (۵) عقد انامل۔(۶) تعلیم المعلمین۔(۷) اسلام کی پہلی کتاب۔(۸) العلم وفضلہ۔(۹) ترکیب الصلوٰۃ۔ (۱۰) الامر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ (۱۱) الحسد و علاجہا۔ (۱۲) رسالہ جمعہ۔ (۱۳) دعاء انس رضی اللہ عنہ۔ (قافلہ علم وحریت ص ۹۷)

آپ بزمانہ تعلیم یا بعد از تعلیم حضرت اقدس الحاج شاہ عبدالرحیم قادری سہار نپوری قدس سرہٗ سے بیعت ہوکر سلسلہ عالیہ قادریہ، نقش بندیہ مجددیہ کے اسباق شروع فرمائے اور عبادت و ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوئے، جب منازل سلوک طے ہو گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت و خلافت سے مشرف فرمایا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ تعلیم القرآن کے ناظم آپ ہی تھے۔

آپ کے دوفرزند مولانا حافظ قاری نور حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حافظ قاری احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بیٹی بی بی عائشہ زوجہ مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (میاں چنوں والے) تھے۔آپ نے ۱۳۴۳ھ 1925ء کواپنی جان رب العزت کے سپرد کر دی۔نماز جنازہ کی امامت، آپ کے صاحبزادے حضرت حافظ احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی، فیل گنج قبرستان میں مزار مبارک ہے۔ (احوال العارفین)

(182) حضرت میاں جی شاہ عبدالرحیم سہار نپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”حضرت میاں صاحب سرساوہ ضلع سہار نپور کے رہنے والے تھے، اگر یہ خاندانی روایت صحیح ہے کہ نواسی سال کی عمر میں وفات ہوئی تو ولادت ۱۲۱۴ھ میں ہوئی ہوگی۔“

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی اخوند صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمالیا اور شرط کی کہ انگریزوں کی نوکری نہیں کروگے ورنہ بیعت شکست ہوجائے گی، وہ بیعت کر کے چلے آئے لیکن بعض حالات ایسے پیش آئے کہ انہوں نے نوکری کرلی، پھر جب سیدو شریف حاضر ہوئے اخوند صاحب نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ جا تو ہمارے کام کا نہیں رہا، آپ پندرہ روز تک وہاں روتے رہے، اخوند صاحب نے بلوا کر دوبارہ اسی شرط پر بیعت لی اور وہیں کے ہو رہے، وہاں سیدو شریف میں ایک غار میں معمولات

پورے فرماتے تھے، ایک روز اس غار کے اوپر اس چٹان پر شیر ببر آکر بولنے لگا، اس کی آواز سے پہاڑ کی چوٹی سے پتھر گرنے لگے، فرماتے تھے ذرا سکون میں فرق نہ آیا، پھر اپنا ذکر اسی قوت سے شروع کر دیا۔

بڑے قوی النسبت اور صاحبِ کشف وتصرف بزرگ تھے، اُٹھنا بیٹھنا مشکل تھا، اس کے باوجود روزانہ سو رکعتیں نفل پڑھا کرتے تھے، خادم کھڑا کر دیتے تھے آپ نفل پڑھنے لگتے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ کشف کا یہ حال تھا کہ مرزا صاحب کی شہرت اور دعوے سے بہت دن پہلے حکیم نور الدین بھیروی مہاراجہ جموں کی صحت کے لئے دعاء کرانے کے لئے آیا، فرمایا تمہارا نام نور الدین ہے، حکیم صاحب نے کہا ''ہاں'' فرمایا علاقۂ قادیان میں ایک غلام احمد پیدا ہوا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد ایسے دعوے کرے گا جو نہ اٹھائے جائیں گے نہ رکھے جائیں گی، تم اس کے مصاحب لکھے ہوئے ہو، حکیم صاحب نے استعجاب کا اظہار کیا تو فرمایا تم میں الجھنے کی عادت ہے اور مناظرہ کا شوق ہے، یہی عادت تم کو وہاں لے جائے گی۔

باوجود کشف وکرامت وعلوِ مرتبت کے مزاج میں بہت تواضع اور مسکنت تھی، فرماتے تھے کہ جب میں بازار سے گزرتا ہوں اور لوگ سلام کرتے ہیں تو گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے، ندامت میں ڈوب جاتا ہوں، انتقال بھی عجیب طریقہ سے ہوا، ایک دن گھر سے خوشدامن صاحبہ نے آواز دی کہ میاں صاحب رقیہ (چھوٹی بچی) روٹھی ہوئی ہے اس کو مناؤ فرمایا کیسی رقیہ اور کس کی رقیہ؟ ہم نے اپنے روٹھے کو منا لیا یہ کہہ کر ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہا، کروٹ لی اور سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب (رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرتے تھے، ابتداء سے بزرگوں سے عقیدت اور اُن کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق تھا، میاں صاحب کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے، میاں صاحب کو بھی بڑی نظرِ عنایت تھی ایک روز فرمایا آمیرے چاند تجھے بیعت ہی کر لوں، کچھ عرصہ کے بعد اجازت بھی مرحمت فرمائی، حضرت کی ان کے ساتھ اخیر تک عقیدت قائم رہی، ذکر طریقہ قادریہ کا انہیں سے اخذ کیا تھا اور رائے پور کے سلسلہ میں وہی رائج ہے۔

مولانا عبداللہ شاہ صاحب کرنالی رحمۃ اللہ علیہ ''تعلیماتِ رحیمی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت

پیر و مرشد (حضرت میاں صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) بدرجۂ غایت متبع سنت اور محترز از بدعت تھے، کسی عرس اور محفلِ رقص و سرود و شعر خوانی میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے خادمان کو اتباعِ شرع کا تقیُّد فرماتے تھے، اور بدعات سے منع فرماتے تھے۔'' (ص ۵۲، ۵۳) ۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۰۲ھ روز دوشنبہ وقت شب میاں صاحب کی وفات ہوئی۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، ص ۳۲۰)

حضرت سید نفیس شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء دیوبند کے معاصر و مرتبہ شناس تھے۔

''تعلیماتِ رحیمی'' میں آپ کے خلفاء کرام کے نام اس ترتیب سے تحریر ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد امیر باز خاں صاحب قدس سرہٗ۔ (۲) حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب جلال آبادی ثم الکرنالی قدس سرہٗ۔ (۳) حضرت مولانا شاہ ابوالحسن صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ۔ (۴) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری جو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے بھی مجاز ہوئے۔ (۵) حضرت مولانا عبدالخالق صاحب ساکن مہم ضلع رہتک نور اللہ مضجعہ۔ (۶) حضرت مولانا قاری عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تخت ہزاروی۔ (قبر نصیر پور نزد مڈرانجھا)۔ (۷) حضرت مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مضجعہٗ۔ (قطب سوات ص ۱۴)

(بیاںبہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۴۴)

(183) حضرت مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

آپ اُپرتناول (ہزارہ) کے مرکزی مقام ''لساں'' میں مولانا احمد گل صاحب لودھی کے گھر 1890ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے چند درسی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، موقوف علیہ کی دو سال میں تکمیل کے بعد تیسرے سال ۱۳۳۹ھ میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں ۳۷ ویں نمبر پر آپ کا نام موجود ہے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ گلاوٹی ضلع بلند شہر میں تدریس کی، اسی طرح کچھ وقت لاہور کے مدرسہ نعمانیہ میں بھی پڑھاتے رہے۔

اگست 1922ء کو ایبٹ آباد کی مرکزی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے، امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پچاس سال تک یہ خدمات انجام دے کر ۹ رجب ۱۳۹۱ھ/ 31۔ اگست 1971ء بروز منگل بوقت عصر انتقال ہوا۔

تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا اور 1947ء کی تحریک سول نافرمانی میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، آپ اپنے استاد علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ارادت رکھتے تھے۔ ویسے ممبر کسی سیاسی جماعت کے ممبر نہ تھے۔ 1951ء میں پہلا اور 1964ء میں دوسرا حج کیا۔

آپ کی تصانیف میں ''السیف الفاروق، مخزن العلوم شرح سلّم العلوم، شرح میر قطبی، شرح تصریح غیر مطبوعہ اور ایک رسالہ ''پردہ'' مطبوعہ ہیں جو آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔

آپ خطیب ہزارہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نے بروز سہ شنبہ (منگل) بوقت عصر ۹ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ/ 31۔ اگست 1971ء کو بعمر ۹۰ سال انتقال فرمایا۔ نماز جنازہ کی امامت آپ کے بھائی مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے کی۔ پنج پیر (ایبٹ آباد مقابل نیشنل بنک) میں دفن کئے گئے۔ (مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۱۷۴)

(184) مُلّا صدرالدین شیرازی

محمد بن ابراہیم ملقب بہ صدرالدین شیرازی ۹۷۹ھ یا ۹۸۰ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ عام طور پر اخوند مّلا صدرا یا صدر المتالہین کے نام سے معروف ہیں۔ ملا موصوف با اثر اور صاحب حیثیت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لیے والد نے ذہین اور محنتی بیٹے کی تعلیم وتربیت میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد اصفہان چلے گئے۔ آپ نے شیخ بہاؤالدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ) اور ایرانی فلسفی میر باقر بن عماد الدین محمود شیرازی (م ۱۰۴۱ھ) کے حضور زانوئے تلمذ طے کیا۔ ایک روایت ہے کہ اس عرصے میں میر ابوالقاسم مندرسکی سے بھی اکتساب علم کیا جو عارف وزاہد ہونے کے علاوہ بے نظیر ریاضی دان تھے۔ حاسدوں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اصفہان سے نقل سکونت کر کے ''قُم'' کے نزدیک ''کھک'' نامی گاؤں میں کافی عرصہ تنہائی کی زندگی گزاری اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہے۔ غالباً صدرالدین شیرازی کی طبیعت میں فلسفیوں کی روایتی گرم مزاجی نہ ہونے کی وجہ یہی مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے۔ موصوف سلطنت مغلیہ دور میں ۱۰۱۱ھ

میں ہندوستان آئے اور حکیم علی گیلانی سے استفادہ کیا۔مُغل دربار میں بڑی پذیرائی ہوئی۔اکبر ،جہانگیر،شاہجہاں عہدے اور مال سے نوازا۔شہر سورت کے حاکم بھی بنائے گئے۔(حالات مصنفین درس نظامی،ص ۳۷۲)

فارس کے حاکم اللہ وردی خان نے ان کے آبائی وطن شیراز میں ایک درس گاہ قائم کی اور ملا کو وطن آکر خدمات علمی انجام دینے کی دعوت دی۔ان کے زیر نگرانی مدرسہ اللہ وردی خان اہم علمی مرکز بن گیا۔اور''مدرسہ خان ایران'' کے نام سے اس کی شہرت دور نزدیک پھیل گئی۔ملا موصوف نے سات بار پیدل حج کیا اور ساتویں بار سفر حج سے واپسی پر بصرہ میں ۱۰۵۰ھ مطابق 1640ء میں دنیا فانی سے رحلت کرگئے۔فیض الباری میں ہے کہ موصوف شیرازی شیعہ صوفی ہیں۔صحابہ کرامؓ پر سبّ وشتم نہیں کرتے لیکن امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بے ادبی کرتے ہیں۔

ان کی ''48'' کتابوں کے نام تذکرہ نگاروں نے لکھے ہیں۔ان میں سے صرف ایک فارسی زبان میں ہے باقی سب ہی عربی زبان میں ہیں۔ان کی کتابوں کا موضوع حکمت وعرفان، فلسفہ اور علوم دینیہ ہیں۔چند اہم کتابوں کے نام:

(1۔)الاسفار الاربعہ:ملاصوف کی فلسفیانہ کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔اس کا دوسرا نام''الحکمۃ المتعالیۃ می المسائل الربوبیۃ'' ہے۔(2۔) شرح ھدایت الحکمت: جو ''صدرا'' کے نام سے مشہور ہے۔(3۔) حاشیہ حکمت الاشراق: الشواھد الربوبیۃ فی المناھتیٓ السلوکیۃ۔(4۔) السیر العارمین۔(5۔) رسالہ صدر الدین شیرازی: آٹھ رسالوں کا مجموعہ ہے۔(6۔) شرح اصول السکاکی۔(7۔) شرح اصول کافی: شیخ کلینی کی کتاب''اصول کافی'' کے ایک حصہ کی شرح ہے۔(8۔) ملّا صدر الدین شیرازی کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل افراد نہایت نمایاں ہیں ملّا محسن فیض کاشانی(م ۱۰۹۱ھ)،مولانا عبدالرزاق لاہچی۔

(185)ارسطو

ارسطو یونان کا ممتاز فلسفی مفکر اور ماہر منطق تھا جس نے سقراط جیسے استاد کی صحبت پائی اور سکندر اعظم جیسے شاگرد سے دنیا کو متعارف کروایا۔384 قبل مسیح میں قمدونیہ کے علاقے استاگرہ میں پیدا ہوا۔اس کا باپ شاہی دربار میں طبیب تھا۔ارسطو نے ابتدائی (طب،حکمت اور حیاتیات کی) تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔وہ بچپن ہی میں اپنی والدہ کے سائے سے محروم ہو گیا دس برس

کا ہوا تو باپ کا بھی انتقال ہو گیا 18 سال کی عمر میں وہ ایتھنز چلا آیا، جو اس وقت مرکز علم و حکمت تھا یہاں وہ 37 سال کی عمر تک افلاطون کے مکتب سے وابستہ رہا تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اسے اپنے استاد افلاطون کے خیالات میں تضاد اور طریق تدریس میں کجی نظر آئی جسے اس نے اپنی تحریروں میں موضوع بنایا ہے۔ 53 سال کی عمر میں ارسطو نے اپنے مدینۃ الحکمت کی بنیاد ڈالی جہاں اس نے نظری و کلاسیکی طریقہ علم کی بجائے عملی اور عقلی مکتب فکر کو فروغ دیا۔ اخیر عمر میں ارسطو کے اس کے شاگرد سکندر اعظم کے ساتھ اختلافات اور پھر اس کی موت کے بعد شورشوں نے اسے یونان بدر ہونے پر مجبور کر دیا اور یوں ارسطو کا خالکس میں 7 مارچ 322 قبل مسیح میں انتقال ہوا۔

وہ پہلا عالم تھا جس نے علمی اصطلاحات وضع کیں۔ منطق کو باقاعدہ علم کا درجہ دیا۔ اس کی کتب و تحقیقی رسائل کی تعداد ہزار سے اوپر ہے۔ (۱) المقولات (۲) الاخلاق (۳) مابعد الطبیعیہ (۴) العبارتہ۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(186) حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد بن محمد بن احمد تھا، لقب حجۃ الاسلام اور عرف غزالی تھا۔ خراسان کے علاقے طوس کے ضلع طاہران شہر میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ غزل کا معنیٰ کاتنے کے ہیں، اور آپ کے والدِ محترم سوت بیچتے تھے، اس لیے غزالی کہا گیا۔ کتاب الانساب میں ہے کہ غزالی دراصل طوس کے ایک گاؤں کا نام تھا اور امام صاحب وہاں کے رہنے والے تھے۔ اس دور کے مطابق حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی اور فقہ کی کتابیں احمد بن محمد رافکانی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، پھر جرجان تشریف لے گئے اور امام ابونصر اسمٰعیل سے تحصیل علم کیا۔ امام صاحب نے دورانِ تعلیم استاد کی تقاریر لکھیں، کچھ دِنوں بعد وطن واپس ہوئے۔ وطن پہنچ کر سارا مجموعہ حفظ کر لیا۔ امام صاحب نیشاپور تشریف لے گئے اور امام الحرمین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں داخل تھے۔ حرمین میں قیام کے دور میں مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کے فتوے ان کے پاس آتے تھے، اس لیے امام الحرمین کے لقب سے پکارے گئے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی۔ امام الحرمین کے انتقال کے بعد جب امام غزالی نیشاپور سے نکلے، تو تمام اسلامی ممالک میں ان کے پائے کا کوئی عالم نہ تھا اور اس وقت ان کی عمر اٹھائیس برس تھی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے، وہاں سینکڑوں اہلِ علم کا مجمع تھا، نظام الملک نے مناظرے کی مجالس منعقد کیں۔ علماء کرام کے مباحثات ہوئے، مگر ہر مباحثے میں امام غزالی ہی غالب رہے۔ انہیں نظامیہ میں مسندِ درس کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس وقت امام صاحب کی عمر چونتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ امام صاحب کے درس میں تین سو بلند پایہ علماء بصورت طلباء ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عظیم ترین علمی مقام پر فائز ہونے کے باوجود قلبی طور پر ایک عجیب تذبذب میں مبتلا تھے۔

اس کے بعد امام صاحب شام اور حجاز کا سفر کرتے ہیں اور صوفیاء کی خدمت میں رہ کر درجاتِ باطنیہ طے کرتے ہیں۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام صاحب، حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اسی سفر میں مصر بھی تشریف لے گئے، جب فلسطین پہنچے تو الخلیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہو کر تین باتوں کا وعدہ کیا: (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا، (۲) کسی بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کروں گا، (۳) کسی سے مناظرہ مباحثہ نہیں کروں گا۔

امام صاحب نے ۱۴۔ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں طاہران کے مقام پر وفات پائی اور اسی شہر میں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وفات کا واقعہ ان کے بھائی احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے نقل کیا ہے پیر کے روز امام صاحب صبح کے وقت بسترِ خواب سے اٹھے وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا: آقا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیے۔ لوگوں نے دیکھا تو واصل بحق ہو چکے تھے۔

امام صاحب کی اولاد میں لڑکے نہیں تھے، چند لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام ست المنی تھا، ان کی اولاد کا سلسلہ دور تک تھا۔ حافظ ابن عساکر اور کئی بلند پایہ علماء ان کے شاگرد تھے۔

صحرا نوردی، درس و تدریس، فتاویٰ اور علمی مشاغل کے باوجود حضرت امام صاحب کی تصانیف سینکڑوں تک پہنچی ہیں، جن میں احیاء العلوم، الاقتصاد فی الاعتقاد، تہافۃ الفلاسفہ، القسطاس المستقیم، المنقذ من الضلال، معراج السالکین، الوجیز، کیمیائے سعادت، منہاج العابدین جیسی بلند پایہ کتابیں داخل ہیں ایک قول کے مطابق منہاج العابدین حضرت امام صاحب کی آخری کتاب ہے۔ کہتے ہیں کہ امام صاحب کی تحریر روزانہ

اوسطاً ۱۲ صحاف بنتی ہے۔(مکاشفۃ القلوب مترجم ص ۲۰)

(187) نیوٹن

سَر آئزک نیوٹن (Sir Isaac Newton) (جنوری 1643ء تا 31 مارچ 1727ء) ایک انگریز طبعیات دان، ریاضی دان، ماہر فلکیات، فلسفی اور کیمیا دان تھا۔ نیوٹن نے کشش ثقل کا قانون اور تین قوانین حرکت بتائے۔ یہ قوانین اگلے تین سو سال تک طبعیات (فزکس) کی بنیاد بنے رہے۔ آئزک نیوٹن نے مسیحیت کے مشہور ٹرینیٹی کے نظریے کو رد کر دیا۔

نیوٹن 1700ء سے 1727ء تک شاہی ٹکسال (Royal Mint) کا سربراہ رہا تھا جو مملکت کے لئے سکے بنایا کرتی تھی۔ اس وقت کاغذی کرنسی بھی گردش میں آ چکی تھی۔ نیوٹن اسٹاک مارکیٹ میں بری طرح ناکام رہا اور اپنی دولت کا بڑا حصہ شیئر میں سرمایہ کاری کر کے گنوا بیٹھا۔
(آزاد دائرۃ المعارف)

(188) علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ

زین الدین أبو الفضل عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الشافعیالعراقی الأصل المصری المھرانی۔ منشیّہ مہرانی جو دریا نیل کے کنارے واقع ہے جائے پیدائش ہے (۷۲۵ھ 1325ء)۔ آپ تین سال کے تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ 8 سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور کتاب ''التنبیہ''، ''الحاوی'' کا اکثر حصہ اور الاھام بھی پڑھ لی تھی۔ پہلے پہل علم قرأت کا شوق تھا پھر فقہ اور اصول فقہ میں آگے بڑھے پھر علم حدیث کی طرف العزابن جماعۃ کے مشورہ سے آگے بڑھے۔ اپنے شہر کے علماء سے کسب علم کے بعد شام وغیرہ کی طرف سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ قیام کرتے۔ وہاں بھی علماء سے استفادہ کرتے حتیٰ کہ حافظِ الحدیث کہلائے۔

آپ کے شیوخ (اساتذہ) میں سے: (۱) قرأت میں محمد بن أبی الحسن بن عبدالملك بن سمعون۔ (۲) اصول میں محمد بن اسحق بن محمد البلبیسی۔ (۳) عبدالرحیم بن الحسن بن علیی الإسنوي۔ (۴) محمد بن أحمد بن عبدالمؤمن المصري، المعروف بابن اللّبّان۔ (۵) حدیث میں عبدالرحیم بن عبداللہ بن یوسف المعروف بابن شاھد الجیش۔ (۶) محمد بن محمد بن ابراھیم المیدومیی۔ (۷) محمد بن محمد ابن سیّد الناس۔ (۸) محمد بن اسماعیل بن عبدالعزیز۔ (۹) الأمیر

سنجربن عبدالعزیز الجاولی۔ عبد الرحمن بن محمد بن عبد الهادی المقدّسی، علی بن عبد الکافی السبکی، خلیل بن کیکلدی العلائی، عبداللہ بن احمد بن محمد الطبری، یحیٰ بن عبد اللہ بن مروان الفاروقی، احمد بن عبدالرحمن بن محمد المرادی۔ (۱۰) فقہ میں علی بن أحمد بن عبدالمحسن ابن الرفعة شامل ہیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں سے: (۱) أبوزرعة أحمد بن عبدالرحیم العراقی (بیٹا)۔ (۲) الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ (۳) الحافظ علی بن ابی بکر الهیثمی (صاحب مجمع الزوائد)۔ (۴) الفقیه محمد بن موسی الدّمیری۔ (۵) المحدث إبراهیم بن حجاج الأبناسی۔ (۶) العلامة علی بن احمد بن اسماعیل القلقشندی۔ (۷) العلامة أبوبکر بن حسین بن عمر المراغی۔ (۸) العلامة محمد بن ظهیرة الشافعی۔ (۹) المحدث إبراهیم بن محمد بن خلیل المعروف بسبط ابن العجمی شامل ہیں۔

آپ کی مشہور تصانیف ہیں: (۱) تقریب الأسانید و ترتیب المسانید۔ (۲) طرح التثریب فی شرح التقریب۔ (۳) تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین۔ (۴) کتاب فیی المراسیل۔ (۵) التبصرة والتذکرة وهیی ألفیّة الحدیث۔ (۶) نکت منهاج البیضاوي فی الاصول۔ (۷) التحریر فی أصول الفقه۔ (۷) نظم الدر السُنّیة منظومة فی السیرة النبویة۔ (۸) شرح الترمذی۔

آپ کی وفات ۸۰۶ھ 1403ء قاهره (مصر) میں ہوئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(189) مولانا حافظ غلام محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

آپ الٰہی بخش بن خدا بخش کے فرزند اور مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ خیر المدارس جالندھر و ملتان کے چھوٹے بھائی تھے۔ اپنے نانا میاں شیر محمد جو اپنے علاقہ عمروال بلہ جالندھر کے پڑھے لکھے اور معزز فرد تھے کے ہاں ۱۳۱۵ھ 1898ء میں پیدا ہوئے۔ 10 برس کی عمر تک ماموں شاہ محمد کے پاس ناظرہ قرآن شریف اور کچھ اردو وغیرہ پڑھ کر 11 سال کی عمر میں مدرسہ عربیہ صابر رائپور گوجراں میں داخل ہو کر قاری رحیم بخش صاحب نابینا پانی پتی کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور تین سال میں حفظ سے فارغ ہو گئے۔ اس اثناء میں اردو نویسی کی خوب مشق کر لی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ/ 1911ء حضرت مولانا فضل احمد صاحب اور حضرت مولانا فقیر اللہ

صاحب سے فارسی، عربی، صرف ونحو کی بنیادی تعلیم ۱۳۳۲ھ/ 1914ء تک حاصل کی پھر ۱۳۳۳ھ/ 1915ء میں اپنے رفیق خاص مولوی سلطان احمد صاحب سکنہ باہمنیاں کے ہمراہ مدرسہ اشاعت العلوم سرائے خام بریلی میں پہنچ کر حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب محدث وصدر مدرسہ اشاعت و مہتمم، حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ساکن طور ومردان اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سلطانپوری سے چھ سال کے عرصہ ۱۳۳۹ھ/ 1921ء تک دورۂ حدیث کے علاوہ تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اپنے بڑے بھائی مولانا خیر محمد صاحب سے میر، ایساغوجی، بدیع المیزان، دیوان علی، سراجی، نورالانوار، مقامات حریری، خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس پڑھیں۔

شوال ۱۳۳۹ھ/ 1921ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور علامہ محمد انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ 1921ء میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے۔ ۲۸ صفر ۱۳۴۰ھ/ 27 اکتوبر 1921ء کو وہاں سے استعفیٰ دے کر گھر آ گئے پھر اسی سال ربیع الاول ۱۳۴۰ھ/ نومبر 1921ء بوساطت اپنے استاذ حضرت مولانا یٰسین رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ اشاعت علوم بریلی کے مدرسہ عربیہ شاہجہان پور میں مدرس دوم ہو کر مع اہلیہ چلے گئے۔ وہاں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۳۴۱ھ/ 1922ء میں مدرسہ عربی رائپور گوجراں میں مدرس ہو گئے۔ شوال ۱۳۴۲ھ/ مئی 1924ء میں مہتمم صاحب نے بوجہ ضرورت شدیدہ کے مدرسہ رائپور گوجراں سے مدرسہ عربی فیض محمد جالندھر شہر میں بھیج دیا۔ اسی اثناء میں پنجاب یونیورسٹی میں ۱۳۴۷ھ/ 1929ء میں منشی فاضل کا پرائیویٹ امتحان دیا اور اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تراویح میں قرآن مجید سنانے کا معمول تھا۔ حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائپوری خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ عاطفت سے حضرت کے مرید خاص میاں محمد دین سکنہ کھر پیڑ چک نمبر 10 تحصیل چونیاں ضلع لاہور کی لڑکی فاطمہ سے ۸،۹ شوال ۱۳۴۵ھ کو نکاح ہوا جو حضرت حافظ صاحب نے پڑھایا۔ نکاح سادہ اور سنت کے موافق تھا۔ اس موقع پر وعظ مولانا خیر محمد صاحب کا تھا۔

۱۳۴۹ھ/ جون 1930ء میں اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب اور بڑے بھائی مولانا خیر محمد صاحب کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وفیض صحبت کے قصد

سے تھانہ بھون گئے اور استفادہ کیا۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ/ 12 اگست 1930ء بروز چہار شنبہ صبح کے وقت اچانک ہیضہ میں مبتلا ہو گئے۔ اپنی بیوی سے کچھ تھوڑی دیر باتیں کیں پھر اپنے بڑے بھائی مولانا خیر محمد کو بلا کر چند وصیتیں کیں۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور کچھ قرآن مجید پڑھنے کا احساس ہو رہا تھا پھر غنودگی سی ہوگئی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے شام اسی روز انتقال فرمایا، دوسرے روز ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ 8 بجے صبح نمازِ جنازہ کے بعد محلہ پرانی کچہری جالندھر شہر کے قبرستان آرائیاں میں کپتان حاجی غلام محی الدین صاحب کی قبر کے قریب دفن کئے گئے۔ جنازہ کی نماز آپ کے بڑے بھائی مولانا خیر محمد صاحب نے پڑھائی۔ (خیر السوانح ص ۹۰)

(190) علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ

شام کے بلند پایہ محدث اور مؤرخ جن کا پورا نام حافظ ابو القاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ ہے، ابن عساکر لقب ہے۔ پیدائش محرم الحرام ۴۹۹ھ ماہِ ستمبر 1105ء دمشق میں ہوئی اور مدرسہ نوریہ دمشق میں مدتوں درس دیا۔

ان کا شمار شام کے مستند شافعی فقہا و محدثین میں ہوتا ہے۔ دمشق کی تاریخ پر ایک ضخیم اور مفصل کتاب لکھی جو 'التاریخ الکبیر الدمشق' 80 جلدوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ 'المستقصی فی فضائل المسجد الاقصیٰ' آپ کی ایک اور مشہور تصانیف میں سے ہے۔ ہفتہ ۱۱ رجب ۵۷۱ھ/ 24 جنوری 1176ء۔ 71 سال کی عمر میں وفات پائی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن باب الصغیر دمشق، شام میں ہے۔ آپ اساتذہ میں خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ آپ کی قابل ذکر شاگردوں میں عز بن عبد السلام ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(191) علامہ تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نسب اس طرح ہے۔ ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف ـــــ بن موسیٰ بن تمام بن حامد بن یحیی بن عمر بن عثمان بن علی بن مسوار بن سوار ابن سلیم السبکی، الخزرجی' الانصاری۔ آپ کی پیدائش صفر ۶۸۳ھ/ 18 اپریل 1284ء میں قصبہ سبك الاحد (سبك العبید) میں ہوئی۔ سبک ایک علاقہ ہے جو آجکل منوفیہ صوبہ (مصر) میں ہے۔ اور اس علاقے کی طرف منسوب کئی علماء ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) تقی الدین السبکی، (۲) تاج الدین السبکی، (۳) بہاء الدین السبکی۔

تقی الدین السبکی تاج الدین السبکی اور بہائی الدین سبکی کے والد ہیں۔ فقہائے شافعیہ میں سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اپنے والد کے ہمراہ قاہرہ آ گئے قرأت تقی بن صائغ سے تفسیر علم الدین عراقی سے فقہ نجم الدین ابن الرفعۃ سے علم کلام شمس الدین جزری سے اصول علائی الدین الباجی سے نحو ابن حیان سے اور حدیث شرف الدین الدمیاطی سے حاصل کیں طالب علم کے لئے اسکندریہ کا سفر کیا وہاں سے پھر دمشق حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ) اور پھر قاہرہ آ گئے اور یہیں مستقل قیام کیا۔ آپ نے مصر میں مدرسہ منصوریہ مدرسہ ہکاریہ اور جامع میں تدریس بھی کی اور جامع الحاکم احمد بن طولون میں خطابت کی۔ ۷۳۹ھ بمطابق 1339ء میں ناصر محمد بن قلاوون کے اصرار پر دمشق میں قضائی (جج) کا عہدہ سنبھالا یہاں بھی عہدہ قضائی کے ساتھ آپ نے روایت حدیث، مدرسہ مسروریہ میں تدریس شیخ اعظم مدرسہ اشرفیہ شامیہ برائیہ جامع اموی میں خطابت کی۔ آپ حق پر سختی سے کاربند رہتے تھے۔ آپ واپس قاہرہ آ گئے اور ۳ جمادی الثانی ۷۵۶ھ 14 جون 1355ء کو قاہرہ میں ہی انتقال فرمایا اور مقبرہ سعید السعدائی میں دفن ہوئے۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں: (۱) جمال الدین عبدالرحیم بن الحسن الاسنوی، (۲) سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی، (۳) مجد الدین الفیروزآبادی مولف (القاموس المحیط)، (۴) الحافظ عبدالرحیم العراقی، (۵) الحافظ جمال الدین المزی، (۶) المورخ شمس الدین الذھبی شامل ہیں۔

تقریباً 211 تصنیفات ہیں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں الدر المضیہ بھی لکھی اور ان کی دیگر کتب میں بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں سخت کلمات موجود ہیں۔ انہوں نے مشہور کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام اور السیف المسلول علی من سب الرسول لکھی۔ دیگر تصنیفات میں غیرۃ الایمان الجلی الأبی بکر و عمر و عثمان و علی، ثلاثیات مسند دارمی، فتویٰ السبکی وغیرہم شامل ہیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف، محدث فورم، مکتبۃ الشاملہ)

(192) حضرت مولانا سعید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی

آپ محمد علی بن علی محمد کے فرزند ہیں۔ کھیڑا افغان سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ شروع میں اسلامیہ ہائی سکول میں داخل ہوئے اور میٹرک تک انگریزی پڑھی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور اصلاحی خط و کتابت سے متاثر ہو کر باقاعدہ ۱۳۵۲ھ میں مظاہر علوم

سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۶۰ھ 1934ء دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ایک سال تک مظاہر علوم کی خدمت کرتے رہے اسی دوران حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیادہ آمدورفت رہتی حضرت انہیں جماعت کے ساتھ میوات بھیج دیتے۔ اس کے بعد مستقل مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں قیام کیا ۱۳۶۶ھ/ 1947ء میں سعودی عرب تشریف لے گئے اور وہیں قیام کیا۔

۱۳۷۲ھ/ 1953ء سے تبلیغی امارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے بہت سے ملکوں میں تبلیغی دورے کئے اور لوگوں تک دین کی بات پہنچائی۔ آپ کا بیان نہایت موثر ہوتا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ تبلیغ کی حقانیت کا اندازہ مولانا سعید احمد خاں صاحب کو دیکھ کر ہوتا ہے مدینہ منورہ میں مسجدِ نور میں اکثر آپ کا بیان ہوتا اور وہیں قیام۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو اجازت بیعت وخلافت حاصل ہے۔

(مشاہیر علماء دیوبند ج ۲ ص ۲۰)

مولانا سیّد محمود میاں صاحب لکھتے ہیں:

۲۵ رجب ۱۴۱۹ھ بمطابق 15 نومبر 1998ء بروز اتوار طویل علالت کے بعد مدینہ منوّرہ میں وفات پا گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون حضرت مولانا نے نوّے برس کے قریب عمر پائی۔ کئی سال متعصب اور بے دین سعودی حکومت نے ان کی سعودی نیشنیلٹی ختم کر کے اُن کو ملک سے نکال کر ملک میں داخلہ پر پابندی لگا دی تھی۔ پھر کافی عرصہ بعد مشکل حج وعمرہ کا ویزا دیا جانے لگا مگر شاہی جاسوس'' ہر وقت اُن کی نگرانی کرتے رہتے۔ عمرہ کا ویزا لے کر تشریف لے گئے۔ ویزا ختم ہونے کی مُدت قریب آئی تو شاہی کارندوں نے سعودیہ سے نکلنے کا تقاضہ شروع کر دیا۔ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا مدینہ منوّرہ میں موت اور جنّت البقیع میں تدفین کی خواہش اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں نے لکھ دیا کہ مولانا سفر کے قابل نہیں ہیں خُدائی تدبیر غالب ہوئی حکومتی شاہی عزائم خاک ہو گئے عشق کی سچائی رنگ لائی اور خاکِ مدینہ ہمیشہ کے لئے مولانا کا بچھونا بن گئی رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمۃ واسعہ۔ (انوار مدینہ شعبان ۱۴۱۹ھ ص ۴۷)

(193) حضرت فریدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(194) بھائی سردار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(195) حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالغفور ولد حضرت مولانا شاہ مرحوم ضلع ہزارہ ریاست سوات خاص علاقہ جدبا دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ 1894ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ آپ چار بھائی تھے سب سے بڑے مولانا محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ یہ تینوں بھائی اپنے وقت کے بڑے بڑے عالم تھے۔

حضرت مولانا نے علم دین حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھر سے سفر کیا۔ دہلی مدرسہ امینیہ میں درسی تعلیم حاصل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ تحصیل سند کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ امینیہ میں مدرس رہے۔ تقریباً ۵ برس تک مدرسہ امینیہ میں تندہی اور نہایت ذوق وشوق سے درس دیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فضل علی القریشی مسکین پوری ضلع ملتان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلد ہی روحانی مقام پر فائز فرمایا اپنے شیخ کی نظر میں آپ کو خصوصیت حاصل تھی حضرت نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

خلافت حاصل ہونے کے بعد تقریباً ایک سال اپنے شیخ کی جگہ قیام کیا اور بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارے پر اپنے وطن تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے وطن جاؤ اور وہاں تبلیغ کرو۔ تقریباً ایک سال وہاں قیام فرمایا اور بہت سے ان نے آپ سے بیعت کی اور سلسلہ مبارکہ کی اشاعت کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے مدینہ ہجرت کی اور تقریباً ۳۲ سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدینہ منورہ میں قیام کے لیے مکان لیا تو رات کو استخارہ کیا خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ اس مکان میں تشریف لائے ہیں اور جب آپ تشریف لے جانے لگے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساتھ ساتھ دروازے تک گئے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب دروازہ سے باہر نکلے تو انگشت شہادت سے اس قسم کے الفاظ لکھے:

هذا منزل الطريقته النقشبندته وهذا امور و الانوار النبويه۔

حضرت فرماتے تھے کہ مجھ کو تسلی ہوگئی کہ یہی فیض کی اور فقراء کی جگہ ہے۔تقریباً ۲۰ سال کے بعد مدینہ طیبہ سے پاکستان طریق نقشبندیہ کی تبلیغ کی لیے تشریف لائے۔قیام پاکستان کے بعد حضرت کا صرف چھ مرتبہ یہاں آنا ہوا۔آخری مرتبہ علاج کی غرض سے پاکستان تشریف آوری ہوئی اور آٹھ دن کے قیام کے بعد علالت کی حالت میں ہی مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ واپسی کے بعد اپنی زندگی کے آخری ۲۰ دن وہیں گزارے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق 18 مئی 1969ء اتوار کی شب کو بعد نماز عشاء داعی اجل کو لبیک کہا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔نماز فجر کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔اپنے پسماندگان میں ایک بیوہ، چھ بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑے ہیں (۱) مولانا عبدالحق صاحب جامعہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل عالم اور خلیفہ مجاز ہیں، (۲) مولانا عبدالرحمٰن، (۳) محمد سعید (۴) محمد شریف ہیں۔ (تذکرہ اولیائے دیوبند ص۴۵۶)

(196)۔مولانا عبیداللہ دہلوی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(197)۔مولانا جلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(198)۔مولانا غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(199)۔مولانا محمد صالح جشہ رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(200)علامہ ابن لمُنیّر السکندری رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن محمد بن منصور بن القاسم بن مختار القاضی، ابوالعباس ناصرالدین ابن المنیر المالکی الجذامی الجروی الاسکندرانی 1223ء/۶۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔

ادب وفنون میں پر ید طولیٰ رکھتے تھے اور اس بارے میں بیشتر تصنیفات کیں اور بہترین تفسیر ہے۔حدیث کا سماع ابنِ رواج سے کیا۔فقہ، رسول، تفسیر، ادب وغیرہ بلاغت پر ان کا کام

ہے۔ زمخشری کی تفسیر پر بحث اور معتزلہ کے شبہات کا ردّ کیا۔ بخاری کے ابواب کی شرح لکھی۔ اور کتاب الاقتفا ہے جو قاضی عیاض کی الشفاء کے معارض ہے۔ عہدہ قضا (جج) اور نائب گورنر کے عہدے پر فائز رہے۔ دو مرتبہ خطابت کا عہدہ بھی حاصل کیا اور مدارس کی بارہا تدریس کا شرف حاصل رہا۔

مشہور تصنیف (۱) المتواری علی ابواب البخاری (۲) تفسیر حدیث اسراء علی طریقة المتکلمین۔ ربیع الاول 1284ء/ ۶۸۳ھ میں بادشاہ منصور قلاون کے دور میں وفات پائی۔ ابن المنیرؒ کی مسجد اور مزار مغربی اسکندریہ کے علاقہ لبّن میں تجارتی مرکز میں واقع ہے۔

(مکتبۃ الشاملہ عربی)

(201) علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن عبدالباقی الزرقانی ۱۰۵۵ھ۔ ۱۱۲۲ھ/ 1645م۔ 1710م، محدث، فقیہ، اصولی، متصوف، المذہب المالکی۔

قاہرہ (مصر) میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ہی ۱۱۲۲ھ کو وفات پائی۔ مصر کے علاقہ ''قریٰ منوف'' کے قصبہ زُرقان کی نسبت سے زُرقانی کہلاتے ہیں۔ شہاب مرجانی نے انہیں مالکیہ کے گیارہ سو مجدد اسلاف میں شمار کیا ہے۔ آپ کا نام ونسب اس طرح ہے:

محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد شہاب الدین بن محمد علوان، الشہیر بالزرقانی المصری الازہری المالکی، ابوعبداللہ۔ بچپن سے ہی علم کی تلاش میں بڑے علماء کی صحبت اختیار کی اور دیارِ مصر میں اس بات سے مشہور ہوئے تالیف، تدریس اور احکام دین و اصول پھیلانے میں مصروف رہے۔ قرآن پاک حفظ کیا پھر لغت اور دینیات کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ الازہر میں متون اور شروح کی حیثیت سے علماء کے حلقہ میں منتقل ہو گئے۔ اور علماء کے حلقہ میں تدریس کرتے تھے۔

مشہور تالیفات میں: (۱) شرح موطا الامام مالك سماه "ابهج المسالك بشرح موطا الامام مالك"۔ (۲) اشراق مصابيح السير المحمدية بمزج اسرار المواهب اللدنية: (شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية للقسطلاني)، (۳) شرح المنظومة البيقونية فى علم مصطلح الحديث، (۴) مختصر المقاصد الحسنة فى بيان كثير من

الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ. (۵)وصول الامانی فی الحدیث۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(202) علامہ نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ

عمر بن محمد احمد بن اسمٰعیل بن محمد بن لقمان نسفی المعروف بہ مفتی ثقلین، ابو حفص، نجم الدین نسفی: نجم الدین لقب اور ابو حفص کنیت تھی۔ان کی ولادت ۴۶۱ھ 1068ء میں ماوراء النہر کے شہر نسف میں ہوئی اور اسی کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔آپ نے تحصیل علم و حدیث و فقہ کے لئے ساڑھے پانچ سو شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا۔فقہ صدر الاسلام ابی الیسر محمد بزدوی شاگرد ابی یعقوب یوسف سیّاری تلمیذ ابی اسحٰق حاکم نوقدی شاگرد ہندوانی سے حاصل کی اور آپ سے آپ کے بیٹے ابو اللیث احمد بن عمر المعروف بہ مجد نسفی نے تفقہ کیا اور آپ کی بعض تصانیف صاحب الہدایہ امام برہان الدین ابو الحسن علی مرغینانی اور ابو بکر احمد بلخی المعروف بہ ظہیر نے آپ سے پڑھیں اور عمر بن محمد عقیلی نے روایت کی۔ چونکہ آپ اِنس و جن کا جانتے تھے اس لیے لوگ آپ کو مفتی ثقلین کہتے تھے، مشائخ بھی آپ کے بہت تھے اس لیے ایک کتاب آپ نے اپنے مشائخ کے اسماء میں جمع کی اور نام اس کا تعداد الشیوخ العمر رکھا۔

ان کی تصانیف 100 کے قریب ہیں ان میں سے:(۱) العقائد، معروف عقائد نسفی، یہ کتاب ان کی پہچان ہے اہلسنت و جماعت کے عقائد پر سب سے پہلی کتاب ہے اس پر کئی شروحات لکھی گئی ہیں(۲) الاکمل الاطوال تفسیر میں(۳) المواقیت (۴) الاشعار بالمختار من الاشعار 20 جلدات(۵)نظم الجامع الصغیر (۶) فقہ حنفیہ(۷) القند فی علما سمرقند 20 جلدات (۸) تاریخ بخاری (۹) طلبہ الطلبہ(۱۰) اصطلاحات فقہیہ۔آپ نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ۔1142ء میں سمرقند میں وفات پائی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(203) امام محمد بن نصر مَروَزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا پورا نام شیخ الاسلام امام ابو عبداللہ حافظ محمد بن نصر بن حجاج مروزی ہے۔تاریخ ولادت ۲۰۲ھ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر دو سال تھی۔ والد صاحب مروزی تھے پیدائش بغداد میں ہوئی اور نیشاپور میں پرورش پائی۔آپ نے جن شیوخ و

اساتذہ سے درس حدیث لیا چند ایک کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

عبداللہ بن عثمان مروزی، صدقہ بن فضل مرزوی، یحییٰ بن یحییٰ نیشا پوری، اسحاق بن راہویہ، ابو قدامہ سرخسی ھدبۃ بن خالد، عبیداللہ بن معاذ عنبری، محمد بن عبدلملک بن ابی الشوارب، ابو کامل جحدری، محمد بن بشار بندار، ابوموسیٰ الزمن اور ابراہیم بن منذر حزامی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ علاوہ ازیں خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کے بڑے بڑے محدثین وفقہاء سے کسب فیض کیا۔

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے محدثین شامل ہیں جن میں آپ کے بیٹے اسماعیل، ابوعلی عبداللہ بن محمد بن علی بلخی، محمد بن اسحٰق رشاوی سمرقندی، عثمان بن جعفر لبان اور محمد بن یعقوب بن اخرم نیشا پوری قابل ذکر ہیں۔ آپ نے طلب علم وکسب حدیث کے لیے مصر، شام عراق، خراسان اور حجاز مقدس کے علاوہ بہت سے مشہور شہروں اور مما لک کے اسفار طے کیے۔ امام ابوبکر احمد بن اسحٰق فرماتے ہیں: میں نے امام مروزی سے اچھی نماز پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ ایک بھڑ ان کی پیشانی پر آ بیٹھی اور اس کے کاٹنے سے خون بہنے لگا، لیکن انہوں نے حرکت تک نہیں کی۔ آپ کتب کثیرہ وضخیمہ کے مؤلف ومصنف تھے۔ ان میں ''قیام اللیل'' اور ''السنۃ'' نے بہت شہرت پائی۔ علاوہ ازیں ''کتاب القسامہ'' کا اپنا ایک مقام ہے۔

آپ اپنی عمر مبارک کے ۹۲ سال پوری آب وتاب سے گزار کر ماہِ محرم ۲۹۴ھ ہجری کو سمرقند میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔

(اسلامک ریسرچ سنٹر راولپنڈی، السنہ ص 5)

(204) امام سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ

ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی الاندلسی۔ ان کا نام عبدالرحمٰن بن الخطیب عبداللہ بن الخطیب اَبی عمر بن اَصبع بن حبیب بن سعدون بن رضوان ابن فتوح ہے۔ ان کی نسبتیں خشعی، سہیلی، اندلسی اور مالقی معروف ہے۔ ''سہیل'' جس کی طرف ان کی نسبت ہے، اندلس میں مالقہ کے علاقہ میں ایک وادی کا نام ہے۔ اس میں کئی گاؤں آباد ہیں جن میں سے ایک گاؤں میں سُہیلی پیدا ہوئے۔ سہیلی ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ اندلس میں طویل عرصہ تک رہے وہاں علم کے سرچشموں سے سیراب ہوئے اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ آپ حافظ اور عالم تھے اور نعت اور سیرت کے ماہر۔ سترہ برس کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

امام سُہیلی علم تفسیر، حدیث نبوی اور رجال کے علاوہ تاریخ اور انساب کے بڑے ماہر تھے۔ تمام عمر تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری ان کے حافظہ اور تبحر علمی کا یہ مقام تھا کہ الروض الانف جیسی ضخیم کتاب چار پانچ ماہ کی مدت میں ختم کر دی۔

مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سُہیلی کی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ ابن عماد حنبلی نے اپنی کتاب ''شذرات الذهب'' میں لکھا ہے کہ ان کی وفات شعبان ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر بہتر برس تھی۔ الروض الأنف سیرت پر ایک قابل ذکر اور مشہور کتاب ہے۔ یہ ابن ہشام کی سیرت کی شرح ہے۔ الروض الأنف کی تالیف کا آغاز محرم ۵۶۹ھ میں ہوا اور اسی سال جمادی الاولیٰ میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (جہاتُ الاسلام، سیرت نمبر ج ۴ شمارہ ۱، ۲)

الروض الانف کا اردو ترجمہ شرح سیرت ابن ہشام کے نام سے شائع ہوا۔ یہ 4 جلدوں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ چار سو کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

(205) حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی، لقب سعد الدین: علم بیان میں عربی لغت اور منطق کے امام تصور کیے جاتے ہیں۔ فقیہ اور اصولی تھے۔ اس کے علاوہ آپ مفسر متکلم محدث اور ادیب بھی تھے۔ بعض کے نزدیک حنفی تھے اور خیال یہ ہے کہ شافعی تھے۔

آپ پیدائش ۲۲ ۷ھ / 1322ء تفتازان، صوبہ خراسان شمالی ایران میں ہوئی جبکہ اقامت سرخس میں رہی۔ انہیں تیمور لنگ نے سمرقند، روانہ کر دیا وہاں پر وفات ہوئی۔ 1390ء (67-68 سال) سمرقند بروز اتوار اور بدھ کے روز ۹ جمادے الاولیٰ کو آپ کی نعش سرخس لے جا کر دفن کی گئی۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم عضد الدین ایجی مؤلف ''مواقف'' (م ۷۵۶ھ) سے پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم صرف ونحو، منطق و فلسفہ، معانی و بیان اور اصول و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی۔ تیمور نے ۷۸۰ھ یا

۷۸۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کو تفتازانی کے علم و فضل سے آگاہی ہوئی تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا۔ اپنے دربار میں صدر صدور کی حیثیت سے جگہ دی۔

۷۸۹ھ/ 1389ء میں شیراز فتح ہونے پر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) بھی تیمور کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ تفتازانی اور سید شریف جرجانی کے مابین اکثر علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ تیمور ہر دو حضرات کی عزت و تکریم کرتا تھا مگر سید شریف کو اس لئے ترجیح دیتا تھا کہ وہ نسباً سید تھا، تفتازانی کو ایک مناظرے میں زِک اٹھانی پڑی اور اس صدمے کو برداشت نہ لا کر ۲ محرم ۷۹۲ھ/ جنوری 1390ء کو سمرقند میں فوت ہو گئے۔

تفتازانی کے ہزاروں شاگردوں میں سے صرف دو کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

(۱) حسام الدین الحسن بن ابی وردی (۲) برہان الدین حیدر

بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: (۱) تھذیب المنطق (۲) المطول: بلاغت میں لکھی ہے۔ (۳) مقاصد الطالبین: علم الکلام میں ہے۔ (۴) ارشاد الھادی: نحو کی کتاب۔ (۵) شرح العقائد النسفیہ (۶) شرح التصریف العزی: صرف کی کتاب ہے یہ ان کی سب سے پہلی کتاب ہے جب 16 سال کے تھے۔ (۷) حاشیہ الکشاف۔ (۸) شرح اربعین النوویہ۔ (حدائق الحنفیہ، محدث فورم میگزین، آزاد دائرۃ المعارف)

(206) علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت نمبر 127 ملاحظہ کریں۔

(207) حافظ ابو الخطاب عمرو بن دحیہ کلبی

قاضی القضاۃ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر خلکان اپنی کتاب ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان (3:448۔ 540)'' میں حافظ ابو الخطاب دحیہ کلبی (544۔ 633ھ) کے سوانحی خاکہ میں لکھتے ہیں: ''ان کا شمار بلند پایہ علماء اور مشہور محققین میں ہوتا تھا۔ وہ مراکش سے شام اور عراق کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے۔ ۶۰۴ھ میں ان کا گزر اِربل کے علاقے سے ہوا جہاں ان کی ملاقات عظیم المرتبت سلطان مظفر الدین بن زین الدین سے ہوئی جو یوم میلاد النبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظامات میں مصروف تھا۔ اس موقع پر انہوں نے ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' کتاب لکھی۔ انہوں نے یہ کتاب خود سلطان کو پڑھ کر سنائی۔ پس بادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار بطور انعام پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں ہ ہم نے 625ء میں سلطان کے ساتھ اسے چھ نشستوں میں سنا تھا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (لسان المیزان) میں لکھتے ہیں: یعنی ابن نجار فرماتے ہیں: کہ میں نے دیکھا کہ ''تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیۃ جھوٹا، اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ ایسے شخص سے سننے کا دعوی کرتا ہے'' جس سے ہرگز نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملاقات کا دعویٰ کرتا ہے جن سے وہ ہرگز نہیں ملا۔

آگے مزید لکھتے ہیں: یعنی ابن دحیہ ظاہری مذہب کا پیروکار تھا، ائمہ اور علمائے سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، بدزبان، احمق اور بڑا متکبر، اور دینی امور میں غور و فکر سے عاری اور دینی معاملات میں سخت سست تھا۔ (محدث فورم)

(208) حضرت مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا قلمی نام نظامی بدایونی ہے۔ اصل نام مولوی نظام الدین حسین نظامی بن مولوی فخر الدین صدیقی ہے۔ آپ علی گڑھ (اُتر پردیش)، بھارت کے مشہور شاعر ہیں۔ آپ کی پیدائش بدایوں (اُتر پردیش)۔ بھارت 1872ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات 8 جون 1946ء میں ہوئی۔ آپ رسالہ ''ذوالقرنین'' بدایوں کے ایڈیٹر رہے۔ (بائیوبیلوگرافی ڈاٹ کام، مصنفین)

(209) حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1145ء یا 1146ء شعبان ۵۱۳ھ میں ایران کے صوبہ خراسان کے شہر نیشاپور کے گاؤں کدکن میں پیدا ہوئے اور ۱۵ صفر ۶۲۸ھ 1221ء میں وفات پائی۔ آپ کا اصل نام ابو حمید ابن ابوبکر ابراہیم تھا مگر وہ اپنے قلمی نام فرید الدین اور شیخ فرید الدین عطار سے زیادہ مشہور ہیں۔ عطار کا لفظی مطلب ''ادویات کے ماہر'' کا ہے جو آپ کا پیشہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ فارسی نژاد مسلمان شاعر، صوفی اور ماہر علوم باطنی تھے۔ آپ کا علمی خاصہ اور اثر آج بھی فارسی شاعری اور صوفیانہ رنگ میں نمایاں ہے۔

فرید الدین عطار کا تعلق عظیم سلجوک سلطنت کے زمانے سے ہے۔ عطار غالباً اپنے دور

کے بہترین کیمیاء دان کے فرزند تھے جنہوں نے اپنے والد سے کئی مضامین میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ عطار نے ادویات سے متعلق پیشہ اپنایا اوران کے مطب کی دور دور تک مشہوری تھی۔ دور دراز کے مقامات جیسے بغداد، بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، دمشق، خوارزم، ترکستان اور بھارت تک کا سفر کیا اور وہاں صوفیائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔جن صوفیائے کرام کے بارے میں خیال ہے کہ وہ عطار کے اساتذہ میں شامل ہیں ان میں سے صرف مجد الدین بغدادی واحد ایسی شخصیت ہیں جن کے صوفی نظریات اور خیالات عطار کی سوچ اور صوفی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس بارے واحد ثبوت عطار کے اپنے الفاظ میں ایسے بیان ہوئے ہیں کہ ’’ان کی خود ان سے ملاقات ہوئی۔‘‘

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی موت بارے قصہ مشہور ہے۔جب منگولوں نے حملہ کیا ،جس میں ایک منگول جرنیل نے شدت غصہ اور حماقت پن میں عطار کا سر قلم کر کے شہید کر دیا تھا۔ آپ کی شہادت اپریل 221ء میں ہوئی۔آپ کی عمر ۷۰ برس تھی۔مزار نیشا پور میں ہے جسے سولھویں صدی میں علی شیر نوائی نے تعمیر کروایا تھا۔

آپ کی علمی وراثت:(۱) تذکرۃ الاولیا (۲) دیوان (۳) اسرار نامہ (۴) مقامات الطیور یا منطق الطیر (۵) مصیبت نامہ (۶) الٰہی نامہ (۷) جواہر نامہ (۸) شرح القلب۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

بعض صوفیاء لکھتے ہیں کہ آپ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی تھے حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت حسین منصور حلاّج کی روح نے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت عطار پر اثر کیا تھا اس طرح حضرت عطار آپ کے زیر اثر آئے۔(خزینۃ الاصفیاء)

(210) مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور فارسی شاعر تھے۔مثنوی دیوانِ شمس تبریز آپ کی معروف کتب ہے، اصل نام محمد ابن محمد ابن حسین حسینی خطیبی بکری بلخی تھا۔لیکن مولانا رومی کے نام سے مشہور ہوئے حسین بلخی مولانا کے دادا تھے وہ سلجوقی سلطان کے کہنے پر ’’اناطولیہ‘‘ چلے گئے تھے جو اس زمانے میں روم کہلاتا تھا۔ ان کے والد بہاؤ الدین بڑے صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ ان کا وطن بلخ تھا۔مولانا رومی اتوار ۱۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ 30 ستمبر 1207ء وخش تاجکستان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم کے مراحل شیخ بہاؤ الدین نے طے کرا دیے اور پھر اپنے مرید سید برہان

الدین کو جو اپنے زمانے کے فاضل علماء میں شمار کیے جاتے تھے مولانا کا معلم اور اتالیق بنا دیا۔ اکثر علوم مولانا کو انہی سے حاصل ہوئے۔ اپنے والد کی حیات تک ان ہی کی خدمت میں رہے۔ والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ھ میں شام کا قصد کیا۔ ابتدا میں حلب کے مدرسہ حلاویہ میں رہ کر مولانا کمال الدین سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

فقہ اور مذاہب کے بہت بڑے عالم تھے، خود حنفی المذہب تھے۔ لیکن آپ کی شہرت بطور ایک صوفی شاعر کی ہوئی۔ شمس تبریز مولانا کے پیرومرشد تھے۔ مولانا کی شہرت سن کر سلجوقی سلطان نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ مولانا نے درخواست قبول کی اور قونیہ چلے گئے۔ وہ تقریباً 30 سال تک تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے 3500 غزلیں 2000 رباعیات اور رزمیہ نظمیں لکھیں۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "مثنوی مولانا روم" ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک مشہور کتاب "فیہ مافیہ" بھی ہے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ ان کے فرقے کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں۔ لیکن آج کل ایشیائے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں اس فرقے کو لوگ مولویہ کہتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل بلقان، افریقہ اور ایشیاء میں مولوی طریقت کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے۔ رقص میں آگے پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف اور "نے" بھی بجاتے ہیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا روحانی پیر مانتے تھے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراک حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق ہو جاتا ہے کہ یہ رغبت تمام محبوب حقیقی کے تمام احکام کی پیروی کرتا ہے۔

آپ کی وفات اتوار ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ 17 دسمبر 1273ء میں قونیہ (ترکی) میں ہوئی۔ مولانا کے دو فرزند تھے، علاؤ الدین محمد، سلطان ولد۔ ان کے 800ویں جشن پیدائش پر ترکی کی درخواست پر اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم، ثقافت و سائنس یونیسکو نے 2007ء کو بین الاقوامی سالِ رومی قرار دیا۔ اس موقع پر یونیسکو نے تمغہ بھی جاری کیا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(211) مولانا عبدالتواب ملتانی

مولانا ابوتراب محمد عبدالتواب ملتانی ملتان کے مشہور اہل حدیث عالم، جمعرات کے دن بوقت چاشت ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد علامہ قمرالدین ملتانی سے حاصل کی (مولانا قمرالدین 1867ء میں اہل حدیث ہوئے تھے اس سے قبل مجاور تھے) اور دورہ حدیث کی تکمیل سید میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۱۲ھ میں کی۔

آپ کے مشہور شاگروں میں (۱) عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مکتبہ سلفیہ لاہور (۲) سید بدیع الدین راشدی پیر آف جھنڈا (۳) مولوی سلطان محمود جلال پور۔ آپ نے بعض عربی کتب کے ترجمے کئے اور بعض پر حواشی لکھے۔ ترجمہ صحیح بخاری (۸ پارے)، ترجمہ وحواشی بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، ترجمہ وحواشی الاحزب الاعظم وغیرہ۔ آپ نے بروز اتوار ۹ رجب ۱۳۶۶ھ 18 مئی 1948ء کو وفوت پائی۔ (بلوغ المرام مترجم ص ۵۷)

(212) مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور اہل حدیث سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف عبداللہ صاحب) کے فرزند ہیں اور معروف اہل حدیث عالم دین مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم ہیں۔ آپ ۱۲۸۸ھ میں ایک دیہات صاحبزادہ نامی میں جو غزنی کے علاقہ میں ہے پیدا ہوئے پھر اپنے دونوں بھائی محمد بن عبداللہ اور احمد بن عبداللہ سے علم عربی حاصل کیا۔ آپ کے جدّ غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر کے قریب بستی ''خیر دین'' میں تشریف لائے۔ آپ دہلی میں داخل ہوئے اور سید نذیر حسین دہلوی محدث جو بہت مشہور تھے اِن کی صحبت میں رہنے لگے۔ اور فن حدیث ان سے حاصل کیا۔ اسی طرح بیس سال سے کم عمر ہی میں آپ نے علوم مکمل کر لئے۔ اس کے بعد آپ مستقل امرتسر شہر میں حدیث وقرآن مجید کی طرف متوجہ رہے اور دنیا سے قطع تعلق کے ساتھ زُہد وعبادت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کے کچھ اوراد واذکار تھے جن پر خاص کیفیت اور جمعیت قلبی کے ساتھ مداومت فرماتے۔ جب فتوے دیتے تو کسی خاص مذہب کی اتباع نہیں فرماتے بلکہ اس مسئلہ میں جو اپنی تحقیق ہوتی اس کے مطابق فتوے دیتے، ساتھ ہی ائمہ مجتہدین سے بدظنی بھی نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کو اچھائی کے ساتھ ہی یاد فرماتے۔ آپ کے والد سید عبداللہ غزنوی، سید امیر رحمۃ اللہ علیہ (کوٹھا شریف) سے بیعت تھے جو سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ۱۲۹۸ھ امرتسر میں وفات پائی۔

مولانا عبدالجبار نقشبندی سلسلہ میں باقاعدہ بیعت تھے اور بہت سے اہل حدیث آپ سے بیعت تھے۔ بیعت والہام کے موضوع پر آپ کی کتاب ''اثبات الالہام والبیعہ'' معروف ہے۔آپ کے فرزند سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ومعروف شیخ طریقت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جس کے چشم دید گواہ حضرت مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ ہیں۔

ماہ رمضان کے آخری جمعہ کے دن جبکہ اس مہینہ کے صرف پانچ ہی دن باقی رہ گئے تھے۔امرتسر میں ۱۳۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔(نزہۃ الخواطر مترجم ج ۸ ص ۳۰۰)،(اردو محفل فورم)

(213) مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار اہل حدیث علماء میں ہوتا ہے۔ 1900ء میں موضع ''دھونیکی''، تحصیل وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد مولوی محمد ابراہیم اپنے وقت کے مشہور خوشنویس تھے۔

مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔بعض ازاں مولانا عمر الدین وزیر آبادی اور مولوی تاج الدین سے بھی پڑھا۔اس کے بعد سنن نسائی مولانا عبدالقادر بن مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور بقیہ کتب ستہ وتفسیر مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔آپ تقریباً 7 سال حضرت حافظ صاحب کے زیر تعلیم رہے۔

وزیر آباد میں تکمیل تعلیم کے بعد دہلی کا رخ کیا تو دہلی میں آپ نے مولانا عبدالجبار عمر پوری'' مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جماعت غربا اہل حدیث، مولانا عبدالرحمان ولایتی، سے تحصیل علم کے بعد واپس پنجاب آ گئے۔ وزیر آباد میں قیام کے بعد دوبارہ دہلی مراجعت فرما ہوئے۔دہلی میں مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن میں برابر شریک ہوتے رہے۔اس کے بعد امرتسر تشریف لے آئے وہاں آپ نے مولانا محمد حسین ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ تقویۃ الاسلام میں معانی وفقہ کے استاد تھے۔ان سے تعلیم حاصل کی اور ساتھ مولانا مفتی محمد حسن امر تسری رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ خاص مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی۔

امرتسر میں تکمیل تعلیم کے بعد سیالکوٹ پہنچے اور مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل تعلیم کی۔تکمیل تعلیم کے بعد ۱۳۳۹ھ ہجری میں گوجرانوالہ میں مسجد حاجی پورہ میں آپ کا تقرر ہوا۔مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ مسجد حاجی پورہ سے مسجد چوک سے نیائیں میں منتقل ہو گئے۔اور

یہاں آپ نے مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔اس مسجد میں آپ کا قیام تا وفات ۱۳۸۷ھ تک رہا۔آپ کی تصانیف کی تعداد 9 ہے۔

16 سال تک آپ ''جمعیت اہلحدیث'' کے ناظم اعلیٰ رہے۔''جامعہ سلفیہ'' قائم کیا۔ 1963ء میں مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ ''جمعیت اہل حدیث'' کے امیر مقرر ہوئے۔اور آپ تا وفات 1968ء امیر رہے۔(محدث فورم میگزین)

(214) مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہلِ حدیث مکتبہٴ فکر کے مقتدر عالم اور مناظر تھے،میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے،دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی تھی،آپ بہت سی کتابوں کے مصنف اور ''اخبار اہل حدیث'' کے ایڈیٹر تھے یہ اخبار آپ کی زیر ادارت ۴۴ برس تک نکلتا رہا۔اس اخبار میں آپ کے فتاوٰی بھی چھپتے تھے جو بعد میں فتاوٰی ثنائیہ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئے۔تقسیم کے بعد آپ امرتسر سے سرگودھا آگئے تھے وہیں 15 مارچ 1948ء میں آپ کا انتقال ہوا۔(بیا بہ مجلس نفیس ص ۴۷۴)

(215) حضرت علامہ محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دادا کا اصلاً تعلق افغانستان سے تھا،بتایا یہی جاتا ہے کہ اسلام لانے سے قبل وہ برہمن ذات کے ہندو تھے۔ہجرت کرکے ہزارہ کے ایک گاؤں درگڑی میں آبسے اور یاد اللہ میں اپنی زندگی کو گزارتے رہے۔شادی ہوئی اور اللہ نے انہیں دو بچوں سے نوازا۔بیٹے کا نام شیخ عبدالرحمٰن اور بیٹی کا نام فاطمہ رکھا گیا۔عبدالرحمٰن نے زرگری کے کام کو اپنا پیشہ بنالیا اور بہت زیادہ دولت کمائی۔بی بی شہان (عائشہ) نامی خاتون سے عقد طے ہوگیا۔اللہ تعالیٰ نے انھیں چار بیٹیوں سے نوازا،اور تین بیٹوں کے نام تو زیادہ معروف تھے مگر آپ کا نام محمد طاسین تینوں بھائیوں سے منفرد اور غیر معروف تھا۔

آپ کا نام محمد طاسین بن شیخ عبدالرحمٰن شیخ مہر الدین۔پیدائش گاؤں درگڑی (ہری پور ہزارہ) میں 1920ء شناختی کارڈ میں 1923ء ہے۔1927ء گاؤں درگڑی سے تعلیم کا آغاز ہوا اور پرائمری 1932ء گاؤں درگڑی سے مکمل کیا۔کتب دینیہ کے لئے 1935ء میں استاد مولانا فضل الدین سے استفادہ کیا۔مزید دینی تعلیم کے لئے 1938ء میں متصل گاؤں میں تشریف لے گئے پھر

مدرسہ حسن پور 1939ء میں حسن ابدال گئے۔ اور میرٹھ (ہندوستان) راونگی 1939ء میں ہوئی۔ حسن پور قصبہ اور دارالعلوم جامعہ اسلامیہ 1940ء میں اور دارالعلوم جامعہ اسلامیہ امروہہ سے فراغت 1944ء میں ہوئی۔ اس کے بعد پاکستان دو ماہ کے لیے روانگی 1944ء میں ہوئی اور واپسی جامعہ اسلامیہ امروہہ بحیثیت مدرس 1944ء تا 1947ء تک خدمات سرانجام دیں۔ حیدر آباد دکن، عثمانیہ یونیورسٹی (چھٹیوں میں) 1947ء ادارہ دارالترجمہ میں رہنے کے بعد پاکستان واپسی 1947ء میں ہوئی۔ کراچی میں آمد جنوری 1950ء میں ہوئی۔ یہاں رباط العلوم لائبریری میں بحیثیت لائبریرین اور دارالعلوم کراچی (نانک واڑہ) میں بحیثیت مدرس خدمات سرانجام دیں۔ 1952ء ادارہ مجلس علمی کراچی کے بحیثیت ناظم مقرر ہوئے۔ 1953ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ (علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی، اسلام آباد 1953ء تا 1992ء بحیثیت ریسرچ ریڈر رہے۔ جامعہ بلوچستان میں 1980ء تا 1986ء بورڈ آف اسٹڈیز اور شعبہ اسلامیات، رکن بورڈ، اور ممتحن رہے۔ 1981ء تا 1988ء ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے رکن اعزازی، اور جامعہ کراچی کے 1983ء تا ۹۲ شعبہ عربی، شعبہ علوم اسلامی، رکن بورڈ آف سلیکشن، بورڈ آف اسٹڈیز، ممتحن رہے۔ دیگر اعزازات میں، اسلامی نظریاتی کونسل: 1983ء تا 1989ء رکن بحیثیت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد: 1984ء تا 1996ء ممتحن، اعزازی نشر اللغہ العربیہ کراچی: 1985ء تا 1985ء بحیثیت رکن بورڈ، اعزازی وزارت مذہبی حکومت پاکستان اسلام آباد: 1986ء تا 1995 بحیثیت رکن کمیٹی، وفاقی شرعی عدالت حکومت پاکستان: 1988ء تا 1988ء بحیثیت مشیر، دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد 1989ء تا 1995ء بحیثیت رکن بورڈ، اعزازی المعہد العالمی للفکر اسلامی: 1990ء، اقبال اکیڈمی لاہور وزارت تعلیم حکومت پاکستان: 1993ء، اکیڈمی الشرعیہ بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد انکوائری کمیشن برائے خواتین 1993ء تا 1995ء بحیثیت رکن بورڈ اعزازی، وزارت قانون وانصاف حکومت پاکستان: 1994ء تا 1997 بحیثیت رکن رہے۔

ادائیگی حج 1969ء، 1962ء، 1965ء میں اور ادائیگی عمرہ کی سعادت 1968ء میں حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ایران، عراق، شام، بیروت، ترکی، لبنان، 1969ء میں اور مصر، لیبیا، سعودی عرب اور ادائیگی عمرہ ہندوستان (دارالعلوم دیوبند کی سالانہ تقریب) 1980ء میں اور ساؤتھ

افریقہ اور ادائیگی عمرہ جنوری 1993ء میں اور بنگلہ دیش مارچ 1997ء میں سفر کیا۔ آپ کے تحقیقی کام میں قرآن کا تصور معاشرہ۔ اخلاقی اور قانونی تعلیمات۔ زکوٰۃ۔ آلات صنعت وحرفت۔ نظام بنکاری۔ بیمہ۔ مزارعت۔ اجارہ۔ شرکت۔ خواتین کی شہادت۔ مسئلہ ایمان وکفر ودیگر موضوعات شامل ہیں۔ آپ کا انتقال لیاقت نیشنل ہسپتال، مؤرخہ 23 دسمبر 1998ء مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بوقت شام چھ بجے ہوا اور تدفین ڈالیا قبرستان، کراچی مسین ہوئی۔ 1956ء میں کراچی میں شادی ہوئی۔ اولاد میں تین بیٹے دو بیٹیاں ہیں۔ (ماہنامہ تعمیر وافکار کراچی، ص 17)

(216) حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا شمار امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ، کے قدیم ترین تلامذہ میں تھا۔ فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ امینیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی کے ساتھ دار المصنفین سے بھی تعلق رہا۔ دہلی میں السنہ شرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے تو یہاں بھی اسی طرز کا ایک ادارہ قائم کیا جس سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے دار العلوم کورنگی کی بنیاد رکھی تو وہاں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

حضرت مولانا سید محمد بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں جو اب جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نام سے معروف ہے، تدریس شروع فرمادی، وہاں پہنچ کر مولانا نے رفتہ رفتہ ''ادارہ شرقیہ'' کے مشغلہ کو بالکل ختم ہی کر دیا۔ جب حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ سے ماہنامہ ''بینات'' جاری کیا تو اس کے مدیر اور طابع وناشر کی حیثیت سے مولانا ہی کو منتخب فرمایا۔

حضرت مولانا کی نماز میں فانما یناجی ربہٗ کی جھلک نظر آتی تھی، وہ نماز کے سجدے میں دعائیں کرنے کے عادی تھے۔ نماز کے بعد انہیں سب سے زیادہ شغف حج وعمرہ سے تھا۔ قریباً پچیس تیس سال سے سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کا معمول چلا آتا تھا۔ فرماتے تھے کہ بس دو چیزوں کے لئے زندہ ہوں، ایک حرمین شریفین کی حاضری۔ دوسرے تفسیر وحدیث کا درس۔ محمد ادریس بن مولانا محمد اسحاق بن مولانا عبداللہ (نومسلم کالیسٹھ) میرٹھی۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ مطابق 2 فروری 1989ء بروز پنج شنبہ پونے بارہ بجے کے قریب ماہنامہ بینات کے مدیر مسئول، وفاق المدارس العربیہ کے صدر عالی قدر اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے استاذ حدیث وتفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سفر آخرت پر تشریف لے گئے۔

تجہیز وتکفین کے بعد عصر ومغرب کے درمیان جنازہ زیارت کے لئے دارالحدیث میں رکھا گیا۔مغرب کے بعد حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دارالعلوم کورنگی میں تدفین عمل میں آئی۔(مقالات یوسفی،شخصیات وتاثرات ج۱ ص۳۳۹)

(217) حضرت حاجی میاں جان محمد رحمۃ اللہ علیہ

ساکن باگڑ سرگانہ،ضلع ملتان۔آپ ایک متمول زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کندیاں کی بارگاہ میں حاضر ہوکر داخلِ طریقہ ہوئے۔مقاماتِ ولایت طے کر لینے کے بعد اجازتِ طریقۂ نقشبندیہ سے سرفراز ہوئے اور باگڑ وملتان کے علاقہ میں فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔آپ کا حلقۂ ارادت ملتان،ساہیوال اور لائل پور میں خاصا وسیع ہے۔اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد بھی آپ نے تحصیلِ سیر وسلوک کا سلسلہ قائم رکھا۔جانشینِ حضرت اعلیٰ مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت فرما کر ازسرِ نو سلوکِ نقشبندیہ طے کیا اور حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہر چہار سلاسلِ طریقت میں خلافت پائی۔

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ نے کس لیے تجدیدِ بیعت فرمائی ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا میں اپنے نفس کو آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے پابند رکھنا چاھتا ہوں۔آپ مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مریدانہ انداز میں ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے اور حلقۂ ذکر ومراقبہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔حضرت میاں جان محمد صاحب کے پسماندگان میں دو بیوگان اور ایک صاحبزادہ میاں خان محمد صاحب ہیں۔(تحفۂ سعدیہ:ص170)

(218) حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۱۷۰ھ میں ہوئی۔حضرت عبدالغنی دہلوی بن شاہ ولی اللہ دہلوی ظاہری وباطنی فیوض میں شہرت عام رکھتے تھے اور کتاب وسنت کی تعلیم میں بہت دلچسپی لیتے۔علمی کمالات میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔وضع ولباس،اخلاق وعادات اور شکل وشباہت میں اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشابہت رکھتے تھے۔آپ نے ۱۲۲۷ھ کو انتقال فرمایا۔

(اسوہ ڈاٹ کام)

(219) حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ فضل الرحمٰن صدیقی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کے بڑے بزرگ اور آزادی ہند کے بڑے مجاہد ہیں۔ یکم رمضان المبارک بوقت صبح صادق ۱۲۰۸ھ کو اَوَدھ کے علاقے ملانواں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم مبارک شاہ اہل اللہ بن شیخ فیض اور والدہ بی بی بصیرت تھا جو شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کے مرید تھے اور گنج مراد آبادی کا نام ''فضل الرحمٰن'' آپ ہی نے تجویز فرمایا اور اسی سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

شاہ فضل الرحمٰن کا سلسلہ نسب 29 واسطوں سے ہوتا ہوا خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے ابتدائی کتب درس نظامی (فقہ، اصول وکلام کا تکملہ وغیرہ) مولانا نورالحق بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے لکھنؤ میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''ہم نے ان سے تفسیر بیضاوی و کامل قدوری اور پھر ہدایہ مکمل پڑھیں۔ اس کے بعد دہلی کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے قرآن کریم حرفاً حرفاً صحاح ستہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مسند امام اعظم، تفسیر قرطبی، دارمی، دار قطنی، معجم کبیر، مستدرک، جامع صغیر، قسطلانی، تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان، تفسیر بغوی، فقہ میں فقہ اکبر، شرح فقہ اکبر کا مکمل درس لیا اور سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو تمام طلبہ سے الگ بعد نمازِ عشاء درس دیا کرتے تھے اور اس درس میں صرف شاہ صاحب کے داماد سید ظہیر الدین شہید کو شرکت کی اجازت تھی۔

آپ سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے شہرہ آفاق بزرگ شاہ محمد آفاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حِصن حَصین پڑھائی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ شاہ آفاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور وفات سے پہلے آپ کے مرشد نے آپ کی اقتدار میں نماز ادا فرمائی۔ علم حدیث سے خصوصی شغف تھا اور معقولات کے شدید مخالف تھے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صحاح ستہ موطا امام مالک اور حصن حصین پڑھانے پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ سے جن علماء نے درسِ حدیث لیا ان میں مولانا

عبدالکریم گنج مراد آبادی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی ،مولانا ظہیر احسن شوق نیموی، اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ آپ نے 105 سال طویل عمر پائی۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو وفات ہوئی، گنج مراد آباد (ہندوستان) میں مزار مرجع الخلائق ہے۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(220) حضرت خواجہ نظام الدین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی محمد ہے اور والد کا نام احمد ہے آپ ساداتِ حسینی میں سے ہیں، محبوبِ الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء آپ کے القاب ہیں۔ آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا پھر وہاں سے بدایوں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں ۲۷ صفر ۶۳۶ھ 19 اکتوبر 1237ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کے زیرِ تربیت پرورش پائی۔ لیکن آپ کی نیک دل، پاک سیرت اور بلند ہمت والدہ بی بی زلیخا نے سوت کاٹ کاٹ کر اپنے یتیم بچے کی عمدہ پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، آپ نے قرآن کریم کا ایک پارہ مقری بدایونی سے پڑھا یہیں مولانا علاؤالدین سے قدوری پڑھی، اور مزید تعلیم کے لیے دہلی تشریف لے گئے جو اُس وقت علماء وفضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اِن میں فضل وکمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ بہت ممتاز تھے۔ آپ نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا مولانا نے بھی آپ کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے مقامات حریری کے چالیس مقامے پڑھے۔ اِس کے بعد مولانا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ سے مشارق الانوار کا درس لیا۔ آپ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ اِس کے قریب ہی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ اِن کی صحبت میں آپ کے دل میں بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا۔ ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

اس کو سن کر آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور بیس سال کی عمر میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب پاک پتن پہنچے تو بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھ

کر یہ شعر پڑھا:

اے آتشِ فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جان ہا خراب کردہ

''اے محبوب! تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو جلا کر کباب بنا دیا ہے......
تیرے اشتیاق کی فراوانی نے جانیں تباہ کر دی ہیں۔''

اور اُسی روز حلقۂ ارادت میں داخل کرلیا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں اور تمام مریدین زمین پر سویا کرتے تھے لیکن آپ کے لیے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ایک چار پائی کا انتظام ہوا آپ اس پر سونا نہیں چاہتے تھے ہ حافظانِ کلامِ ربانی اور عاشقانِ درگاہِ رحمانی تو زمین پر رہیں اور وہ چار پائی پر آرام کریں لیکن مرشد کا حکم تھا اس لیے عدولِ حکمی بھی نہیں کی۔ آپ اپنے شیخ کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے۔ آپ نے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کلام پاک کے سات پارے، ''عوارِف المعارف'' کے پانچ باب اور ابو الشکور سالمی کی ''تمہید'' پڑھی، حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ دہلی سے تین بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے پاک پتن تشریف لے گئے۔ آپ نے تکمیل سلوک کے بعد غیاث پور دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخلوق کی رشد و ہدایت کا کام لیا۔ اُس زمانے کے بڑے بڑے علماء فضلاء آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے اور فیض یاب ہو کر گئے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی محی الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شمس الدین یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ بڑے نامور حضرات ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا معز الدین کیقباد کو آپ سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ اس نے آپ کی خانقاہ کے قریب موضع کھیلوکری میں اپنا قصر تعمیر کروایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ خواجہ نظام الدین بھی اپنی خانقاہ سے سلطان کی نوتعمیر جامعہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جاتے لیکن آپ سلطان سے ملاقات کے لیے کبھی نہ گئے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی بہت معتقد تھا جبکہ سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو آپ سے کشیدگی تھی۔ دونوں کا انجام برا ہوا۔ آپ کے لنگر خانہ میں ہزاروں من کھانا پکتا اور ہزاروں کی تعداد میں فقراء اور مساکین اس خانقاہ سے کھانا

کھاتے۔ وصال سے قبل آپ علیل ہوئے تو آپ نے وصیت کی گھر اور خانقاہ کے اندر جس قدر جس قدر اثاثہ ہے سارے کا سارا مساکین اور غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ کے حکم پر خواجہ محمد اقبال داروغہ لنگر نے ہزار ہا من غلہ بانٹ دیا اور ایک دانہ بھی نہ چھوڑا۔

تصانیف میں: (۱) فوائد الفواد (۲) فصل الفواد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء شامل ہیں۔

۱۸ ربیع الاول ۲۵ کے ھ بروز بدھ مطابق 4 مارچ 1324ء صبح طلوع آفتاب کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ بستی نظام الدین میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

(بیا بہ مجلس نفیس ص ۶۵۹)، (آزاد دائرۃ المعارف)

(221) شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

شیخ محمد ابراہیم ذوق (پیدائش: 22 اگست 1790ء۔ وفات: 16 نومبر 1854ء) ایک اردو شاعر تھے۔ ذوق ان کا تخلص تھا۔

ایک غریب سپاہی محمد رمضان کے لڑکے تھے۔ پہلے حافظ غلام رسول کے مکتب میں تعلیم پائی۔ حافظ صاحب کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ذوق بھی شعر کہنے لگے۔ اس زمانے میں شاہ نصیر دہلوی کا طوطی بول رہا تھا۔ ذوق بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ دل لگا کر محنت کی اور ان کی شاعرانہ مقبولیت پڑھنے لگی۔ بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں ان کا وقار اتنا بلند ہو گیا کہ قلعہ معلیٰ تک رسائی ہو گئی۔ اور خود ولی عہد سلطنت بہادر شاہ ظفر ان کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ شاہ اکبر ثانی نے ایک قصیدہ کے صلہ میں ملک الشعراء خاقانی ہند کا خطاب مرحمت فرمایا۔ شروع میں چار روپے ماہانہ پر ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ آخر میں یہ تنخواہ سو روپیہ تک پہنچ گئی۔ مرنے سے چند ساعت پہلے یہ شعر کہا تھا:

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق کو عربی فارسی کے علاوہ متعدد علوم موسیقی، نجوم، طب، تعبیر خواب وغیرہ پر کافی دسترس حاصل تھی۔ طبیعت میں جدت و ندرت تھی۔ 65 سال کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا اور دہلی میں تدفین کی گئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(222) حضرت شاہ اہل اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا نکاح ان کے ننھیالی خاندان میں ہوا تھا۔ اس سے شیخ صلاح الدین پیدا ہوئے۔ اس زوجہ کا انتقال ۱۱۲۸ھ/ 1716ء کے بعد کسی سال ہوا دوسرا عقد ۵۲ برس کی عمر میں فخر النساء بنت شیخ محمد پھلتی سے ہوا زوجۂ ثانیہ کے بطن سے دو صاحبزادے ہوئے۔ (۱) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ۱۱۱۹ھ/ 1708ء کو پُھلت ہی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے اور پھر بڑے بھائی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ والد سے بارہ سال کی عمر میں ہی بیعت کرلی تھی۔ اشغال طریقہ بعد کو بھائی سے حاصل کئے ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے جانے لگے تو بھائی کے سر پر دستار خلافت باندھی اور خانقاہ رحیمیہ کا سجادہ نشین بنا کر گئے تھے۔

شاہ اہل اللہ علومِ معقول ومنقول کے فاضل تھے۔ طب بھی پڑھی تھی اور مطب کرتے تھے۔ اُن کے بعض واقعات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے انفاس العارفین میں لکھے ہیں۔ آپ ہندوستانی طب (آیورویدک) میں دستگاہ رکھتے تھے اور اس فن سے بھی نئے مریضوں کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ شاہ اہل اللہ کی بھی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے بعض شائع ہوچکی ہیں۔ دوسری ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ پھلت ہی میں رہتے تھے وہیں ۱۱۸۷ھ/ 1773۔74ء میں ان کا انتقال ہوا اور احاطہ درگاہ میں مدفون ہیں۔ وہیں شاہ محمد عاشق، شاہ محمد فائق، شاہ عبدالرحمٰن وغیرہ کے مزارات ہیں۔ شاہ اہل کے ایک فرزند شاہ مقرب اللہ تھے۔ ان کا عرفی نام ''میاں مہکوجیو'' تھا دوسرے بیٹے معظم اللہ عرف مولوی محمد تھے۔ ان کا نکاح مسماۃ فاطمہ بنت شیخ محمد فائق ابن شاہ محمد عاشق پھلتی سے ہوا تھا۔ ان سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی: (۱) محمد مکرّم، (۲) محمد محتشم، (۳) اَمۃُ العزیز (دختر)

محمد مکرم اور امۃ العزیز لاولد رہے۔ محمد محتشم کا نکاح مسماۃ اَمۃُ الغفور بنت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ان کے بطن سے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے انہوں نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

شاہ اہل اللہ'' کی تالیفات میں ایک تفسیر قرآن ہے۔اس کے علاوہ مختصر ھدایة الفقه للمرغینانی، مختصر فی الفقه والعقائد (فارسی)، مختصر فی الطب، احسن المسائل ترجمہ کنزالدقائق ایک اور تالیف مجموعہ رسائل تسعہ میں ''نصائح و وظائف'' کے نام سے شامل ہیں۔(نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مترجم) ج ا ص ۵۶، ص ۷۲)

(223) حضرت سلطان بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ علیہ

بہادر شاہ ظفر خاندان مغلیہ کے آخری، بادشاہ ایک صوفی منش انسان اور اردو کے ایک بہترین و مایہ ناز شاعر تھے وہ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے ذوق کی وفات کے بعد وہ مرزا غالب سے شاعری میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

بہادر شاہ ظفر کا پورا نام سراج الدین بہادر شاہ ظفر تھا۔ وہ خاندان تیموریہ کے آخری بادشاہ تھے جو اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے ان کے دادا شاہ عالم ثانی دہلی کے بادشاہ تھے، بہادر شاہ ظفر کا لقب ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی تھا ان کا سلسلہ نسب گیارھویں پشت میں شہنشاہ ظہیر الدین بابر سے ملتا ہے۔وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔وہ اردو عربی فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے اور گھڑسواری تلوار بازی، تیراندازی اور بندوق چلانے میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔۱۲۵۲ھ بمطابق 1837ء کو قلعہ دہلی میں ان کی تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ بہادر شاہ ظفر کی تاج پوشی کا جشن سات دن جاری رہا اور ان سات دنوں میں دلی کے لوگوں کو شاہی محل سے کھانا کھلایا گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے وقت بہادر شاہ ظفر کی عمر 82 سال تھی جب ان کی تمام اولادوں کے سر قلم کر کے تھال میں سجا کر ان کے سامنے تحفے کی شکل میں لائے گئے میجر ہڈسن نے ان کے چاروں لڑکوں مرزا غلام مرزا خصر سلطان، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو بھی قید کر لیا۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سروں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس نے درد بھرے الفاظ میں ان کیلئے دعا کی اور کہا'' تیمور کی اولاد ایسے ہی سرخرو ہو کر باپ کے سامنے اپنا فرض ادا کرتی ہے اس کے بعد شہزادوں کے دھڑ کوتوالی کے سامنے اور کٹے ہوئی سروں کو خونی دروازے پر لٹکا دیا گیا انگریز سامراج کی فوج نے نے بہادر شاہ ظفر کو دھوکے سے قتل کرنے کیلئے بلوایا اور گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔رنگون میں انہیں پورے آرام و آسائش سے رکھا گیا۔لیکن لکھنے پڑھنے کی آزادی نہیں تھی۔مہرولی میں قطب مینار کے نزدیک ظفر محل میں جس جگہ بادشاہ نے اپنی قبر کی جگہ متعین کی

تھی دو قبروں کے درمیان وہ جگہ آج بھی خالی پڑی ہے۔ظفر محل اکبر شاہ ثانی نے تعمیر کرایا تھا لیکن ان کے پوتے بہادر شاہ ظفر نے اس محل میں ایک بڑے گیٹ کا اضافہ کیا اس بلند دروازے پر باب ظفر لکھا ہوا ہے۔ بہادر شاہ ظفر ہر برس گرمی کے دنوں میں تین ماہ کیلئے مہرولی کے اس محل میں گزارا کرتے تھے ان کے ہمراہ بیگم زینت محل بھی ہوا کرتی تھیں۔

1985ء کے لگ بھگ ہندوستانی حکومت نے بہادر شاہ ظفر کی قبر کے پاس مسجد بنوائی جب مسجد کیلئے کھدائی کی گئی تو آخری مغل بادشاہ کی اصل قبر دوبارہ دریافت ہوئی۔ پہلے والی قبران کی بیگم کی ہے اس کے ساتھ خاندان کے لوگوں کی تین قبریں اور ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کی قبران قبروں سے تیس چالیس گز دور ہے اور اُس وقت مسجد کے تہہ خانے میں ہے جبکہ اہل خانہ کی قبریں زمینی سطح پر ہیں۔ان کی چار بیویاں میں سے 22 بیٹے اور 32 بیٹیاں تھیں۔(آزاد دائرۃ المعارف و یکی پیڈیا)

(224)۔مولانا بدرالدین محدث دمشق

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(225)حضرت امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ

ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی الحنفی المصری لقب جمال الدین تھا۔زیلعی کی نسبت قصبہ زیلع سے ہے جو حبشہ کی ساحلی پٹی پر واقع تھا۔ جواب صومالیہ کا حصہ ہے۔

علمائے اعلام میں سے فقیہ فاضل، محدث حافظ، جامع اصناف علوم، محقق و مدقق تھے۔ حدیث کو اصحاب نجیب عبداللطیف الحرّانی سے سماعت کیا اور فخر الدین زیلعی شارح کنز اور علاؤ الدین بن ترکمانی اور ابن عقیل نحوی سے اخذ کیا۔احادیث واقعہ ہدایہ اور خلاصہ اور تفسیر کشاف کی تخریج کی۔ شیخ زین عراقی اور زیلعی مطالعہ کتب حدیثیہ میں واسطے تخریج یہ دونوں ایک دوسرے کو امداد دیتے تھے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ آپ کے کلام کی برکت احادیث احکام واقعہ ہدایہ اور تمام کتاب مذہب حنفیہ پر مبذول ہے۔ وفات آپ کی ماہ محرم قاہرہ مصر میں ۷۶۲ھ میں ہوئی۔
(آزاد دائرۃ المعارف، ضیاء طیبہ)

(226)۔علامہ زاہدی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(227) حضرت علاء الدین علی متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ

علاء الدین علی بن حسام متقی برہانپوری، قادری، چشتی، شاذلی صوبہ گجرات کے برہانپور شہر میں ۸۸۵ھ 1480ء کو پیدا ہوئے، یہ دراصل جونپور کے متوطن تھے، ان کے آباء نے نقل مکانی کرکے برہان پور کی سکونت اختیار کرلی تھی، یہ جب آٹھ سال کے ہی تھے کہ تب ان کے والدین ان کو شیخ باجن عمری کے یہاں لے گئے اور ان کو ان کے دست حق پر بیعت کروایا۔ ابھی یہ آٹھ سال کے ہی تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ آپ اپنے والد کی وفات کے بعد ''مندہ'' کے کسی امیر کے پاس کتابت کی نوکری پر فائز ہوئے۔ اس کے ذریعے وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کے معاش کا نظم کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاس ایک مال و دولت کا ایک وافر ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔ آپ کے باطنی احوال میں تبدیلی آئی، جس کے وجہ سے آپ کی دل کی دنیا ہل گئی۔ اور آپ پیشے سے سبکدوش ہوکر شیخ عبدالحکیم چشتی کی خدمت میں آئے اور ان کی صحبت اور رفاقت کو اختیار کیا۔ پھر انہوں نے حسام الدین متقی کے یہاں ملتان میں درس وتدریس اور تربیت باطنی میں گذارے، پھر گجرات واپس تشریف لائے اور احمد آباد میں اقامت پذیر ہوگئے، پھر رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگئے۔ پھر اپنے اہلیہ اور دیگر اہل خاندان کے ساتھ زندگی گذاری، اس بیوی سے ان کی ایک لڑکا ہوا جو لڑکپن میں ہی وفات پا گیا۔ (الشیخ محدث دہلوی، اخبار الاخیار: ۵۰۷)

آپ نے ملتان کا بغرض تحصیل علم سفر کیا، وہاں حسام الدین متقی (۹۴۰ھ) کی صحبت اختیار کی، ان کے علوم ومعارف سے استفادہ کیا، ان کے یہاں امام بیضاوی کی ''انوار التنزیل فی اسرار التاویل'' اور ''عین العلم'' پڑھی۔ ان کے صحبت میں دو سال رہے، پھر یہاں سے ۹۴۲ھ کو مکہ مکرمہ گئے، عمرہ کی ادائیگی کے بعد محمد بن محمد سخاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ یہ بڑے علماء اور مشائخ میں سے تھے، اور بڑے اللہ کے ولی تھے۔ ان سے اجازت اور خلافت حاصل کی، اسی طرح طاہر زماں الزواری سے بھی تحصیل علم کیا۔ یہ بھی اپنے زمانہ کے نہایت زاہد، عابد شخص تھے۔ اسی طرح شیخ ابوالحسن البکری کی بھی شاگردی اختیار کی، ان کی صحبت سے استفادہ کیا۔ یہ بھی اپنے زمانے کے بڑے صاحب فضل عالم تھے۔ اسی طرح شیخ ابومدین شعیب المغربی سے مدنی طریقت میں اجازت حاصل کی، امام شیخ ابن حجر المکی سے حدیث شریف کا درس لیا اور مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے قریب ہی مقیم رہے۔ (عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر)

تمام امور کو کتاب اور سنت رسول کے مطابق انجام دیا کرتے، ہر چیز کو شریعت کی کسوٹی اور ترازو میں تولتے۔

ان کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے، چند ایک اجلہ اساتذہ یہ ہیں: ا۔ شیخ بہاء الدین باجن چشتی ۲۔ شیخ حسام الدین ملتانی ۳۔ شیخ محمد بن محمد سخاوی ۴۔ شیخ ابوالحسن البکری۔

آپ کے تلامذہ کی بھی بڑی تعداد ہے، مشہور تلامذہ یہ ہیں: (۱) قاضی عبداللہ ابراہیم سندی (۲) قاضی عبداللہ بن عبداللہ بافقیہ (۳) محمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار (۴) رحمت اللہ سندی (۵) عبدالوہاب المتقی وغیرہ۔

آپ نہایت کثیر المجاہدہ تھے، بہت مختصر کھانا تناول فرماتے، آپ کی بہت سی مشہور کتابیں ہیں: (۱) کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال (۲) تلخیص البیان فی علامات مهدی آخر الزمان (یہ ایک چھوٹا رسالہ ہے) (۳) مطلع الغایہ فی اختصار النہایہ (۴) الفصول شرح جامع الاصول (۵) جوامع الکلم فی المواعظ و الحکم (۶) الاحادیث المتواترہ (۷) مجمع بحار الانوار فی شرح مشکل الاثار (۸) زاد الطالبین (۹) فتح الجواد۔

وفات بروز منگل، وقت سحر ۹۷۵ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوئی، اسی دن صبح میں تدفین عمل میں آئی، ان کی قبر جنت المعلیٰ میں فضیل بن عیاض کے مقابل ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۸۷ سال تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ۹۰ سال تھی۔ (مضامین ڈاٹ کام، شخصیات)

(228) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرحمٰن بن مولانا حکیم گل احمد بن محمد عباس بن محمد حبیب رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا شجرہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے۔ آپ کے جد امجد سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/ 1030ء) مجاہدین میں سے تھے۔ آپ کے والد عالمِ دین اور معروف طبیب تھے اور حضرت مولانا عبدالوہاب معروف بہ پیر مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ/ 1904ء) کے مخلص مرید تھے۔

آپ کی ولادت مؤرخہ ۱۲ شوال ۱۲۹۹ھ/ ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء کو موضع بہبودی، نزد حضرو، ضلع اٹک میں ہوئی آپ کے نام کے ساتھ ضلع اٹک کے سابق نام ''کیمبل پور'' کی نسب سے کیمبل پوری'' صفت نسبتی تھی، جسے ''کامل پوری'' سے بدلا گیا ہے۔

آپ چار بھائی تھے۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتب کی تعلیم آپ نے بہبودی میں

حاصل کی۔ آپ کے چچا حکیم غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ شمس آباد (ضلع اٹک) میں مقیم تھے۔ آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب کی تعلیم شمس آباد میں رہ کر انہی سے حاصل کی۔ اسی گاؤں میں حضرت مولانا فضل حق شمس آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ/ 1929ء) سے صرف ونحو کی کتب پڑھیں۔ اسی دوران مشہور خطاط شیخ فتح محمد مشہور ''شیخ بابا'' سے یہ فن سیکھا، باقی ماندہ کتب کی تحصیل کے لیے حضرت مولانا قاضی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۲ / 1953ء) ساکن پنڈی سرہال، ضلع اٹک کے ہاں جا پہنچے اور تین برس ان کے ہاں مقیم رہ کر شرح جامی اور ملاحسن تک کی منطق کی کتابیں ان سے پڑھیں۔ بعدازاں اس گاؤں سے ۹ میل کے فاصلے پر واقع موضوع اورنگ آباد میں جا کر مشہور مدرس وفقیہ حضرت مولانا عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۵ھ/ 1956ء)، جو پہلے جناب شاہ کے نام سے مشہور تھے، سے شرح وقایہ پڑھی اور پھر مکھڈ شریف (ضلع اٹک) میں تشریف لے گئے جہاں چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کے معروف صوفی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۳ھ/ 1837ء) کی خانقاہ تھی وہاں حضرت مولانا حسن الدین رحمۃ اللہ علیہ سے منطق وفلسفہ کے آخری درجے کی کتب حمد اللہ، صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں اور کچھ عرصہ موضع اخلاص میں رہ کر بھی ان سے استفادہ کرتے رہے۔

کچھ عرصہ ضلع مردان کے گاؤں ڈاگئی میں حضرت مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۳ھ/ 1983ء) فاضل دیوبند اور اُن کے بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حمد اللہ وغیرہ جیسی کتب پڑھتے رہے اور ریاست امب دربند (ضلع سرحد) کے قریب علاقہ چکیسر میں بھی اساتذۂ وقت سے مستفید ہوئے۔

ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ/ آغاز نومبر 1912ء میں آپ مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور (ہندوستان) میں داخل ہوگئے۔ دو سال یہاں مقیم رہ کر درسِ نظامی کی آخری کتب اور صحاحِ ستہ پڑھیں۔ ۱۳۳۲ھ/ 1914ء میں سند فضیلت پائی۔ مظاہر علوم میں آپ کے مشفق اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ/ 1927ء) شامل تھے۔

آپ شوال ۱۳۳۲ھ/ اگست، ستمبر 1914ء میں دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) میں داخل ہوئے اور یہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۹ھ/ 1920ء) سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۲ھ/ 1932ء) سے ابوداؤد اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ/ 1928ء) مہتمم دارالعلوم سے صحیح مسلم پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا

حکیم محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۵ھ/ 1926ء) سے طب کی کتابیں نفیسی، شرح اسباب، موجز اور قانونچہ پڑھیں اور پھر امتحان میں بیٹھ کر نمایاں نمبروں میں کامیابی حاصل کی۔ (آپ مظاہر علوم، سہارنپور) میں مدرس مقرر ہو گئے۔ آپ اپنے والد ماجد اور چچا گرامی کے اصرار اور استاد مکرم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے تونسہ شریف آکر پڑھانے لگے، مگر چند دن وہاں رہ کر آپ اُکتا گئے اور واپس مظاہر علوم (ہندوستان) جا پہنچے۔

۶ شوال ۱۳۴۴ھ/ 29 اپریل 1926ء کو مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس) مظاہر علوم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ مظاہر علوم کے صدر مدرس مقرر کیے گئے اور پھر ۱۳۶۶ھ/ 1947ء تک صدر مدرس رہے۔ آپ نے مظاہر علوم، سہارنپور (ہندوستان) کے قیام کے زمانہ میں ۱۳۵۵ھ/ 1939ء میں فریضہ حج ادا کیا۔

دورہ حدیث کے سال آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست بذریعہ خط پیش فرمائی۔ آپ نے تدریس مظاہر علوم کا ابتدائی گیارہ سالہ دور اپنے شیخ اوّل و استادِ گرامی کی صحبت میں گزارا۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کا عزم کیا اُن کی خدمت میں مکتوب تحریر فرمایا، ابھی بیعت نہیں ہوئے تھے اور تعلق اصلاح کے دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/ ستمبر 1930ء میں حضرت مرشد تھانوی قدس سرہ نے آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرما دی۔

تقسیمِ ہند کے بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ/ 1947ء) کے مدرسہ خیر المدارس میں شیخ الحدیث رہے۔ دار العلوم اسلامیہ، ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز المرام رہے۔ پھر آپ چار سال جامعہ اسلامیہ، اکوڑہ خٹک میں درسِ حدیث دیتے رہے۔

۷۸۔۱۳۷۷ھ/ 1958ء میں بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس ختم فرما دیا اور وطن مالوف بہبودی میں اقامت اختیار فرمائی۔

شبِ جمعۃ المبارک ۱۶۔ شعبان ۱۳۹۵ھ/ 10۔ دسمبر 1965ء کو آپ حسبِ معمول نمازِ تہجد کے لیے اٹھے اور بعد ازاں فالج کا حملہ ہوا۔ ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ/ 21 دسمبر 1965ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۸ھ/ 1969ء) نے پڑھائی اور آپ نے موضع بہبودی میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کی

اولاد میں ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے ہیں۔(۱) حضرت مولانا مفتی حافظ احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۱ھ/ 1991ء) مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن، کراچی۔(۲) حضرت مولانا حافظ عبید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۳ھ/ 2003ء) خطیب جامع مسجد بوڈمین سٹریٹ، شیفلڈ، انگلینڈ۔ (۳) حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب، خطیب و مہتمم جامعہ اسلامیہ، کشمیر روڈ، راولپنڈی۔ آپ ایم پی اے اور صوبائی وزیر بھی رہے۔(۴) جناب محمد الرحمٰن۔

(تذکرہ علمائے اہلسنت پنجاب ج۱ ص ۲۶۸)

(229) حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت 1915ء میں جے پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم قرآن مجید، فارسی اور خطاطی گھر ہی پر حاصل کی اس کے بعد مولانا قدیر بخش بدایونی سے باقی علوم میں تحصیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ درسِ نظامی کے بعد 1934ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پھر حضرت شیخ حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث و پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تخصّص فی الحدیث کیا۔ ان کے علاوہ ان کے برادرِ معظم مولانا محمود حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اور حضرت مولانا یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خود شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ مصر، شام، عراق، ترکی، سعودی عرب، افریقہ اور یورپی ممالک کے طلباء حدیث ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جامعہ بہاولپور اور پھر نیوٹاؤن کراچی میں تدریس فرمائی۔ لُغات القرآن آپ کی شاہکار تصنیف ہے، دیگر چند مشہور تصنیفات: امام ابن ماجہ اور علم حدیث، اصول حدیث کے چند اہم مباحث، حضرت علی اور قصاص عثمان، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، تخریج الحزب الاعظم وغیرہ۔

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شیخ حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جو حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا نعمانی کو انہوں نے خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت وخلافت تھی۔ 1999ء میں 85 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور کراچی یونیورسٹی میں تدفین ہوئی۔ محمد عبدالمعید نعمانی مولانا کے بڑے بیٹے تھے جوان کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ چھوٹے بیٹے ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی جامعہ کراچی میں شعبہ عربی کے عہدہ

چیئرمین سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ (''سبدِ گل'' ص 60 از ڈاکٹر محمد عبد المقیت شاکر علیمی)

مفتی نجم الحسن امروہی مدظلہ (مقیم کراچی) کو آپ سے تحریری اجازت حدیث و اجازت سلسلہ طریقت حاصل ہے۔ (حیات انوری ص ۹۸)

(230) حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام سید محمود شاہ اور والد محترم کا نام سید مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ / 25 جون 1893ء میں افغانستان کے مشہور شہر قندھار میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں طلبِ علم کی غرض سے ہندوستان چلے آئے تھے، رامپور اور گجرات کے مضافات کے علماء سے تحصیل علم کرتے ہوئے حیدر آباد دکن پہنچے اور حضرت مولانا انوار اللہ صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوگئے، یہاں کے کبار علماء سے تحصیل علم کے بعد سند فراغت حاصل کی اور یہیں پر سلسلۂ درس و تدریس شروع فرمایا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی شہرت سے نوازا، دور دور سے لوگ آپ سے استفادہ کے لئے آنے لگے، آپ کو امام عالی مقام سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کی فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا، اسی کا اثر تھا کہ آپ نے حیدر آباد دکن میں اَکابر علماء اَحناف کے علوم کی نشر و اشاعت کی غرض سے ''لجنۃ اِحیاء المعارف النعمانیۃ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور اس ادارہ سے انتہائی نادر و نایاب اور نہایت قیمتی کتابیں شائع کیں جن میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ'' ۴ جلد، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف ''کتاب الاصل'' حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الآثار، کتا الرد علی سیر الاوزاعی، اختلاف ابی حنیفۃ و ابی لیلٰی، مختصر الطحاوی، کتاب النعقات للامام ابی بکر الجصاص، اصول الفقہ، للامام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ، شرح الزیادات للامام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ''، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مناقب ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ و صاحبیہ'' اور علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبار ابی حنفیۃ و صاحبیہ'' اور شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقود الجمان'' قابل ذکر ہیں۔

آپ نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار کی شرح بھی لکھنی شروع کی تھی ابھی آپ دو جلدیں ہی لکھ پائے تھے اور کتاب الجنائز تک پہنچے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

آپ نہایت متواضع، عابد و زاہد اور خوف و خشیت رکھنے والے بزرگ تھے، تاحیات

شادی نہیں کی تجرد کی زندگی گزارتے رہے، ۱۳ رجب ۱۳۹۵ھ / 22 جولائی 1975ء بروز بدھ صبح کے وقت بیاسی سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ (بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۴۸)

(231) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ خواجہ محمد معصوم سرہندی المعروف عروۃ الوثقیٰ اور قیوم ثانی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے فرزند اور جانشین ہیں۔

آپ کی ولادت سرہند شریف کی ایک بستی ملک حیدر میں شوال ۱۰۰۷ھ بمطابق مئی، 1599ء میں ہوئی۔ نام محمد معصوم، کنیت ابوالخیرات، لقب مجدد الدین اور خطاب عروۃ الوثقی ہے۔ اسی سال امام ربانی، محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لئے امام ربانی عروۃ الوثقیٰ کی ولادت کو نیک فال خیال کرتے تھے اور اپنی زندگی میں ہی ان کو قطب عالم کے منصب پر فائز ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ گیارہ سال کی عمر میں امام ربانی نے آپ کو بیعت فرمالیا اور طریقت کی تعلیم دی۔ سولہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ صرف ایک ماہ کی مختصر مدت میں قران مجید حفظ کرلیا۔

شیخ محمد طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو مجدد الف ثانی کے خلیفہ ہیں، آخوند سجاول سرہندی مؤلف شرح وقایہ اور سلطان العلماء ملا بدر الدین سلطانپوری سے آپ نے تحصیل علم کی۔ آپ نے اپنے قیام حرمین الشریفین کے دوران اپنے خلیفہ مولانا سید زین العابدین یمنی محدث مدنی سے اجازتِ حدیث لی۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے قبل ہی آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا اور اپنے ایک مکتوب بنام محمد سعید میں بہت واضح طور پر اس کے بارے میں تحریر فرمایا۔

آپ جب بالغ ہوئے تو مجدد پاک نے استخارہ کیا اور سید میر صفر احمد رومی کی صاحبزادی بی بی رقیہ کے ساتھ نکاح فرما دیا 6 صاحبزادے اور 5 صاحبزادیاں انہیں کے بطن سے ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادگان کے نام یہ ہیں: (۱) خواجہ صبغۃ اللہ۔ (۲) خواجہ محمد نقشبند ثانی۔ (۳) خواجہ عبیداللہ مروج الشریعت۔ (۴) خواجہ محمد اشرف۔ (۵) خواجہ سیف الدین فاروقی۔ (۶) خواجہ محمد صدیق

آپ کے حیات ہی میں آپ کے خلفاء پورے عرب، ماوراء النہر اور افغانستان سے سرہند تک پھیل گئے۔ شاہ احمد سعید مجددی نے لکھا ہے کہ آپ کے دستِ مبارک پر 9 لاکھ افراد نے بیعت کی اور آپ کے خلفاء تقریباً 7 ہزار تھے۔

آپ کے مشہور ترین خلفاء درج ذیل ہیں: (۱) مفتی محمد باقر لاہوری، (۲) ملا محمد امین حافظ آبادی، (۳) شیخ محمد مراد شامی، (۴) حاجی حبیب اللہ حصاروی بخاری، (۵) ملا موسیٰ بھٹی کوٹی، (٦) حافظ محسن سیالکوٹی، (۷) سید زین العابدین یمنی محدث مدنی۔

آپ کی تصانیف: (۱) مکتوبات معصومیہ (تین جلدوں میں)، (۲) یواقیت الحرمین: (اس عربی رسالہ کا فارسی اور اردو ترجمہ حسنات الحرمین کے نام سے ہوا۔)، (۳) مکاشفات غیبیہ: (اس عربی رسالہ کا اردو ترجمہ مکاشفات غیبیہ مجددیہ کے نام سے ہوا)، (۴) اذکار معصومیہ۔

آپ ۱۰٦۷ھ بمطابق 1657ء میں حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوئے۔ آپ کے تقریباً تمام صاحبزادگان، سات ہزار خاص مریدوں جن میں دو ہزار آپ کے خلفاء اور سات سو مجدد الف ثانی کے خلفاء کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اتباعِ سنت اور عمل بہ عزیمت کے سلسلے میں آپ مجدد الف ثانی کے عملی نمونہ تھے جس کا اظہار مکتوبات معصومیہ میں بخوبی ہوتا ہے۔ سلطان عالمگیر حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔ عصر کے بعد وعظ نصیحت کی مجلس ہوتی تھی۔ خواتین کی تلقین اور نصیحت کے لئے وقت مقرر ہوتا تھا لوگ ـــــ باعیال آپ کے دربار میں آتے، جن کے لئے علیحدہ جگہ کا انتظام ہوتا تھا اور آپکی صاحبزادیاں درمیان میں واسطہ ہوتی تھیں۔

آپ کو وجع المفاصل (جوڑوں کا درد) کا مرض تھا۔ آخر عمر میں اس مرض نے بہت غلبہ پایا۔ وفات سے دو تین روز پیشتر آپ نے قرب و جوار کے بزرگوں کو ایک رقعہ لکھا۔ سب کو پند و نصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔ صبح کو نماز فجر کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق پڑھی۔ بعد ازاں سکرات موت آپ پر شروع ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی زبان مبارک جلد جلد چلتی تھی۔ صاحبزادگان والاتبار نے کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ آپ سورۃ یٰسٓ شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ کا وصال ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ بمطابق 17 اگست 1668ء کو سرہند میں ہوا۔ اور مدفن سرہند شریف، انڈیا میں ہے۔ (ضیاء طیبہ)، (آزاد دائرۃ المعارف)

(232) حضرت سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ/ 14 اپریل 1859ء بروز پیر کو ہوئی، ابتدائی تعلیم قریبی مراکز میں حاصل کر کے آپ اعلیٰ تعلیم

کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علی گڑھ پہنچ کر تین سال تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ سہارنپور حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آپ بخاری و مسلم پڑھ رہے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اعلیٰ استعداد کو ملاحظہ فرما کر اجازت حدیث سے سرفراز فرمایا اور وطن جا کر خدمت دین کی تاکید کی، اُس زمانہ میں سہارنپور میں مولانا محمد حسن محدث فیض پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حصولِ تعلیم میں مشغول تھے، اور دونوں بزرگوں کا ملنا جلنا ہوتا تھا، یہ ملنا جلنا بعد میں بھی رہا اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کے یہاں ازراہِ محبت و مودت آتے جاتے رہے، آپ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اجازت عطا فرمائی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا، مگر حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ "پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس کا سدِّ باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے اگر اس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علماء عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا" آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی، (مہر منیر ص:۱۲۹) ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ / 11 مئی 1937ء بروز منگل آپ کی وفات ہوئی اور اگلے دن گولڑہ شریف میں آپ کی مسجد کے قریب ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۴۰)

(233) حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مولوی حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش بروز جمعہ المبارک ۱۳۱۳ھ مطابق 1893ء میں ہوئی۔ آپ کا آبائی گھر گنجال ضلع خوشاب میں ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ بہت ہی چھوٹی عمر میں والدِ محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ کی کفالت آپ کے چچا (مفتی پنجاب) حضرت مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ والد صاحب کی

وفات کے بعد گھر کے حالات بہت ہی زیادہ خراب ہو گئے۔ کیونکہ گھر میں پانچ بہنیں اور ایک بیوہ والدہ تھی اور گھر کمانے والا کوئی بھی نہ تھا۔ تعلیمی سفر کا آغاز بھی اپنے والد سے کیا۔ ناظرہ قرآن کریم اور گلستانِ سعدی تک فارسی آپ کی شاگردی میں پڑھی۔ والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے چچا سے چند کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اپنے چچا حکیم فیض احمد سے علم طب سیکھنا شروع کیا۔ اس طرح آمدنی کا سلسلہ بھی چل نکلا۔

اپنے بچپن میں جب مفتی صاحب کے والدِ محترم زندہ تھے تو اس وقت آپ کو شیخ خواجہ ابوسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ، بانی خانقاہ سراجیہ (کندیاں ضلع میانوالی) سے ملاقات کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ملاقات کچھ ایسی ہوئی کہ آپ وہیں کہ ہو کر رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت قیوم زماں ابوسعد احمد خان نے آپ کو ''دُردانہ'' کا لقب عطا فرمایا یعنی ''موتی کا دانہ''۔ آپ کی عمر چودہ برس کی ہوئی تو والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ ابھی عمر ۱۶ برس کی ہوئی تھی تو والدہ صاحبہ کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے آپ نے شادی کر لی۔

شعبان المعظم کا چاند نظر آیا، اعلیٰ حضرت فرمانے لگے، اس سال نماز تراویح میں قرآن کون سنائے گا؟ کہ ویسے میری تو خواہش تھی کہ دردانہ قرآن سنائے مگر وہ حافظ نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے یکم شعبان المعظم کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قرآن حفظ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ ایک مہینہ سے ایک دن کم میں میں نے پورا قرآن یاد کر لیا۔ مرشد نے فرمایا: ''دردانہ سنو! اب روحانیت میں کمال پانے کے لیے حصولِ علم ضروری ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا علم حاصل کرنا ضروری ہے''۔ تم ایسا کرو کہ لاہور میں مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد جاؤ۔ وہاں پر میرا بیٹا محمد معصوم اور تمہارا چچا زاد بھائی عبدالغفار بھی موجود ہیں۔ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ چنانچہ اس وقت اعلیٰ حضرت نے دعا کروائی اور مجھے اپنی جیب سے بیس روپے دیے کہ جاؤ اور جا کر علم حاصل کرو۔ اعلیٰ حضرت نے روانگی سے قبل کچھ نصیحتیں فرمائی جو کہ یہ تھیں:

''لاہور جا کر سب سے پہلے حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانا اور فاتحہ پڑھنا۔ اس کے بعد حصولِ علم کی دعا کرنا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد مدرسہ جانا۔ اپنے کسی دوست کو روانگی کی خبر دی۔ اسے اس طرح بتایا کہ آج میں جا رہا ہوں اور میری روانگی کے بعد میرے گھر اطلاع کر دینا کہ وہ حضرت صاحب کے حکم کے مطابق لاہور میں عالم بننے گیا ہے۔ اس کے بعد

امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ بعد میں اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ وہاں بلالیا۔ اس مدرسہ میں داخلہ لینے سے پہلے مفتی صاحب نے اور ان کے دونوں ساتھیوں نے بھی اپنی تمام کی تمام کتابیں تبدیلی کرلیں تھیں۔ تاکہ وقت بچ سکے اور جلد از جلد یہاں سے فارغ التحصیل ہوں۔

اس دوران حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ غرض سے سفر پر گئے۔ واپسی پر امرتسر میں ایک رات کا قیام کیا۔ مفتی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، حال احوال کے بعد اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ میں حضرت خواجہ ابوسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد خاص ہوں۔

حضرت سے مشورہ طلب کیا کہ حضرت دورہ حدیث کے لیے میں دیوبند آپ کے پاس حاضر ہوں؟ حضرت نے جواب دیا کہ دیوبند میرے پاس آنے سے قبل بہتر ہے کہ تم مدرسہ امینیہ دلّی جاؤ اور وہاں پر دورہ حدیث شروع کرو۔ ہمارے پاس دورہ الحدیث کے داخلے بند ہوچکے ہیں۔ تعلیمی سال کا آغاز ہوچکا ہے۔ امرتسر سے دلّی کے لیے سامان باندھا۔ مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا اور دلّی کی مسجد میں خطابت شروع کردی۔ جب آپ کا داخلہ دورہ حدیث دیوبند میں ہوا تو دلّی کو خیر آباد کہہ کر سیدھا دیوبند تشریف لے گئے فرماتے مدرسہ دیوبند میں مجھے ایک واضح فرق پتہ چلا کہ کتابیں تو وہی ہیں مگر پڑھانے والا کوئی دوسرا ہے۔

سالانہ امتحان کا انعقاد ہوا، پورے مدرسہ میں ایک ہی طالب علم تھا جس نے پرچہ عربی زبان میں حل کیا اور وہ تھا محمد شفیع اس امتحان کا نتیجہ نکلا اور اس میں محمد شفیع نے اوّل مقام حاصل کیا۔ مفتی صاحب نے پہلا دورہ حدیث حضرت مفتی کفایت اللہ کی زیر سرپرستی میں کیا اور دوسرا دورہ حدیث مدرسہ دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ کی زیر سرپرستی کیا۔

واپس آنے کے بعد اپنے گھر آئے اور کچھ دن قیام کے بعد اپنے مرشد یعنی اعلیٰ حضرت ابوسعد احمد خان صاحب کے پاس گئے۔ فرمایا کہ تم میرے بچوں کو پڑھاؤ چنانچہ مفتی صاحب نے اپنے مرشد کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا اور کچھ عرصے تک وہیں مقیم رہے۔ خانقاہ سراجیہ میں قیام کے بعد حضرتِ اعلیٰ کی اجازت سے مفتی صاحب میانوالی سے کچھ ہی فاصلہ پر واں بھچراں کے چھوٹے سے علاقے کی ایک مرکزی مسجد میں بطور خطیب مقرر ہوئے اور 2 سال تک وہیں پر مقیم رہے۔ خوشاب کے مرکزی بازار کی جامع مسجد میں بطور خطیب مقرر ہوئے اور وہاں پر آپ نے پانچ

سال اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچایا۔

حضرت مفتی صاحب نے ایک جمعہ مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر 1، مسلم بازار سرگودھا میں پڑھایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے بھی مفتی صاحب سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ 1920ء میں حضرت مفتی صاحب نے بطور خطیب مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر 1، مسلم بازار اسرگودھا میں اپنی خدمات شروع کیں اور اسی مسجد میں وفات پائی۔ تقریباً چھیالیس سال کا عرصہ آپ نے اس مسجد میں خدمات سرانجام دیں اور یہیں پر آپ نے مدرسہ جامعہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی وہیں پر ہی مقیم رہی اور آج بھی وہیں پر مقیم ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے، فاضلِ دیوبند، حضرت مولانا مفتی احمد سعید نے خطابت شروع کی۔

مدرسہ کی بنیاد کی تقریب کے سلسلے میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، امیرِ شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے علاوہ دیگر علماء حق اس تقریب میں شامل ہوئے اور اس طرح باقاعدہ طور پر اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ 1948ء میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حج بیت اللہ دوسرا حج آپ نے تقریباً سال بعد، 1950ء کی دہائی میں کیا تھا۔ تیسرا اور آخری حج آپ نے 1963ء میں کیا۔

تحریکِ ختمِ نبوت 1953ء میں حضرت مفتی صاحب نے اپنی تقاریر اور جلسوں سے شمولیت کی دعوت بھی دی۔ حضرت مفتی صاحب کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے۔ پورے نو مہینے آپ جیل میں رہے۔ آپ کے چچا جان مولوی دین محمد کی ایک صاحبزادی تھی جن کا نکاح بچپن ہی میں آپ کے ساتھ پڑھا دیا گیا تھا۔ آپ کے ہاں دو صاحبزادے پیدا ہو چکے تھے۔ ایک کی وفات بچپن میں ہی ہوگئی اور دوسرے صاحبزادے کا نام احمد رکھا گیا۔ اس کے بعد آپ دیوبند چلے گئے اور جب آپ مفتی بن کر تشریف لائے تو اس وقت آپ کے ہاں دوسرے بیٹے کی پیدائش ہوئی اور ان کا نام عبدالسمیع رکھا گیا۔ آپ کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی۔ مفتی صاحب کو دوسری شادی کی اجازت ان کی اپنی بیوی نے بھی دے دی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے نکاح پڑھایا اور کچھ عرصے بعد رخصتی ہوگئی۔ اس بیوی سے آپ کے ہاں چھ بچوں کی پیدائش ہوئی چار بیٹے اور دو بیٹیاں۔

حضرت مولانا ابو سعد احمد خان صاحب نے وفات سے قبل آپ کو بلوایا۔ اپنی جائے نماز، اپنی واسکٹ مفتی صاحب کو دی اور انھیں اپنا خلیفہ خاص مقرر کیا۔ سجادگی حضرت مولانا عبداللہ کو عطا کی اور پھر آپ وفات فرما گئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے آخری جمعہ پڑھایا اور اس میں اعلان کیا کہ خلافت صرف اور صرف دو اشخاص کو میں دے کہ جا رہا ہوں!

(۱) مولانا صالح محمد (سرگودھا)، (۲) مولانا حافظ صابر (چونیاں ضلع قصور)

مرض الموت گردہ کی تکلیف تھی گردہ میں پتھری تھی۔ نماز فجر کے لئے جگایا...... تین دفعہ آواز دی مگر کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ چادر اٹھائی تو ہاتھ نماز کی نیت کے لیے باندھے ہوئے تھے۔ منہ قبلہ کی طرف تھا اور محسوس یہ ہو رہا تھا کہ جیسے نماز پڑھ رہے ہیں یا پھر ابھی ابھی نماز پڑھی ہے۔ علم و روحانیت کا ایک باب 15 جولائی 1966ء بروز جمعۃ المبارک کو بند ہو گیا تھا۔

کمپنی باغ میں جنازے کا اہتمام کیا گیا اور بعد از نمازِ جمعہ جنازہ ادا کیا گیا۔ حضرت مولانا صالح محمد نے جنازہ پڑھایا۔ آپ کی وصیت کے مطابق اپنے گھر گنجیال میں دفن کیا گیا۔ گنجیال میں دوسرا جنازہ پڑھایا گیا۔ یہ جنازہ حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی احمد سعید نے پڑھایا۔ (ماخوذ از سوانح حیات حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھا)

(234) حاجی محمد قائم الدین رحمۃ اللہ علیہ

انصاف بوٹ ہاؤس آگرہ (ہندوستان) کی وجہ سے آگرہ والے مشہور تھے۔ ہجرت کے بعد کراچی پھر فیصل آباد (لائل پور) منتقل ہو گئے۔ اور انصاف ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے معروف ہوئے۔ بیعت کا تعلق حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید عطا اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق تھا۔ آپ کے 4 بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے حاجی گلزار احمد کا بھی بزرگوں اور علماء و مشائخ سے بڑا تعلق رہا۔ آپ نے 15 اگست 1982ء بروز اتوار وفات ہوئی اور بڑا قبرستان غلام محمد آباد میں دفن ہیں۔ (خاندانی روایت)

(235) مولانا احمد بزرگ سملکی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا انظر شاہ مسعودی لکھتے ہیں:

آپ سملک جوڈابھیل کی قریب ایک چھوٹی بستی ہے۔ اسی کے باشندے تھے۔ ثقہ عالم

اور صاحبِ زہد و تقویٰ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے خلافت حاصل کی............ان کے عہد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے وہ ترقی کی جو بعد کے ادوار میں نصیب نہ ہوئی۔ افریقہ کے مسلمان تجار اِن پر بڑا اعتماد کرتے۔ تین بچے غالباً پس ماندگان میں ہیں۔ مولوی محمد معصوم صاحب جن کا حال ہی میں لندن میں انتقال ہوا، دوسرے صاحبزادے مولانا محمد سعید حال رئیس الجامعہ ڈابھیل و رُکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں اور اپنی سلامتی طبع میں منفرد ہیں، تیسرے مولانا رشید بزرگ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بعہدہ مدرسی کا کام کررہے ہیں، مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا ڈابھیل ہی میں انتقال ہوا اور سملک کے قبرستان میں تا صبح حشر مصروف خواب ہیں۔(مشاہر علماء دیوبند ج ۱ ص ۴۳)

(236)۔مولانا خیر الدین سرسوی رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(237)۔مولانا غوث محمد رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(238) حضرت مفتی خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ مفتی اعظم ریاست ملیر کوٹلہ تھے۔ آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں حضرت مفتی عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا ابو اسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ) بھی شامل ہیں۔(تحفہ سعدیہ، ص: 172)

(239)۔مولانا شریف اللہ کابلی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(240) حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فارسی اور اردو کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ انہیں طوطی ہند کہا جاتا ہے۔ ابوالحسن لقب، یمین الدولہ نام، امیر خسرو عرف، والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ایک ترک سردار تھے۔ منگولوں کے حملوں کے وقت ہندوستان آئے اور پٹیالی (آگرہ) میں سکونت اختیار کی۔

پیدائش: 1253ء میں امیر خسرو پٹیالی (آگرہ) پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ہندوستانی

تھیں۔ آٹھ سال کی عمر یتیم ہوئے کچھ عرصہ بعد یہ خاندان دہلی منتقل ہو گیا۔ اور امیر خسرو نے سلطنت دہلی (خاندان غلامان، خلجی اور تغلق) کے آٹھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور برصغیر میں اسلامی سلطنت کے ابتدائی ادوار کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی میں سرگرم حصہ لیا۔

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے بڑے چہیتے مرید تھے 7 برس کی عمر میں ہی بیعت ہو گئے تھے۔ خسرو نے ہر صنف شعر، مثنوی، قصیدہ، غزل، اردو دوہے، پہیلیاں، گیت وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ آپ کے بھائی عزالدین علی بلند پایہ شاعر تھے ابتداء میں اپنے کلام میں انہیں سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ''خسرو'' تخلص تھا۔ آپ کے اب تک فارسی اور ہندی کے 5 لاکھ اشعار مرتب صورت میں موجود ہیں۔

دنیا میں اردو کا پہلا شعر حضرت امیر خسرو ہی کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے میں ابتدائی موجدین میں ان کا نام نمایاں ہے۔ آپ حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی ملنے گئے تھے، قیام کیا تھا اور انہوں نے آپ کو دعائیں دی تھیں۔

مشہور تصانیف میں: (۱) تحفة الصغر (۲) غرة الكمال (۳) بقيه نقيه (۴) قصه چهار درويش (۵) نهاية الكمال (۶) هشت بهشت (۷) مطلع الانوار (۸) مفتاح الفتوح (۹) اعجاز خسروی (۱۰) خزائن الفتوح (۱۱) افضل الفوائد (۱۲) آئینہ سکندری (۱۳) ملا الانور

آپ کی وفات 9 ستمبر 1325ء میں ہوئی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے قریب دہلی، ہندوستان میں دفن ہوئے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(241)۔ مولانا فقیر اللہ کابلی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(☆) علامہ رزین رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن رزین ابن معاویہ عبدری سرقسطی اندلسی مالکی۔ آپ کا نام رزین، کنیت ابوالحسن ہے، قبیلہ عبدر سے ہیں جو عبدالدار ابن قصیٰ کی اولاد سے ہے۔ قریشی النسل ہیں۔ آپ تبع تابعی ہیں۔ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور مشہور محدث ہیں۔ آپ کی مشہور کتب میں النجريه اور تجريد الصحاح والسنن ہیں۔ ۵۲۵ھ اور بعض کے نزدیک ۵۳۵ھ میں وفات ہوئی۔ (نیٹ)

(☆☆) حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام عطاء، کنیت ابو محمد والد کا نام اسلم اور انکی کنیت ابو رباح تھی۔ آپ یمن کے قصبہ ''جَنَد'' میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں نشوونما پائی۔ اس لحاظ سے آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ سیاہ فام تھے اور چہرہ پر چیچک کے داغ تھے مگر فصیح البیان اور کثیر العلم تھے۔ اکابر صحابہؓ جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کسبِ علم کیا۔ حدیث میں آپ سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد بہت طویل ہے جس میں سے مشہور یہ ہیں: (ا) حضرت ابو اسحاق سبیعی، حضرت زہری، حضرت مجاہد، حضرت اعمش، حضرت اوزاعی، حضرت ایوب سختیانی اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے عطاء سے حدیث لیا کرو۔ آپ کی مجلس ذکر الٰہی کی مجلس ہوتی تھی گویا دخدا سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے ۱۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ (احناف ڈیجیٹل لائبریری)، (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۶)

(☆☆☆)۔ مولانا عبدالرشید

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

(194) بھائی سردار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(195) حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالغفور ولد حضرت مولانا شاہ مرحوم ضلع ہزارہ ریاست سوات خاص علاقہ جدبا دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ 1894ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ آپ چار بھائی تھے سب سے بڑے مولانا محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ یہ تینوں بھائی اپنے وقت کے بڑے بڑے عالم تھے۔

حضرت مولانا نے علم دین حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھر سے سفر کیا۔ دہلی مدرسہ امینیہ میں درسی تعلیم حاصل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ تحصیل سند کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ امینیہ میں مدرس رہے۔ تقریباً ۵ برس تک مدرسہ امینیہ میں تندہی اور نہایت ذوق وشوق سے درس دیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فضل علی القریشی مسکین پوری ضلع ملتان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلد ہی روحانی مقام پر فائز فرمایا اپنے شیخ کی نظر میں آپ کو خصوصیت حاصل تھی حضرت نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

خلافت حاصل ہونے کے بعد تقریباً ایک سال اپنے شیخ کی جگہ قیام کیا اور بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارے پر اپنے وطن تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے وطن جاؤ اور وہاں تبلیغ کرو۔ تقریباً ایک سال وہاں قیام فرمایا اور بہت سے ان نے آپ سے بیعت کی اور سلسلہ مبارکہ کی اشاعت کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدینہ ہجرت کی اور تقریباً ۳۲ سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدینہ منورہ میں قیام کے لیے مکان لیا تو رات کو استخارہ کیا خواب میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس مکان میں تشریف لائے ہیں اور جب آپ تشریف لے جانے لگے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساتھ ساتھ دروازے تک گئے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دروازہ سے باہر نکلے تو انگشت شہادت سے اس قسم کے الفاظ لکھے:

هذا منزل الطريقته النقشبندته وهذا امور و الانوار النبويه ۔

حضرت فرماتے تھے کہ مجھ کو تسلی ہوگئی کہ یہی فیض کی اور فقراء کی جگہ ہے۔ تقریباً ۲۰ سال کے بعد مدینہ طیبہ سے پاکستان طریق نقشبندیہ کی تبلیغ کی لیے تشریف لائے۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت کا صرف چھ مرتبہ یہاں آنا ہوا۔ آخری مرتبہ علاج کی غرض سے پاکستان تشریف آوری ہوئی اور آٹھ دن کے قیام کے بعد علالت کی حالت میں ہی مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ واپسی کے بعد اپنی زندگی کے آخری ۲۰ دن وہیں گزارے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق 18 مئی 1969ء اتوار کی شب کو بعد نماز عشاء داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اپنے پسماندگان میں ایک بیوہ، چھ بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑے ہیں (۱) مولانا عبدالحق صاحب جامعہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل عالم اور خلیفہ مجاز ہیں، (۲) مولانا عبدالرحمٰن، (۳) محمد سعید (۴) محمد شریف ہیں۔ (تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۴۵۶)

(196)۔مولانا عبیداللہ دہلوی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(197)۔مولانا جلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(198)۔مولانا غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(199)۔مولانا محمد صالح جشہ رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(200) علامہ ابن المُنیّر السکندری رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن محمد بن منصور بن القاسم بن مختار القاضی، ابوالعباس ناصر الدین ابن المنیر المالکی الجذامی الجروی الاسکندرانی 1223ء/۶۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔

ادب وفنون میں پر یدطولیٰ رکھتے تھے اور اس بارے میں بیشتر تصنیفات کیں اور بہترین تفسیر ہے۔ حدیث کا سماع ابنِ رواج سے کیا۔ فقہ، رسول، تفسیر، ادب وغیرہ بلاغت پر ان کا کام

ہے۔ زمخشری کی تفسیر پر بحث اور معتزلہ کے شبہات کا ردّ کیا۔ بخاری کے ابواب کی شرح لکھی۔ اور کتاب الاقتفا ہے جو قاضی عیاض کی الشفاء کے معارض ہے۔ عہدہ قضا (جج) اور نائب گورنر کے عہدے پر فائز رہے۔ دو مرتبہ خطابت کا عہدہ بھی حاصل کیا اور مدارس کی بار ہا تدریس کا شرف حاصل رہا۔

مشہور تصنیف (۱) المتواری علی ابواب البخاری (۲) تفسیر حدیث اسراء علی طریقة المتکلمین۔ ربیع الاول 1284ء/ ۶۸۳ھ میں بادشاہ منصور قلاون کے دور میں وفات پائی۔ ابن المنیرؒ کی مسجد اور مزار مغربی اسکندریہ کے علاقہ لبّن میں تجارتی مرکز میں واقع ہے۔
(مکتبۃ الشاملہ عربی)

(201) علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن عبدالباقی الزرقانی ۱۰۵۵ھ۔ ۱۱۲۲ھ/ 1645م۔ 1710م، محدث، فقیہ، اصولی، متصوف، المذہب المالکی۔

قاہرہ (مصر) میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ہی ۱۱۲۲ھ کو وفات پائی۔ مصر کے علاقہ "قریٰ منوف" کے قصبہ زُرقان کی نسبت سے زُرقانی کہلاتے ہیں۔ شہاب مرجانی نے انہیں مالکیہ کے گیارہ سو مجدد اسلاف میں شمار کیا ہے۔ آپ کا نام ونسب اس طرح ہے:
محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد شہاب الدین بن محمد علوان، الشہیر بالزرقانی المصری الازہری المالکی، ابوعبداللہ۔ بچپن سے ہی علم کی تلاش میں بڑے علماء کی صحبت اختیار کی اور دیارِ مصر میں اس بات سے مشہور ہوئے تالیف، تدریس اور احکام دین و اصول پھیلانے میں مصروف رہے۔ قرآن پاک حفظ کیا پھر لغت اور دینیات کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ الازہر میں متون اور شروح کی حیثیت سے علماء کے حلقہ میں منتقل ہو گئے۔ اور علماء کے حلقہ میں تدریس کرتے تھے۔

مشہور تالیفات میں: (۱) شرح موطا الامام مالك سماه "ابهج المسالك بشرح موطا الامام مالك"۔ (۲) اشراق مصابيح السير المحمدية بمزج اسرار المواهب اللدنية: (شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية للقسطلاني)، (۳) شرح المنظومة البيقونية فی علم مصطلح الحديث، (۴) مختصر المقاصد الحسنة فی بيان كثير من

الاحادیث المشتهرۃ علی الالسنۃ. (۵)وصول الامانی فی الحدیث۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(202)علامہ نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ

عمر بن محمد احمد بن اسمٰعیل بن محمد بن لقمان نسفی المعروف بہ مفتی ثقلین، ابو حفص، نجم الدین نسفی: نجم الدین لقب اور ابو حفص کنیت تھی۔ان کی ولادت ۴۶۱ھ 1068ء میں ماوراء النہر کے شہر نسف میں ہوئی اور اسی کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔آپ نے تحصیل علم و حدیث وفقہ کے لئے ساڑھے پانچ سو شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا۔فقہ صدر الاسلام ابی الیسر محمد بزدوی شاگرد ابی یعقوب یوسف سیّاری تلمیذ ابی اسحٰق حاکم نوقدی شاگرد ہندوانی سے حاصل کی اور آپ سے آپ کے بیٹے ابو اللیث احمد بن عمر المعروف بہ مجد نسفی نے تفقہ کیا اور آپ کی بعض تصانیف صاحب الہدایہ امام برہان الدین ابو الحسن علی مرغینانی اور ابو بکر احمد بلخی المعروف بہ ظہیر نے آپ سے پڑھیں اور عمر بن محمد عقیلی نے روایت کی۔ چونکہ آپ اِنس و جن کا جانتے تھے اس لیے لوگ آپ کو مفتی ثقلین کہتے تھے، مشائخ بھی آپ کے بہت تھے اس لیے ایک کتاب آپ نے اپنے مشائخ کے اسماء میں جمع کی اور نام اس کا تعداد الشیوخ العمر رکھا۔

ان کی تصانیف 100 کے قریب ہیں ان میں سے:(۱) العقائد، معروف عقائد نسفی، یہ کتاب ان کی پہچان ہے اہلسنت و جماعت کے عقائد پر سب سے پہلی کتاب ہے اس پر کئی شروحات لکھی گئی ہیں(۲) الاکمل الاطوال تفسیر میں(۳) المواقیت (۴) الاشعار بالمختار من الاشعار 20 جلدات(۵)نظم الجامع الصغیر (۶) فقہ حنفیہ (۷) القند فی علما سمرقند20 جلدات (۸) تاریخ بخاری (۹) طلبہ الطلبہ(۱۰) اصطلاحات فقہیہ۔آپ نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ۔1142ء میں سمرقند میں وفات پائی۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(203)امام محمد بن نصر مَروَزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا پورا نام شیخ الاسلام امام ابو عبد اللہ حافظ محمد بن نصر بن حجاج مروزی ہے۔تاریخ ولادت ۲۰۲ھ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر دو سال تھی۔ والد صاحب مروزی تھے پیدائش بغداد میں ہوئی اور نیشاپور میں پرورش پائی۔آپ نے جن شیوخ و

اساتذہ سے درس حدیث لیا چند ایک کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

عبداللہ بن عثمان مروزی، صدقہ بن فضل مرزوی، یحییٰ بن یحییٰ نیشا پوری، اسحاق بن راہویہ، ابوقدامہ سرخسی ھدبۃ بن خالد، عبیداللہ بن معاذ عنبری، محمد بن عبدلملک بن ابی الشوارب، ابو کامل جحدری، محمد بن بشار بندار، ابوموسیٰ الزمن اور ابراہیم بن منذر حزامی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ علاوہ ازیں خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کے بڑے بڑے محدثین وفقہاء سے کسب فیض کیا۔

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے محدثین شامل ہیں جن میں آپ کے بیٹے اسماعیل، ابوعلی عبداللہ بن محمد بن علی بلخی، محمد بن اسحٰق رشاوی سمرقندی، عثمان بن جعفر لبان اور محمد بن یعقوب بن اخرم نیشا پوری قابل ذکر ہیں۔ آپ نے طلب علم وکسب حدیث کے لیے مصر، شام عراق، خراسان اور حجاز مقدس کے علاوہ بہت سے مشہور شہروں اور ممالک کے اسفار طے کیے۔ امام ابوبکر احمد بن اسحٰق فرماتے ہیں: میں نے امام مروزی سے اچھی نماز پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ ایک بھڑ ان کی پیشانی پر آ بیٹھی اور اس کے کاٹنے سے خون بہنے لگا، لیکن انہوں نے حرکت تک نہیں کی۔ آپ کتب کثیرہ وضخیمہ کے مؤلف ومصنف تھے۔ ان میں "قیام اللیل" اور "السنة" نے بہت شہرت پائی۔ علاوہ ازیں "کتاب القسامہ" کا اپنا ایک مقام ہے۔

آپ اپنی عمر مبارک کے ۹۲ سال پوری آب وتاب سے گزار کر ماہِ محرم ۲۹۴ھ ہجری کو سمرقند میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔

(اسلامک ریسرچ سنٹر راولپنڈی، السنہ ص 5)

(204) امام سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ

ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی الاندلسی۔ ان کا نام عبدالرحمٰن بن الخطیب عبداللہ بن الخطیب ابی عمر بن اصبع بن حبیب بن سعدون بن رضوان ابن فتوح ہے۔ ان کی نسبتیں خشعی، سہیلی، اندلسی اور مالقی معروف ہے۔ "سہیلی" جس کی طرف ان کی نسبت ہے، اندلس میں مالقہ کے علاقہ میں ایک وادی کا نام ہے۔ اس میں کئی گاؤں آباد ہیں جن میں سے ایک گاؤں میں سُہیلی پیدا ہوئے۔ سہیلی ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ اندلس میں طویل عرصہ تک رہے وہاں علم کے سرچشموں سے سیراب ہوئے اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ آپ حافظ اور عالم تھے اور نعت اور سیرت کے ماہر۔ سترہ برس کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

امام سُہیلی علم تفسیر، حدیث نبوی اور رجال کے علاوہ تاریخ اور انساب کے بڑے ماہر تھے۔ تمام عمر تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری ان کے حافظہ اور تبحر علمی کا یہ مقام تھا کہ الروض الانف جیسی ضخیم کتاب چار پانچ ماہ کی مدت میں ختم کر دی۔

مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سُہیلی کی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ ابن عماد حنبلی نے اپنی کتاب ''شذرات الذہب'' میں لکھا ہے کہ ان کی وفات شعبان ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر بہتر برس تھی۔ الروض الأنف سیرت پر ایک قابل ذکر اور مشہور کتاب ہے۔ یہ ابن ہشام کی سیرت کی شرح ہے۔ الروض الأنف کی تالیف کا آغاز محرم ۵۶۹ھ میں ہوا اور اسی سال جمادی الاولیٰ میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (جہاتُ الاسلام، سیرت نمبر ج ۴ شمارہ ۱، ۲)

الروض الانف کا اردو ترجمہ شرح سیرت ابن ہشام کے نام سے شائع ہوا۔ یہ 4 جلدوں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ چار سو کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

(205) حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی، لقب سعد الدین: علم بیان میں عربی لغت اور منطق کے امام تصور کیے جاتے ہیں۔ فقیہ اور اصولی تھے۔ اس کے علاوہ آپ مفسر متکلم محدث اور ادیب بھی تھے۔ بعض کے نزدیک حنفی تھے اور خیال یہ ہے کہ شافعی تھے۔

آپ پیدائش ۷۲۲ھ / 1322ء تفتازان، صوبہ خراسان شمالی ایران میں ہوئی جبکہ اقامت سرخس میں رہی۔ انہیں تیمور لنگ نے سمرقند، روانہ کر دیا وہاں پر وفات ہوئی۔ 1390ء (67-68 سال) سمرقند بروز اتوار اور بدھ کے روز ۹ جمادے الاولیٰ کو آپ کی نعش سرخس لے جا کر دفن کی گئی۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم عضد الدین ایجی مؤلف ''مواقف'' (م ۷۵۶ھ) سے پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم صرف و نحو، منطق و فلسفہ، معانی و بیان اور اصول و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفر یہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی۔ تیمور نے ۷۸۰ھ یا

۷۸۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کو تفتازانی کے علم وفضل سے آگاہی ہوئی تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا۔ اپنے دربار میں صدر صدور کی حیثیت سے جگہ دی۔

۷۸۹ھ/ 1389ء میں شیراز فتح ہونے پر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) بھی تیمور کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ تفتازانی اور سید شریف جرجانی کے مابین اکثر علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ تیمور ہر دو حضرات کی عزت وتکریم کرتا تھا مگر سید شریف کو اس لئے ترجیح دیتا تھا کہ وہ نسباً سید تھا، تفتازانی کو ایک مناظرے میں زِک اٹھانی پڑی اور اس صدمے کو برداشت نہ لاکر ۲ محرم ۷۹۲ھ/ جنوری 1390ء کو سمرقند میں فوت ہوگئے۔

تفتازانی کے ہزاروں شاگردوں میں سے صرف دو کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

(۱) حسام الدین الحسن بن ابی وردی (۲) برہان الدین حیدر

بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: (۱) تهذيب المنطق (۲) المطول: بلاغت میں لکھی ہے۔ (۳) مقاصد الطالبين: علم الکلام میں ہے۔ (۴) ارشاد الهادي: نحو کی کتاب۔ (۵) شرح العقائد النسفيه (۶) شرح التصريف العزي: صرف کی کتاب ہے یہ ان کی سب سے پہلی کتاب ہے جب 16 سال کے تھے۔ (۷) حاشيه الكشاف۔ (۸) شرح اربعين النوويه۔ (حدائق الحنفیہ، محدث فورم میگزین، آزاد دائرۃ المعارف)

(206) علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت نمبر 127 ملاحظہ کریں۔

(207) حافظ ابو الخطاب عمرو بن دحیہ کلبی

قاضی القضاۃ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر خلکان اپنی کتاب ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان (3:448۔ 540)'' میں حافظ ابو الخطاب دحیہ کلبی (544۔ 633ھ) کے سوانحی خاکہ میں لکھتے ہیں: ''ان کا شمار بلند پایہ علماء اور مشہور محققین میں ہوتا تھا۔ وہ مراکش سے شام اور عراق کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے۔ ۶۰۴ھ میں ان کا گزر اِربل کے علاقے سے ہوا جہاں ان کی ملاقات عظیم المرتبت سلطان مظفر الدین بن زین الدین سے ہوئی جو یوم میلاد النبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظامات میں مصروف تھا۔ اس موقع پر انہوں نے ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' کتاب لکھی۔ انہوں نے یہ کتاب خود سلطان کو پڑھ کر سنائی۔ پس بادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار بطور انعام پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں ہ ہم نے 625ء میں سلطان کے ساتھ اسے چھ نشستوں میں سنا تھا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (لسان المیزان) میں لکھتے ہیں: یعنی ابن نجار فرماتے ہیں: کہ میں نے دیکھا کہ ''تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیہ جھوٹا، اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ ایسے شخص سے سننے کا دعوی کرتا ہے'' جس سے ہرگز نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملاقات کا دعویٰ کرتا ہے جن سے وہ ہرگز نہیں ملا۔

آگے مزید لکھتے ہیں: یعنی ابن دحیہ ظاہری مذہب کا پیروکار تھا، ائمہ اور علمائے سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، بدزبان، احمق اور بڑا متکبر، اور دینی امور میں غور وفکر سے عاری اور دینی معاملات میں سخت سست تھا۔ (محدث فورم)

(208) حضرت مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا قلمی نام نظامی بدایونی ہے۔ اصل نام مولوی نظام الدین حسین نظامی بن مولوی فخر الدین صدیقی ہے۔ آپ علی گڑھ (اُتر پردیش)، بھارت کے مشہور شاعر ہیں۔ آپ کی پیدائش بدایوں (اُتر پردیش)۔ بھارت 1872ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات 8 جون 1946ء میں ہوئی۔ آپ رسالہ ''ذوالقرنین'' بدایوں کے ایڈیٹر رہے۔ (بائیوبیلوگرافی ڈاٹ کام، مصنفین)

(209) حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1145ء یا 1146ء شعبان ۵۱۳ھ میں ایران کے صوبہ خراسان کے شہر نیشاپور کے گاؤں کدکن میں پیدا ہوئے اور ۱۵ صفر ۶۲۸ھ 1221ء میں وفات پائی۔ آپ کا اصل نام ابو حمید ابن ابوبکر ابراہیم تھا مگر وہ اپنے قلمی نام فرید الدین اور شیخ فرید الدین عطار سے زیادہ مشہور ہیں۔ عطار کا لفظی مطلب ''ادویات کے ماہر'' کا ہے جو آپ کا پیشہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ فارسی نژاد مسلمان شاعر، صوفی اور ماہر علوم باطنی تھے۔ آپ کا علمی خاصہ اور اثر آج بھی فارسی شاعری اور صوفیانہ رنگ میں نمایاں ہے۔

فرید الدین عطار کا تعلق عظیم سلجوک سلطنت کے زمانے سے ہے۔ عطار غالباً اپنے دور

کے بہترین کیمیاء دان کے فرزند تھے جنہوں نے اپنے والد سے کئی مضامین میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ عطار نے ادویات سے متعلق پیشہ اپنایا اور ان کے مطب کی دور دور تک مشہوری تھی۔ دور دراز کے مقامات جیسے بغداد، بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، دمشق، خوارزم، ترکستان اور بھارت تک کا سفر کیا اور وہاں صوفیائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ جن صوفیائے کرام کے بارے میں خیال ہے کہ وہ عطار کے اساتذہ میں شامل ہیں ان میں سے صرف مجد الدین بغدادی واحد ایسی شخصیت ہیں جن کے صوفی نظریات اور خیالات عطار کی سوچ اور صوفی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس بارے واحد ثبوت عطار کے اپنے الفاظ میں ایسے بیان ہوئے ہیں کہ ''ان کی خود ان سے ملاقات ہوئی۔''

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی موت بارے قصہ مشہور ہے۔ جب منگولوں نے حملہ کیا ،جس میں ایک منگول جرنیل نے شدت غصہ اور حماقت پن میں عطار کا سر قلم کر کے شہید کر دیا تھا۔ آپ کی شہادت اپریل 221ء میں ہوئی۔ آپ کی عمر ۷۰ برس تھی۔ مزار نیشا پور میں ہے جسے سولہویں صدی میں علی شیر نوائی نے تعمیر کروایا تھا۔

آپ کی علمی وراثت: (۱) تذکرۃ الاولیا (۲) دیوان (۳) اسرار نامہ (۴) مقامات الطیور یا منطق الطیر (۵) مصیبت نامہ (۶) الٰہی نامہ (۷) جواہر نامہ (۸) شرح القلب۔

(آزاد دائرۃ المعارف)

بعض صوفیاء لکھتے ہیں کہ آپ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی تھے حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت حسین منصور حلّاج کی روح نے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت عطار پر اثر کیا تھا اس طرح حضرت عطار آپ کے زیر اثر آئے۔ (خزینۃ الاصفیاء)

(210) مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور فارسی شاعر تھے۔ مثنوی دیوانِ شمس تبریز آپ کی معروف کتب ہے، اصل نام محمد ابن محمد ابن حسین حسینی خطیبی بکری بلخی تھا۔ لیکن مولانا رومی کے نام سے مشہور ہوئے حسین بلخی مولانا کے دادا تھے وہ سلجوقی سلطان کے کہنے پر ''اناطولیہ'' چلے گئے تھے جو اس زمانے میں روم کہلاتا تھا۔ ان کے والد بہاؤ الدین بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ ان کا وطن بلخ تھا۔ مولانا رومی اتوار ۱۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ 30 ستمبر 1207ء وخش تاجکستان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم کے مراحل شیخ بہاؤ الدین نے طے کرا دیے اور پھر اپنے مرید سید برہان

الدین کو جو اپنے زمانے کے فاضل علماء میں شمار کیے جاتے تھے مولانا کا معلم اور اتالیق بنا دیا۔ اکثر علوم مولانا کو انہی سے حاصل ہوئے۔ اپنے والد کی حیات تک ان ہی کی خدمت میں رہے۔ والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ھ میں شام کا قصد کیا۔ ابتدا میں حلب کے مدرسہ حلاویہ میں رہ کر مولانا کمال الدین سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

فقہ اور مذاہب کے بہت بڑے عالم تھے، خود حنفی المذہب تھے۔ لیکن آپ کی شہرت بطور ایک صوفی شاعر کی ہوئی۔ شمس تبریز مولانا کے پیرومرشد تھے۔ مولانا کی شہرت سن کر سلجوقی سلطان نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ مولانا نے درخواست قبول کی اور قونیہ چلے گئے۔ وہ تقریباً 30 سال تک تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے 3500 غزلیں 2000 رباعیات اور رزمیہ نظمیں لکھیں۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف ''مثنوی مولانا روم'' ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک مشہور کتاب ''فیہ مفایہ'' بھی ہے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ان کے فرقے کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں۔ لیکن آج کل ایشیائے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں اس فرقے کو لوگ مولویہ کہتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل بلقان، افریقہ اور ایشیاء میں مولوی طریقت کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے۔ رقص میں آگے پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف اور ''نے'' بھی بجاتے ہیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا روحانی پیر مانتے تھے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراک حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق ہو جاتا ہے کہ یہ رغبت تمام محبوب حقیقی کے تمام احکام کی پیروی کرتا ہے۔

آپ کی وفات اتوار ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ 17 دسمبر 1273ء میں قونیہ (ترکی) میں ہوئی۔ مولانا کے دو فرزند تھے، علاؤ الدین محمد، سلطان ولد۔ ان کے 800 ویں جشن پیدائش پر ترکی کی درخواست پر اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم، ثقافت و سائنس یونیسکو نے 2007ء کو بین الاقوامی سالِ رومی قرار دیا۔ اس موقع پر یونیسکو نے تمغہ بھی جاری کیا۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(211) مولانا عبدالتواب ملتانی

مولانا ابوتراب محمد عبدالتواب ملتانی ملتان کے مشہور اہل حدیث عالم، جمعرات کے دن بوقت چاشت ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد علامہ قمرالدین ملتانی سے حاصل کی (مولانا قمرالدین 1867ء میں اہل حدیث ہوئے تھے اس سے قبل مجاور تھے) اور دورہ حدیث کی تکمیل سید میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۱۲ھ میں کی۔

آپ کے مشہور شاگروں میں (۱) عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مکتبہ سلفیہ لاہور (۲) سید بدیع الدین راشدی پیر آف جھنڈا (۳) مولوی سلطان محمود جلال پور۔آپ نے بعض عربی کتب کے ترجمے کئے اور بعض پر حواشی لکھے۔ترجمہ صحیح بخاری (۸ پارے)، ترجمہ وحواشی بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، ترجمہ وحواشی الاحزب الاعظم وغیرہ۔آپ نے بروز اتوار ۹ رجب ۱۳۶۶ھ 18 مئی 1948ء کو وفوت پائی۔(بلوغ المرام مترجم ص ۵۷)

(212) مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور اہل حدیث سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف عبداللہ صاحب) کے فرزند ہیں اور معروف اہل حدیث عالم دین مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم ہیں۔آپ ۱۲۸۸ھ میں ایک دیہات صاحبزادہ نامی میں جو غزنی کے علاقہ میں ہے پیدا ہوئے پھر اپنے دونوں بھائی محمد بن عبداللہ اور احمد بن عبداللہ سے علم عربی حاصل کیا۔آپ کے جدّ غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر کے قریب بستی ''خیر دین'' میں تشریف لائے۔آپ دہلی میں داخل ہوئے اور سید نذیر حسین دہلوی محدث جو بہت مشہور تھے اِن کی صحبت میں رہنے لگے۔اور فن حدیث ان سے حاصل کیا۔اسی طرح بیس سال سے کم عمر ہی میں آپ نے علوم مکمل کر لئے۔اس کے بعد آپ مستقل امرتسر شہر میں حدیث وقرآن مجید کی طرف متوجہ رہے اور دنیا سے قطع تعلق کے ساتھ زُہد وعبادت میں مشغول رہنے لگے۔آپ کے کچھ اوراد واذکار تھے جن پر خاص کیفیت اور جمعیت قلبی کے ساتھ مداومت فرماتے۔جب فتوے دیتے تو کسی خاص مذہب کی اتباع نہیں فرماتے بلکہ اس مسئلہ میں جو اپنی تحقیق ہوتی اس کے مطابق فتوے دیتے، ساتھ ہی ائمہ مجتہدین سے بدظنی بھی نہیں رکھتے۔اس لئے ان کو اچھائی کے ساتھ ہی یاد فرماتے۔آپ کے والد سید عبداللہ غزنوی، سید امیر رحمۃ اللہ علیہ (کوٹھا شریف) سے بیعت تھے جو سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔۱۲۹۸ھ امرتسر میں وفات پائی۔

مولانا عبدالجبار نقشبندی سلسلہ میں باقاعدہ بیعت تھے اور بہت سے اہل حدیث آپ سے بیعت تھے۔ بیعت والہام کے موضوع پر آپ کی کتاب ''اثبات الالہام والبیعہ'' معروف ہے۔ آپ کے فرزند سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف شیخ طریقت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جس کے چشم دید گواہ حضرت مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ ہیں۔

ماہ رمضان کے آخری جمعہ کے دن جبکہ اس مہینہ کے صرف پانچ ہی دن باقی رہ گئے تھے۔ امرتسر میں ۱۳۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر مترجم ج ۸ ص ۳۰۰)، (اردو محفل فورم)

(213) مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار اہل حدیث علماء میں ہوتا ہے۔ 1900ء میں موضع ''ڈھونیکی''، تحصیل وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی محمد ابراہیم اپنے وقت کے مشہور خوشنویس تھے۔

مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بعض ازاں مولانا عمر الدین وزیر آبادی اور مولوی تاج الدین سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد سنن نسائی مولانا عبدالقادر بن مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور بقیہ کتب ستہ و تفسیر مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔ آپ تقریباً 7 سال حضرت حافظ صاحب کے زیر تعلیم رہے۔

وزیر آباد میں تکمیل تعلیم کے بعد دہلی کا رخ کیا تو دہلی میں آپ نے مولانا عبدالجبار عمر پوری'' مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جماعت غربا اہل حدیث، مولانا عبدالرحمان ولایتی، سے تحصیل علم کے بعد واپس پنجاب آ گئے۔ وزیر آباد میں قیام کے بعد دوبارہ دہلی مراجعت فرما ہوئے۔ دہلی میں مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن میں برابر شریک ہوتے رہے۔ اس کے بعد امرتسر تشریف لے آئے وہاں آپ نے مولانا محمد حسین ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ تقویۃ الاسلام میں معانی وفقہ کے استاد تھے۔ ان سے تعلیم حاصل کی اور ساتھ مولانا مفتی محمد حسن امر تسری رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ خاص مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی۔

امرتسر میں تکمیل تعلیم کے بعد سیالکوٹ پہنچے اور مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل تعلیم کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ۱۳۳۹ھ ہجری میں گوجرانوالہ میں مسجد حاجی پورہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ مسجد حاجی پورہ سے مسجد چوک سے نیائیں میں منتقل ہو گئے۔ اور

یہاں آپ نے مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔اس مسجد میں آپ کا قیام تا وفات ۱۳۸۷ھ تک رہا۔آپ کی تصانیف کی تعداد 9 ہے۔

16 سال تک آپ ''جمعیت اہلحدیث'' کے ناظم اعلیٰ رہے۔'' جامعہ سلفیہ'' قائم کیا۔ 1963ء میں مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ ''جمعیت اہل حدیث'' کے امیر مقرر ہوئے۔اور آپ تا وفات 1968ء امیر رہے۔(محدّث فورم میگزین)

(214) مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہلِ حدیث مکتبہ فکر کے مقتدر عالم اور مناظر تھے، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی تھی، آپ بہت سی کتابوں کے مصنف اور ''اخبار اہل حدیث'' کے ایڈیٹر تھے یہ اخبار آپ کی زیر ادارت ۴۴ برس تک نکلتا رہا۔اس اخبار میں آپ کے فتاوٰی بھی چھپتے تھے جو بعد میں فتاوٰی ثنائیہ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئے۔تقسیم کے بعد آپ امرتسر سے سرگودھا آ گئے تھے وہیں 15 مارچ 1948ء میں آپ کا انتقال ہوا۔(بیا بہ مجلس نفیس ص ۴۷۴)

(215) حضرت علامہ محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دادا کا اصلاً تعلق افغانستان سے تھا، بتایا یہی جاتا ہے کہ اسلام لانے سے قبل وہ برہمن ذات کے ہندو تھے۔ہجرت کر کے ہزارہ کے ایک گاؤں درگڑی میں آ بسے اور یاد اللہ میں اپنی زندگی کو گزارتے رہے۔شادی ہوئی اور اللہ نے انہیں دو بچوں سے نوازا۔ بیٹے کا نام شیخ عبدالرحمٰن اور بیٹی کا نام فاطمہ رکھا گیا۔عبدالرحمٰن نے زرگری کے کام کو اپنا پیشہ بنا لیا اور بہت زیادہ دولت کمائی۔ بی بی شہان (عائشہ) نامی خاتون سے عقد طے ہو گیا۔اللہ تعالٰی نے انھیں چار بیٹیوں سے نوازا، اور تین بیٹوں کے نام تو زیادہ معروف تھے مگر آپ کا نام محمد طاسین تینوں بھائیوں سے منفرد اور غیر معروف تھا۔

آپ کا نام محمد طاسین بن شیخ عبدالرحمٰن شیخ مہر الدین۔ پیدائش گاؤں درگڑی (ہری پور ہزارہ) میں 1920ء شناختی کارڈ میں 1923ء ہے۔ 1927ء گاؤں درگڑی سے تعلیم کا آغاز ہوا اور پرائمری 1932ء گاؤں درگڑی سے مکمل کیا۔کتب دینیہ کے لئے 1935ء میں استاد مولانا فضل الدین سے استفادہ کیا۔مزید دینی تعلیم کے لئے 1938ء میں متصل گاؤں میں تشریف لے گئے پھر

مدرسہ حسن پور 1939ء میں حسن ابدال گئے۔ اور میرٹھ (ہندوستان) راونگی 1939ء میں ہوئی۔ حسن پور قصبہ اور دارالعلوم جامعہ اسلامیہ 1940ء میں اور دارالعلوم جامعہ اسلامیہ امروہہ سے فراغت 1944ء میں ہوئی۔ اس کے بعد پاکستان دو ماہ کے لیے روانگی 1944ء میں ہوئی اور واپسی جامعہ اسلامیہ امروہہ بحیثیت مدرس 1944ء تا 1947ء تک خدمات سرانجام دیں۔ حیدر آباد دکن، عثمانیہ یونیورسٹی (چھٹیوں میں) 1947ء ادارہ دارالترجمہ میں رہنے کے بعد پاکستان واپسی 1947ء میں ہوئی۔ کراچی میں آمد جنوری 1950ء میں ہوئی۔ یہاں رباط العلوم لائبریری میں بحیثیت لائبریرین اور دارالعلوم کراچی (نانک واڑہ) میں بحیثیت مدرس خدمات سرانجام دیں۔ 1952ء ادارہ مجلس علمی کراچی کے بحیثیت ناظم مقرر ہوئے۔ 1953ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ (علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی، اسلام آباد 1953ء تا 1992ء بحیثیت ریسرچ ریڈر رہے۔ جامعہ بلوچستان میں 1980ء تا 1986ء بورڈ آف اسٹڈیز اور شعبہ اسلامیات، رکن بورڈ، اور ممتحن رہے۔ 1981ء تا 1988ء ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے رکن اعزازی، اور جامعہ کراچی کے 1983ء تا ۹۲ شعبہ عربی، شعبہ علوم اسلامی، رکن بورڈ آف سلیکشن، بورڈ آف اسٹڈیز، ممتحن رہے۔ دیگر اعزازات میں، اسلامی نظریاتی کونسل: 1983ء تا 1989ء رکن بحیثیت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد: 1984ء تا 1996ء ممتحن، اعزازی نشر اللغہ العربیہ کراچی: 1985ء تا 1985ء بحیثیت رکن بورڈ، اعزازی وزارت مذہبی حکومت پاکستان اسلام آباد: 1986ء تا 1995 بحیثیت رکن کمیٹی، وفاقی شرعی عدالت حکومت پاکستان: 1988ء تا 1988ء بحیثیت مشیر، دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد 1989ء تا 1995ء بحیثیت رکن بورڈ، اعزازی المہد العالمی للفکر اسلامی: 1990ء، اقبال اکیڈمی لاہور وزارت تعلیم حکومت پاکستان: 1993ء، اکیڈمی الشرعیہ بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد انکوائری کمیشن برائے خواتین 1993ء تا 1995ء بحیثیت رکن بورڈ اعزازی، وزارت قانون وانصاف حکومت پاکستان: 1994ء تا 1997 بحیثیت رکن رہے۔

ادائیگی حج 1969ء، 1962ء، 1965ء میں اور ادائیگی عمرہ کی سعادت 1968ء میں حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ایران، عراق، شام، بیروت، ترکی، لبنان، 1969ء میں اور مصر، لیبیا، سعودی عرب اور ادائیگی عمرہ ہندوستان (دارالعلوم دیوبند کی سالانہ تقریب) 1980ء میں اور ساؤتھ

افریقہ اور ادائیگی عمرہ جنوری 1993ء میں اور بنگلہ دیش مارچ 1997ء میں سفر کیا۔ آپ کے تحقیقی کام میں قرآن کا تصور معاشرہ۔ اخلاقی اور قانونی تعلیمات۔ زکوٰۃ۔ آلات صنعت وحرفت۔ نظام بنکاری۔ بیمہ۔ مزارعت۔ اجارہ۔ شرکت۔ خواتین کی شہادت۔ مسئلہ ایمان وکفر و دیگر موضوعات شامل ہیں۔ آپ کا انتقال لیاقت نیشنل ہسپتال، مؤرخہ 23 دسمبر 1998ء مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بوقت شام چھ بجے ہوا اور تدفین ڈالیا قبرستان، کراچی میں ہوئی۔ 1956ء میں کراچی میں شادی ہوئی۔ اولاد میں تین بیٹے دو بیٹیاں ہیں۔ (ماہنامہ تعمیر وافکار کراچی، ص 17)

(216) حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا شمار امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ، کے قدیم ترین تلامذہ میں تھا۔ فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ امینیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی کے ساتھ دارالمصنفین سے بھی تعلق رہا۔ دہلی میں السنہ شرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے تو یہاں بھی اسی طرز کا ایک ادارہ قائم کیا جس سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے دارالعلوم کورنگی کی بنیاد رکھی تو وہاں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

حضرت مولانا سید محمد بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں جو اب جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نام سے معروف ہے، تدریس شروع فرمادی، وہاں پہنچ کر مولانا نے رفتہ رفتہ ''ادارہ شرقیہ'' کے مشغلہ کو بالکل ختم ہی کر دیا۔ جب حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ سے ماہنامہ ''بینات'' جاری کیا تو اس کے مدیر اور طابع وناشر کی حیثیت سے مولانا ہی کو منتخب فرمایا۔

حضرت مولانا کی نماز میں فانما ینا جی ربہٗ کی جھلک نظر آتی تھی، وہ نماز کے سجدے میں دعائیں کرنے کے عادی تھے۔ نماز کے بعد انہیں سب سے زیادہ شغف حج وعمرہ سے تھا۔ قریباً پچیس تیس سال سے سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کا معمول چلا آتا تھا۔ فرماتے تھے کہ بس دو چیزوں کے لئے زندہ ہوں، ایک حرمین شریفین کی حاضری۔ دوسرے تفسیر وحدیث کا درس۔ محمد ادریس بن مولانا محمد اسحاق بن مولانا عبداللہ (نومسلم کایستھ) میرٹھی۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ مطابق 2 فروری 1989ء بروز پنج شنبہ پونے بارہ بجے کے قریب ماہنامہ بینات کے مدیر مسئول، وفاق المدارس العربیہ کے صدر عالی قدر اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے استاذ حدیث وتفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سفر آخرت پر تشریف لے گئے۔

تجہیز و تکفین کے بعد عصر و مغرب کے درمیان جنازہ زیارت کے لئے دارالحدیث میں رکھا گیا۔ مغرب کے بعد حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دارالعلوم کورنگی میں تدفین عمل میں آئی۔ (مقالات یوسفی، شخصیات و تاثرات ج ا ص ۳۳۹)

(217) حضرت حاجی میاں جان محمد رحمۃ اللہ علیہ

ساکن باگڑ سرگانہ، ضلع ملتان۔ آپ ایک متمول زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کندیاں کی بارگاہ میں حاضر ہو کر داخلِ طریقہ ہوئے۔ مقاماتِ ولایت طے کر لینے کے بعد اجازتِ طریقۂ نقشبندیہ سے سرفراز ہوئے اور باگڑ و ملتان کے علاقہ میں فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کا حلقۂ ارادت ملتان، ساہیوال اور لائل پور میں خاصا وسیع ہے۔ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد بھی آپ نے تحصیلِ سیر و سلوک کا سلسلہ قائم رکھا۔ جانشینِ حضرت اعلیٰ مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت فرما کر از سرِ نو سلوکِ نقشبندیہ طے کیا اور حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہر چہار سلاسلِ طریقت میں خلافت پائی۔

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ نے کس لیے تجدیدِ بیعت فرمائی ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا میں اپنے نفس کو آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے پابند رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مریدانہ انداز میں ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے اور حلقۂ ذکر و مراقبہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حضرت میاں جان محمد صاحب کے پسماندگان میں دو بیوگان اور ایک صاحبزادہ میاں خان محمد صاحب ہیں۔ (تحفۂ سعدیہ: ص170)

(218) حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۱۷۰ھ میں ہوئی۔ حضرت عبدالغنی دہلوی بن شاہ ولی اللہ دہلوی ظاہری و باطنی فیوض میں شہرت عام رکھتے تھے اور کتاب و سنت کی تعلیم میں بہت دلچسپی لیتے۔ علمی کمالات میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وضع و لباس، اخلاق و عادات اور شکل و شباہت میں اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۲۲۷ھ کو انتقال فرمایا۔

(اسوہ ڈاٹ کام)

(219) حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ فضل الرحمٰن صدیقی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کے بڑے بزرگ اور آزادی ہند کے بڑے مجاہد ہیں۔ یکم رمضان المبارک بوقت صبح صادق ۱۲۰۸ھ کو اَوَدھ کے علاقے ملانواں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم مبارک شاہ اہل اللہ بن شیخ فیض اور والدہ بی بی بصیرت تھا جو شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کے مرید تھے اور گنج مراد آبادی کا نام ''فضل الرحمٰن'' آپ ہی نے تجویز فرمایا اور اسی سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

شاہ فضل الرحمٰن کا سلسلہ نسب 29 واسطوں سے ہوتا ہوا خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ نے ابتدائی کتب درس نظامی (فقہ، اصول وکلام کا تکملہ وغیرہ) مولانا نورالحق بن مولانا انوارالحق فرنگی محلی سے لکھنؤ میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''ہم نے ان سے تفسیر بیضاوی وکامل قدوری اور پھر ہدایہ مکمل پڑھیں۔ اس کے بعد دہلی کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے قرآن کریم حرفاً حرفاً صحاح ستہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مسند امام اعظم، تفسیر قرطبی، دارمی، دارقطنی، معجم کبیر، مستدرک، جامع صغیر، قسطلانی، تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان، تفسیر بغوی، فقہ میں فقہ اکبر، شرح فقہ اکبر کا مکمل درس لیا اور سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو تمام طلبہ سے الگ بعد نمازِ عشاء درس دیا کرتے تھے اور اس درس میں صرف شاہ صاحب کے داماد سید ظہیرالدین شہید کو شرکت کی اجازت تھی۔

آپ سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے شہرہ آفاق بزرگ شاہ محمد آفاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حِصن حَصین پڑھائی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ شاہ آفاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور وفات سے پہلے آپ کے مرشد نے آپ کی اقتدار میں نماز ادا فرمائی۔ علم حدیث سے خصوصی شغف تھا اور معقولات کے شدید مخالفت تھے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صحاح ستہ موطا امام مالک اور حصن حصین پڑھانے پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ سے جن علماء نے درسِ حدیث لیا ان میں مولانا

عبدالکریم گنج مراد آبادی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی ،مولانا ظہیر احسن شوق نیموی، اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ آپ نے 105 سال طویل عمر پائی۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو وفات ہوئی، گنج مراد آباد (ہندوستان) میں مزار مرجع الخلائق ہے۔(آزاد دائرۃ المعارف)

(220) حضرت خواجہ نظام الدین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی محمد ہے اور والد کا نام احمد ہے آپ ساداتِ حسینی میں سے ہیں، محبوبِ الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء آپ کے اَلقاب ہیں۔ آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا پھر وہاں سے بدایوں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں ۲۷ صفر ۶۳۶ھ 19 اکتوبر 1237ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی۔ لیکن آپ کی نیک دل، پاک سیرت اور بلند ہمت والدہ بی بی زلیخا نے سوت کاٹ کاٹ کر اپنے یتیم بچے کی عمدہ پرورش کی۔ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، آپ نے قرآن کریم کا ایک پارہ مقری بدایونی سے پڑھا یہیں مولانا علاؤالدین سے قدوری پڑھی، اور مزید تعلیم کے لیے دہلی تشریف لے گئے جو اُس وقت علماء وفضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اِن میں فضل وکمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ بہت ممتاز تھے۔آپ نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا مولانا نے بھی آپ کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے مقامات حریری کے چالیس مقامے پڑھے۔ اِس کے بعد مولانا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ سے مشارق الانوار کا درس لیا۔آپ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔اِس کے قریب ہی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ اِن کی صحبت میں آپ کے دل میں بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا۔ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

اس کو سن کر آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور بیس سال کی عمر میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب پاک پتن پہنچے تو بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھ

کر یہ شعر پڑھا:

اے آتشِ فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جان ہا خراب کردہ

''اے محبوب! تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو جلا کر کباب بنا دیا ہے......
تیرے اشتیاق کی فراوانی نے جانیں تباہ کر دی ہیں۔''

اور اُسی روز حلقۂ ارادت میں داخل کرلیا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں اور تمام مریدین زمین پر سویا کرتے تھے لیکن آپ کے لیے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ایک چار پائی کا انتظام ہوا آپ اس پر سونا نہیں چاہتے تھے ہ حافظانِ کلامِ ربانی اور عاشقانِ درگاہِ رحمانی تو زمین پر رہیں اور وہ چار پائی پر آرام کریں لیکن مرشد کا حکم تھا اس لیے عدولِ حکمی بھی نہیں کی۔ آپ اپنے شیخ کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے۔ آپ نے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کلام پاک کے سات پارے، ''عوارِف المعارف'' کے پانچ باب اور ابو الشکور سالمی کی ''تمہید'' پڑھی، حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ دہلی سے تین بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے پاک پتن تشریف لے گئے۔ آپ نے تکمیل سلوک کے بعد غیاث پور دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخلوق کی رشد و ہدایت کا کام لیا۔ اُس زمانے کے بڑے بڑے علماء فضلاء آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے اور فیض یاب ہو کر گئے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی محی الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شمس الدین یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ بڑے نامور حضرات ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا معز الدین کیقباد کو آپ سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ اس نے آپ کی خانقاہ کے قریب موضع کھیلوکری میں اپنا قصر تعمیر کروایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ خواجہ نظام الدین بھی اپنی خانقاہ سے سلطان کی نو تعمیر جامعہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جاتے لیکن آپ سلطان سے ملاقات کے لیے کبھی نہ گئے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی بہت معتقد تھا جبکہ سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو آپ سے کشیدگی تھی۔ دونوں کا انجام برا ہوا۔ آپ کے لنگر خانہ میں ہزاروں من کھانا پکتا اور ہزاروں کی تعداد میں فقراء اور مساکین اس خانقاہ سے کھانا

کھاتے۔ وصال سے قبل آپ علیل ہوئے تو آپ نے وصیت کی گھر اور خانقاہ کے اندر جس قدر جس قدر اثاثہ ہے سارے کا سارا مساکین اور غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ کے حکم پر خواجہ محمد اقبال داروغہ لنگر نے ہزارہا من غلہ بانٹ دیا اور ایک دانہ بھی نہ چھوڑا۔

تصانیف میں: (۱) فوائد الفواد (۲) فصل الفواد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء شامل ہیں۔

۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ بروز بدھ مطابق 4 مارچ 1324ء صبح طلوع آفتاب کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ بستی نظام الدین میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

(بیا بہ مجلس نفیس ص ۶۵۹)، (آزاد دائرۃ المعارف)

(221) شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

شیخ محمد ابراہیم ذوق (پیدائش: 22 اگست 1790ء۔ وفات: 16 نومبر 1854ء) ایک اردو شاعر تھے۔ ذوق ان کا تخلص تھا۔

ایک غریب سپاہی محمد رمضان کے لڑکے تھے۔ پہلے حافظ غلام رسول کے مکتب میں تعلیم پائی۔ حافظ صاحب کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ذوق بھی شعر کہنے لگے۔ اس زمانے میں شاہ نصیر دہلوی کا طوطی بول رہا تھا۔ ذوق بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ دل لگا کر محنت کی اور ان کی شاعرانہ مقبولیت بڑھنے لگی۔ بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں ان کا وقار اتنا بلند ہو گیا کہ قلعہ معلیٰ تک رسائی ہو گئی۔ اور خود ولی عہد سلطنت بہادر شاہ ظفر ان کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ شاہ اکبر ثانی نے ایک قصیدہ کے صلہ میں ملک الشعراء خاقانی ہند کا خطاب مرحمت فرمایا۔ شروع میں چار روپے ماہانہ پر ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ آخر میں یہ تنخواہ سو روپیہ تک پہنچ گئی۔ مرنے سے چند ساعت پہلے یہ شعر کہا تھا:

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق کو عربی فارسی کے علاوہ متعدد علوم موسیقی، نجوم، طب، تعبیر خواب وغیرہ پر کافی دسترس حاصل تھی۔ طبیعت میں جدت و ندرت تھی۔ 65 سال کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا اور دہلی میں تدفین کی گئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(222) حضرت شاہ اہل اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا نکاح ان کے ننھیالی خاندان میں ہوا تھا۔ اس سے شیخ صلاح الدین پیدا ہوئے۔ اس زوجہ کا انتقال ۱۱۲۸ھ/ 1716ء کے بعد کسی سال ہوا دوسرا عقد ۵۲ برس کی عمر میں فخر النساء بنت شیخ محمد پھلتی سے ہوا زوجۂ ثانیہ کے بطن سے دو صاحبزادے ہوئے۔ (۱) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ۱۱۱۹ھ/ 1708ء کو پُھلت ہی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے اور پھر بڑے بھائی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ والد سے بارہ سال کی عمر میں ہی بیعت کرلی تھی۔ اشغال طریقہ بعد کو بھائی سے حاصل کئے ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے جانے لگے تو بھائی کے سر پر دستار خلافت باندھی اور خانقاہ رحیمیہ کا سجادہ نشین بنا کر گئے تھے۔

شاہ اہل اللہ علومِ معقول ومنقول کے فاضل تھے۔ طب بھی پڑھی تھی اور مطب کرتے تھے۔ اُن کے بعض واقعات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے انفاس العارفین میں لکھے ہیں۔ آپ ہندوستانی طب (آیورویدک) میں دستگاہ رکھتے تھے اور اس فن سے بھی نئے مریضوں کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ شاہ اہل اللہ کی بھی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں۔ دوسری ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ پھلت ہی میں رہتے تھے وہیں ۱۱۸۷ھ/ 1773-74ء میں ان کا انتقال ہوا اور احاطہ درگاہ میں مدفون ہیں۔ وہیں شاہ محمد عاشق، شاہ محمد فائق، شاہ عبدالرحمٰن وغیرہ کے مزارات ہیں۔ شاہ اہل کے ایک فرزند شاہ مقرب اللہ تھے۔ ان کا عرفی نام ''میاں مہکو جیو'' تھا دوسرے بیٹے معظم اللہ عرف مولوی محمد تھے۔ ان کا نکاح مسماۃ فاطمہ بنت شیخ محمد فائق ابن شاہ محمد عاشق پھلتی سے ہوا تھا۔ ان سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی: (۱) محمد مکرّم، (۲) محمد محتشم، (۳) اَمۃُ العزیز (دختر)

محمد مکرم اور امۃ العزیز لاولد رہے۔ محمد محتشم کا نکاح مسماۃ اَمۃُ الغفور بنت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ان کے بطن سے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے انہوں نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

شاہ اہل اللہ'' کی تالیفات میں ایک تفسیر قرآن ہے۔اس کے علاوہ مختصر ھدایۃ الفقہ للمرغینانی، مختصر فی الفقہ والعقائد (فارسی)، مختصر فی الطب، احسن المسائل ترجمہ کنزالدقائق ایک اور تالیف مجموعہ رسائل تسعہ میں ''نصائح و وظائف'' کے نام سے شامل ہیں۔(نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مترجم) ج ۱ ص ۵۶، ص ۷۲)

(223) حضرت سلطان بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ علیہ

بہادر شاہ ظفر خاندان مغلیہ کے آخری، بادشاہ ایک صوفی منش انسان اور اردو کے ایک بہترین و مایہ ناز شاعر تھے وہ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے ذوق کی وفات کے بعد وہ مرزا غالب سے شاعری میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

بہادر شاہ ظفر کا پورا نام سراج الدین بہادر شاہ ظفر تھا۔وہ خاندان تیموریہ کے آخری بادشاہ تھے جو اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے ان کے دادا شاہ عالم ثانی دہلی کے بادشاہ تھے، بہادر شاہ ظفر کا لقب ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی تھا ان کا سلسلہ نسب گیارھویں پشت میں شہنشاہ ظہیر الدین بابر سے ملتا ہے۔وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔وہ اردو عربی فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے اور گھڑسواری تلوار بازی، تیراندازی اور بندوق چلانے میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔۱۲۵۲ھ بمطابق 1837ء کو قلعہ دہلی میں ان کی تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔بہادر شاہ ظفر کی تاج پوشی کا جشن سات دن جاری رہا اور ان سات دنوں میں دلی کے لوگوں کو شاہی محل سے کھانا کھلایا گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے وقت بہادر شاہ ظفر کی عمر 82 سال تھی جب ان کی تمام اولادوں کے سر قلم کر کے تھال میں سجا کر ان کے سامنے تحفے کی شکل میں لائے گئے میجر ہڈسن نے ان کے چاروں لڑکوں مرزا غلام مرزا خصر سلطان، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو بھی قید کرلیا۔بہادر شاہ ظفر نے اپنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سروں کو اپنے ہاتھوں مٰیں لیا اور اس نے درد بھرے الفاظ میں ان کیلئے دعا کی اور کہا'' تیمور کی اولاد ایسے ہی سرخرو ہو کر باپ کے سامنے اپنا فرض ادا کرتی ہے اس کے بعد شہزادوں کے دھڑ کوتوالی کے سامنے اور کٹے ہوئی سروں کو خونی دروازے پر لٹکا دیا گیا انگریز سامراج کی فوج نے نے بہادر شاہ ظفر کو دھوکے سے قتل کرنے کیلئے بلوایا اور گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔رنگون میں انہیں پورے آرام و آسائش سے رکھا گیا۔لیکن لکھنے پڑھنے کی آزادی نہیں تھی۔مہرولی میں قطب مینار کے نزدیک ظفر محل میں جس جگہ بادشاہ نے اپنی قبر کی جگہ متعین کی

تھی دوقبروں کے درمیان وہ جگہ آج بھی خالی پڑی ہے۔ظفر محل اکبر شاہ ثانی نے تعمیر کرایا تھالیکن ان کے پوتے بہادر شاہ ظفر نے اس محل میں ایک بڑے گیٹ کا اضافہ کیا اس بلند دروازے پر باب ظفر لکھا ہوا ہے۔ بہادر شاہ ظفر ہر برس گرمی کے دنوں میں تین ماہ کیلئے مہرولی کے اس محل میں گزارا کرتے تھے ان کے ہمراہ بیگم زینت محل بھی ہوا کرتی تھیں۔

1985ء کے لگ بھگ ہندوستانی حکومت نے بہادر شاہ ظفر کی قبر کے پاس مسجد بنوائی جب مسجد کیلئے کھدائی کی گئی تو آخری مغل بادشاہ کی اصل قبر دوبارہ دریافت ہوئی۔ پہلے والی قبران کی بیگم کی ہے اس کے ساتھ خاندان کے لوگوں کی تین قبریں اور ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کی قبران قبروں سے تیس چالیس گز دور ہے اور اُس وقت مسجد کے تہہ خانے میں ہے جبکہ اہل خانہ کی قبریں زمینی سطح پر ہیں۔ان کی چار بیویاں میں سے 22 بیٹے اور 32 بیٹیاں تھیں۔ (آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا)

(224)۔مولانا بدرالدین محدث دمشق

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(225)حضرت امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ

ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی الحنفی المصری لقب جمال الدین تھا۔زیلعی کی نسبت قصبہ زیلع سے ہے جو حبشہ کی ساحلی پٹی پر واقع تھا۔ جواب صومالیہ کا حصہ ہے۔

علمائے اعلام میں سے فقیہ فاضل، محدث حافظ، جامع اصناف علوم، محقق ومدقق تھے۔ حدیث کو اصحاب نجیب عبدالطیف الحرّانی سے سماعت کیا اور فخر الدین زیلعی شارح کنز اور علاؤ الدین بن ترکمانی اور ابن عقیل نحوی سے اخذ کیا۔ احادیث واقعہ ہدایہ اور خلاصہ اور تفسیر کشاف کی تخریج کی۔ شیخ زین عراقی اور زیلعی مطالعہ کتب حدیثیہ میں واسطے تخریج یہ دونوں ایک دوسرے کو امداد دیتے تھے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ آپ کے کلام کی برکت احادیث احکام واقعہ ہدایہ اور تمام کتاب مذہب حنفیہ پر مبذول ہے۔ وفات آپ کی ماہ محرم قاہرہ مصر میں ۷۶۲ھ میں ہوئی۔
(آزاد دائرۃ المعارف، ضیاء طیبہ)

(226)۔علامہ زاہدی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(227) حضرت علاء الدین علی متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ

علاء الدین علی بن حسام متقی برہانپوری، قادری، چشتی، شاذلی صوبہ گجرات کے برہانپور شہر میں ۸۸۵ھ 1480ء کو پیدا ہوئے، یہ دراصل جونپور کے متوطن تھے، ان کے آباء نے نقل مکانی کر کے برہان پور کی سکونت اختیار کرلی تھی، یہ جب آٹھ سال کے ہی تھے کہ تب ان کے والدین ان کو شیخ باجن عمری کے یہاں لے گئے اور ان کو ان کے دست حق پر بیعت کروایا۔ ابھی یہ آٹھ سال کے ہی تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ آپ اپنے والد کی وفات کے بعد ''منڈہ'' کے کسی امیر کے پاس کتابت کی نوکری پر فائز ہوئے۔ اس کے ذریعے وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کے معاش کا نظم کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاس ایک مال و دولت کا ایک وافر ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔ آپ کے باطنی احوال میں تبدیلی آئی، جس کے وجہ سے آپ کی دل کی دنیا ہل گئی۔ اور آپ پیشے سے سبکدوش ہو کر شیخ عبد الحکیم چشتی کی خدمت میں آئے اور ان کی صحبت اور رفاقت کو اختیار کیا۔ پھر انہوں نے حسام الدین متقی کے یہاں ملتان میں درس و تدریس اور تربیت باطنی میں گذارے، پھر گجرات واپس تشریف لائے اور احمد آباد میں اقامت پذیر ہوگئے، پھر رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگئے۔ پھر اپنے اہلیہ اور دیگر اہل خاندان کے ساتھ زندگی گذاری، اس بیوی سے ان کی ایک لڑکا ہوا جو لڑکپن میں ہی وفات پا گیا۔ (الشیخ محدث دہلوی، اخبار الاخیار: ۵۰۷)

آپ نے ملتان کا بغرض تحصیل علم سفر کیا، وہاں حسام الدین متقی (۹۴۰ھ) کی صحبت اختیار کی، ان کے علوم و معارف سے استفادہ کیا، ان کے یہاں امام بیضاوی کی ''انوار التنزیل فی اسرار التاویل'' اور ''عین العلم'' پڑھی۔ ان کے صحبت میں دو سال رہے، پھر یہاں سے ۹۴۲ھ کو مکہ مکرمہ گئے، عمرہ کی ادائیگی کے بعد محمد بن محمد سخاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ یہ بڑے علماء اور مشائخ میں سے تھے، اور بڑے اللہ کے ولی تھے۔ ان سے اجازت اور خلافت حاصل کی، اسی طرح طاہر زماں الزواری سے بھی تحصیل علم کیا۔ یہ بھی اپنے زمانہ کے نہایت زاہد، عابد شخص تھے۔ اسی طرح شیخ ابو الحسن البکری کی بھی شاگردی اختیار کی، ان کی صحبت سے استفادہ کیا۔ یہ بھی اپنے زمانے کے بڑے صاحب فضل عالم تھے۔ اسی طرح شیخ ابو مدین شعیب المغربی سے مدنی طریقت میں اجازت حاصل کی، امام شیخ ابن حجر المکی سے حدیث شریف کا درس لیا اور مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے قریب ہی مقیم رہے۔ (عبد الحی الحسنی، نزہۃ الخواطر)

تمام امور کو کتاب اور سنت رسول کے مطابق انجام دیا کرتے، ہر چیز کو شریعت کی کسوٹی اور ترازو میں تولتے۔

ان کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے، چند ایک اجلہ اساتذہ یہ ہیں: ۱۔ شیخ بہاء الدین باجن چشتی ۲۔ شیخ حسام الدین ملتانی ۳۔ شیخ محمد بن محمد سخاوی ۴۔ شیخ ابوالحسن البکری۔

آپ کے تلامذہ کی بھی بڑی تعداد ہے، مشہور تلامذہ یہ ہیں: (۱) قاضی عبداللہ ابراہیم سندی (۲) قاضی عبداللہ بن عبداللہ بافقیہ (۳) محمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار (۴) رحمت اللہ سندی (۵) عبدالوہاب المتقی وغیرہ۔

آپ نہایت کثیر المجاہدہ تھے، بہت مختصر کھانا تناول فرماتے، آپ کی بہت سی مشہور کتابیں ہیں: (۱) کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال (۲) تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان (یہ ایک چھوٹا رسالہ ہے) (۳) مطلع الغایہ فی اختصار النہایہ (۴) الفصول شرح جامع الاصول (۵) جوامع الکلم فی المواعظ و الحکم (۶) الاحادیث المتواترہ (۷) مجمع بحار الانوار فی شرح مشکل الاثار (۸) زاد الطالبین (۹) فتح الجواد۔

وفات بروز منگل، وقت سحر ۹۷۵ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوئی، اسی دن صبح میں تدفین عمل میں آئی، ان کی قبر جنت المعلی میں فضیل بن عیاض کے مقابل ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۸۷ سال تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ۹۰ سال تھی۔ (مضامین ڈاٹ کام، شخصیات)

(228) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرحمٰن بن مولانا حکیم گل احمد بن محمد عباس بن محمد حبیب رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا شجرہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے۔ آپ کے جد امجد سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/ 1030ء) مجاہدین میں سے تھے۔ آپ کے والد عالمِ دین اور معروف طبیب تھے اور حضرت مولانا عبدالوہاب معروف بہ پیر مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ/ 1904ء) کے مخلص مرید تھے۔

آپ کی ولادت مؤرخہ ۱۲ شوال ۱۲۹۹ھ/ ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء کو موضع بہبودی، نزد حضرو، ضلع اٹک میں ہوئی آپ کے نام کے ساتھ ضلع اٹک کے سابق نام ''کیمبل پور'' کی نسب سے کیمبل پوری'' صفت نسبتی تھی، جسے ''کامل پوری'' سے بدلا گیا ہے۔

آپ چار بھائی تھے۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتب کی تعلیم آپ نے بہبودی میں

حاصل کی۔ آپ کے چچا حکیم غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ شمس آباد (ضلع اٹک) میں مقیم تھے۔ آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب کی تعلیم شمس آباد میں رہ کر انہی سے حاصل کی۔ اسی گاؤں میں حضرت مولانا فضل حق شمس آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ/ 1929ء) سے صرف ونحو کی کتب پڑھیں۔ اسی دوران مشہور خطاط شیخ فتح محمد مشہور ''شیخ بابا'' سے یہ فن سیکھا، باقی ماندہ کتب کی تحصیل کے لیے حضرت مولانا قاضی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۲ھ / 1953ء) ساکن پنڈی سرہال، ضلع اٹک کے ہاں جا پہنچے اور تین برس ان کے ہاں مقیم رہ کر شرح جامی اور ملا حسن تک کی منطق کی کتابیں ان سے پڑھیں۔ بعد ازاں اس گاؤں سے ۹ میل کے فاصلے پر واقع موضوع اورنگ آباد میں جا کر مشہور مدرس وفقیہ حضرت مولانا عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۵ھ/ 1956ء)، جو پہلے جناب شاہ کے نام سے مشہور تھے، سے شرح وقایہ پڑھی اور پھر مکھڈ شریف (ضلع اٹک) میں تشریف لے گئے جہاں چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کے معروف صوفی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۳ھ/ 1837ء) کی خانقاہ تھی وہاں حضرت مولانا حسن الدین رحمۃ اللہ علیہ سے منطق وفلسفہ کے آخری درجے کی کتب حمد اللہ، صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں اور کچھ عرصہ موضع اخلاص میں رہ کر بھی ان سے استفادہ کرتے رہے۔

کچھ عرصہ ضلع مردان کے گاؤں ڈاگئی میں حضرت مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۳ھ/ 1983ء) فاضل دیوبند اور اُن کے بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حمد اللہ وغیرہ جیسی کتب پڑھتے رہے اور ریاست امب دربند (ضلع سرحد) کے قریب علاقہ چکیسر میں بھی اساتذۂ وقت سے مستفید ہوئے۔

ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ/ آغاز نومبر 1912ء میں آپ مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور (ہندوستان) میں داخل ہو گئے۔ دو سال یہاں مقیم رہ کر درسِ نظامی کی آخری کتب اور صحاحِ ستہ پڑھیں۔ ۱۳۳۲ھ/ 1914ء میں سند فضیلت پائی۔ مظاہر علوم میں آپ کے مشفق اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ/ 1927ء) شامل تھے۔

آپ شوال ۱۳۳۲ھ/ اگست، ستمبر 1914ء میں دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) میں داخل ہوئے اور یہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۹ھ/ 1920ء) سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۲ھ/ 1932ء) سے ابو داؤد اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ/ 1928ء) مہتمم دارالعلوم سے صحیح مسلم پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا

حکیم محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۵ھ/ 1926ء) سے طب کی کتابیں نفیسی، شرح اسباب، موجز اور قانونچہ پڑھیں اور پھر امتحان میں بیٹھ کر نمایاں نمبروں میں کامیابی حاصل کی۔ (آپ مظاہر علوم، سہارنپور) میں مدرس مقرر ہوگئے۔ آپ اپنے والد ماجد اور چچا گرامی کے اصرار اور استادِ مکرم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے تونسہ شریف آکر پڑھانے لگے، مگر چند دن وہاں رہ کر آپ اُکتا گئے اور واپس مظاہر علوم (ہندوستان) جا پہنچے۔

۶ شوال ۱۳۴۴ھ/ 29 اپریل 1926ء کو مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس) مظاہر علوم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ مظاہر علوم کے صدر مدرس مقرر کیے گئے اور پھر ۱۳۶۶ھ/ 1947ء تک صدر مدرس رہے۔ آپ نے مظاہر علوم، سہارنپور (ہندوستان) کے قیام کے زمانہ میں ۱۳۵۵ھ/ 1939ء میں فریضہ حج ادا کیا۔

دورہ حدیث کے سال آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست بذریعہ خط پیش فرمائی۔ آپ نے تدریس مظاہر علوم کا ابتدائی گیارہ سالہ دور اپنے شیخ اوّل واستادِ گرامی کی صحبت میں گزارا۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کا عزم کیا اُن کی خدمت میں مکتوب تحریر فرمایا، ابھی بیعت نہیں ہوئے تھے اور تعلق اصلاح کے دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/ ستمبر 1930ء میں حضرت مرشد تھانوی قدس سرہ نے آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت عطا فرمادی۔

تقسیمِ ہند کے بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ/ 1947ء) کے مدرسہ خیر المدارس میں شیخ الحدیث رہے۔ دار العلوم اسلامیہ، ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز المرام رہے۔ پھر آپ چار سال جامعہ اسلامیہ، اکوڑہ خٹک میں درسِ حدیث دیتے رہے۔

۷۸۔۱۳۷۷ھ/ 1958ء میں بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس ختم فرما دیا اور وطن مالوف بہبودی میں اقامت اختیار فرمائی۔

شبِ جمعۃ المبارک ۱۶۔ شعبان ۱۳۹۵ھ/ 10۔ دسمبر 1965ء کو آپ حسبِ معمول نمازِ تہجد کے لیے اٹھے اور بعد ازاں فالج کا حملہ ہوا۔ ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ/ 21 دسمبر 1965ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۸ھ/ 1969ء) نے پڑھائی اور آپ نے موضع بہبودی میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کی

اولاد میں ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے ہیں۔(۱) حضرت مولانا مفتی حافظ احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۱ھ/ 1991ء) مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن، کراچی۔(۲) حضرت مولانا حافظ عبید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۳ھ/ 2003ء) خطیب جامع مسجد بوڈمین سٹریٹ، شیفلڈ، انگلینڈ۔ (۳) حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب، خطیب و مہتمم جامعہ اسلامیہ، کشمیر روڈ، راولپنڈی۔ آپ ایم پی اے اور صوبائی وزیر بھی رہے۔(۴) جناب محمد الرحمٰن۔

(تذکرہ علمائے اہلسنت پنجاب ج۱ ص ۲۶۸)

(229) حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت 1915ء میں جے پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم قرآن مجید، فارسی اور خطاطی گھر ہی پر حاصل کی اس کے بعد مولانا قدیر بخش بدایونی سے باقی علوم میں تحصیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ درسِ نظامی کے بعد 1934ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پھر حضرت شیخ حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث و پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تخصّص فی الحدیث کیا۔ ان کے علاوہ ان کے برادرِ معظم مولانا محمود حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اور حضرت مولانا یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خود شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ مصر، شام، عراق، ترکی، سعودی عرب، افریقہ اور یورپی ممالک کے طلباء حدیث ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جامعہ بہاولپور اور پھر نیوٹاؤن کراچی میں تدریس فرمائی۔ لُغات القرآن آپ کی شاہکار تصنیف ہے، دیگر چند مشہور تصنیفات؛ امام ابن ماجہ اور علم حدیث، اصول حدیث کے چند اہم مباحث، حضرت علی اور قصاص عثمان، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، تخریج الحزب الاعظم وغیرہ۔

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شیخ حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جو حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا نعمانی کو انھوں نے خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت وخلافت تھی۔ 1999ء میں 85 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور کراچی یونیورسٹی میں تدفین ہوئی۔ محمد عبدالمعید نعمانی مولانا کے بڑے بیٹے تھے جوان کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ چھوٹے بیٹے ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی جامعہ کراچی میں شعبہ عربی کے عہدہ

چیئرمین سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ (''سبدِ گل'' ص 60 از ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی)

مفتی نجم الحسن امروہی مدظلہ (مقیم کراچی) کو آپ سے تحریری اجازت حدیث و اجازت سلسلہ طریقت حاصل ہے۔ (حیات انوری ص ۹۸)

(230) حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام سید محمود شاہ اور والد محترم کا نام سید مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ 25 جون 1893ء میں افغانستان کے مشہور شہر قندھار میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں طلبِ علم کی غرض سے ہندوستان چلے آئے تھے، رامپور اور گجرات کے مضافات کے علماء سے تحصیل علم کرتے ہوئے حیدر آباد دکن پہنچے اور حضرت مولانا انوار اللہ صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوگئے، یہاں کے کبار علماء سے تحصیل علم کے بعد سند فراغت حاصل کی اور یہیں پر سلسلۂ درس و تدریس شروع فرمایا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی شہرت سے نوازا، دور دور سے لوگ آپ سے استفادہ کے لئے آنے لگے، آپ کو امام عالی مقام سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کی فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا، اسی کا اثر تھا کہ آپ نے حیدر آباد دکن میں اَکابر علماء اَحناف کے علوم کی نشر واشاعت کی غرض سے ''لجنۃ اِحیاء المعارف النعمانیۃ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور اس ادارہ سے انتہائی نادر و نایاب اور نہایت قیمتی کتابیں شائع کیں جن میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ'' ۴ جلد، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف ''کتاب الاصل'' حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الآثار، کتا الردعلی سیر الاوزاعی، اختلاف ابی حنیفۃ و ابی لیلٰی، مختصر الطحاوی، کتاب النعقات للامام ابی بکر الجصاص، اصول الفقہ، للامام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ، شرح الزیادات للامام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ''، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مناقب ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ و صاحبیہ'' اور علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبار ابی حنفیۃ و صاحبیہ'' اور شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقود الجمان'' قابل ذکر ہیں۔

آپ نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار کی شرح بھی لکھنی شروع کی تھی ابھی آپ دو جلدیں ہی لکھ پائے تھے اور کتاب الجنائز تک پہنچے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

آپ نہایت متواضع، عابد وزاہد اور خوف وخشیت رکھنے والے بزرگ تھے، تاحیات

شادی نہیں کی تجرد کی زندگی گزارتے رہے، ۱۳ رجب ۱۳۹۵ھ/ 22جولائی 1975ء بروز بدھ صبح کے وقت بیاسی سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔(بیاد مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۴۸)

(231) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ خواجہ محمد معصوم سرہندی المعروف عروۃ الوثقیٰ اور قیوم ثانی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے فرزند اور جانشین ہیں۔

آپ کی ولادت سرہند شریف کی ایک بستی ملک حیدر میں شوال ۱۰۰۷ھ بمطابق مئی، 1599ء میں ہوئی۔ نام محمد معصوم، کنیت ابوالخیرات، لقب مجدد الدین اور خطاب عروۃ الوثقی ہے۔ اسی سال امام ربانی، محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لئے امام ربانی عروۃ الوثقیٰ کی ولادت کو نیک فال خیال کرتے تھے اور اپنی زندگی میں ہی ان کو قطب عالم کے منصب پر فائز ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ گیارہ سال کی عمر میں امام ربانی نے آپ کو بیعت فرمالیا اور طریقت کی تعلیم دی۔ سولہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ صرف ایک ماہ کی مختصر مدت میں قران مجید حفظ کرلیا۔

شیخ محمد طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو مجدد الف ثانی کے خلیفہ ہیں، آخوند سجاول سرہندی مؤلف شرح وقایہ اور سلطان العلماء ملا بدر الدین سلطانپوری سے آپ نے تحصیل علم کی۔ آپ نے اپنے قیام حرمین الشریفین کے دوران اپنے خلیفہ مولانا سید زین العابدین یمنی محدث مدنی سے اجازتِ حدیث لی۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے قبل ہی آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا اور اپنے ایک مکتوب بنام محمد سعید میں بہت واضح طور پر اس کے بارے میں تحریر فرمایا۔

آپ جب بالغ ہوئے تو مجدد پاک نے استخارہ کیا اور سید میر صفر احمد رومی کی صاحبزادی بی بی رقیہ کے ساتھ نکاح فرما دیا 6 صاحبزادے اور 5 صاحبزادیاں انہیں کے بطن سے ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادگان کے نام یہ ہیں: (۱) خواجہ صبغۃ اللہ۔ (۲) خواجہ محمد نقشبند ثانی۔ (۳) خواجہ عبید اللہ مروج الشریعت۔ (۴) خواجہ محمد اشرف۔ (۵) خواجہ سیف الدین فاروقی۔ (۶) خواجہ محمد صدیق

آپ کے حیات ہی میں آپ کے خلفاء پورے عرب، ماوراء النہر اور افغانستان سے سرہند تک پھیل گئے۔ شاہ احمد سعید مجددی نے لکھا ہے کہ آپ کے دستِ مبارک پر 9 لاکھ افراد نے بیعت کی اور آپ کے خلفاء تقریباً 7 ہزار تھے۔

آپ کے مشہورترین خلفاء درج ذیل ہیں: (۱) مفتی محمد باقر لاہوری، (۲) ملا محمد امین حافظ آبادی، (۳) شیخ محمد مراد شامی، (۴) حاجی حبیب اللہ حصاروی بخاری، (۵) ملا موسیٰ بھٹی کوٹی، (۶) حافظ محسن سیالکوٹی، (۷) سید زین العابدین یمنی محدث مدنی۔

آپ کی تصانیف: (۱) مکتوبات معصومیہ (تین جلدوں میں)، (۲) یواقیت الحرمین: (اس عربی رسالہ کا فارسی اور اردو ترجمہ حسنات الحرمین کے نام سے ہوا۔)، (۳) مکاشفات غیبیہ: (اس عربی رسالہ کا اردو ترجمہ مکاشفات غیبیہ مجددیہ کے نام سے ہوا)، (۴) اذکار معصومیہ۔

آپ ۱۰۶۷ھ بمطابق 1657ء میں حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوئے۔ آپ کے تقریباً تمام صاحبزادگان، سات ہزار خاص مریدوں جن میں دو ہزار آپ کے خلفاء اور سات سو مجدد الف ثانی کے خلفاء کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اتباعِ سنت اور عمل بہ عزیمت کے سلسلے میں آپ مجدد الف ثانی کے عملی نمونہ تھے جس کا اظہار مکتوبات معصومیہ میں بخوبی ہوتا ہے۔ سلطان عالمگیر حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔ عصر کے بعد وعظ نصیحت کی مجلس ہوتی تھی۔ خواتین کی تلقین اور نصیحت کے لئے وقت مقرر ہوتا تھا لوگ ــــ باعیال آپ کے دربار میں آتے، جن کے لئے علیحدہ جگہ کا انتظام ہوتا تھا اور آپکی صاحبزادیاں درمیان میں واسطہ ہوتی تھیں۔

آپ کو وجع المفاصل (جوڑوں کا درد) کا مرض تھا۔ آخر عمر میں اس مرض نے بہت غلبہ پایا۔ وفات سے دو تین روز پیشتر آپ نے قرب و جوار کے بزرگوں کو ایک رقعہ لکھا۔ سب کو پند و نصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔ صبح کو نماز فجر کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق پڑھی۔ بعد ازاں سکرات موت آپ پر شروع ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی زبان مبارک جلد جلد چلتی تھی۔ صاحبزادگان والاتبار نے کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ آپ سورۃ یٰسٓ شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ کا وصال ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ بمطابق 17 اگست 1668ء کو سرہند میں ہوا۔ اور مدفن سرہند شریف، انڈیا میں ہے۔ (ضیاء طیبہ)، (آزاد دائرۃ المعارف)

(232) حضرت سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ/ 14 اپریل 1859ء بروز پیر کو ہوئی، ابتدائی تعلیم قریبی مراکز میں حاصل کر کے آپ اعلیٰ تعلیم

کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علی گڑھ پہنچ کر تین سال تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ سہارنپور حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آپ بخاری و مسلم پڑھ رہے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اعلیٰ استعداد کو ملاحظہ فرما کر اجازت حدیث سے سرفراز فرمایا اور وطن جا کر خدمت دین کی تاکید کی، اُس زمانہ میں سہارنپور میں مولانا محمد حسن محدث فیض پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حصولِ تعلیم میں مشغول تھے، اور دونوں بزرگوں کا ملنا جلنا ہوتا تھا، یہ ملنا جلنا بعد میں بھی رہا اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کے یہاں ازراہِ محبت و مودت آتے جاتے رہے، آپ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اجازت عطا فرمائی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا، مگر حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ''پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس کا سدِّ باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے اگر اس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علماء عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا'' آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی، (مہر منیر ص:۱۲۹) ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ/ 11 مئی 1937ء بروز منگل آپ کی وفات ہوئی اور اگلے دن گولڑہ شریف میں آپ کی مسجد کے قریب ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

(بیابہ مجلس نفیس رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۴۴۰)

(233) حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مولوی حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش بروز جمعۃ المبارک ۱۳۱۳ھ مطابق 1893ء میں ہوئی۔ آپ کا آبائی گھر گنجال ضلع خوشاب میں ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ بہت ہی چھوٹی عمر میں والدِ محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ کی کفالت آپ کے چچا (مفتی پنجاب) حضرت مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ والد صاحب کی

وفات کے بعد گھر کے حالات بہت ہی زیادہ خراب ہو گئے۔ کیونکہ گھر میں پانچ بہنیں اور ایک بیوہ والدہ تھی اور گھر کمانے والا کوئی بھی نہ تھا۔ تعلیمی سفر کا آغاز بھی اپنے والد سے کیا۔ ناظرہ قرآن کریم اور گلستانِ سعدی تک فارسی آپ کی شاگردی میں پڑھی۔ والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے چچا سے چند کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اپنے چچا حکیم فیض احمد سے علم طب سیکھنا شروع کیا۔ اس طرح آمدنی کا سلسلہ بھی چل نکلا۔

اپنے بچپن میں جب مفتی صاحب کے والدِ محترم زندہ تھے تو اس وقت آپ کو شیخ خواجہ ابوسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ، بانی خانقاہ سراجیہ (کندیاں ضلع میانوالی) سے ملاقات کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ملاقات کچھ ایسی ہوئی کہ آپ وہیں کہ ہو کر رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت قیوم زماں ابوسعد احمد خان نے آپ کو ''دُردانہ'' کا لقب عطا فرمایا یعنی ''موتی کا دانہ''۔ آپ کی عمر چودہ برس کی ہوئی تو والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ ابھی عمر ۱۶ برس کی ہوئی تھی تو والدہ صاحبہ کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے آپ نے شادی کر لی۔

شعبان المعظم کا چاند نظر آیا، اعلیٰ حضرت فرمانے لگے، اس سال نماز تراویح میں قرآن کون سنائے گا؟ کہ ویسے میری تو خواہش تھی کہ دردانہ قرآن سنائے مگر وہ حافظ نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے یکم شعبان المعظم کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قرآن حفظ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ ایک مہینہ سے ایک دن کم میں میں نے پورا قرآن یاد کر لیا۔ مرشد نے فرمایا: ''دردانہ سنو! اب روحانیت میں کمال پانے کے لیے حصولِ علم ضروری ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا علم حاصل کرنا ضروری ہے''۔ تم ایسا کرو کہ لاہور میں مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد جاؤ۔ وہاں پر میرا بیٹا محمد معصوم اور تمہارا چچا زاد بھائی عبدالغفار بھی موجود ہیں۔ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ چنانچہ اس وقت اعلیٰ حضرت نے دعا کروائی اور مجھے اپنی جیب سے بیس روپے دیے کہ جاؤ اور جا کر علم حاصل کرو۔ اعلیٰ حضرت نے روانگی سے قبل کچھ نصیحتیں فرمائی جو کہ یہ تھیں:

''لاہور جا کر سب سے پہلے حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانا اور فاتحہ پڑھنا۔ اس کے بعد حصولِ علم کی دعا کرنا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد مدرسہ جانا۔ اپنے کسی دوست کو روانگی کی خبر دی۔ اسے اس طرح بتایا کہ آج میں جا رہا ہوں اور میری روانگی کے بعد میرے گھر اطلاع کر دینا کہ وہ حضرت صاحب کے حکم کے مطابق لاہور میں عالم بننے گیا ہے۔ اس کے بعد

امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ بعد میں اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ وہاں بلا لیا۔ اس مدرسہ میں داخلہ لینے سے پہلے مفتی صاحب نے اور ان کے دونوں ساتھیوں نے بھی اپنی تمام کی تمام کتابیں تبدیل کر لیں تھیں۔ تاکہ وقت بچ سکے اور جلد از جلد یہاں سے فارغ التحصیل ہوں۔

اس دوران حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ غرض سے سفر پر گئے۔ واپسی پر امرتسر میں ایک رات کا قیام کیا۔ مفتی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، حال احوال کے بعد اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ میں حضرت خواجہ ابو سعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد خاص ہوں۔

حضرت سے مشورہ طلب کیا کہ حضرت دورہ حدیث کے لیے میں دیوبند آپ کے پاس حاضر ہوں؟ حضرت نے جواب دیا کہ دیوبند میرے پاس آنے سے قبل بہتر ہے کہ تم مدرسہ امینیہ دلّی جاؤ اور وہاں پر دورہ حدیث شروع کرو۔ ہمارے پاس دورہ الحدیث کے داخلے بند ہو چکے ہیں۔ تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ امرتسر سے دلّی کے لیے سامان باندھا۔ مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا اور دلّی کی مسجد میں خطابت شروع کر دی۔ جب آپ کا داخلہ دورہ حدیث دیوبند میں ہوا تو دلّی کو خیر آباد کہہ کر سیدھا دیوبند تشریف لے گئے فرماتے مدرسہ دیوبند میں مجھے ایک واضح فرق پتہ چلا کہ کتابیں تو وہی ہیں مگر پڑھانے والا کوئی دوسرا ہے۔

سالانہ امتحان کا انعقاد ہوا، پورے مدرسہ میں ایک ہی طالب علم تھا جس نے پرچہ عربی زبان میں حل کیا اور وہ تھا محمد شفیع اس امتحان کا نتیجہ نکلا اور اس میں محمد شفیع نے اوّل مقام حاصل کیا۔ مفتی صاحب نے پہلا دورہ حدیث حضرت مفتی کفایت اللہ کی زیر سرپرستی میں کیا اور دوسرا دورہ حدیث مدرسہِ دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ کی زیر سرپرستی کیا۔

واپس آنے کے بعد اپنے گھر آئے اور کچھ دن قیام کے بعد اپنے مرشد یعنی اعلیٰ حضرت ابو سعد احمد خان صاحب کے پاس گئے۔ فرمایا کہ تم میرے بچوں کو پڑھاؤ چنانچہ مفتی صاحب نے اپنے مرشد کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا اور کچھ عرصے تک وہیں مقیم رہے۔ خانقاہ سراجیہ میں قیام کے بعد حضرتِ اعلیٰ کی اجازت سے مفتی صاحب میانوالی سے کچھ ہی فاصلہ پر واں بھچراں کے چھوٹے سے علاقے کی ایک مرکزی مسجد میں بطور خطیب مقرر ہوئے اور 2 سال تک وہیں پر مقیم رہے۔ خوشاب کے مرکزی بازار کی جامع مسجد میں بطور خطیب مقرر ہوئے اور وہاں پر آپ نے پانچ

سال اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچایا۔

حضرت مفتی صاحب نے ایک جمعہ مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر 1، مسلم بازار سرگودھا میں پڑھایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے بھی مفتی صاحب سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ 1920ء میں حضرت مفتی صاحب نے بطور خطیب مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر 1، مسلم بازار سرگودھا میں اپنی خدمات شروع کیں اور اسی مسجد میں وفات پائی۔ تقریباً چھیالیس سال کا عرصہ آپ نے اس مسجد میں خدمات سرانجام دیں اور یہیں پر آپ نے مدرسہ جامعہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی وہیں پر ہی مقیم رہی اور آج بھی وہیں پر مقیم ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے، فاضلِ دیوبند، حضرت مولانا مفتی احمد سعید نے خطابت شروع کی۔

مدرسہ کی بنیاد کی تقریب کے سلسلے میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، امیرِ شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے علاوہ دیگر علماء حق اس تقریب میں شامل ہوئے اور اس طرح باقاعدہ طور پر اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ 1948ء میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حج بیت اللہ دوسرا حج آپ نے تقریباً سال بعد، 1950ء کی دہائی میں کیا تھا۔ تیسرا اور آخری حج آپ نے 1963ء میں کیا۔

تحریکِ ختمِ نبوت 1953ء میں حضرت مفتی صاحب نے اپنی تقاریر اور جلسوں سے شمولیت کی دعوت بھی دی۔ حضرت مفتی صاحب کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے۔ پورے نو مہینے آپ جیل میں رہے۔ آپ کے چچا جان مولوی دین محمد کی ایک صاحبزادی تھی جن کا نکاح بچپن ہی میں آپ کے ساتھ پڑھا دیا گیا تھا۔ آپ کے ہاں دو صاحبزادے پیدا ہو چکے تھے۔ ایک کی وفات بچپن میں ہی ہو گئی اور دوسرے صاحبزادے کا نام احمد رکھا گیا۔ اس کے بعد آپ دیوبند چلے گئے اور جب آپ مفتی بن کر تشریف لائے تو اس وقت آپ کے ہاں دوسرے بیٹے کی پیدائش ہوئی اور ان کا نام عبدالسمیع رکھا گیا۔ آپ کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی۔ مفتی صاحب کو دوسری شادی کی اجازت ان کی اپنی بیوی نے بھی دے دی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے نکاح پڑھایا اور کچھ عرصے بعد رخصتی ہو گئی۔ اس بیوی سے آپ کے ہاں چھ بچوں کی پیدائش ہوئی چار بیٹے اور دو بیٹیاں۔

حضرت مولانا ابوسعد احمد خان صاحب نے وفات سے قبل آپ کو بلوایا۔ اپنی جائے نماز، اپنی واسکٹ مفتی صاحب کو دی اور انھیں اپنا خلیفہ خاص مقرر کیا۔ سجادگی حضرت مولانا عبداللہ کو عطا کی اور پھر آپ وفات فرما گئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے آخری جمعہ پڑھایا اور اس میں اعلان کیا کہ خلافت صرف اور صرف دو اشخاص کو میں دے کے جا رہا ہوں!

(۱) مولانا صالح محمد (سرگودھا)، (۲) مولانا حافظ صابر (چونیاں ضلع قصور)

مرض الموت گردہ کی تکلیف تھی گردہ میں پتھری تھی۔ نماز فجر کے لئے جگایا...... تین دفعہ آواز دی مگر کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ چادر اٹھائی تو ہاتھ نماز کی نیت کے لیے باندھے ہوئے تھے۔ منہ قبلہ کی طرف تھا اور محسوس یہ ہو رہا تھا کہ جیسے نماز پڑھ رہے ہیں یا پھر ابھی ابھی نماز پڑھی ہے۔ علم و روحانیت کا ایک باب 15 جولائی 1966ء بروز جمعۃ المبارک کو بند ہو گیا تھا۔

کمپنی باغ میں جنازے کا اہتمام کیا گیا اور بعد از نمازِ جمعہ جنازہ ادا کیا گیا۔ حضرت مولانا صالح محمد نے جنازہ پڑھایا۔ آپ کی وصیت کے مطابق اپنے گھر گنجیال میں دفن کیا گیا۔ گنجیال میں دوسرا جنازہ پڑھایا گیا۔ یہ جنازہ حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی احمد سعید نے پڑھایا۔ (ماخوذ از سوانح حیات حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھا)

(234) حاجی محمد قائم الدین رحمۃ اللہ علیہ

انصاف بوٹ ہاؤس آگرہ (ہندوستان) کی وجہ سے آگرہ والے مشہور تھے۔ ہجرت کے بعد کراچی پھر فیصل آباد (لائل پور) منتقل ہو گئے۔ اور انصاف ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے معروف ہوئے۔ بیعت کا تعلق حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید عطا اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق تھا۔ آپ کے 4 بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے حاجی گلزار احمد کا بھی بزرگوں اور علماء و مشائخ سے بڑا تعلق رہا۔ آپ نے 15 اگست 1982ء بروز اتوار وفات ہوئی اور بڑا قبرستان غلام محمد آباد میں دفن ہیں۔ (خاندانی روایت)

(235) مولانا احمد بزرگ سملکی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا انظر شاہ مسعودی لکھتے ہیں:

آپ سملک جوڈابھیل کی قریب ایک چھوٹی بستی ہے۔ اسی کے باشندے تھے۔ ثقہ عالم

اور صاحبِ زہدو تقویٰ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے خلافت حاصل کی.......... ان کے عہد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے وہ ترقی کی جو بعد کے ادوار میں نصیب نہ ہوئی۔ افریقہ کے مسلمان تجار اِن پر بڑا اعتماد کرتے۔ تین بچے غالباً پس ماندگان میں ہیں۔ مولوی محمد معصوم صاحب جن کا حال ہی میں لندن میں انتقال ہوا، دوسرے صاحبزادے مولانا محمد سعید حال رئیس الجامعہ ڈابھیل و رُکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں اور اپنی سلامتی طبع میں منفرد ہیں، تیسرے مولانا رشید بزرگ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بعہدہ مدرسی کا کام کررہے ہیں، مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا ڈابھیل ہی میں انتقال ہوا اور سملک کے قبرستان میں تا صبح حشر مصروف خواب ہیں۔ (مشاہیر علماء دیوبند ج۱ ص ۴۳)

(236)۔مولانا خیر الدین سرسوی رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

(237)۔مولانا غوث محمد رحمۃ اللہ علیہ

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

(238) حضرت مفتی خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ مفتی اعظم ریاست ملیر کوٹلہ تھے۔آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں حضرت مفتی عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا ابو اسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ) بھی شامل ہیں۔ (تحفہ سعدیہ، ص: 172)

(239)۔مولانا شریف اللہ کابلی

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

(240) حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فارسی اور اردو کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ انہیں طوطی ہند کہا جاتا ہے۔ ابو الحسن لقب، یمین الدولہ نام، امیر خسرو عرف، والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ایک ترک سردار تھے۔منگولوں کے حملوں کے وقت ہندوستان آئے اور پٹیالی (آگرہ) میں سکونت اختیار کی۔

پیدائش: 1253ء میں امیر خسرو پٹیالی (آگرہ) پیدا ہوئے۔ان کی والدہ ہندوستانی

تھیں۔ آٹھ سال کی عمر یتیم ہوئے کچھ عرصہ بعد یہ خاندان دہلی منتقل ہو گیا۔ اور امیر خسرو نے سلطنت دہلی (خاندان غلامان، خلجی اور تغلق) کے آٹھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور برصغیر میں اسلامی سلطنت کے ابتدائی ادوار کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی میں سرگرم حصہ لیا۔

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے بڑے چہیتے مرید تھے 7 برس کی عمر میں ہی بیعت ہو گئے تھے۔ خسرو نے ہر صنف شعر، مثنوی، قصیدہ، غزل، اردو دوہے، پہیلیاں، گیت وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ آپ کے بھائی عزالدین علی بلند پایہ شاعر تھے ابتداء میں اپنے کلام میں انہیں سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ''خسرو'' تخلص تھا۔ آپ کے اب تک فارسی اور ہندی کے 5 لاکھ اشعار مرتب صورت میں موجود ہیں۔

دنیا میں اردو کا پہلا شعر حضرت امیر خسرو ہی کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے میں ابتدائی موجدین میں ان کا نام نمایاں ہے۔ آپ حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی ملنے گئے تھے، قیام کیا تھا اور انہوں نے آپ کو دعائیں دی تھیں۔

مشہور تصانیف میں: (۱) تحفۃ الصغر (۲) غرۃ الکمال (۳) بقیہ نقیہ (۴) قصہ چہار درویش (۵) نہایۃ الکمال (۶) ہشت بہشت (۷) مطلع الانوار (۸) مفتاح الفتوح (۹) اعجاز خسروی (۱۰) خزائن الفتوح (۱۱) افضل الفوائد (۱۲) آئینہ سکندری (۱۳) ملا الانور

آپ کی وفات 9 ستمبر 1325ء میں ہوئی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے قریب دہلی، ہندوستان میں دفن ہوئے۔ (آزاد دائرۃ المعارف)

(241)۔ مولانا فقیر اللہ کابلی

حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(☆) علامہ رزین رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن رزین ابن معاویہ عبدری سرقسطی اندلسی مالکی۔ آپ کا نام رزین، کنیت ابوالحسن ہے، قبیلہ عبدر سے ہیں جو عبدالدار ابن قصیٰ کی اولاد سے ہے۔ قریشی النسل ہیں۔ آپ تبع تابعی ہیں۔ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور مشہور محدث ہیں۔ آپ کی مشہور کتب میں النجریہ اور تجرید الصحاح والسنن ہیں۔ ۵۲۵ھ اور بعض کے نزدیک ۵۳۵ھ میں وفات ہوئی۔ (نیٹ)

(☆☆) حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام عطاء، کنیت ابو محمد والد کا نام اسلم اور انکی کنیت ابو رباح تھی۔ آپ یمن کے قصبہ ''جَنَد'' میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں نشو ونما پائی۔ اس لحاظ سے آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ سیاہ فام تھے اور چہرہ پر چیچک کے داغ تھے مگر فصیح البیان اور کثیر العلم تھے۔ اکابر صحابہؓ جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کسبِ علم کیا۔ حدیث میں آپ سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد بہت طویل ہے جس میں سے مشہور یہ ہیں: حضرت ابو اسحاق سبیعی، حضرت زہری، حضرت مجاہد، حضرت اعمش، حضرت اوزاعی، حضرت ایوب سختیانی اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے عطاء سے حدیث لیا کرو۔ آپ کی مجلس ذکر الٰہی کی مجلس ہوتی تھی گویا خدا سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے ۱۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ (احناف ڈجیٹل لائبریری)، (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۹۶)

(☆☆☆)۔ مولانا عبدالرشید

حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

کتابیات

1	انوار الباری (شرح بخاری)، مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ملتان
2	الانور، مولانا عبد الرحمن کوندو، ندوۃ المصنفین۔اردو بازار جامع مسجد دہلی الہند
3	انوار مدینہ (ماہنامہ)، شعبان ۱۴۱۹ھ، جامعہ مدنیہ لاہور
4	احوال العارفین، حافظ غلام فریدؒ، نذیر سنز پبلشرز۔اردو بازار لاہور
5	بیا بہ مجلس نفیس، مولانا نعیم الدین، صفہ ٹرسٹ۔موہنی روڈ لاہور
6	پرانے چراغ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام۔ناظم آباد کراچی
7	پروفیسر قاضی محمد احمد ہزارویؒ، بریگیڈیئر قاری فیوض الرحمن، مسجد الفرقان۔ملیر کینٹ کراچی
8	تاریخ دار العلوم دیوبند، سیّد محبوب رضوی، المیز ان۔الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔
9	تذکرہ اسلاف، بریگیڈیئر قاری فیوض الرحمن، صدف پبلشرز۔ناظم آباد کراچی
10	تذکرہ قاریان ہند، مرزا بسم اللہ بیگ، میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ کراچی
11	تذکرہ علماء اہلسنت والجماعت پنجاب، محمد نذیر رانجھا، دار الکتاب۔غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
12	تذکرہ اولیاء دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، مکتبہ رحمانیہ۔اقراء سینٹر اردو بازار لاہور
13	تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیؒ، (مُتَرجم) حافظ محمد اسحاق، اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
14	تحفہ سعدیہ، مولانا محبوب الٰہیؒ، خانقاہ سراجیہ۔کندیاں ضلع میانوالی
15	تعمیر وافکار (ماہنامہ) اشاعت خاص بیاد علامہ محمد طاسینؒ، زوار اکیڈمی ناظم آباد 4 کراچی
16	تفسیر ابن کثیرؒ، (مُتَرجم) مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ، مکتبہ قاسمیہ۔اردو بازار لاہور
17	حالات مصنفین درس نظامی، مولانا محمد حنیف گنگوہی، دار الاشاعت کراچی
18	حضرات کرام نقشبندیہ، حافظ نذیر احمد، خانقاہ سراجیہ۔کندیاں ضلع میانوالی
19	حیات انوری، ابوحذیفہ عمران فاروق، ناشر محمد راشد انوری۔کراچی
20	خیر السوانح، مولانا آفتاب احمد، ادارہ خیر المعارف۔پرانا شجاع آباد روڈ ملتان

21	خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مکتبہ نبویہ۔گنج بخش روڈ لاہور
22	دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں، مولانا عطاء الرحمن قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ نیو دہلی
23	سیرت آئمہ اربعہ، مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ، ادارہ اسلامیات۔انارکلی لاہور
24	سوانح حیات مفتی محمد شفیعؒ ،ڈاکٹر خلیل الرحمنؒ ،آزاد بک ڈپو۔چوک اردو بازار لاہور
25	سیدی وأبی ،بنت امیر شریعت سیدہ اُمّ کفیل بخاری، بخاری اکیڈمی۔مہربان کالونی، ملتان
26	شخصیات وتاثرات، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مکتبہ لدھیانوی۔ نیوٹاؤن کراچی
27	علماء دیو بند، مولانا مجاہد الحسینی، مکتبہ سید احمد شہید۔اردو بازار لاہور
28	فتح الکمال فی اسمأ الرجال، (مُترجم)ابومحمد یوسف شاہ، مکتبہ عائشہ۔حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
29	کتاب الشفاء، (مُترجم) مولانا قاری قاسم، مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور
30	قافلہ علم وحریت، مفتی محمد عثمان لدھیانوی، کتب خانہ احرار۔فیلڈ گنج چوک لدھیانہ الہند
31	مشاہیر علماء دیو بند، بریگیڈیئر قاری فیوض الرحمن، فرنٹیر پبلشنگ کمپنی۔اردو بازار لاہور
32	مشاہیر بہاولپور، مسعود حسن شہاب دہلوی، اردو اکیڈمی۔ بہاول پور
33	مکاشفۃ القلوب، (مُترجم) مولانا محمد عطا اللہ، مکتبہ اسلامیات۔اندرون دہلی دروازہ لاہور
34	مولانا اشرف علی تھانویؒ اور انکے خلفاء، بریگیڈیئر قاری فیوض الرحمن، مجلس نشریات اسلام۔ ناظم آباد کراچی
35	نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہؒ (اردو)، شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔پھلت مظفر نگر الہند
36	نزہۃ الخواطر، (مُترجم) مولانا انوار الحق قاسمی، دارالاشاعت۔کراچی
37	نقش دوام، مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ملتان
38	وفیات برہان، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، قرطاس۔گلستان جوہر بلاک 15 کراچی
39	1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری، محمد اسلم، الخیر پبلی کیشنز۔سمندری روڈ فیصل آباد

عکسِ تحریر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي عزت اسمائه وسماته وجلت نعمائه وهباته وتواترت منته وتسلسل آلاءه على النوع الانساني فاستخلفه اسمائه اماما وخليفة في بسيط الارض حاكما على الطول والعرض والصلوة والسلام على خيرة انبيائه فآدم ومن سواه تحت لوائه محمد المصطفى وآله المجتبى وصحبه البررة الكرام وخيرة الخيرة الفخام وسائر من اتبعهم باحسان الى يوم الدين آمين ثم آمين اما بعد فان اخانا في الدين القويم المولوي عبد الحليم قد قرأ علي الجامع للامام الترمذي واصح الكتب بعد كتاب الله الجامع الصحيح لامير المؤمنين في الحديث الامام الهمام البخاري رحمهما الله تعالى وجد واجتهد فلما كان على وشك الرجوع الى الوطن استكتب مني هذه السطور وقد قرأتها على مسند الوقت شيخنا وشيخ الهند مولانا محمود حسن الديوبندي رحمه الله تعالى وقد قرأها على المحدث العارف مولانا محمد قاسم النانوتوي رحمه الله تعالى على الشيخ المهاجر حضرة الشاه عبد الغني الدهلوي باسناده المثبت في اليانع الجني والله يوفقه لما يحب ويرضى آمين

محمد انور عفا الله عنه
مدرس دار العلوم
ديوبند

السیح الجاری الی جنته البخاری ص۴ ج۱

عکسِ تحریر حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ
بنام حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

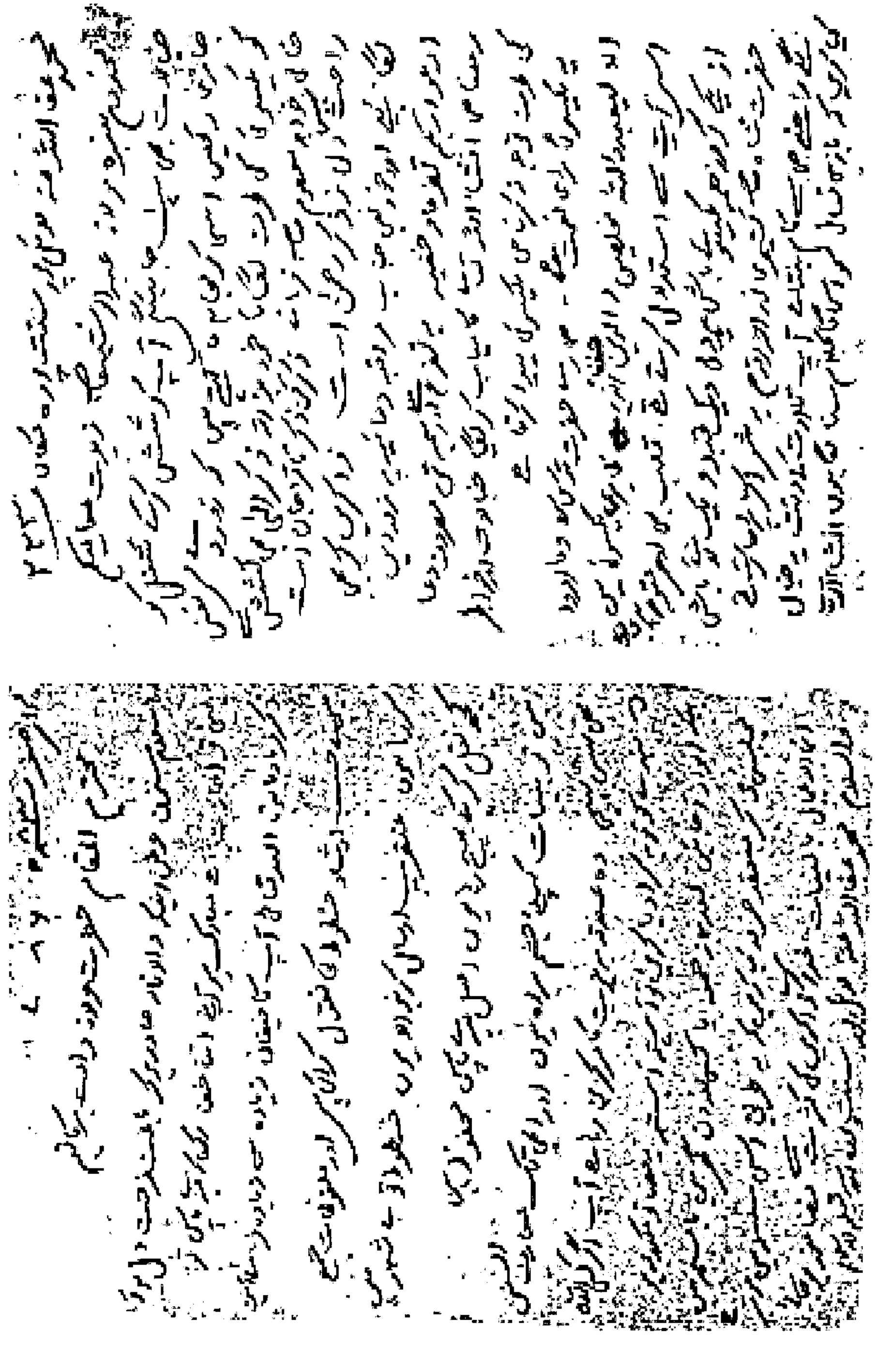

الحمد للہ

کہ

رسالہ کتاب مستطاب

المسمٰی بہ

انوارِ انوری

ولادت سنہ ۱۲۹۲ھ وفات سنہ ۱۳۵۲ھ

حصہ اوّل

تالیف

محمد عفا اللہ عنہ لائلپوری انوری قادری

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۶۸ء مطابق ۲۹ شوال سنہ ۱۳۸۷ھ

شائع گشت

یہ کتاب سب سے پہلے اس ٹائٹل کے ساتھ شائع ہوئی۔